البرہان القاطع

فی الرّد

علی المنھاج الواضح

(المعروف بہ)

میثم قادری

مصباحِ سنّت

بہ جواب

راہِ سنّت

(حصہ سوم و چہارم)

از قلم

محققِ وقت مناظرِ اہلسنّت

مفتی محمد عبدالمجید خاں صاحب سعیدی رضوی

صدر مدرس و مہتمم دار العلوم جامعہ سعیدیہ و جامعہ غوث اعظم رحیم یار خان

باہتمام

حضرت علامہ مظفر حسین شاہ قادری مدظلہ العالی

ناشر	قادریہ پبلشرز کراچی	کاظمی کتب خانہ رحیم یار خان

Title Design & Printed by: Al Raza Grafix & Printers Ph : 021-2215510, 0300-2358806

یا اللہ　　　بسم اللہ الرحمن الرحیم　　　یا رسول اللہ ﷺ

الصلوٰۃ و السلام علیک یا رسول اللہ

البرھان القاطع

فی الرد

علی المنھاج الواضح

﴿المعروف بہ﴾

مصباحِ سنّت

به جواب

راہِ سنّت

''جس میں مولوی سرفراز خان صفدر گکھڑوی کی کتاب راہِ سنّت کا مکمل ردِّ بلیغ کر کے کلیہ بدعت وغیرہا میں ان کی بے شمار علمی ٹھوکروں کی نشاندہی کی گئی اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ اہل وسنّت و جماعت پر ان کا بدعتی ہونے کا الزام ان کا محض بلا دلیل دعویٰ ہے جس کے ثابت کرنے میں وہ کلی طور پر ناکام رہے ہیں نیز یہ کہ اس کے اصل ملزم وہ خود ہی ہیں۔ اس کے علاوہ دیگر بیسیوں علمی مباحث بھی اس میں آگئے ہیں جو مطالعہ سے تعلق رکھتے ہیں''۔

از قلم

محقق وقت مناظر اہلِ سنّت

مفتی محمد عبدالمجید خاں صاحب سعیدی رضوی

صدر مدرس و مہتمم دار العلوم جامعہ سعیدیہ و جامعہ غوث اعظم رحیم یار خان

﴿ناشر﴾

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

اس کتاب کے جملہ محاصل مدرسہ قادریہ کے تحقیقی نشرواشاعت وتبلغی مصارف کے لیے وقف ہیں۔

کتاب	مصباحِ سنّت بجواب راہِ سنّت
مصنف	محقق العصر علامہ مفتی عبدالمجید خاں سعیدی رضوی
طباعت اوّل	۲۰۰۶ء
ہدیہ	۲۰۰ روپے

نوٹ: تصحیح کی حتی الامکان کوشش کی گئی ہے پھر بھی اغلاطِ کتابت سامنے آئیں تو مطلع فرمائیں [ادارہ]

﴿مراکز ترسیل﴾

ضیاء الدین پبلی کیشنز، نزد شہید مسجد، کھارادر، کراچی۔ فون: 2203464

مکتبہ غوثیہ، پرانی سبزی منڈی، محلّہ فرقان آباد، کراچی۔ فون: 4910584

کاظمی کتب خانہ، عقب جامعہ غوثِ اعظم داتا گنج بخش روڈ۔ رحیم یار خان: 068-5871361

سادات پبلی کیشنز، (پرگریسو بکس) اردو بازار لاہور۔ فون: 042-7352795

مکتبہ زاویہ، ۱۰۔ مرکز الاویس (ستا ہوٹل) دربار مارکیٹ۔ لاہور فون: 042-7113553

مکتبہ اہل سنت، برائٹ کارنر، نزد چاندی چوک۔ کراچی

مکتبہ رضویہ، گاڑی کھاتہ آرام باغ۔ کراچی

ضیاء القرآن پبلی کیشنز، انفال سینٹر، اردو بازار، کراچی: 2210212

قادریہ پبلشرز

5/A [illegible] کراچی: 7529937

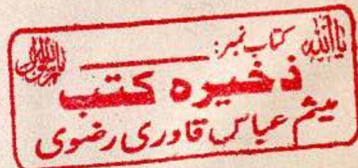
عرضِ ناشر

﴿طباعتِ اوّل﴾

ایک طویل عرصے سے اس بات کی ضرورت محسوس کی جارہی تھی کہ باطل فرقہ کی کتاب ''راہِ سنّت کا سطر بہ سطر جواب دیا جائے۔ مذکورہ کتاب کے مصنف نے کتاب لکھتے ہوئے ایک اصول مدِّ نظر رکھا کہ ''اتنا جھوٹ بولو کہ سچ کا گمان ہونے لگے'' کتنے بڑے ظلم کی بات ہے کہ میلاد شریف کا انعقاد تو بدعت قرار پائے لیکن دیوبندی مدارس میں افتتاح بخاری وختم بخاری کی محافل جائز قرار پائیں، جلسہ میلاد تو بدعت شنیعہ ٹھہرے لیکن دیوبندیوں کی سیرت النبی کانفرنس عین سنّت بن جائے، جلوس میلاد تو ناجائز ہو لیکن مدح صحابہ کا جلوس مباح وافضل ہوجائے۔

مولوی سرفراز گکھڑوی نے تلبیس، خلط مبحث اور تحریف کے زور پر معمولات اہلِ سنّت پر جو افتراء پردازی کی اور خصوصاً انوارِ ساطعہ اور جاء الحق پر جو اعتراضات کیئے، محقق اہلِ سنّت مناظرِ اسلام فیض یافتہ غزالی زماں حضرت علامہ مفتی عبدالمجید خان سعیدی رضوی دامت برکاتہم القدسیہ نے الحمدللہ، مصباح سنّت میں ان کے مسکت جوابات دیئے ہیں جس سے یہ حقیقت اظہر من الشّمس ہوگئی ہے کہ معمولاتِ اہلِ سنّت میں سے کوئی بھی مخالف ومتصادم سنّت نہیں ربّ قدیر آپ کی ذات بابرکات کو ہمارے لیے مزید فیض بخش اور نور بار بنائے اور آپ کی سعی جمیل کو اپنے دربار میں قبول فرما کر اجرِ عظیم عطا فرمائے آمین بجاہ النبی الامین۔

اراکین قادریہ پبلشرز



شرفِ انتساب

فقیر اپنی اس ناچیز کاوش کو اپنے استاذِ گرامی مخزن علم وفضل معدن تقویٰ وطہارت، جامع المعقول والمنقول،
مناظر اسلام، استاذ العلماء حضرت قبلہ مولانا علامہ
مفتی **محمد اقبال** صاحب سعیدی رضوی دامت برکاتہم العالیہ حال استاذ الحدیث جامعہ انوار العلوم ملتان
کے توسط سے اپنے
استاذ الاساتذہ مجمع البحرین، ماہر علوم وفنون عالیہ وآلیہ، فاتح رفض وخروج، مناظر اعظم شیخ القرآن
حضرت قبلہ مولانا علامہ **محمد منظور احمد** صاحب فیضی دامت فیوضہم ومد ظلہم
(بانی ومہتمم جامعہ فیضیہ رضویہ احمد پور شرقیہ)
کے نام نامی واسم گرامی سے منسوب ومعنون کر کے اسے آپ کی خدمت میں ہدیہ کرتا ہے
کیونکہ
یہ تالیف آپ ہی کے حکم پر عمل میں آئی (کماسیأتی)
ع گر قبول افتد زہے عز وشرف

عبد المجید سعیدی رضوی بقلمہ
مؤلف ہذا

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

فہرست عنوانات ومضامین کتاب ہٰذا

تم فهرس الجزء الثالث ویلیه الجزء الرابع ان شاء الله تعالیٰ والحمد لله والصلوٰة والسلام علیٰ رسول الله وعلیٰ آله وصحبه بدوام ملک الله

تقریظِ جمیل

فاتح رفض وخروج، مناظر اعظم، استاذ العلماء شیخ القرآن، عاشق مدینہ پیر طریقت
حضرت مولانا علامہ محمد منظور احمد صاحب فیضی دامت فیوضہم
بانی ومہتمم جامعہ فیضیہ رضویہ وجامعہ فیض الاسلام احمد پور شرقیہ

حامدا ومصلیا ومسلما اما بعد

حق و باطل، سیدنا آدم علیہ السلام و شیطان، موسیٰ علیہ السلام اور فرعون، امام الانبیاء ﷺ اور ابوجہل و ذوالخویصرہ تمیمی، حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور خوارج، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور روافض، امام تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ تعالیٰ اور ابن تیمیہ، امام کعبہ زینی بن دحلان رضی اللہ عنہ اور قرن الشیطان ابن عبدالوہاب نجدی، خاندان خیر آبادی اور مراد آبادی وملتانی عبیدی اور اسماعیل دہلوی، شیخ الاسلام والمسلمین امام احمد رضا رضی اللہ عنہ اور گستاخان رسول ﷺ، غزالی زماں سیدی وشیخی حضرت کاظمی صاحب وحکیم الامت مفتی احمد یار خاں علیہما الرحمۃ والرضوان اور سرفراز گکھڑوی کا ٹکراؤ چلتا آرہا تھا۔ جب فقیر نے سید المحرفین سرفراز کی کتب پر مواخذے کتاب ''مقام رسول ﷺ'' میں چھاپے تو سرفراز کو اپنی سابقہ تحریریں چھپانی پڑیں پھر لاہور اور ساہیوال کے علماء اہل سنّت نے مجھے فرمایا کہ سرفراز کی کتاب ''راہِ سنّت'' کا جواب لکھو۔ مگر مختلف امراض اور تبلیغی دوروں اور گوناگوں مصروفیت کی وجہ سے یہ کام معطل رہا۔ اب بحمداللہ تعالیٰ میرے شاگرد کے شاگرد عزیزم فاضل محتشم، محقق دوراں، کامل فی التدریس والتبلیغ والتحریر والتنظیم علامہ مفتی عبدالمجید خاں سعیدی زید رشدہ ومجدہ وقربہٗ فی حضرتہ کو اللہ تعالیٰ نے توفیق عطا فرمائی کہ انہوں نے ''راہِ سنّت'' کا تحقیقی جواب لکھنا شروع کیا ہے، اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ۔ اثبات حق وباطل کے لیے ہر سنّی کو اس کا مطالعہ بے حد مفید رہے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ فجزاہ اللہ خیرالجزاء۔

رقمہٗ منظور احمد الفیضی غفرلہٗ وعفی عنہ

تقریظِ منیف

سراپا تقویٰ وطہارت، جامع المعقول والمنقول، حاوی الفروع والاصول، مناظر اسلام، استاذ العلماء،
حضرت قبلہ مولانا علامہ **مفتی محمد اقبال** صاحب سعیدی رضوی مدّ ظلہ العالی
خلیفہ مجاز حضرت غزالیٔ زماں، استاذ الحدیث جامعہ انوار العلوم، ملتان

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی سیدالمرسلین وعلی آلہٖ وصحبہ اجمعین۔ نشھد ان لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ الذی ماترک شیئا یکون الی قیام الساعۃ من الحوادث الکونیۃ الابینھا ولا شیئا یکون الیٰ قیام الساعۃ من امور الشریعۃ الابینھا صلی اللہ علیہ وعلی الہ واصحابہ اجمعین۔

فقیر نے عزیز القدر مولانا مفتی عبدالمجید صاحب سعیدی کی کتاب ''مصباحِ سنّت'' بجواب ''راہِ سنّت'' کے بعض مقامات کا مطالعہ کیا جو اہلِ سنّت کے مخالفین کے جواب میں تحریر کی گئی ہے۔ دراصل مسئلۂ بدعت پر اہلِ بدعت نے اہلِ سنّت کے خلاف اس قدر شور مچایا ہے کہ کم علم لوگ اہلِ سنّت کو اہلِ بدعت اور اہلِ بدعت کو اہلِ سنّت سمجھنے لگے۔ پروپیگنڈہ باز سیاست کا یہ مقولہ مشہور ہے کہ جھوٹ کو اتنی بار بولو کہ سچ نظر آنے لگے اور اسی طرزِ عمل کو اپنا کر وہ لوگ اپنے آپ کو اہلِ سنّت کہنے لگے ہیں اور ہمیں بدعتی۔ اور اصل معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے اس لیے کہ یوں تو وہ بہت کچھ کہتے ہیں۔ لیکن جب ان کو بدعت کی تعریف کے لیے بلایا جائے تو اس کی کوئی جامع مانع ایسی تعریف نہیں کر پاتے جو رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہو کیونکہ اگر وہ تعریف رسول ﷺ سے ثابت نہیں تو پھر وہ تعریف خود انہیں حضرات کے نکتۂ نظر کے پیش نظر بدعت قرار پاتی ہے کیونکہ بدعت کی ایک تعریف وہ یہ کرتے ہیں کہ بدعت وہ کام ہے جو رسول اللہ ﷺ نے نہ کیا ہو۔ لیکن

مذکورہ بالا ان الفاظ سے تعریف کرنا بھی تو ایک کام ہے۔ کیا یہ کام رسول اللہ ﷺ نے کیا تھا؟

اگر کیا تھا تو اس کے بارے میں مستند حوالہ صحیح حدیث سے درکار ہے جو وہ آج تک نہیں لا سکتے۔ دراصل بدعت کی اصل تعریف وہ ہے جو رسول اللہ ﷺ کے ان کلمات کریمہ سے ظاہر ہے کہ آپ نے فرمایا: ان کل محدثة بدعة (مشکوٰۃ صفحہ ۳۰) یعنی ہر محدث بدعت ہے پھر یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ محدث کیا ہے؟ تو اس کے بارے میں سرکار کا ارشاد ہے من احدث فی امرنا هذا مالیس منه فھو رد (بخاری، مسلم شریف جلد دوم صفحہ ۷۷)

جس شخص نے ہمارے اس امر (احکام شریعت) میں کوئی ایسی چیز بڑھائی جو اس میں نہ تھی تو وہ (نیا حکم) رد ہے۔ اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ بدعت دراصل احکام شریعت میں تحریف کا نام ہے۔ یعنی جو حکم شرعی کسی دنیوی یا دینی چیز کے بارے میں شریعت میں قرار دیا گیا اس کی بجائے اپنی طرف سے کوئی حکم لگانا یا اس غلط حکم کو صحیح اعتقاد کرنا محدث ہے۔ اور ہر محدث بدعت ہے۔ اس امر میں دینی یا دنیوی کام کو کوئی فرق نہیں اللہ تعالیٰ نے دین یا دنیا کے ہر کام کے بارے میں کوئی نہ کوئی شرعی حکم بھیجا ہے اور شرعی احکام یہ ہیں۔ فرض، واجب، سنّت مؤکدہ (اور سنّت غیر مؤکدہ، مستحب) اور اولیٰ، اور حرام، مکروہ تحریمی، اسائت (اور مکروہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ) اور مباح۔

کائنات میں جتنی چیزیں ہیں ان کے استعمال یا عدم استعمال اور جتنے عقیدے ہیں ان کے ماننے یا نہ ماننے اور جتنے امور شرعیہ ہیں ان کے کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں کوئی نہ کوئی حکم شرعی ان احکام میں سے موجود ہے جو دلائل شرعیہ اربعہ کے عموم یا خصوص سے ثابت ہوگا۔ قرآن وحدیث کے علاوہ عقائد اور فقہ کی کتابوں کے طویل وعریض دفتر ہمارے اس دعویٰ کے سچے گواہ ہیں بلکہ حدیث شریف میں ہے عن سلمان قال قیل له قد علمکم نبیکم ﷺ کل شئی حتی الخراۃ؟ قال فقال اجل (مسلم شریف جلد اوّل عربی صفحہ ۱۳۰)

حضرت سلمان فارسی سے روایت ہے آپ نے فرمایا کفار نے آپ سے کہا کہ تمہارے نبی ﷺ تمہیں ہر چیز بتاتے ہیں یہاں تک کہ رفع حاجت کا طریقہ بھی بتاتے ہیں؟ آپ نے جواب دیا "ہاں"، یعنی ہمیں حضور ﷺ ہر چیز بتاتے ہیں؟ یہاں تک کہ پاخانہ کرنے کا طریقہ بھی بتاتے ہیں؟ (مسلم شریف جلد اوّل صفحہ ۱۳۰)

تو ثابت ہوا کہ کائنات کے جتنے امور ہیں وہ صحابی کے اس اقراری بیان "کل شی" میں داخل ہیں۔ چاہے ان امور کا ظہور اس زمانے میں ہوا تھا یا نہیں اور وہ امور اب ظاہر ہوئے یا اب سے تھوڑا یا زیادہ عرصہ

پہلے احکام بہرصورت ہر چیز کے پہلے سے دے دیئے گئے۔ اگر وہ فعل فرض ہے تو اسے حرام یا مکروہ کہنے والا محدث کا قائل ہو کر بدعتی ہے اور اگر وہ مثلاً حرام ہے تو اسے فرض واجب وغیرہ کہنے والا بھی خود بدعتی ہوگا اسی طرح اگر کوئی فعل مباح ہے تو اس کا کرنے والا بدعتی نہیں ہوگا۔ لیکن اسے فرض سمجھنے والا بدعتی ہوگا۔ چاہے وہ یہ فعل کرے یا نہ کرے اگر وہ اپنے فعل کو فرض وغیرہ نہیں سمجھتا لیکن کوئی دوسرا اس کے فعل کو حرام کہتا ہے تو وہ بھی بدعتی ہوگا۔

اہلِ سنّت و جماعت کے وہ معمولات جن پر بدعت کا طعنہ کسا جاتا ہے ان میں سے بعض سنّت سے ثابت ہوتے ہیں اور منکر کو پتہ نہیں ہوتا اور بعض مستحب ہوتے ہیں اور بعض مباح۔ اہل سنّت کے علماء ان احکام میں تبدیلی نہیں کرتے بلکہ بتا دیتے ہیں کہ یہ امر مباح ہے یا مستحب۔ فرض، واجب ہرگز نہیں۔ اس لیے ہمارے ان افعال پر بدعت کا فتویٰ غلط ہوگا۔ رہے ہمارے عوام، عوام کسی طبقے کے بھی حجت نہیں ہوتے۔ علماء جب کسی بات کی تصریح کر رہے ہوں تو پھر عوام کا اس کے خلاف بالفرض کوئی عقیدہ ہو بھی تو وہ ان افراد کی غلطی ہوئی مگر پورے مسلک اہل سنّت کی غلطی نہ ہوگی۔ لیکن اس کے برعکس اس مباح فعل کو یا اس مستحب فعل کو کوئی شخص حرام یا مکروہ تحریمی کہتا ہے تو وہ یقیناً محدث فعل کا مرتکب ہے اور اسی کو بدعتی کہیں گے۔ ہماری اس تشریح کی روشنی میں ثابت ہو گیا کہ اہلِ بدعت دراصل وہ علماء ہیں جو ان افعال کو جو اپنی اصلیت میں جائز یا مستحب تھے یا بلکہ ترک اولیٰ بلکہ مکروہ تنزیہی تک کیوں نہ تھے انہیں حرام یا مکروہ تحریمی کہا ہے۔ فریق مخالف کے عوام تو کسی قطار میں نہیں۔ بات تو علماء کی ہے جو جہاں کہیں بیٹھتے ہیں ان امور کو حرام یا مکروہ تحریمی کہتے ہیں۔ ثابت ہوا کہ پکے بدعتی وہی ہیں لیکن اس دور کا المیہ ہے کہ سینہ تان کر ہم سے کہتے ہیں کہ تم ہی بدعتی ہو۔ ہاں صحابہ کرام کے اقوال میں کبھی کبھی کسی ایک آدھ صحابی کے قول سے احتمال پیدا کیا جاتا ہے کہ شاید وہ ہر اس کام کو بدعت کہتے ہوں جو رسول اللہ ﷺ نے نہ کیا ہو۔

لیکن سیدنا ابوبکر، سیدنا عمر اور سیدنا زید بن ثابت اور ان کے زمانے کے تمام دیگر صحابہ کے اتفاق سے اس بات کو مسترد کیا گیا کہ جو کام رسول اللہ ﷺ نے نہ کیا ہو وہ اگر اچھا بھی ہو تو نہ کیا جائے۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ حفاظ صحابہ شہید ہو رہے ہیں آپ قرآن پاک لکھوا کر رکھیں۔ تو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جواب میں یہ فرمایا کہ جو کام رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا وہ میں کیسے کروں۔ جب کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بار بار اصرار کرتے رہے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی اس کے قائل ہو گئے۔ تو پھر زید بن

ثابت کو بلایا کہ آپ قرآن مجید کو ایک کتاب کی شکل میں جمع کریں۔ زید بن ثابت نے بھی وہی بات کہی کو جو کام رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا تو میں کیسے کروں۔ پھر ان کا دل بھی کھل گیا اور وہ بھی اس پر آمادہ ہو گئے۔ (بخاری شریف جلد دوم عربی صفحہ ۷۴۵)

بہر حال ان تین حضرات نے اس بات کو مسترد کر دیا کہ جو کام رسول اللہ ﷺ نے نہ کیا ہو وہ نہ کیا جائے اب اگر کسی اور صحابی کا قول اس کے خلاف آتا ہے تو مذکورہ بالا اتفاق شیخین کے خلاف ٹھہرتا ہے۔ لہٰذا اس کا پیش کرنا صحیح نہ ہوگا اس زمانے کے اہل بدعت میں سے ایک شخص نے اپنے پروپیگنڈے کے تسلسل کو جاری رکھتے ہوئے ایک کتاب المعروف راہِ سنّت لکھی جو مغالطہ آفرینیوں سے بھرپور تھی۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے عزیزی علامہ مفتی عبدالمجید صاحب سعیدی (متع اللہ المسلمین بطول حیاته ونشر علمه) کو جنہوں نے اس کتاب کا ردِّ بسیط لکھا ہے اور فریق مخالف کے دلائل کو مکڑی کے جالے سے بھی زیادہ کمزور ثابت کیا اور ان کے تار و پود کو بکھیر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ موصوف کے علم و عمل میں آپ کی تصنیفی اور تدریسی اور کتابی نیز مناظرانہ خدمات میں بے حد برکت عطا فرمائے۔ اور برکتوں میں ہر آن مزید برکتیں بڑھاتا رہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے انوار و تجلیات کے فیوض ہر آن ان پر وارد ہوتے رہیں۔ ان کے کھلے اور چھپے مخالفین کو اللہ تعالیٰ ہر آن اپنی قوت اور قدرت سے شکست دیتا رہے۔ اللہ تعالیٰ مفتی صاحب کو حاسدین، ساحرین اور ماکرین کے مکاید اور شرارتوں سے اپنے حفظ و امان میں رکھے اور نظر بد سے بچائے۔ اللہ تعالیٰ انہیں شر شیطان سے بچائے۔ مولانا کو اللہ تعالیٰ ہر آن تقویٰ، سعادت اور ہدایت پر چلائے ان کی اولاد اور تلامذہ کو سات پشتوں تک بلکہ اس سے بھی آگے تقویٰ و سعادت کے ساتھ نشر دین کی بیش از بیش توفیق عطا فرمائے۔

اللھم آمین۔ یا حی یاقیوم برحمتک استغیث لاالہ الا انت آمین ببرکة سیدالمرسلین خاتم النبیین وبرکة اله واصحابه صلی اللہ علیه وٰاله وصحبه اجمعین والحمدللہ رب العلمین۔

قاله بفمه وامر برقمه الفقیر الیٰ ربه

محمد اقبال عفی اللہ عنہ

تقریظ جلیل

محسن اہل سنّت، صاحب تصنیف کثیرہ انیقہ، بقیۃ السلف، زبدۃ الاصفیاء، رئیس القلم، استاذ العلماء
حضرت علامہ مولانا عبدالحکیم صاحب شرف قادری دامت برکاتہم
شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

مولوی ابوالزاہد محمد سرفراز دیوبندی مکتب فکر کے ترجمان، شیخ الحدیث اور متعدد کتب کے مصنف ہیں، ان کے مطالعہ اور جستجو کا محور اور زندگی بھر کا حاصل یہ ہے کہ میرے نبی کو فلاں غیب کا علم نہیں تھا اور فلاں چیز کا اختیار نہیں تھا، انہوں نے پوری زندگی اہلِ سنّت و جماعت (جنہیں وہ بریلوی کہتے ہیں حالانکہ بریلوی کوئی مذہب یا مسلک نہیں ہے) کے خلاف خامہ فرسائی کی ہے اور اس کا انہیں حق ہے جس پر کوئی قدغن نہیں لگا سکتا۔ لیکن اس سوچ پر بھی تو پابندی عائد نہیں کی جاسکتی کہ یہ اپنی اپنی قسمت کی بات ہے کہ ایک طبقہ قرآن و حدیث کا مطالعہ اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کی وسعت علمی اور وسعت اختیار ثابت کرنے کے لیے کرتا ہے اور دوسرا طبقہ یہ ثابت کرنے کے لیے سالہا سال صرف کر دیتا ہے کہ میرے نبی کو فلاں چیز کا علم نہیں تھا اور فلاں چیز کا اختیار نہیں تھا۔

کیا یہ عجیب بات نہیں ہے کہ انہیں توضیح میں صدر الشریعہ امام عبیداللہ ابن مسعود کی یہ بات نظر آجاتی ہے کہ (ولم یظهر احدا من خلقه علیها) یعنی اللہ تعالیٰ نے متشابہات اور اسرار پر مخلوق میں سے کسی کو تسلط اور یقینی علم عطا نہیں فرمایا۔ لیکن اسی توضیح کے متن کی تنقیح میں یہ عبارت نظر نہیں آتی ولا نه اسبق الناس فی العلم و انه یعلم المتشابه والمجمل [فصل فی الوحی ص ۴۸۶]

نبی اکرم علم میں تمام انسانوں کے آگے ہیں اور یہ کہ آپ متشابہ اور مجمل کو جانتے ہیں، کیا قسم کھا رکھی

ہے ہم نے کہ ہر اس تحریر سے آنکھ بند کر لینی ہے جس سے عظمت مصطفیٰ ﷺ ثابت ہوتی ہو؟

گکھڑوی صاحب کی کتاب ''راہِ سنّت'' وہ ہے جس میں انہوں نے اہلِ سنّت و جماعت کے معمولات مثلاً محفل میلاد، عرس اور دعا بعد از جنازہ وغیرہ کو بدعت قبیحہ قرار دے کر ہدف تنقید بنایا ہے۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطاء فرمائے فاضل نوجوان مولانا علامہ مفتی عبدالمجید خان سعیدی رضوی مہتمم جامعہ سعیدیہ و جامعہ غوثِ اعظم رحیم یار خان کہ انہوں نے ''راہِ سنّت'' کے جواب میں ''مصباحِ سنّت'' کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے جس کے چند ابتدائی صفحات دیکھنے کا راقم کو موقع ملا ہے، فاضل علامہ مولانا مفتی عبدالمجید خان سعیدی رضوی دو درجن سے زیادہ کتب کی مصنف ہیں، ان کی تصانیف متانت، شائستگی اور مطالعہ کا منہ بولتا ثبوت شاہکار ہیں۔ ان کی یہ تصنیف بھی دیگر تصانیف کی طرح مسلک اہلِ سنّت و جماعت کی حقّانیت کو آشکار کر دے گی اور مخالفین کے دام تزویر کے تار و پور بکھیر دے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

مولائے کریم حضرت مصنف کے علم و اخلاص میں مزید برکتیں عطا فرمائے۔ آمین۔

محمد عبدالحکیم شرف القادری
مکتبہ قادریہ دربار مارکیٹ
لاہور

تقریظِ انیق

تلمیذ رشید غزالیٔ زماں،بقیۃ السلف، پیر طریقت، رہبر شریعت شیخ الاسلام
حضرت مولانا علامہ میاں **فتح محمد** صاحب قادری مدظلّہ العالی
سجادہ نشین آستانہ عالیہ فتحیہ قادریہ و مہتمم جامعہ فتحیہ جامع مسجد حضرت حافظ صاحب علیہ الرحمۃ
جلال پور پیروالا، ضلع ملتان

ذوالمجد والکرم فاضل محترم علامۃ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالمجید سعیدی صاحب دامت عنایتکم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مزاج گرامی؟

نوازش نامہ موصول ہو کر کاشفِ حال ہوا۔ آپ کی نئ مطبوعہ کتاب ''مصباح سنّت'' بالاستیعاب پڑھی قلبی مسرت ہوئی۔ جس طرح جناب والا نے مسلکِ حقّہ اہل سنّت کی ترجمانی فرمائی وہ قابلِ صد تحسین ہے۔ خصوصاً دشمنان رسول ﷺ کی ہرزہ سرائی کے خلاف آپ کے قلمی جہاد نے حق و باطل میں واضح تفریق کی نشاندہی کی ہے، یہ صرف آپ کا طرۂ امتیاز ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے حسن تحریر میں (جو واقعی اپنے اسلوب تحریر سے مزیّن ہوتی ہے) بلندی عطا فرمائے۔ آمین۔

آپ نے ہمیشہ تصرّف و تحریف سے ہٹ کر حقیقت کو موضوع بنایا ہے اور کما حقہ، وقت کی ضرورت کے پیش نظر کتاب مستطاب ''مصباح سنّت'' کو تحریر کر کے دراصل روحِ مصطفٰی ﷺ کی خوشنودی حاصل کی ہے جب بھی کسی مخالف نے مسلمانوں کو بہکانے کی کوشش کی تو علماءِ حق نے باطل کے طلسم کو توڑ دیا۔

دعا ہے کہ مولائے کریم آپ کے علم و عمل میں ترقی عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ

فقط **فقیر فتح محمد قادری**
مسجد شریف حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

﴿باب دوم کا محاسبہ﴾

اس کے بعد گکھڑوی صاحب نے اپنی اس کتاب (نام کی راہِ سنّت) کے باب دوم کا آغاز کیا ہے جس کے ابتدائی الفاظ اس طرح سے ہیں۔ ''**باب دوم بدعت لغوی اور شرعی کی تعریف**' اس کی اقسام اور اس کے احکام کے بیان میں''، ملاحظہ ہو (راہِ سنّت' صفحہ ۹۶)

اس سے ان کا جو مقصد ہے وہ ان کے قائم کردہ اس عنوان کے مذکورہ لفظوں سے بھی ظاہر ہے کہ وہ اس باب میں اس بدعت کی جامع تعریف (اپنی اس کتاب کے باب اوّل میں اپنے مقرر کردہ معیار دلائل سے) منقح بیان کریں گے کہ شریعتِ مطہرہ نے جس کی مذمّت فرمائی اور اس سے اجتناب کرنے کا حکم دیا ہے لیکن وہ اس میں بہت بُری طرح ناکام رہے ہیں۔ پس اس سلسلہ میں انہوں نے جن امور کو مستقل یا ضمنی طور پر مبحث فیہ بنا کر ان پر طبع آزمائی اور خامہ فرسائی کی ہے اور اہلِ سنّت پر جتنے اعتراضات اٹھائے ہیں۔ ان کے حسبِ معمول ترتیب وار، تر کی بہ تر کی جوابات حسبِ ذیل ہیں۔ وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیبُ۔

اتباعِ رسول کی اہمیّت نیز بدعت اور اہلِ بدعت کی مذمّت کے حوالہ سے اعتراض کا جواب:-

حسبِ بالا عنوان باب کے قائم کرنے کے بعد اور مباحث بدعت کے سپرد قلم کرنے سے پہلے گکھڑوی صاحب نے ایک تمہید بھی باندھی ہے جس کا لبِّ لباب یہ ہے کہ اتباعِ رسول ﷺ بہت اہم اور مطلوبِ شرع ہے نیز بدعت اور اہلِ بدعت انتہائی مذموم ہیں جن سے اجتناب کرنے کی شریعتِ مطہرہ نے سخت تاکیدیں فرمائی ہیں۔ چنانچہ ان کے لفظ ہیں:-

''آنحضرت ﷺ نے شرک کے بعد جس طرح بدعت اور اہلِ بدعت کی تردید فرمائی ہے شاید ہی کسی اور چیز کی ایسی تردید فرمائی ہو اور حقیقت بھی یہی ہے کیونکہ بدعت سے دین کا اصلی حلیہ اور

صحیح نقشہ بدل جاتا ہے اور اصل و نقل اور حق و باطل میں کوئی تمیز نہیں رہتی ...... اللہ تعالیٰ نے جناب نبی کریم ﷺ کو کامل اور مکمل نمونہ بنا کر ہمیں ہر کام میں (جو آپ کی ذات کے ساتھ مخصوص نہ ہو) آپ کی اتباع اور پیروی کرنے کا حکم دیا ہے اور ہمیں اپنی مرضی پر ہرگز نہیں چھوڑا''۔

(اس مقام پر گکھڑوی صاحب نے بعض قرآنی آیات اور بعض روایات بھی پیش کی ہیں پھر مزید لکھا ہے)

''یہی وجہ ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے اہلِ بدعت کو تمام کائنات کی لعنت کا مستحق قرار دیا ہے اور ان کی تعظیم و توقیر کرنے سے منع کیا ہے اور ان کی تمام عبادات کو بے کار فرمایا ہے تاوقتیکہ وہ اپنی بدعت سے باز آجائیں اور نیز فرمایا کہ اہل بدعت کو توبہ تک نصیب نہیں ہوتی'' ...... ''بدعت اور بدعتی کی تردید اور مذمّت کے لیے اس سے بڑھ کر اور سخت الفاظ کیا ہو سکتے ہیں جو جناب رؤف و رحیم اور رحمۃ للعلمین ﷺ کی زبان پاک سے نکلے ہیں'' ...... ''بدعت ایسی قبیح، بری اور منحوس چیز ہے کہ انسان کے دل میں فطری طور پر جو نورانیت اور صلاحیّت ہوتی ہے، بدعت اس کو بھی ختم کر دیتی ہے اور اس کی نحوست کا یہ اثر ہوتا ہے کہ توبہ کی توفیق ہی نہیں ہوتی۔ اور عقلی طور پر بھی یہ بات بالکل درست ہے اس لیے کہ جب بدعتی، بدعت کو کارِ ثواب سمجھ کر کرتا ہے تو اس سے وہ توبہ کیوں کرے گا؟ توبہ تو گناہوں اور جرائم پر کی جاتی ہے نہ نیکیوں پر۔ کوئی مسلمان نماز پڑھ کر اور روزہ رکھ کر یہ نہیں کہتا۔ اے اللہ میری نماز اور روزہ سے توبہ۔ بدعتی نے توبہ کا دروازہ اپنے اوپر اسی وقت بند کرا دیا ہے جس وقت کہ اس نے بدعت کو کارِ ثواب سمجھا ہے''۔ (اس ضمن میں گکھڑوی صاحب نے مذمّت، بدعت کی کچھ روایات بھی پیش کی ہے) اھ ملخّصاً بلفظہٖ ملاحظہ ہو [راہِ سنّت صفحہ ۶۹، ۷۱، ۷۳]

اقولُ:۔ گکھڑوی صاحب کی یہ تقریر قطعاً ہمارے خلاف نہیں کیونکہ اتباعِ رسول ﷺ ہو، یا بدعت شرعیہ کے مذموم ماننے کا مسئلہ ہو؟ ہم ان کے، گکھڑوی صاحب اور ان کی جماعت کی طرح محض زبانی جمع خرچ کے طور پر نہیں بلکہ بفضلہٖ تعالیٰ و بکرم نبیہ المصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء دل و جان سے قائل ہیں۔ لہٰذا ان کے متعلق انہوں نے جتنی آیات اور احادیث و آثار پیش کیے ہیں وہ بھی ہمارے خلاف نہیں اس لیے ان میں سے کسی کا جواب بھی ہمارے ذمّہ نہیں بلکہ یہ خود گکھڑوی صاحب اور ان کی جماعت کے خلاف ہیں کیونکہ مبتدعانہ عقائد و نظریات اور بدعی معمولات کے حامل درحقیقت وہ خود ہی ہیں اور ان کا الٹا ہمیں اہلِ بدعت قرار دینے کا واویلا

محض اپنا جرم چھپانے کی غرض سے اور چور مچائے شور کے قبیل سے ہے۔

بالفاظ دیگر بدعت اور اہلِ بدعت کی تردید کی ان کی پیش کردہ ان آیات واحادیث اور آثار کی ز
میں محض وہی آئے گا جو واقع میں بدعتی ہوگا جس سے اہلِ سنّت قطعاً بَری اور گکھڑوی صاحب نیز ان کے ہم
عقیدہ لوگ سوفی صد ملوّث ہیں۔ تفصیل اپنے مقام پر (بدعت کی تعریف کی بحث میں) آرہی ہے انشاء الل
تعالیٰ۔ جبکہ ہمیں بدعتی قرار دینے کا ان کا دعویٰ بلا دلیل اور بالکل خلافِ واقعہ ہے جس کی سب سے بڑی دلیل
یہ ہے کہ وہ اتنا بڑا دعویٰ کرنے کے باوجود اس کے ثابت کرنے میں کلّی طور پر ناکام رہے ہیں اور اس سلسل
میں انہوں نے جو نام کے دلائل پیش کیے ہیں وہ فی الحقیقت سب مغالطات اور اصول سے انحرافات پر مب
ہیں۔ پس ان کا ہمیں اہلِ بدعت کہنا ان کی ہمیں گالی ہی نہیں بہت بڑی گالی ہے کیونکہ وہ خود لکھ چکے ہیں ہ
کہ شرک کے بعد جس امر کی آپ ﷺ نے سخت تردید فرمائی ہے وہ بدعت اور اہلِ بدعت ہیں

ع ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہو ویسی سنو۔

بحثِ ہٰذا کے بعض ضمنی مباحث

اجر و ثواب نیز عذاب وعقاب کے مقرر کرنے کا اختیار:- گکھڑوی صاحب لکھتے ہیں:-

''یہ بات بھی ملحوظِ خاطر رہے کہ کسی امر کے باعث ثواب اور موجب عذاب ہونے کا فیصلہ صرف باری تعالیٰ کا کام ہے اور اس کو لوگوں تک پہنچانا اور بیان کرنا نبی اور رسول کا کام ہے' اپنی مرضی اور خواہش سے کسی چیز کا کارِ ثواب اور کارِ عتاب کہنے والا گویا دراصل اپنے لیے منصب الوہیت اور رسالت تجویز کرتا ہے'' (عیاذاً باللہ تعالیٰ) اھ بلفظہٖ

اقولُ:- گکھڑوی صاحب اپنی اس عبارت میں ضمنی طور پر خداداد اختیار رسول ﷺ کا بھی انکار کر گئے ہیں جس
کی جتنی مذمّت کی جائے اتنی ہی کم ہے اور اس کے غلط ہونے کے لیے اتنا بھی کافی ہے کہ وہ اپنے اس دعویٰ ک
دلیل کے لانے میں عاجز رہے ہیں اور انشاء اللہ عاجز ہی رہیں گے۔ اگر آپ ﷺ بھی اس میں شامل ہیں
آپ ﷺ نے جن بیسیوں امور کے کارِ ثواب اور ایسے ہی بے شمار امور کو کارِ عقاب قرار دیا ہے' ان میں سے
ایک کے متعلق خصوصی وحیٔ صریح ہونے کی کیا دلیل ہے؟ جب کہ اجتہادات نبی ﷺ بھی ایک حقیقتِ ثا

ہیں جس سے خود گکھڑوی صاحب کو انکار نہیں؟ اس کی مکمل تفصیل راہِ سنّت کے باب اوّل کے عنوان ''قانون سازی کا منصب کس کو حاصل ہے'' کے جواب میں ہماری اس کتاب (مصباحِ سنّت بجواب راہِ سنت) کے جلد دوم میں گزر چکی ہے جس کے اعادہ کی حاجت نہیں۔ دلچسپی رکھنے والے حضرات اسے ادھر ملاحظہ فرمائیں۔ باقی اگر ''اپنی مرضی اور خواہش سے'' الخ کے لفظوں سے بغیر اذنِ الٰہی نفی ہو تو یہ ہمارے خلاف نہیں کیونکہ ہم خصوصیت کے ساتھ آپ ﷺ کے لیے محض تحت مشیّت اور باذن الٰہی ہی اختیار کے قائل ہیں (ومن ادّعیٰ بخلافہٖ فلیأت ببرھانہٖ علی زعمہٖ ثم علینا ردّہ بفضلہٖ ببرکۃ نبیہٖ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وصحبہٖ)

گکھڑوی جہالات:-

اس مقام پر گکھڑوی صاحب نے پارہ نمبر ۲۱ کی سورۂ احزاب کی آیت کریمہ لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ لِّمَنْ کَانَ یَرْجُوْا اللہَ وَالْیَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَکَرَ اللہَ کَثِیْرًا'' مکمل نقل کر کے اس کا اردو ترجمہ اس طرح لکھا ہے:-

''البتہ تمہارے لیے بھلی ہے چال اور نمونہ رسول اللہ اس لیے جو کوئی امید رکھتا ہے اللہ تعالیٰ کی اور آخرت کے دن کی'' اھ بلفظہٖ ملاحظہ ہو [راہِ سنّت صفحہ ۶۹ آخری دو سطریں نیز صفحہ ۷۰ پہلی سطر]

اقول:- گکھڑوی صاحب نے اس چھوٹے سے جملہ میں کئی اغلاط کا ارتکاب کیا ہے جو ان کے علمی یتم کی روشن دلیل ہے۔ چنانچہ آیت کریمہ (۱) کے حوالہ کے لیے انہوں نے سورۃ احزاب کا ''رکوع نمبر ۲'' لکھا ہے ملاحظہ (راہِ سنّت صفحہ ۷۰) جب کہ صحیح رکوع نمبر ۳ ہے جو اگر غلط کتاب نہیں تو انتہائی تعجب خیز ہے۔ علاوہ ازیں (۲) وہ اس میں آیت کے الفاظ ''وذکر اللہ کثیرا'' کا ترجمہ بالکلیہ چھوڑ گئے ہیں۔ نیز آیت (۳) میں فِیْ رَسُوْلِ اللہِ کے الفاظ ہیں جب کہ ترجمہ میں وہ فِیْ کو بھی نظر انداز کر گئے ہیں۔ ان کے لفظ ہیں ''تمہارے لیے بھلی ہے چال اور نمونہ رسول اللہ'' (۴) نیز آیت میں اُسْوَۃٌ کا لفظ حسنۃ کا موصوف ہو کر کَانَ کا اسم واقع ہے مگر گکھڑوی صاحب نے ترجمہ میں اُسْوَۃٌ کو رَسُوْلِ اللہِ کے الفاظ کی طرف مضاف بنا کر پیش کیا ہے جو ان کی مزید دو جہالتوں کا مجموعہ ہے (۵) ایک یہ کہ اگر اُسْوَۃٌ کا مضاف ہونا درست ہے تو اس پر تنوین کیونکر ہے۔ (۶) دوسرے یہ کہ لفظ رَسُوْلُ اس کا مضاف الیہ ہونے کے باوجود مرفوع کیوں ہے اور مجرور کیوں نہ ہوسکا؟ علاوہ ازیں لفظ اُسْوَۃٌ کو ''چال'' کے معنیٰ میں لینا بھی مضحکہ خیز امر ہے کیونکہ آیت میں چلنے کا تعلق ''لَکُمْ'' کے مخاطبین سے ہے ورنہ

ترجمہ بنے گا کہ تمہارے لیے ''رسول اللہ'' کی ذات میں ''بھلی چال ہے''، جس کا ضعف ظاہر ہے جو محتاجِ بیان نہیں۔

مزید جہالت اور شقاوت وبدعت:-

مزید گکھڑوی صاحب نے اس مقام پر پ۳ کی سورۂ آلِ عمران رکوع نمبر۴ کی آیت کے الفاظ قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ کا اردو ترجمہ اس طرح لکھا ہے:-

''اے محمدؐ! آپ اعلان کردیں کہ اگر تم محبت رکھتے ہو اللہ تعالیٰ سے تو میری اتباع اور پیروی کرو تا کہ محبت کرے تم سے اللہ تعالیٰ اور بخشے گناہ تمہارے''اھ بلفظہٖ ملاحظہ ہو [راہِ سنّت، صفحہ ۷۰]

اقول:- گکھڑوی صاحب نے ترجمہ ہٰذا میں حضور نبی کریم کے اسمِ گرامی کے ساتھ پورا درود لکھنے کی بجائے ؐ کا نشان دینے پر اکتفا کیا ہے جو ان کے پیش رو تبلیغی نصاب کے مؤلف مولوی زکریا سہارن پوری کے حسب تصریح کاہلی اور جہالت ہے (حیث قال ''پورا درود لکھے اور کاہلوں اور جاہلوں کی طرح سے صلعم وغیرہ الفاظ کے ساتھ اشارہ پر قناعت نہ کرے'') ملاحظہ ہو [تبلیغی نصاب، صفحہ ۶۸۷، طبع مکتبہ امدادیہ ملتان]

علاوہ ازیں ان کا اس طریقہ سے درود لکھنا خود ان کے حسبِ اصول بدعت بھی ہے ورنہ وہ اپنے مقرر کردہ معیار دلائل سے اس کا مشروع ہونا ثابت کریں۔ دیدہ باید۔ نیز قُلْ کا معنیٰ انہوں نے لکھا ہے ''آپ اعلان کردیں'' جو نئی دریافت اور لغوی دنیا میں یقیناً گکھڑوی صاحب کا اضافہ ہے کیونکہ اِعْلَانَ خود عربی زبان کا لفظ ہے۔ جو قُل کے مادّہ قَوْلٌ سے ہٹ کر ہے۔ پس القول بمعنیٰ گفتن کی بجائے اعلان کردن ان کا بہت بڑا علمی کارنامہ ہے۔

مزید سنیے یُحْبِبْکُمُ کا ترجمہ انہوں نے لکھا ہے:- ''تا کہ محبت کرے تم سے اللہ تعالیٰ'' وَ یَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ کا ترجمہ یوں کیا ہے: ''اور بخشے گناہ تمہارے''۔

جو ان کی مزید شدید جہالات ہیں کیونکہ آیت میں کوئی ایسا لفظ نہیں جس کا معنیٰ ''تا کہ'' ہو وبطریق اٰخر: یُحْبِبْکُمُ کا جملہ فَاتَّبِعُوْنِیْ کا جواب واقع ہے جب کہ جواب میں تا کہ کے لفظوں کو لانا نہایت درجہ غلط ہے۔ چنانچہ ان الفاظ کے تحت تفسیر روح المعانی میں ہے: (یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ) جواب الامر وھو رأی الخلیل واکثر المتاخرین علیٰ ان مثل ذٰلک جواب شرط مقدر ای ان تتبعونی یحببکم ای یقربکم''اھ ملاحظہ ہو [جلد۲ پ۳ صفحہ ۱۲۹، طبع مکتبہ امدادیہ ملتان]

اسی نہج پر اُن کا وَیَغفِر ' کے الفاظ کو رکھ کر یہ ترجمہ کرنا کہ اور بخشے گا گناہ تمہارے ان کی مزید جہالت ہے کیونکہ یغفر یُحبِبُ کا معطوف ہو کر اسی کی نہج پر جواب امر یا جزاء شرط ہے۔ پھر ان الفاظ میں وہ لکُم کا ترجمہ بھی صاف طور پر چھوڑ گئے ہیں جو ان کی ایک اور جہالت ہے۔

خودساختہ کلیّۂ بدعت سے دست برداری:-

گکھڑوی صاحب نے اس مقام پر صحیح مسلم، جلد ا صفحہ ۲۸۵ کے حوالہ سے حدیث ''امّا بعد فان خیر الحدیث کتاب اللہ وخیر الھدی ھدی محمد صلی اللہ علیہ وسلم وشر الامور محدثا تھا وکل بدعة ضلالة ''نقل کر کے اس کے حوالہ سے لکھا ہے:- ''آپ کے اس بہترین اُسوہ اور ہدی وسیرت کی اتباع کا نام سنت اور خلاف ورزی کا نام بدعت ہے'' (نیز لکھا ہے) ''اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے اپنی ہدیٰ اور سیرت کا بدعت سے تقابل کر کے یہ بات واضح کر دی ہے کہ آپ کی سیرت اور نمونہ کے خلاف جو کچھ ایجاد کیا جائے گا وہ سب بدعت ہوگا اور ہر بدعت گمراہی ہے''۔اھ بلفظہ ملاحظہ ہو [راہِ سنّت، صفحہ ۷۰]

اقولُ:- اس سے گکھڑوی صاحب نے اپنے مقرر کردہ معیارِ بدعت کی بقلم خود نفی اور تغلیط کر دی ہے کیونکہ وہ اپنی اسی کتاب (کے صفحہ ۶۷ وغیرہ) میں لکھ چکے ہیں کہ بدعت وہ امر ہے جس کا سبب اور محرّک تین قرون میں ہو پھر بھی اہلِ قرونِ ثلٰثہ نے اسے نہ کیا ہو (ملخّصاً) نیز اسی کے صفحہ ۹۳ پر بھی انہوں نے یہ بات دہرائی ہے کہ جب کہ اس حدیث میں ان کی بیان کردہ ''سبب اور محرّک'' والی اس شرط کا کوئی ذکر نہیں ہے۔اس کی مزید تفصیل اپنے مقام پر (تعریف بدعت کی بحث میں) آرہی ہے فاحفظہ وانہ ینفعک کثیرا۔

گکھڑوی جہالت:-

گکھڑوی صاحب کا یہاں سیرت وہدیٰ رسول ﷺ کی مطلقاً خلاف ورزی کو بدعت کہنا ان کی جہالت ہے کیونکہ ہر خلاف ورزی کا نام اگر بدعت ہونا درست ہو تو چوری، ڈاکہ اور بدکاری وغیرہا معاصی بھی بدعت قرار پائیں گے جو صحیح نہیں جسے گکھڑوی صاحب خود بھی اپنی اس کتاب میں (صفحہ ۹۰ تا ۹۲ پر) ''اہلِ بدعت حضرات کا اصولی مغالطہ'' کے زیرِ عنوان تسلیم کر چکے ہیں۔اس کی بھی مزید تفصیل تعریف بدعت کی بحث میں آرہی ہے۔

اعتراف کہ ہر بدعت گمراہی نہیں:-

مذکورہ حدیث کے نقل کرنے کے بعد گکھڑوی صاحب نے مزید لکھا ہے:- ''اس سے یہ بھی معلوم

ہوا کہ ہر بدعت گمراہی نہیں...... لہٰذا جو چیز کتاب وسنّت کی روشن کے خلاف نہ ہوگی وہ بدعت اور گمراہی نہ ہو گی''۔اھ بلفظہٖ ملخّصاً ملاحظہ ہو [راہِ سنّت' صفحہ ۷۰تا۷۱]

اقول:- قارئینِ کرام! اسے بھی محفوظ کرلیں کیونکہ یہ گکھڑوی صاحب اوران کے رفقاء کار کے اس واویلا کے جواب میں بہت مفید رہے گا کہ بلا استثناء ہر بدعت گمراہی ہے کیونکہ ان کے حسب زعم حدیث شریف میں ''کل بدعة ضلالة '' کے لفظ بہرصورت اپنے عموم پر ہیں جن کی تخصیص کی کوئی دلیل اور کوئی بھی صورت نہیں اورلطف یہ کہ وہ اسی صفحہ پر اپنے اس جملہ سے قبل متّصلاً دومرتبہ لکھ چکے ہیں کہ'' ہر بدعت گمراہی ہے'' (صفحہ ۷۰) مزید تفصیل آگے اپنے مقام پر آرہی ہے۔اسی طرح بدعت کے امور دینیہ یا دنیویہ سے متعلق ہونے کی بحث بھی عنقریب آرہی ہے۔

مسئلۂ بدعت میں گکھڑوی تعارض:-

گکھڑوی صاحب نے اس مقام پر بدعت کے متعلق بعض وعیدات کاذکر کرنے کے بعد لکھا ہے:-

''اعاذنا الله منها ومن سائر المعاصی ''یعنی اللہ ہمیں بدعت اوراس کے علاوہ باقی معاصی سے بچائے۔ملاحظہ ہو(صفحہ ۷۱)۔جب کہ اپنی اسی کتاب کے صفحہ ۷۳ کے حاشیہ ۱ پرفوائدلفواد صفحہ ۱۰۹ کے حوالہ سے لکھا ہے:

''حضرت نظام الدین اولیاءؒ فرماتے ہیں کہ بدعت از معصیت بالاتر است وکفراز بدعت بالاتر' بدعت بکفر نزدیک است''اھ۔

جس کا واضح مفہوم یہ ہے کہ بدعت منہیات سے الگ چیز ہے نیز اسی کوانہوں نے ایک مستقل عنوان کے تحت بھی بیان کیا ہے کہ ملاحظہ ہو(صفحہ ۹ تا ۹۲' راہِ سنّت) جوان کا واضح تعارض ہے جس کی دلالت حافظہ کی کمزوری پر ہے۔جب کہ زیر بحث عبارت میں وہ ہر معصیت کوبدعت شمار کررہے ہیں۔

خیرالقرون میں بدعت اوراہلِ بدعت کاوجود:-

صفحہ ۷۱ پر گکھڑوی صاحب نے حضرت علیؓ کی روایت سے بحوالہ بخاری ومسلم رسول اللہ ﷺ کا بدعت اوراہلِ بدعت کی مذمّت میں یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ:-

''مدینہ منورہ مقام عیر سے لے کر مقام ثور تک حرم ہے' سوجس نے اس میں کوئی بدعت ایجاد کی یا کسی بدعتی کو پناہ دی تو اس پر اللہ تعالیٰ کی اور فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی لعنت ہو نہ تو اس کی فرضی عبادت قبول کی جائے گی اور نہ نفلی''۔

آ گے لکھا ہے:-

''اس حدیث میں حدودِ حرم کی قید محض تقبیح اور تشنیع کے لیے ہے۔ یہ قید احترازی نہیں ہے کہ حرمِ مدینہ میں تو بدعت بری ہو اور خارج از حرم وہ بری نہ ہو جو چیز بدعت اور بُری ہے وہ ہر جگہ اور ہر وقت بدعت اور بری ہی ہوگی البتہ شرفِ مکان یا فضیلتِ زمان کی وجہ سے اس کی برائی اور قباحت اور بڑھ جائے گی''۔اھ بلفظہٖ ملاحظہ ہو [راہِ سنّت' صفحہ ۱۷]

اقول:- یہ گکھڑوی صاحب کا واضح اعتراف ہے کہ کسی امر کے بدعت ہونے یا ہونے میں زمانہ قطعاً حاکم نہیں لہٰذا ان کا اور ان کی جماعت کا یہ پروپیگنڈہ کہ بدعت وہ امر ہوگا جو خیر القرون کے بعد ہو' درست رہا کیونکہ انہوں نے بخاری و مسلم کی متفق علیہ حدیث کی روشنی میں اس بات کو بقلم خود ڈنکے کی چوٹ پر مان لیا ہے کہ بدعت اور اہلِ بدعت کا وجود خیر القرون خصوصاً زمانۂ اقدس سیدِ عالم ﷺ میں بھی تھا ورنہ حرمِ مدینہ میں بدعت کے ایجاد کرنے یا بدعتی کو پناہ دینے کی مذمّت فرماتے ہوئے اس کے مرتکبین پر لعنت فرمانے کے کیا معنیٰ ہیں؟

ردِّ نجدیہ:-

پھر جب زمانۂ اقدس سیدِ عالم ﷺ میں حرمِ مدینہ میں بدعت اور اہلِ بدعت کا وجود تسلیم ہے تو دورِ حاضر میں ان کا وجود کیوں ناممکن ہے نیز یہ سب کچھ مان لینے کے باوجود اہلِ نجد کے ہر سیاہ سفید کام کی قصیدہ خوانی کر کے اہلِ دیوبند کی جانب سے اسے دین کا رنگ کیوں دیا جاتا ہے' کہیں اندر سے ریال تو نہیں بول رہے؟ گکھڑوی صاحب کے پیش رو ظفر علی خان صاحب نے کس قدر عجیب کلام کیا ہے کہ ؎

مل جائے جہاں پیسہ' ہے وطن ان کا

ہندی ہیں نہ مصری ہیں نہ چینی ہیں نہ روسی [چمنستان]

اقرار اختیارِ نبی ﷺ

اپنی اس عبارت میں گکھڑوی صاحب نے رسول اللہ ﷺ کے خداداد اختیار کو بھی مان لیا ہے جب کہ اس سے قبل وہ اس پر بہت واویلا بھی کر چکے ہیں ہیں (کمامرّ آنفا) کیونکہ انہوں نے تسلیم کر لیا ہے کہ مدینہ منوّرہ زادہا اللہ شرفاً کے ایک مخصوص علاقہ (مقامِ عیر سے مقامِ ثور تک) کو آپ ﷺ نے ہی حرم قرار دیا ہے۔ یعنی اس کے متعلق علیحدہ سے کوئی آیت نہیں اتری تھی (مکمّل مدلّل اور محقق تفصیل کے لیے امام اہلِ سنّت اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف منیف الامن والعلیٰ صفحہ ۱۱۶ تا ۱۲۷ کا مطالعہ بہتر رہے گا)......

جہالت یا ادبی کمزوری:-

گکھڑوی صاحب نے یہاں عبادت کے لیے ''فرضی'' کے لفظ بھی استعمال کیے ہیں جو ان کی جہالت نہ بھی ہو تو ادبی کمزوری ضرور ہے کیونکہ اردو محاورہ میں یہ لفظ عموماً من گھڑت چیز کے متعلق بولا جاتا ہے۔ فافھم۔

پیش کردہ احادیث و آثار کے فوائد:-

گکھڑوی صاحب نے بدعت اور اہلِ بدعت کی تردید اور مذمّت میں کچھ روایات کے پیش کرنے کے بعد اور مزید پیش کرنے سے پہلے لکھا ہے کہ:-

''بدعت کی تردید کے لیے یہ روایتیں بالکل کافی ہیں۔ صرف بطور شاہد اور اعتبار کے چند روایتیں اور بھی ملاحظہ کرلیں''۔ اھ ملاحظہ ہو [راہِ سنّت، صفحہ ۱۷]

اقولُ:-

ان روایات کے بارے میں گکھڑوی صاحب کے شاہد اور اعتبار کے لفظ اس امر کا واضح اشارہ ہیں کہ وہ روایتیں فنّی حیثیت سے اتنی قوی نہیں ہیں نیز گکھڑوی صاحب کی طرف اپنے اہل علم قارئین کے حضور پیشگی اعتراف عجز و شکست بھی کہ جب ان کی کمزوری کو ہم از خود ماننے جا رہے ہیں تو خدارا ان کی اسناد پر کلام کر کے ہمیں شرمندہ مت کیجیے گا۔

مزید سنیے:- سنن ابن ماجہ صفحہ ٦ کے حوالہ سے بروایت حضرت ابن عباس اور حضرت حذیفہ ﷺ نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:- اللہ تعالیٰ نے بدعتی کے عمل کو قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے تاوقتیکہ وہ اپنی بدعت کو ترک نہ کردے...... اللہ تعالیٰ کسی بدعتی کا نہ روزہ قبول کرتا ہے اور نہ نماز، نہ صدقہ قبول کرتا ہے اور نہ حج نہ عمرہ اور نہ جہاد اور نہ کوئی فرضی عبادت قبول کرتا ہے اور نہ نفلی۔ بدعتی اسلام سے ایسے خارج ہو جاتا ہے جیسے گوندھے ہوئے آٹے سے بال نکل جاتا ہے' اھ بلفظہٖ ملاحظہ ہو [راہِ سنّت، صفحہ ۲۷]

اقولُ:- لوگ عموماً پوچھتے رہتے ہیں کہ وہابیہ دیابنہ کے پیچھے نماز ہوتی ہے یا نہیں؟ گکھڑوی صاحب نے یہ احادیث نقل کر کے عوام کی یہ پریشانی بھی دور کر دی ہے جس سے یہ امر آفتاب نیمروز کی طرح کھل کر سامنے آ گیا ہے کہ جب نماز سمیت بد مذہب کی اپنی کوئی نیکی قبول نہیں تو دوسروں کی خصوصاً نماز اس کے پیچھے کیونکر درست ہو سکتی ہے؟ جب کہ گکھڑوی صاحب اور ان کی جماعت والوں کا مبتدعانہ عقائد و نظریات کا حامل ہونا

بھی ایک اٹل حقیقت ہے جس کی کچھ وضاحت ہماری اس کتاب (مصباحِ سنّت) کے جلد اوّل میں (صفحہ ۷۵ تا ۹۰ پر) گزر چکی ہے۔ مزید بدعت کی تعریف کی بحث کے ضمن میں بھی آ رہی ہے۔

مزید سنیے:- گکھڑوی صاحب نے مشکوٰۃ جلد ا صفحہ ۳۱ سے بحوالہ شعب الایمان بیہقی بروایت حضرت ابراہیم بن میسرہ مرسلاً لکھا ہے کہ آپ ﷺ نے ''ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے کسی بدعتی کی تعظیم وتوقیر کی تو اس نے اسلام کو گرانے پر اس کی مدد اور اعانت کی اھ بلفظہٖ ملاحظہ ہو [راہِ سنّت' صفحہ ۷۲]

اقولُ:- اس سے گکھڑوی صاحب نے عوام کی یہ مشکل حل کردی ہے کہ وہابیہ دیابنہ کو امام' پیر اور استاذ بنانا بھی حرام ہے کیونکہ یہ معزز اور قابل تعظیم عہدے ہیں پس جس نے انہیں ان عہدوں میں سے کوئی عہدہ دیا تو اس نے انہیں معظّم قرار دے کر ان کی تعظیم کی جو اسلام کو گرانے میں مدد دینے کے مترادف ہے۔ اس طرح سے بھی کہ جو ان کا مقتدی' مرید یا شاگرد بن گیا تو اس نے ان کی جماعت کا فرد بن کر اور ان کی جماعت کو بڑھا کر ان کے منافیٔ دین مشن کو کامیاب بنانے میں اس کا دست و بازو بنا جو قطعاً اعانت علیٰ ہدم الاسلام ہے **ولا یجوز ذلک قطعاً۔**

مزید پڑھیے:- گکھڑوی صاحب فرماتے ہیں کہ:-

> ''یہی وجہ تھی کہ حضرات صحابۂ کرام کو بدعت اور اہلِ بدعت سے انتہائی نفرت تھی'' (پھر اس کے ثبوت میں انہوں نے ترمذی جلد ۲ صفحہ ۳۸' دارمی صفحہ ۵۹' ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۲۷۸' ابن ماجہ صفحہ ۳۰۴' مشکوٰۃ جلد ا صفحہ ۲۳' کے حوالہ سے لکھا ہے) حضرت عبداللہ بن عمر (المتوفّی ۷۴ھ) کے پاس ایک شخص کسی کا سلام لایا تو حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا: کہ مجھے سلام بھیجنے والے کی یہ شکایت پہنچی ہے کہ اس نے کوئی بدعت ایجاد کی ہے۔ اگر واقعی اس نے کوئی بدعت ایجاد کی ہے تو میرا سلام اس کو نہ دینا''۔ اھ بلفظہٖ ملاحظہ ہو [راہِ سنّت' صفحہ ۷۲]

اقولُ:- اس سے بنیادی طور پر دو باتیں ثابت ہوئیں۔ ایک یہ کہ وہابیہ دیابنہ کو سلام کرنا یا اس کا جواب دینا جائز نہیں۔ دوسری یہ کہ خیر القرون میں بھی بدعت اور اہلِ بدعت کا وجود ایک حقیقت ثابتہ ہے۔ پس اس سے گکھڑوی صاحب کے اس نظریّہ کی خود ان کے قلم سے اور وہ بھی با حوالہ اور مدلّل تردید ہوگئی کہ کسی امر کے بدعت ہونے نہ ہونے کے بارے میں زمانہ حاکم ہے۔ روایت میں مذکور شخص طبقۂ تابعین سے نہ بھی ہو تو کم از کم تبع تابعی کے طبقہ کا وہ ضرور تھا کیونکہ اگر اس نے کسی صحابی کی زیارت نہ بھی کی ہو تو حضرت ابن عمر کی

زیارت کرنے والے کی زیارت تو کر رہا ہے۔

مزید توجہ فرمائیں: گکھڑوی صاحب نے المستدرک للحاکم جلد ا صفحہ ۱۰۳ کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ :-

''سنّت میں میانہ روی اختیار کرنا بدعت میں کوشش کرنے سے بہتر ہے''۔ اھ ملاحظہ ہو [راہِ سنّت، صفحہ ۷۲، ۷۳]

اقول:- یعنی وہابیہ دیابنہ لاکھ زور لگا لیں اپنے مبتدعانہ عقائد و نظریات کے ہوتے ہوئے وہ کبھی اہلِ سنّت نہیں ہو سکتے ۔

کالے نہ مول گورے ہوندے بھانویں سو من صابن لگایئے ہُو

یہ بھی پڑھ لیجیے:- گکھڑوی صاحب نے المعجم الاوسط للطبرانی اور مجمع الزوائد جلد ۱۰ صفحہ ۱۸۹ کے حوالہ سے بروایت حضرت انس بن مالک لکھا ہے کہ :-

''آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر بدعتی پر توبہ کا دروازہ بند کر دیا ہے''۔ اھ بلفظہ

اس کے بعد مزید اس پر انہوں نے جو تبصرہ کیا ہے کہ :-

''اس صحیح روایت سے معلوم ہوا کہ بدعت ایسی قبیح، بُری اور منحوس چیز ہے کہ انسان کے دل میں فطری طور پر جو نورانیت اور صلاحیت ہوتی ہے بدعت اس کو بھی ختم کر دیتی ہے''، الخ۔

اسے کچھ پہلے ہم من وعن نقل کر آئے ہیں۔ ملاحظہ ہو [راہِ سنّت، صفحہ ۷۳]

اقول:- یہ کھری علامت بھی بفضلہٖ تعالیٰ گکھڑوی صاحب اور ان کے پیش رووں میں علی الوجہ الاکمل اور بالطریق الاتمّ پائی جاتی ہے کیونکہ ہمارے علماء (جیسے امام اہل سنّت بطل حریّت حضرت علّامہ الشاہ فضلِ حق خیر آبادی، اما اہلِ سنّت سیفِ بے نیام حضرت علامہ الشاہ فضلِ رسول بدایونی، مقتدائے اہلِ سنّت حضرت علّامہ ارشاد حسین رام پوری، پیشوائے اہلِ سنّت حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی نیز قافلہ سالار تحریک عشقِ مصطفیٰ ﷺ شیخ الاسلام والمسلمین امام العرب والعجم تاجدارِ اہلِ سنّت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قادری فاضل بریلوی نیز محدّث پاکستان، شیخ الحدیث علامہ سردار احمد لائل پوری اور ضیغم الاسلام، محدّث و مفسّر اعظم غزالیٔ زماں رازیٔ دوراں امام اہلِ سنّت حضرت علّامہ سیّد احمد سعید شاہ صاحب کاظمی امروہوی قدس اللہ اسرارہم ونوّر مراقدہم ورحمہم اجمعین بشمول علماء حرمین) انہیں سمجھاتے سمجھاتے تھک گئے ان کی زندگیاں اسی

میں لگ گئیں اوران کے متوسلین کی طرف سے یہ سلسلہ تاحال جاری ہے مگر آج تک انہیں توجہ کی توفیق نصیب نہیں ہوسکی اور نہ ہی اس کی کچھ اُمید ہے کیونکہ ان کے ان مبتدعانہ عقائد ونظریات کی نحوست کی وجہ سے ان کے دلوں والی فطری نورانیّت اور صلاحیّت ختم ہوچکی اور رسول اللہ ﷺ کے حسبِ ارشاد ''اللہ تعالیٰ نے ان پر توبہ کا دروزاہ بند کر دیا ہے''۔(فاٰمنّا وصدّقنا ورضینا بمشیّۃ ربّنا) واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیّد المرسلین نبینا وحبیبنا محمد واٰلہٖ وصحبہٖ اجمعین۔

فوائد الفواد سے استناد:-

گکھڑوی صاحب نے فوائد الفواد صفحہ ۱۰۹ کے حوالہ سے لکھا ہے:-

''حضرت نظام الدین اولیاءؒ فرماتے ہیں کہ بدعت از معصیت بالاتر است وکفر از بدعت بالاتر، بدعت بکفر نزدیک است''۔اھ ملاحظہ ہو [راہِ سنّت صفحہ ۷۳ حاشیہ ۱]

جس سے انہوں نے فوائد الفواد کے جملہ مندرجات کی ذمّہ داری قبول کر لی اوراسے معتبر ومستند مان لیا ہے پس وہ اپنے مقام پر اس کے مسئول اور جواب دہ ہوں گے جب کہ ہمارے علماء کے نزدیک یہ کتاب مدسوس کتب میں سے ہے۔تفصیل کے لیے اجمل العلماء حضرت علامہ الشاہ محمد اجمل سنبھلی رحمۃ اللہ القوی کی کتاب ردّ سیف یمانی کا مطالعہ کیا جائے۔پس اپنے اکابر کی بعض کفریہ عبارات کے تحفظ میں گکھڑوی صاحب کا اپنی کتاب ''عبارات اکابر'' میں فوائد الفواد کے حوالہ جات کا لانا ہمیں کچھ مضر نہیں البتہ خود ان کے لیے وہ ''یک نہ شد دوشد'' کا مصداق ضرور ہے۔فافھم ولاتکن من الغٰفلین۔

باقی فوائد الفواد کے اس حوالہ میں ان کی اس کتاب کے ایک مقام سے جو صریح تعارض پایا جاتا ہے اس کی کچھ تفصیل ابھی کچھ پہلے ''مسئلہ بدعت میں گکھڑوی تعارض'' کے زیرِ عنوان گزر چکی ہے۔مزید بحث اپنے مقام پر آئے گی۔

حدیث مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا ھٰذَا الخ میں ھٰذا کے مشار الیہ کی بحث:-

اس کے بعد گکھڑوی صاحب نے اپنے قصور فہم سے ہمارے بعض علماء کی بعض عبارات کو نہ سمجھ سکنے کے باعث حدیث شریف حدیث **مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا ھٰذَا مَا لَیْسَ مِنْہُ فَھُوَرَدٌّ** (جس نے ہمارے اس امر میں کوئی ایسا امر ایجاد کیا جو اس سے نہ ہوتو وہ شخص یا وہ امر مردود ہوگا) کے حوالہ سے اس میں موجود لفظ ھٰذا کے مشار الیہ کی بحث چھیڑی ہے کہ وہ کیا ہے؟ پھر اس بارے میں کچھ الٹے سیدھے حوالہ جات

پیش کر کے یہ بتایا ہے کہ ''اَمْـرِ نَـا هٰـذَا'' سے مراد دین اسلام ہے جو فی نفسہٖ قطعاً ہمارے خلاف نہیں کیونکہ ہم بفضلہٖ تعالیٰ اس کے دل و جان سے قائل ہیں جسے خود گکھڑوی صاحب نے بھی تسلیم کرلیا ہے۔ چنانچہ موصوف نے ''بریلوی عقائد کے علماء'' کا عنوان قائم کر کے اس کے تحت حضرت مولانا محمد صالح صاحب' حضرت علامہ عبدالسمیع امدادی رامپوری اور شیخ الاسلام اعلیٰ حضرت رحمہم اللہ تعالیٰ کی بعض عبارات نقل کرتے ہوئے لکھا ہے:-

''اس حدیث کی تفسیر بریلوی حضرات نے بھی امر دین سے کی ہے''اھ بلفظہٖ ملاحظہ ہو(راہِ سنّت' صفحہ ۷۵]

پھر مولانا محمد صالح صاحب علیہ الرحمۃ کے رسالہ تحفۃ الاحباب صفحہ ۱۱۷ سے ان کی یہ عبارت پیش کی ہے کہ:-

''مراد امر سے' امر دین کا ہے' مطلب یہ ہے کہ امورِ دینیہ عبادات ہوں یا معاملات کہ جن کے حدود شارع نے مقرر کیے ہیں' ان میں کمی بیشی کرنا مردود ہے''۔اھ

نیز علامہ امدادی رامپوری رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف منیف انوار ساطعہ صفحہ ۳۳ کی عبارت کا یہ ٹکڑا نقل کیا ہے کہ ''یہ حدیث صحیحین کی ہے یعنی جس نے نکالی اس دین میں وہ بات جو دین کی قسم سے نہیں یعنی کتاب اور سنّت کے مخالف ہے وہ بات اس کی ردّ ہے''۔اھ

اور آخر میں گکھڑوی صاحب نے امام اہلِ سنّت کے حوالہ سے لکھا ہے ''فریق مخالف کے مجدد ملّت اعلیٰ حضرت مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی (المتوفیٰ ۱۳۴۰ھ) تمباکو کو حلال بتاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:-

''رہا اس کا بدعت ہونا یہ کچھ باعث ضرر نہیں کہ یہ بدعت کھانے پینے میں ہے نہ کہ امور دین میں' تو اس کی حرمت ثابت کرنا ایک دشوار کام ہے (احکام شریعت حصہ سوم صفحہ ۱۶۸)''۔ ملاحظہ ہو (راہِ سنّت صفحہ ۷۵]

اقولُ:- مدّعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری۔

ثمّ اقولُ:- گکھڑوی صاحب نے حدیث کی شرح اور تشریح کی بجائے ''حدیث کی تفسیر'' کے لفظ لکھے ہیں جب کہ اہل علم کے عرف میں ''تفسیر'' کے لفظ قرآن مجید کے متعلق بولے جاتے ہیں چنانچہ تفسیر الجلالین وغیرہ تو ہر کوئی کہتا ہے لیکن فتح الباری تفسیر البخاری یا عینی تفسیر بخاری وغیرہ کوئی بھی نہیں کہتا۔ فیالـلعجب و لضیعة العلم والادب.

واضح رہے کہ گکھڑوی صاحب نے احکام شریعت کے حوالہ کے لیے صفحہ ۱۶۸ لکھا ہے مطبع نہیں لکھا۔ ہمارے سامنے اس کا جو نسخہ ہے یہ عبارت اس کے محولہ صفحہ پر نہیں بلکہ ۱۸۴ پر ہے۔

تمباکو سے متعلق اعلیٰ حضرت کے بارے میں غلط تأثر کارد:-

باقی رہا گکھڑوی صاحب کا احکامِ سریعت کے حوالہ سے تمباکو سے متعلق اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کے بارے میں عوام کو یہ باور کرنا کہ آپ مطلقاً اس کی حلّت نیز عدم کراہت کے قائل تھے؟ تو یہ کئی وجوہ سے غلط بے جا اور بے بنیاد ہے کیونکہ ____

اوّلاً:- ''احکامِ شریعت'' کا اعلیٰ حضرت قدس سرّہٗ کی تصنیف یا تالیف ہونا محلِّ نظر ہے بلکہ بعض حضرات نے اس سے صاف انکار کیا ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو فتاویٰ نعیمیہ نیز فقیر کی کتاب احمد البیان فی رضا کنز الایمان المعروف'' کنزالایمان پر اعتراضات کا آپریشن''۔

ثانیاً:- برتقدیر تسلیم گکھڑوی صاحب نے اس سے جو الفاظ پیش کیے ہیں ان میں اعلیٰ حضرت کی حیثیت محض ناقل کی ہے وہ الفاظ آپ کے اپنے نہیں ہیں۔ چنانچہ ان الفاظ سے قبل نہایت صراحت کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ ''علاّمہ آفندی عمادی ابن علی آفندی مفتیٔ دمشق الشام اپنے فتاویٰ ''مغنی المستفتی عن سؤال المفتی'' میں علامہ محی الدین بن محی الدین حیدکردی جزری رحمۃ اللہ تعالیٰ سے نقل فرماتے ہیں'' (پھر اس کے بعد مفصل عبارت ہے جس کے آخری قطعہ کا اردو ترجمہ گکھڑوی صاحب نے نقل کیا ہے والقطعہ المذکورۃ ھی "واما کونہ بدعۃ فلا ضرر فانہ بدعۃ فی التناول لافی الدین فاثبات حرمتہ امر عسیر لا یکاد یوجدلہ نصیر'')

ملاحظہ ہو [احکامِ شریعت صفحہ ۱۸۴ طبع نذیر سنز پبلشرز ۴۰ اردو بازار لاہور]

ثالثاً:- اس سے قطع نظر اس میں بھی مطلقاً اس کے حکیمِ حلّت کی بجائے نہایت صراحت کے ساتھ اس کے حکم میں تفصیل لکھی ہے جو یہ ہے:-

''الحاصل معمولی حقہ کے حق میں تحقیق حق وحقیقی یہی ہے کہ وہ جائز ومباح وصرف مکروہ تنزیہی ہے یعنی جو نہیں پیتے بہت اچھا کرتے ہیں، جو پیتے ہیں کچھ برا نہیں کرتے فان الاساءۃ فوق کراھۃ التنزیہ کما حققہ العلامہ الشامی۔ البتہ وہ حقہ جو بعض جہال بعض بلاد دھندٔ ماہ رمضان شریف میں وقت افطار پیتے اور دم لگاتے اور حواس ودماغ میں فتور لاتے اور دیدۂ ودل

کی عجب حالت بناتے ہیں، بے شک ممنوع و ناجائز و گناہ ہے اور وہ بھی معاذ اللہ ماہ مبارک میں۔ اللہ عزّ وجل ہدایت بخشے۔ رسول اللہ ﷺ نے ہر مفتر چیز سے نہی فرمائی اور اس حالت کے تغیر ہونے میں کچھ کلام نہیں الخ''۔ ملاحظہ ہو [احکامِ شریعت صفحہ ۱۸۷، ۱۸۸، طبع نذیر سنز لاہور]

حقہ علماء دیوبند کی نظر میں:-

مزید تسلّی تشفّی کے لیے گکھڑوی صاحب اپنے پیش رو گنگوہی صاحب کے حسبِ ذیل متعدد فتووں کو بھی چشم عبرت سے ضرور مطالعہ فرمائیں چنانچہ موصوف نے حُقّہ اور تمباکو کے بارے میں متفرق سوالات کے جوابات مختلف مقامات پر لکھا ہے:-

''حُقّہ پینا مباح ہے مگر اس کی بد بو سے مسجد میں آنا نادرست ہے'' نیز ''حُقّہ نوش کی نماز اور درود سب مقبول ہوتا ہے''۔ نیز ''حُقّہ پینا، تمباکو کھانا مکروہ تنزیہہ ہے اگر بُو آوے ورنہ کچھ حرج نہیں۔ اور حُقّہ تمباکو فروش کا مال حلال ہے۔ ضیافت بھی اس کے گھر کھانا درست ہے''۔ نیز ''حُقّہ کی وجہ سے کوئی عبادت ردّ نہیں ہوتی''۔ نیز حُقّہ پینا و تمباکو کھانا درست ہے''۔ بلفظہٖ ملخّصاً۔ ملاحظہ ہو [فتاویٰ رشیدیہ، صفحہ ۵۵۰، ۵۵۱ طبع محمد علی کراچی نمبر ۳۸ و فاروقی کتب خانہ ملتان]

کچھ کمی رہ گئی ہو تو اسے اپنی حکیم الامّت کے اس ارشاد سے دور کر لیں۔ موصوف نے لکھا ہے:-

''مسئلہ: حُقّہ کے پانی کو بھی عوام ناپاک سمجھتے ہیں اگرچہ اس سے بچنا نظافت کے لیے ضروری ہے لیکن اس سے نجس ہونا لازم نہیں آتا''۔ اھ ملاحظہ ہو [اغلاط العوام المعروف غلط مسئلے صفحہ ۴]

مزید اپنے بزرگ ظفر علی خان صاحب کی بھی سن لیں۔ فرماتے ہیں:-

چائے پیتا ہوں تو ہوجاتا ہے ایمان تازہ
چائے نوشی میری دیرینہ روایات سے ہے
حُقّہ پیتا ہوں تو اڑ جاتے ہیں سکھوں کے دھوئیں
خالصہ جی کی قضا میری کرامات سے ہے

ملاحظہ ہو [چمنستان صفحہ ۱۱۶ طبع لاہور مطبوعہ ۱۹۴۴ء]

مولوی ظفر علی خاں کی مجلسِ حُقّہ:-

مزید سنیئے۔ مولوی ظفر علی خاں صاحب موصوف (جن کے بارے میں گکھڑوی صاحب کی جماعت

کی طرف سے یہ بھی مشہور ہے کہ انہوں نے مدرسہ دیوبند کے فضائل میں بھی ایک نظم لکھی تھی وہ اپنی ایک مجلس حُقہ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے) لکھتے ہیں:-

''بلند شہروں کی مصروفیتوں سے فارغ ہوکر میں اپنے رفقاء کے ساتھ سر شام دھانپور پہنچا۔ سفر کی کوفت نے بہت تھکا دیا تھا۔ دیر سے حُقّہ بھی نہ پیا تھا اس لیے تکان اور زیادہ محسوس ہو رہی تھی۔ میزبان نے جلد جلد چائے تیار کرائی۔ چائے آئی اور ساتھ ہی حُقّہ بھی آیا۔ یار لوگوں نے فرمائش کی کہ اس پر کچھ اشعار ہو جائیں۔ میں نے چائے کا ایک گھونٹ پی کر اور حُقّہ کا ایک کش لگا کر یوں امتثال امر کیا:-

زندگانی کے لطف دو ہی تو ہیں　　صبح کی چائے، شام کا حُقّہ
اس کو کہتے ہیں سلسبیل کی موج　　اس کو لکھتے ہیں نور کا بُقّہ

اس کے بعد بعض اربابِ ذوق نے یہ بھی فرمائش کی کہ اس زمین میں احرار کے متعلق بھی کچھ ہو جائے (الیٰ) میں نے بطور اظہار عجز عرض کیا کہ معاملہ چائے اور حُقّہ کا ہے اس میں احرار کو کیا دخل۔ اس پر ایک صاحب بولے کہ جب سے مسجد شہید گنج کی تحریک شروع ہوئی ہے احرار نے حُقّہ پینا بالکل چھوڑ دیا ہے کیونکہ ان کے دوست سکھ جس طرح مسجد شہید گنج کا نام سن کر حواس باختہ ہو جاتے ہیں اسی طرح وہ بھی حُقّہ کا نام آتے ہی چراغ پا ہو جاتے ہیں۔ غالباً اسی وجہ سے چودھری افضل حق نے جو احراری ٹولی کے نفس ناطقہ ہیں، پچھلے دنوں حُقّہ کی مخالفت میں ہنگامہ انگیز مضامین لکھتے تھے، ایک دوسرے صاحب نے فرمایا کہا احرار کے متعلق ایک شعر ضرور ہونا چاہیے۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ احرار کی شریعت کے امیر مولانا سیّد عطاء اللہ بخاری نے امروہہ میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ جو مسلم لیگ کو ووٹ دیں گے وہ سؤر ہیں اور سؤر کھانے والے ہیں او کما قال۔ پھر میرٹھ میں مولوی حبیب الرحمٰن لدھیانوی صدر مجلس احرار اس قدر جوش میں آئے کہ دانت پیستے جاتے تھے، غصّہ میں آکر ہونٹ چباتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے کہ دس ہزار جینا اور شوکت اور ظفر، جواہر لال نہرو کی جوتی کی نوک پر قربان کیے جاسکتے ہیں۔ اس پر میں نے یاروں کی فرمائش یوں پوری کی:-

کیا کہوں آپ سے ہیں کیا احرار
کوئی لُچّا ہے اور کوئی لُقّہ''

اھ بلفظہٖ ملخّصاً ملاحظہ ہو[چمنستان صفحہ۱۶۳'۱۶۴'۱۶۵طبع لاہور مطبوعہ۱۹۴۴ء]

نوٹ :۔اس پر مزید حوالہ جات کی کافی گنجائش ہے مگر بخوف طوالت ہم قدرِضرورت پر اکتفاء کرتے ہوئے عنوان ہٰذا کواسی پرختم کرتے ہیں۔

گکھڑوی تعصّب وعناد:۔

گکھڑوی صاحب نے اس مقام پر علماء اہلِ سنّت کے لیے ''بریلوی عقائد کے علماء'' کے لفظ استعمال کیے ہیں جس سے سنّی علماء کے ساتھ ان کے چھپے عناد وتعصّب نیز ان کی تنگ نظری کا پتہ چلتا ہے اوران کے وسیع الظرف ہونے کے پروپیگنڈہ کی حقیقت آشکارا ہوتی ہے جواہل فہم پر کسی طرح مخفی نہیں کیونکہ ان کے ان الفاظ کا مفہوم بنتا ہے۔بریلوی عقائد کا علم رکھنے والے اوراس سے ان کا مقصود دین کے علم کی نفی ہے گویاوہ علماءاہلِ سنّت کے لیے لفظ علماء دین کے استعمال کرنے کے بھی روادار نہیں ہیں۔قدبدت البغضاء من افواههم وما تخفی صدورهم اکبر۔

عنوان ہٰذا کے تحت مزید گکھڑوی بے اعتدالیاں:۔

گکھڑوی صاحب نے اس بحث میں مزید جن بے اعتدالیوں کا ارتکاب کیا ہے ان کی تفصیل مع جوابات حسبِ ذیل ہے:۔

حدیث میں معنوی تحریف:۔ گکھڑوی صاحب نے زیرِ بحث حدیث (من احدث فی امرنا هذا ماليس منه فهو ردٌ) کا اردو ترجمہ اس طرح کیا ہے:۔

''جس کسی نے ہمارے اس معاملہ میں کوئی نئی بات نکالی تو وہ مردود ہوگی''۔اھ بلفظہٖ ملاحظہ ہو (راہِ سنّت صفحہ۷۳)

جوسخت مجرمانہ خیانت ہے اور حدیث نبوی علیٰ صاحبہ السلام میں شدید معنوی تحریف ہے کیونکہ وہ اس میں الفاظ حدیث مَالَیسَ مِنہُ کا ترجمہ صاف اڑا گئے ہیں جب کہ یہی الفاظ اس حدیث کے لیے مرکزی اور جان کی حیثیت رکھتے ہیں کیونکہ ان کے بغیر حدیث کا منشاء اور اصل مفہوم قطعاً متعین نہیں ہوسکتا۔چنانچہ گکھڑوی ترجمہ کے مطابق ہر نیا امر بدعت مذمومہ قرار پاتا ہے

جب کہ مَـالَیْسَ مِنْہ کوساتھ ملا کرصرف وہی نئے اورامورِ بدعت مذمومہ قرار پاتے ہیں جوسنّت (طریقۂ مسنونہ فی الدین) کے منافی ہوں۔ دونوں میں فرق ظاہر ہے۔ پورا ترجمہ چونکہ گکھڑوی کاوش کی صریحاً نفی تھااس لیے وہ انتہائی چابک دستی سے انہیں صاف اڑا گئے کہ ''نہ رہے بانس نہ بجے گی بانسری''، جس کی جتنی مذمت کی جائے اتنی کم ہے جب کہ اسے ان کاسہو قلم یا کتابت کی غلطی بھی نہیں کہہ سکتے کیونکہ بعینہٖ یہی کارنامہ انہوں اپنی اس کتاب کے دیگر کئی مقامات پر بھی سرانجام دیا ہے۔ چنانچہ موصوف نے اپنی اس کتاب کے ٹائیٹل پیج پر اس کا ترجمہ یوں لکھا ہے:-

''جس کسی نے ہمارے اس معاملہ میں کوئی نئی بات گھڑی تو وہ مردود ہوگی''۔اھ بلفظہٖ ملاحظہ ہو[صفحہ ا]

نیز اسی کے صفحہ ۵۳ پر اس طرح لکھا ہے:-

''جس نے دین میں کوئی نئی چیز ایجاد کی تو وہ مردود ہوگی۔اھ بلفظہٖ ملاحظہ ہو [راہِ سنّت صفحہ مذکورہ]

پھر اس کے صفحہ ۷۴ پر لکھا ہے:-

''جس کسی نے ہمارے اس دین میں کوئی نئی بات ایجاد کی تو وہ مردود ہوگی''۔اھ بلفظہٖ

مزید صفحہ ۷۳ پر کیا گیا ترجمہ پیش کیا جا چکا ہے۔ان میں سے کسی بھی مقام پر حدیث کے الفاظ مَـالَیْـسَ مِنْـہ کا ترجمہ موجود نہیں ہے جو اس امر کا واضح قرینہ ہے کہ یہ سب گکھڑوی صاحب موصوف کی دیدہ دانستہ کاروائی اور سوچی سمجھی سازش کا نتیجہ ہے۔(وھو المقصود)**فویل لھم مما کتبت ایدیھم وویل لھم مما یکسبون۔**

گکھڑوی صاحب کی اپنے خصوم کو گالیاں:-

حدیث نبوی علیٰ صاحبہ السلام میں اس قدر مذموم تبدیلی کا ارتکاب کرنے کے باوجود پھر بھی گکھڑوی صاحب اس کی بحث میں اپنے خصوم ہی کو گالی سے یاد فرماتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے پیشِ نظر حدیث کے مبحث فیہ حصّہ پر گفتگو کے آغاز مین لکھا ہے:-

''نہایت ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم ''فی امرنا ھذا'' کی قدرے تشریح کردیں تا کہ کسی کوتاہ فہم کو مغالطہ پیش نہ آئے''۔اھ بلفظہٖ ملاحظہ ہو[راہِ سنّت صفحہ ۷۳]

اقول:- یعنی جو حدیث رسول ﷺ میں معاذ اللہ قطع و برید کر کے اس کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دے، وہی بڑا دانشور اور اعلیٰ ذہانت اور فہم وفراست کا حامل ہے باقی کوتاہ فہم ہیں۔ جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے۔ نہایت درجہ

ناعاقبت اندیشی نہیں تو اور کیا ہے؟

گکھڑوی صاحب کا علم حدیث میں اصل مقام:-

گکھڑوی صاحب نے ''امرنا ھذا'' کی تعیین کرتے ہوئے مولوی ابنِ رجب حنبلی کا سہارا لے کر لکھا ہے کہ ''وہ لکھتے ہیں کہ اسی حدیث کے بعض الفاظ میں فی امرنا ھذا کی جگہ صریح طور پر دین کا لفظ آیا ہے۔''وفی بعض الفاظہ من احدث فی دیننا مالیس منہ فھورد''پھر اس بات کو انہوں نے بار بار دہرایا ہے۔ ملاحظہ ہو[راہِ سنّت صفحہ ۴۷]

اقولُ:- گویا گکھڑوی صاحب خود کو اس کا مأخذ معلوم نہیں تب ہی تو وہ بار بار ابنِ رجب صاحب کا نام لیتے ہیں جو بذاتِ خود اصول سے کھلا انحراف ہے کیونکہ ابنِ رجب تیموی ہونے کے ناطے سے خود متنازع فیہ شخصیت اور فریق کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس سے تو بہتر تھا کہ گکھڑوی صاحب اپنے موجودہ علماء میں سے کسی کا نام لے لیتے جس سے کم از کم ہم بآسانی حساب تو لے سکتے' اب ابنِ رجب صاحب کو ہم کہاں ڈھونڈیں؟ فوا اسفا۔

نیز اس سے شیخ الحدیثی کے بلند بانگ مدّعی گکھڑوی صاحب کی حدیث دانی کے پروپیگنڈہ کی حقیقت روزِ روشن کی طرح کھل کر بہر حال سامنے آجاتی ہے۔

تو لیجیے ہم ہی بتائے دیتے ہیں کہ حدیث ہٰذا کے بالفاظ مذکورہ حضرت محی السنۃ بغوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی روایت فرمودہ ہے جو انہوں نے اپنی کتاب شرح السنۃ میں روایت فرمائی ہے جو مع السند اس طرح ہے:-

''قال الشیخ حسین بن مسعود اخبرنا ابو سعد احمد بن محمد بن العباس الحمیدی انا ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الحافظ انا ابو العباس القاسم بن القاسم السیاری بمرو نا ابوالموجۃ محمد بن عمروانفراری اخبرنا عبدان بن عثمان انا ابراھیم بن سعد عن ابیہ عن القاسم محمد عن عائشۃ رضی اللہ عنھا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من احدث فی دیننا ما لیس منہ فھو رد''۔ اھ بلفظہٖ ملاحظہ ہو[شرح السنّۃ جلد ۱ صفحہ ۱۸۴ حدیث نمبر ۱۰۳ طبع بیروت]

مگر''ما لیس منہ'' کی قید اس میں بھی مذکور ہے لہٰذا یہ انہیں کسی طرح مفید اور ہمیں مضر نہیں کیونکہ کہ ہم بفضلہٖ تعالیٰ دل و جان سے اس کے ماننے والے ہیں گکھڑوی صاحب کی طرح محض زبانی جمع خرچ کے طور پر نہیں

ورنہ انہوں نے اس میں معنوی تحریف کیوں اور کس حکمتِ عملی کی بناء پر کی ہے ؏
کچھ تو ہے آخر جس کی پردہ داری ہے؟

اس سے قطع نظر فنّ روایت کے اصول کی روشنی میں ''فی دیننا'' کے الفاظ شاذّ ہیں۔ پس اصولاً راجح ''فِیْ اَمْرِ نَا ھٰذَا'' ہی کے الفاظ ہوئے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ حدیث ہٰذا کے مرکزی راوی ابراہیم بن سعد ہیں جن سے ہمارے پیشِ نظر اور زیرِ نظر مطالعہ کتبِ حدیث (اہلِ تخریج) کے مطابق کم وبیش نو[9] رُواۃ نے روایت کیا ہے یعنی یعقوب[1] بن محمد (کمافی البخاری جلد ۱ صفحہ ۳۷۱ و مسند احمد جلد ۶ صفحہ ۷۳)۔ عبداللہ[2] المخرمی (کمافی البخاری جلد ۲ صفحہ ۱۰۹۲ و مسلم جلد ۲ صفحہ ۷۷ و مسند احمد جلد ۶ صفحہ ۷۳ و سنن ابی داؤد جلد ۲ صفحہ ۲۷۹)۔ عبدالواحد[3] (کمافی البخاری جلد ۲ صفحہ ۱۰۹۲)۔ محمد بن[4] الصّباح (کمافی مسلم جلد ۲ صفحہ ۷۷ و صحیح ابن حبان جلد ۱ صفحہ ۲۱۶ حدیث نمبر ۲۷)۔ عبداللہ[5] الہلالی (کمافی مسلم جلد ۲ صفحہ ۷۷) محمد بن[6] عیسیٰ (کمافی سنن ابی داؤد جلد ۲ صفحہ ۲۷۹)۔ ابو مروان[7] محمد بن عثمان (کمافی سنن ابن ماجہ صفحہ ۳)۔ یزید[8] (کمافی مسند احمد جلد ۶ صفحہ ۷۳) اور عبداللہ[9] بن عثمان (کمافی شرح السنہ للبغوی جلد ۱ صفحہ ۱۸۴ حدیث نمبر ۱۰۳)۔

اُن میں سے ''فی دیننا'' کے لفظ صرف آخرالذکر (عبدان بن عثمان) نے ذکر کیئے ہیں باقی آٹھ رواۃ میں سے کسی نے ذکر نہیں کیئے پس وہ اس میں متفرد اور پوری ایک جماعت کے برخلاف ہوا اس طرح سے اس کی یہ روایت شاذّ ہوئی جسے پوری جماعت کے الفاظ پر ہرگز فوقیت نہیں ہوسکتی۔ پس گکھڑوی صاحب کو ابن رجب صاحب کے سہارا نے بھی کچھ فائدہ نہ دیا۔ واضح رہے کہ اس بحث سے مقصود محض حدیث کے روایتی پہلو کے پیشِ نظر گکھڑوی صاحب پر ان کی علمی قدر و قیمت کا واضح کرنا تھا یعنی ان کی پیشِ نظر کردہ مایۂ ناز دلیل کا سقم ثابت کر کے ان کے غرور کو خاک میں ملانا مطلوب ہے ورنہ دیگر دلائل و قرائن کی رو سے ''فی امر ناھذا'' سے دین اسلام یا شرع کے مراد ہونے کے ہم قطعاً منکر نہیں (فافھم لئلایلبس علیک احد من الملبسین المغالطین)۔

تعریف بدعت میں پیش کردہ گکھڑوی حوالہ جات کا جائزہ:-

گکھڑوی صاحب نے اس مقام پر تعریف بدعت کی بابت (صفحہ ۷۳ تا ۸۰) جن عبارات سے استدلال کیا ہے اور اس سلسلہ کے جتنے حوالہ پیش کیئے ہیں ان میں سے کچھ وہ ہیں جو ہمیں مضر نہیں اور کچھ وہ ہیں جو انہیں کچھ مفید نہیں اور کچھ بے اصل اور بے جوڑ بھی ہیں بلکہ کچھ ایسے بھی ہیں جو گکھڑوی موقف کے

سراسر خلاف ہیں اور ان کی دلائل سے قلاشی اور بے بسی کا یہ عالم ہے کہ اس مقام پر انہوں نے اپنے ہی ہم عقیدہ کئی (دیوبندی) علماء کے اقوال کو بھی دلیل بنا کر پیش کیا اور انہیں عوام پر زبردستی ٹھونسنے کی مذموم سعی کی ہے۔ ان عبارات پر ایک ایک کر کے تبصرہ کرنا اور ان میں سے ہر ایک کا علیحدہ علیحدہ جائزہ لینا باعث تطویل اور قارئین کے لیے اکتاہٹ کا سبب ہے اس لیے ہم ذیل میں مختصر اور جامع انداز سے اجمالی بیان پر اکتفاء کر رہے ہیں جس کے پیشِ نظر دلچسپی رکھنے والے حضرات تفصیل خود ہی کر لیں گے۔ اور وہ حسبِ ذیل ہے:-

غیر مضر حوالے:-

چنانچہ گکھڑوی صاحب کے پیش کردہ وہ حوالہ جات جن میں الفاظ حدیث "فی امرنا ھٰذا" سے دین و شرع کا مراد ہونا مذکور ہے یا یہ کہ بدعت کا تعلق امورِ دینیہ سے ہوتا ہے وہ ہمیں کچھ مضر نہیں کیونکہ ہم بفضلہٖ اس کے قائل ہیں جیسے راہِ سنّت صفحہ ۷۴ پر پیش کیا گیا حافظ ابنِ حجر کی کتاب فتح الباری جلد ۵ صفحہ ۳۲۱ اور علامہ عزیزی کی کتاب السراج المنیر جلد ۳ صفحہ ۳۲۰ کا حوالہ۔ اسی طرح علماء لغت صاحب المغرب، صاحب قاموس، نیز مفردات راغب، مختار الصحاح اور الصراح کے حوالے جو راہِ سنّت کے صفحہ ۷۴ پر مرقوم ہیں۔

غیر مفید حوالے:-

اور صفحہ ۷۳ نیز صفحہ ۷۶، صفحہ ۷۷ صفحہ ۷۸ اور صفحہ ۷۹ پر دیئے گئے ابن رجب، المغرب القاموس، مفردات راغب، مختار الصحاح، الصراح، عینی و فتح الباری نیز تاج العروس، ابنِ کثیر، انوارِ اساطعہ البحر، درمختار اور تحفۃ الاحباب کے سب حوالہ جات گکھڑوی صاحب کو کچھ مفید نہیں کیونکہ ان میں بدعت ایسے نئے امور کہا گیا ہے جو دین کے خلاف، منافیٔ سنّت ہوں یا دین میں ان کی کوئی اصل نہ ہو جب کہ اہلِ سنّت کے معمولات و نظریات میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں جو دین کے خلاف اور منافیٔ سنّت ہو یا حسبِ اصول اہلِ سنّت اس کی کوئی شرعی اصل نہ ہو یہی وجہ ہے کہ شدت عناد اور انتہائی کوشش کے باوجود گکھڑوی صاحب بھی اس کی نشان دہی کرنے سے عاجز و ناکام رہے ہیں اور رہیں گے انشاء اللہ۔ بے شک مزید طبع آزمائی کر کے دیکھ لیں۔ دیدہ باید۔

بے جوڑ حوالے:-

گکھڑوی صاحب نے کچھ حوالے ایسے بھی پیش کیئے ہیں جو بالکل بے جوڑ ہیں جنہیں ان کے دعویٰ یا قائم کردہ عنوان سے کچھ مطابقت نہیں مثلاً صفحہ ۷۵ پر انہوں نے یہ عنوان دیا ہے "بدعت کی تعریف

ائمۂ لغت سے''۔ جس کا متبادر معنیٰ یہ ہے کہ وہ اس عنوان کے تحت بدعت کی لغوی تعریف کے حوالہ جات لائیں گے مگر ائمۂ لغت سے ایسا کوئی حوالہ انہوں نے پیش نہیں کیا۔ حضرت علامہ نووی کا جو حوالہ انہوں نے صفحہ ۷۷ پر پیش کیا ہے اس میں بدعت کا لغوی معنیٰ مذکور ہے مگر بنیادی طور پر ان کا شمار شرّاح حدیث میں ہوتا ہے پھر اس کی کتاب کا حوالہ انہوں نے پیش کیا ہے وہ بھی لغت کی نہیں شرح حدیث کی ہے۔ اس سے قطع نظر نووی واحد ''ائمۂ لغت'' تو بہر حال نہیں۔ اس کو بھی جانے دیں ان کی وہ عبارت نہ ہمیں کچھ مضر ہے اور نہ گکھڑوی صاحب کو کچھ مفید ہے کیونکہ اس کا مصداق وہ امور بنیں گے جو شرعاً بے اصل ہوں جب کہ معمولات ونظریات اہلِ سنّت بفضلہٖ تعالیٰ ایسے نہیں ہیں۔ (ومن ادّعی فعلیہ البیان بالبرہان)۔ نیز انہوں نے فیروز اللغات کا حوالہ دیا ہے مگر اس کے مؤلّف ائمۂ لغت سے نہیں پھر اس میں بدعت کی حقیقی لغوی تعریف نہیں کی گئی۔ پھر خود گکھڑوی صاحب کے نزدیک بھی وہ کوئی معتبر شخصیت نہیں بلکہ ان کے حسبِ نظریہ وہ مشرک اور بدعتی ہیں جس کا اندازہ یہاں سے لگایا جا سکتا ہے کہ صاحبِ فیروز اللغات کی مرقد، حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مزارِ پُر انوار کے آستانہ پر مواجہہ شریف کی سمت میں اور قبر انور کے قرب میں واقع ہے جو ظاہر ہے ان کی خواہش پر ہی بنائی گئی۔ پس ایسے شخص کا حوالہ گکھڑوی اصول سے قطعاً خارج ہے جب کہ وہ ہمیں بھی کچھ مضر نہیں (لمامرّ)

باقی رہا یہاں ان کا پیش کردہ ''مصباح اللغات'' کا حوالہ؟ تو وہ بھی سینہ زوری کے قبیل سے ہے کیونکہ اس کا مؤلّف نہ تو کوئی لغت کا امام ہے نہ ہی اس کی یہ کتاب اصول موضوعہ سے ہے پھر اس نے بدعت کی جو تعریف لکھی ہے وہ لغت کی کسی معتبر کتاب میں نہیں ہے پس وہ خود محتاج دلیل ہے نیز اس کا مؤلّف کٹر اور متعصب قسم کا ندوی دیوبندی ہے۔ ملاحظہ ہو (مصباحِ اللغات صفحہ ۳ طبع ملتان) پس ان کا اپنے ہی گھر کے فرد کو حجت قاطعہ بنا کر پیش کرنا دنیا کی کس عدالت کا انصاف ہے؟ یہاں گکھڑوی صاحب نے مصباح اللغات کے مؤلّف کا نام ظاہر نہیں کیا تا کہ عوام مغالطہ کھا کر اسے بھی لغت کا امام تصور کرتے ہوئے اس کے واویلا پر بآسانی ایمان لے آئیں۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

علاوہ ازیں ''بدعت کا شرعی معنیٰ'' کا عنوان دے کر ایک انتہائی غیر معروف رسالہ گلزارِ جنت صفحہ ۵۹ کو مآخذ بنا کر گکھڑوی صاحب لکھتے ہیں:۔

''اور نواب قطب الدین خاں صاحب دہلوی الحنفی (المتوفیٰ ۱۲۷۷ھ مؤلّف مظاہر حق) لکھتے

ہیں پس بدعت اور نو احداث دین میں تو ہے تعزیہ اور مہندی اور چھڑی مدار اور سالار کی''۔اھ۔

اقولُ:۔ شرعی معنیٰ کا مطلب اس کی اصطلاحی تعریف ہے جب کہ تعریف افراد سے نہیں ہوا کرتی (کما لایخفی علیٰ احد من اھل العلم) پس کوئی منصف مزاج پڑھا لکھا دیوبندی ہی بتادے کہ گکھڑوی صاحب کے پیش کردہ ان الفاظ کو بدعت کا شرعی معنیٰ اور اس کی اصطلاحی تعریف کا نام دیا جاسکتا ہے اور ان الفاظ کو ان کے اس عنوان سے کچھ مطابقت ہے؟ باقی نواب قطب الدین صاحب نیز ان سے منسوب محولہ رسالہ کے حوالہ سے بھی کچھ کلام کی گنجائش ہے۔

نیز صفحہ ۷۹ پر انہوں نے کسی مولانا سخاوت علی کا حوالہ پیش کیا ہے جو ایک غیر معروف شخص ہے جو کسی طرح حجّت نہیں۔ پھر ان کی عبارت میں بھی زیادہ سے زیادہ صحابۂ کرام سے غیر ثابت امر کو بدعت کہا گیا ہے جو خود گکھڑوی صاحب کے خلاف ہے کیونکہ وہ اس میں تابعین اور اتباع کو بھی شامل کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں ''سخاوت علی'' کا نام کیا گکھڑوی عقیدہ اور دیوبندی اصول سے جوڑ کھاتا ہے؟

ہوائی حوالے:۔

یہاں پر گکھڑوی صاحب نے کچھ ہوائی قسم کے حوالے بھی دیئے ہیں جن کا اصل ماٴخذ خود ان کو بھی نہیں مل پایا جو مشہور صدا ''آواز آندی اے'' کے قبیل سے ہیں' انہیں بھی انہوں نے ہم پر شرعی دلیل کا درجہ دے کر حجت بنا کر پیش کیا ہے اور اس سلسلہ میں انہوں نے خصوصی معاونت بھی اپنے ہی ایک متعصب قسم کے ہم عقیدہ ''مولانہ مولوی'' سے حاصل فرمائی ہے۔ چنانچہ راہِ سنّت صفحہ ۷۸ پر ابن رجب کی ایک عبارت کے نقل کرنے کے بعد الجُنّہ نامی ایک کتاب کے صفحہ ۱۵۹ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ''اور بعینہٖ ان الفاظ سے بدعت کی تعریف علامہ معین بن صفی (المتوفی ۸۸۹ھ) نے شرح اربعین نووی میں کی ہے''۔ اھ بلفظہٖ

الجُنّہ کیا اور اس کا مؤلّف کون ہے؟ اس کی وضاحت بھی خود گکھڑوی صاحب سے سن لیجئے۔ اپنی اس کتاب راہِ سنّت میں اس کا حوالہ دے کر حاشیہ میں وہ لکھتے ہیں کہ:۔

''الجُنّہ لاصحاب السنۃ مؤلّفہ مولانا عبدالغنی خاں صاحب صدر مدرس مدرسہ عین العلم شاہجہان پور جس پر حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی کی بلند پایہ اور گراں قدر تقریظ موجود ہے۔ اس کتاب میں جہاں بھی الجنہ کا حوالہ آئے گا اس سے یہی کتاب مراد ہوگی۔ بڑی بہترین کتاب ہے''۔ اھ بلفظہٖ ملاحظہ ہو [راہِ سنّت صفحہ ۹۳ حاشیہ نمبر ۱]

اقولُ:- الجنہ کی اصل پوزیشن ہم آگے چل کر اپنے مقام پر واضح کریں گے۔ یہاں صرف یہ بتانا اور احتجاج کرنا تھا کہ مذکورہ کتاب بھی گکھڑوی صاحب کی اپنے ہی گھر کی کتاب ہے جسے وہ از راہِ ظلم حجت بنا کر ہم پر ٹھونس رہے ہیں۔ باقی اگر وہ یہ کہیں کہ الجنہ کی حیثیت محض ناقل کی ہے؟ تو ہم عرض کریں گے کہ منقول عنہ کی اصل کتاب سے مکمل عبارت پیش کریں نیز اس کی ثقاہت بھی ثابت کریں اور یہ بھی کہ وہ اصول موضوعہ سے ہیں نیز ان کی وہ عبارت اصول اہلِ سنّت پر پوری اترتی ہے پھر جواب کے ساتھ ساتھ منہ مانگا انعام بھی پائیں۔ ہم محض آپ کی اس ''بہترین کتاب'' کی نقل پر یقین نہیں کرتے کیونکہ معاف کیجئے گا جب آپ خود خائن ہیں جس کے کچھ دلائل گزر چکے اور بہت سے آگے بھی آ رہے ہیں تو عین ممکن ہے کہ یہ ''بہترین خوبی'' آپ کی پسند فرمودہ اس کتاب میں بھی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی بلکہ واقع ہے **(کما سیئاتی)**

گکھڑوی مخالف حوالے:-

ان حوالہ جات میں کچھ حوالے ایسے بھی ہیں جو گکھڑوی صاحب موقف کے صریحاً خلاف اور اس کی واضح نفی کرتے ہیں جیسے ابن رجب کی کتاب جامع العلوم والحکم صفحہ ۱۹۳ نیز تفسیر ابن کثیر جلد ۱ صفحہ ۱۶۱ کا حوالہ جو انہوں نے صفحہ ۷۸ پر پیش کیا ہے کیونکہ ان میں بدعت کی دو قسمیں کر کے یہ واضح کیا گیا ہے کہ کسی چیز کے اصل ثابت ہونے کے بعد اس کی صورت ترکیبیہ اور ہیئتِ کذائیہ' بدعت مذمومہ نہیں جو گکھڑوی صاحب کی تصریحات کے منافی ہے کیونکہ ان کے نزدیک ہیئتِ ترکیبیہ بھی بدعت مذمومہ ہے چنانچہ اس کے متعلق انہوں نے راہِ سنّت کا ایک مکمل باب باندھ کر اس پر مفصّل کلام کیا ہے۔ ان کے لفظ ہیں:-

''باب چہارم عبادات کے اندر اپنی طرف سے اوقات اور کیفیات کا تعین کرنا بدعت ہے''۔ اھ

بلفظہٖ ملاحظہ ہو [صفحہ ۱۱۸]۔

پس اگر ان کا یہ باب صحیح ہے تو ابن رجب اور ابن کثیر کی وہ عبارتیں غلط ہوئیں اور اگر وہ عبارات درست ہیں تو ان کی کتاب کا یہ باب غلط قرار پایا جس سے ان کی ساری کتاب باطل قرار پائی کہ یہ باب پوری کتاب کیلیے بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس سے قطع نظر ابن رجب اور ابن کثیر خود فریق کی حیثیت رکھتے ہیں اس لیے وہ ہم پر حجت نہیں۔

گکھڑوی صاحب کا دہرا معیار:-

راہِ سنّت کے باب چہارم میں مذکور اس موقف کے باوجود گکھڑوی صاحب نے دہرا معیار قائم

کرتے ہوئے ابن رجب کا مؤید بن کر یہ بھی لکھ دیا ہے کہ:-
''علامہ موصوف یہ بات واضح کرنا چاہتے ہیں کہ ہر احداث مردود نہیں بلکہ جو احداث فی الدین ہو وہ مردود ہے''۔ اھ بلفظہٖ ملاحظہ ہو [راہِ سنّت، صفحہ ۷۳،۷۴]

لو اپنے دام میں آپ صیاد آ گیا

اعترافِ حقیقت:-

صفحہ نمبر ۷۹ پر گکھڑوی صاحب نے ایک صحیح العقیدہ سنّی بریلوی عالم کے بارے میں لکھا ہے:-
''فریق مخالف کے مشہور محقق عالم مولوی محمد صالح صاحب'' اھ بلفظہٖ۔

جب کہ صفحہ ۷۵ پر تو ان کی کیفیت تھی کہ وہ علماء اہلِ سنّت کے حق میں علماء کا لفظ بولنے کے لیے بھی تیار اور اس کے روادار نظر نہیں آتے تھے اور یہ لفظ ان کے قلم ''فیض رقم'' پر کوہِ گراں بن رہا تھا مگر یہاں وہ بڑی سادگی کے ساتھ انہیں محقق بھی مان گئے اور ان کے علم کا سکّہ بھی تسلیم کر گئے۔ آخر حق حق ہوتا ہے۔ کہیں نہ کہیں اس کے غلبہ کا ظہور خواہی نخواہی ضرور ہو جایا کرتا ہے۔

زبردستی حوالے:-

اس سلسلہ میں گکھڑوی صاحب نے اپنے ہم عقیدہ بلکہ بانیان عقیدہ قسم کے دیوبندی بزرگوں کے حوالہ جات کی بھرمار کر انہیں بھی ہم پر زبردستی ٹھونسنے کی کوشش کی ہے جو بالکل ایسے ہے جیسے گکھڑوی صاحب یہ کہیں کہ ''ہم یوں فرماتے ہیں''۔ چنانچہ صفحہ ۷۴ پر انہوں نے اُمّت میں تفرقہ ڈالنے والی مشہور کتاب نصیحۃ المسلمین کے اپنے مشہور متعصب وہابی مولوی خرم علی صاحب کا حوالہ ان کے ترجمہ مشارق الانوار صفحہ ۱۰۱ سے پیش کیا ہے جس میں انہوں نے بعض معمولات اہلِ سنّت کو غلط رنگ دے کر بلا دلیل انہیں بدعت شرعیہ قرار دیا ہے جو کوئی نئی بات نہیں۔ اسی طرح صفحہ ۷۵ پر مشہور گستاخانہ کتاب براہین قاطعہ کے مؤلف مولوی خلیل احمد سہارنپوری انبیٹھوی دیوبندی کی کتاب بذل المجہود اور اس کے متبع کامل مولوی شبیر احمد عثمانی دیوبندی کی کتاب فتح الملہم کے حوالے نیز صفحہ ۷۷ پر اپنے دیوبندی عالم مولوی عبدالحفیظ بلیاوی کی مصباح اللغات نیز صفحہ ۷۹،۸۰ پر متعصب دیوبندی پروفیسر مولوی کریم بخش دیوبندی کی حقیقۃ الایمان، مولوی شبیر احمد عثمانی دیوبندی صاحب کی حمائل شریف اور اپنے مفتی کفایت اللہ دہلوی کی تعلیم الاسلام حصہ چہارم کے حوالے دیئے ہیں ـــــ پس

آپ ہی اپنی اداؤں پر ذرا غور کریں
ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

کوئی عبارت گکھڑوی موقف کی دلیل نہیں:-

بناء بریں (راہِ سنّت صفحہ ۷۵ تا ۸۰) پیش کردہ عبارات میں سے کوئی عبارت تعریف بدعت کے بارے میں گکھڑوی موقف کی قطعاً دلیل نہیں خواہ وہ ائمۂ لغت کی ہوں یا شرّاح حدیث کی ہوں یا دیگر کسی کی۔ حتیٰ کہ گکھڑوی صاحب نے اپنی جن دیوبندی اکابر کی عبارات پیش کی ہیں ان میں سے بھی کسی ایک عبارت میں بھی ان کے کلیۂ بدعت کا کوئی نشان، پتہ نہیں ملتا، پس ان کی اس طویل بحث کی حیثیت ورق سیاہی سے زیادہ نہیں جس کا مقصد کتاب کا حجم بڑھا کر عوام پر رعب ڈالنے کے سوا کچھ نہیں۔

گکھڑوی کلیّۂ بدعت:-

چنانچہ گکھڑوی صاحب کا اختیار کردہ کلیۂ بدعت (جسے ان کی پوری زندگی کے مطالعہ کا ماحصل کہا جائے تو یہ بے جانہ ہوگا ان کی تحریر کے مطابق) اس طرح ہے کہ:-

''جس چیز کا محرک اور داعیہ اور سبب آنحضرت ﷺ کے زمانہ مبارک میں موجود تھا مگر آپ نے وہ دینی کام نہیں کیا اور حضرات صحابۂ کرام اور تابعین و تبع تابعین نے بھی باوجود کمال عشق ومحبت اور محرکات واسباب کے نہیں کیا تو وہ کام بدعت قبیحہ اور بدعت سیئہ شرعیہ کہلائے گا جو ہر حالت میں مذموم اور ضلالت وگمراہی ہوگا''۔

اھ بلفظہٖ ملاحظہ ہو [راہِ سنّت صفحہ ۱۰۰ نیز نحوہ، صفحہ ۶۵ تا ۶۸ نیز صفحہ ۹۳ نیز صفحہ ۱۰۱ و ۱۰۲]

اقولُ:- دلچسپی رکھنے والے اہلِ علم حضرات ان کی پیش کردہ ان تمام عبارات کو سامنے رکھ کر ان کے بیان کردہ اس کلیۂ بدعت سے تقابل کر کے دیکھ لیں کوئی ایک بھی عبارت ایسی نہیں جس میں اس کلیہ کا کوئی ذکر ہو بلکہ بعض صریحاً ان کے خلاف بھی ہیں۔ مثلاً صفحہ ۷۳ پر پیش کردہ عبارت ابن رجب نیز صفحہ ۷۶، ۷۷ پر پیش کی گئی قاموس ار مفردات راغب اور عمدۃ القاری کی عبارات، اسی طرح صفحہ ۷۸، ۷۹ پر نقل کی گئی علامہ شمنیؒ، صاحب البحر اور صاحب درّ مختار کی عبارات میں محرک، داعیہ اور سبب کی موجودگی کی شرط تو کجا، ان میں صحابہ وتابعین اور اتباع کا بھی سرے سے کوئی ذکر نہیں۔ نیز صفحہ ۷۹ پر منقولہ عبارت رسالہ تقویٰ صفحہ ۹ از مولانا سخاوت علی میں تابعین واتباع کے زمانہ میں ہونے کا ذکر مفقود ہے۔ نیز اسی صفحہ ۸۹ پر مولوی کریم بخش دیوبندی کی عبارت میں کسی امر کے بدعت ہونے کے لیے خیر القرون کے اہل حق کی اکثریت کے قبول نہ کرنے کی انوکھی

شرط کا ذکر ہے۔ چنانچہ ان کے لفظ ہیں:-

''بدعت ہر وہ فعل دین ہے جس کو قرون ثلاثہ کے اہل حق کی اکثریت نے قبول نہ کیا ہو''۔اھ بلفظہٖ

جس سے ایک تو یہ واضح ہو گیا کہ ان کے نزدیک خیر القرون میں بھی اہل باطل کا وجود تھا۔ دوسرا یہ کہ ان کے نزدیک بعض صحابہ و تابعین اور بعض اتباع کا بدعتی ہونا ممکن ہی نہیں بلکہ امر واقع ہے (والعیاذ باللہ) ورنہ ''اہل حق کی اکثریت'' کی قید کیوں؟

اسی طرح گکھڑوی صاحب کے پیش رو عثمانی صاحب کی عبارت میں قرون ثلثہ کا ذکر تو ہے مگر نہ تو اس میں کریم بخش ''اہل حق کی اکثریت'' کے قبول نہ کرنے کی شرط ہے اور نہ ہی اس میں گکھڑوی محرک، داعیہ اور سبب کے فلسفہ کی موجودگی کا کوئی نشان پتہ ہے۔ ملاحظہ ہو [صفحہ ۷۹، ۸۰]

ع جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے

دامن کو ذرا دیکھ ذرا بند قبا دیکھ:-

وکیل صفائی کے طور پر گکھڑوی صاحب نے اس مقام پر لکھا ہے:-

''اکابرین علماء دیوبند ہر مسئلہ میں اتباع سنّت کے ساتھ سلف صالحین کی تحقیق کامل پر اعتماد رکھتے ہیں دیگر مسائل کی طرح وہ بھی بدعت کی تعریف میں سلف کی پیروی کرتے ہیں''۔اھ بلفظہٖ

ملاحظہ ہو [راہِ سنّت صفحہ ۷۹]

اقولُ:- اتباعِ سنّت اور سلف صالحین کی تحقیق کامل کی تقسیم بتا کر گکھڑوی صاحب انہیں متضاد کہہ گئے ہیں کیونکہ قسیم ایک دوسرے کا ضد ہوتے ہیں۔ پھر جب یہ ثابت ہو چکا ہے کہ گکھڑی صاحب اور اکابر کے بیان کردہ کلیات بدعیّہ ایک دوسرے سے مختلف اور الگ الگ ہیں تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ اگر اکابرین دیوبند تعریف بدعت کے حوالہ سے واقع میں سلف صالحین کے پیرو ہیں تو گکھڑوی صاحب کا بیان کردہ کلیۂ بدعت بدعت ہوا اور اگر گکھڑوی صاحب کا کلیہ درست ہے تو ان کے اکابر کے کلیات، بدعت ہوئے۔ حق و تحقیق حقیق ہے کہ گکھڑوی صاحب اپنے اکابرین دیوبند سمیت اپنے ان کفریہ اور گستاخانہ عقائد و نظریات کی بناء پر کہ جن کے پیش نظر وقت کے عرب و عجم کے بیسیوں علماء اسلام اور مذاہب اربعہ کے فقہاء نے ان کے قائلین کو خارج از اسلام اور مرتد قرار دیا تھا، خالص بدعتی ہیں اور ان کے یہ کلیات بھی بدعی ہیں پس ان کا یہ واویلا اپنے جرم کو چھپانے کی کوشش کے سوا کچھ نہیں پھر بھی اگر وہ چراغ پا ہوں تو اپنے حسب ذیل عقیدہ کا حسبِ اصول خود،

قرآن مجید کی کسی صریح آیت یا رسول اللہ ﷺ کی کسی صحیح ثابت حدیث یا خیر القرون کے اہل حق کی اکثریت سے اس کا بعینہٖ ثبوت مہیا کریں جو یہ ہے :- چنانچہ گنگھڑوی صاحب اور ان کی جماعت کے امام اوّل نے اپنے متعلقین کو تلقین کرتے ہوئے انہیں دوسری ہدایت یہ دی ہے کہ :-

"نفس اور شیطان دونوں نماز میں خلل انداز ہوتے ہیں نفس تو اس طرح سے کہ سستی کرتا ہے اور اپنا آرام چاہتا ہے اور ارکان نماز کے ادا کرنے میں جلدی کرتا ہے تا کہ جلدی فراغت ہو سکے اور سو رہے یا آرام کرے اور اپنی محبوب چیز میں مشغول ہو جائے (الیٰ) ولیکنّ شیطان وسوسہ ڈال کر خلل اندازی کرتا ہے اور نماز کی شان میں سب کی اور اس سے بے پروائی اور اس کو چنداں کارآمد نہ جاننا اس کے بدترین وساوس سے ہے (الیٰ) آہستہ آہستہ گاؤ خر کے خیال کی طرف لے جاتا ہے حتیٰ کہ یہ صورت پیدا ہو جاتی ہے ع

برزباں تسبیح و در دل گاؤ خر

گاؤ خر تو ایک مثال ہے۔ حضور خدا تعالیٰ کے سوا جو کچھ ہو خواہ گاؤ ہو خواہ گدھا ہاتھی ہو یا اونٹ سب کا یہی حکم ہے (الیٰ) اور جو شخص خود کسی امر کی تدبیر کی طرف متوجہ ہو خواہ وہ امر دینی ہو یا دنیاوی بالکل اس کے خلاف ہے اور جس شخص پر یہ مقام کھل جاتا ہے وہ جانتا ہے۔ ہاں بمقتضائے ظلمات بعضہا فوق بعض زنا کے وسوسے سے اپنی بیوی کی مجامعت کا خیال بہتر ہے۔ اور شیخ یا انہی جیسے اور بزرگوں کی طرف خواہ جناب رسالت مآب ہی ہوں، اپنی ہمت کو لگا دینا اپنے بیل اور گدھے کی صورت میں مستغرق ہونے سے زیادہ برا ہے کیوں کہ شیخ کا خیال تعظیم اور بزرگی کے ساتھ انسان کے دل میں چمٹ جاتا ہے اور بیل اور گدھے کے خیال کو نہ تو اس قدر چسپیدگی ہوتی نہ تعظیم۔ بلکہ حقیر اور ذلیل ہوتا ہے۔ اور غیر کی تعظیم اور بزرگی جو نماز میں ملحوظ ہو وہ شرک کی طرف کھینچ لے جاتی ہے۔ اھ بلفظہٖ ما اردنا۔ ملاحظہ ہو [صراطِ مستقیم مترجم اردو صفحہ ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰ از مولوی اسمٰعیل دہلوی طبع اسلامی اکادمی لاہور]

ثمّ اقولُ:- ثبوت مہیا کرتے ہوئے بعینہٖ بہ صورۃ ترکیبہ اور بہ ہیئت کذائیہ ثبوت کے لازم ہونے کا اپنا اصول بھی مت بھو لیئے گا نیز حضرت صدیق اکبر اور دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے عین حالتِ نماز میں رسول اللہ ﷺ کی تعظیم و تکریم کے بجالانے کے واقعہ کو تفصیلاً لکھنے کے ساتھ ساتھ اس کی توجیہ بھی ضرور بیان کیجئے گا اور یہ تو آپ کو علم ہو گا ہی کہ وہ واقعہ صحیح بخاری شریف میں بھی ہے اور صحیح مسلم شریف میں بھی۔

گنگھڑوی صاحب سمیت اکابرین دیوبند کے اہل تنقیص اور فرقۂ مبتدعہ ہونے کی مفصل بحث

آئندہ صفحات میں اپنے مقام پر آرہی ہے۔ یہاں صرف ایک جھلکی پیش کی گئی ہے لہٰذا ہم بجا طور پر کہہ سکتے ہیں کہ ؂

اتنی نہ بڑھا پاکیٔ داماں کی حکایت　　　دامن کو ذرا دیکھ، ذرا بندِ قبا دیکھ

کلیہ ہٰذا کے اصل موجد کی تحقیق:-

گکھڑوی صاحب کے بیان کردہ کلیہ ہٰذا کے اصل موجد اور وضع کنندہ وہابیت بجمیع اقسامہا وانواعہا کے مؤسّسِ اوّل جناب مولوی مسمّی تقی الدین احمد بن عبدالحلیم حرّانی المعروف ابن تیمیہ صاحب المتوفیٰ ۷۲۸ھ ہیں (حوالہ ابھی عنقریب آرہا ہے)۔ اس سلسلہ میں گکھڑوی صاحب کے ابن تیمیہ موصوف کا نام لینے کی بجائے مجالس الابرار نامی کتاب کا سہارا لینے کی وجہ یہ ہے کہ ابن تیمیہ صاحب مذکور انتہائی بدنام شخص ہیں اور یہ وہی بزرگ ہیں جنہوں نے پوری امّت سے الگ راہ اختیار کرتے ہوئے سیّدِ عالم ﷺ کی زیارت اقدس کی نیت سے سفرِ سعادت کو سفرِ معصیت قرار دیا تھا (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) نیز سب سے پہلے اجماع کو توڑتے ہوئے بیک وقت دی گئی تین طلاقوں کو مطلقاً ایک رجعی طلاق قرار دے کر شرعاً حرام شدہ عورتوں کو ان کے سابقہ شوہروں کے لیے حلال ہونے کا نعرہ بھی انہی صاحب نے بلند کیا تھا جس کی پاداش میں انہیں جیل جانا پڑا اور اسی حالت قید ہی میں وفات پائی تھی۔ اس کے باوجود وہ خود کو حنبلی بھی کہلاتے تھے جب کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ کے یہ نظریات قطعاً نہ تھے بلکہ بقیہ ائمۂ ثلٰثہ بلکہ دیگر مجتہدین امت میں سے کوئی بھی یہ مذہب نہ رکھتا تھا بناء بریں امّت کے دلوں میں ان کے خلاف نفرت کا بھڑکنا لازمی امر تھا مجبوراً گکھڑوی صاحب کے بعض بزرگوں کو بھی حسبِ عادت ازراہِ مصلحت ان کے بارے میں اظہارِ نفرت کرنا پڑا جب کہ اندرونی طور پر وہ ان کی بزرگی کے قائل تھے۔ پس گکھڑوی صاحب نے بھی ڈر کے مارے واضح طور پر کھل کر ان کا نام لینے سے احتراز کرتے ہوئے دوسروں کے کندھے پر رکھ کر مارنے کی کوشش کی اور صاحب مجالس الابرار کا سہارا لیا ہے جب بقول ؂

خوشتر آں باشد کہ سرّ دلبراں　　　گفتہ آید در حدیث دیگراں

وہ اس سے در پردہ تبلیغ واشاعت انہی ابن تیمیہ صاحب ہی کے نظریات کی کرنا چاہتے ہیں اور مجالس الابرار کا نام لینا محض ایک بہانہ ہے نیز صاحب مجالس کو اس کلیہ کا موجد ظاہر کرنا قطعاً غلط اور محض ڈھونگ ہے کیونکہ اوّلاً علمی دنیا میں مجالس الابرار کی کوئی حیثیت ہی نہیں ہے اس لیے اس کا کوئی حوالہ ہم پر قطعاً کسی طرح حجت نہیں

ہوسکتا۔ خصوصاً جب کہ ترجمان اہل سنّت اعلیٰ حضرت مولانا الشاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ بھی اس سے اظہارِ برأت فرما کر اس کی استنادی حیثیت کو چیلنج کر چکے ہیں (جس کی باحوالہ تفصیل ہماری اس کتاب کے جلد دوم میں قیاس کی بحث کے ضمن میں گزر چکی ہے)۔

ثانیاً:۔ اس سے قطع نظر خود گکھڑوی صاحب اور ان کے مسلّم بزرگوں کے مابین ابھی تک یہ بھی طے نہیں پا سکا کہ کتاب ہٰذا (مجالس الابرار) کے مؤلّف کون بزرگ ہیں چنانچہ ان کے پیش رو مفتی کفایت اللہ دہلوی صاحب کشف الظنون اور اتحاف کے حوالہ سے کہنا یہ ہے کہ اس مؤلّف کا نام شیخ احمد رومی ہے نیز یہ بھی کہ اس سے زیادہ انہیں مؤلّف مذکور کے حالات دستیاب نہیں ہو سکے جس پر انہیں سخت افسوس ہے۔ ملاحظہ ہو [مجالس الابرار صفحہ ۳۶ طبع کراچی]

جب کہ گکھڑوی صاحب اس کی پُرزور انداز میں تردید اور تغلیط کرتے اور اس کے مؤلّف کا نام ''قاضی ابراہیم الحنفی'' لکھتے ہیں جب کہ گکھڑوی صاحب کو بھی اپنے اس ممدوح کے حالات دستیاب کرنے میں وائے ناکامی اور صد افسوس کہ کامیابی نہیں ہوسکی اور ان کے متعلق وہ بھی بغیر کسی حوالہ کے صرف اتنا لکھ سکے ہیں کہ (المتوفیٰ فی حدود ۱۰۰۰ھ'') ملاحظہ ہو [راہِ سنّت صفحہ ۶۱]

پس جب کتاب اور اس کے مؤلّف کی ثقاہت اور استنادی حیثیت تو درکنار سرے سے یہ بھی متعین نہیں کہ اس کا لکھنے والا کون ہے تو اسے ہم پر حجّت بنا کر پیش کرنا دنیا کی کس عدالت اور شریعت مطہرہ کی کس دلیل کی رو سے ہے؟ خدارا انصاف۔

مفتی کفایت اللہ صاحب کو بھی اپنی اس کمزوری یا اپنے کمزور اقدام کا احساس ہوا تو انہوں نے اس کا ازالہ اس طرح سے کیا کہ اسے امام اہلِ سنّت حضرت شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے کھاتے میں ڈالتے ہوئے کتاب کی اہمیت بنانے کی غرض سے یہ لکھ دیا ہے کہ حضرت موصوف نے ''اس کتاب کی تعریف وتوصیف فرمائی ہے'' اور عبارت بھی بنا کر لکھ دی مگر افسوس کہ وہ اسے بھی حضرت شاہ صاحب سے ثابت کرنے میں ناکام رہے اور اس سلسلہ میں اپنے ہی ایک ہم عقیدہ بزرگ نواب صدیق حسن خاں بھوپالی کا نام لے دیا کہ انہوں نے یوں لکھا ہے ملاحظہ ہو۔ [مجالس الابرار صفحہ ۳۶]

اسی کو گکھڑوی صاحب لے اڑے اور ''تنکے کا سہارا'' کے پیش نظر اس پر شاداں وفرحاں ہو کر یہ لکھ گئے کہ ''مجالس الابرار کی حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدّث دہلویؒ نے بھی بڑی تعریف کی ہے''۔ اھ بلفظہٖ

ملاحظہ ہو [راہِ سنّت صفحہ ۲۱]

مگر یہ ''بڑی تعریف'' شاہ صاحب نے کب' کہاں اور اپنی کس کتاب میں کی ہے؟ قیامت تک ان بزرگوں سے یہ مت پوچھو کہ فی الحال تو عوام میں ہوا بن گئی ہے بعد کی بات بعد میں دیکھی جائے گی۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

بہر حال اگر کتاب مذکور کے مؤلّف شیخ احمد رومی ہوں جیسا کہ مفتی کفایت اللہ صاحب نے تصریح کی ہے اور وہ ابن تیمیہ صاحب سے پہلے کے ہوں تو اس میں کلیہ بدعت کے حوالے سے گکھڑوی صاحب کی پیش کردہ عبارت قطعاً الحاقی ہے کیونکہ وہ عبارت ابن تیمیہ صاحب کی ہے (وسیّاتی) اور یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ پہلے گزرنے والا شخص اپنی کتاب میں بعد میں وجود میں آنے والی کتاب کی عبارت کو پیش کرے جب کہ مؤلّف اس پائے کا باکرامت بزرگ بھی نہیں اور نہ ہی گکھڑوی صاحب اور ان کی جماعت اس قسم کے کمالات ولایت کے قائل ہیں۔ اور اگر وہ ابن تیمیہ صاحب کے بعد کے ہوں یا اس کے مؤلّف کوئی قاضی ابراہیم الحنفی نامی بزرگ ہوں جیسا کہ گکھڑوی صاحب نے عندیہ دیا ہے تو اگر یہ عبارت اس میں الحاقی' مدسوس اور ملاوٹی نہ بھی ہو تو یہ بات یقینی قرار پاتی ہے کہ اس کا مؤلّف ابن تیمیہ کا ہم پیالہ وہم نوالہ ہے جس نے تیموی ہونے کے ناطے سے استناداً اپنے مقتداء کی عبارت کو حوالہ دیئے بغیر اپنی کتاب کا حصّہ بنا دیا ہے اور گکھڑوی عندیہ کی رو سے قرین قیاس بھی یہی ہے کیونکہ ان کے ''علامہ قاضی ابراہیم الحنفی'' موصوف' ابن تیمیہ صاحب کے کافی بعد کے ہیں چنانچہ ابن تیمیہ صاحب کی وفات ۷۲۸ھ میں ہوئی ملاحظہ ہو [اقتضاء الصراط المستقیم صا جلد ۱۵] جب کہ قاضی ابراہیم صاحب بقول گکھڑوی صاحب ان کے دوسو بہتر (۲۷۲) برس بعد ۱۰۰۰ھ کی حدود میں فوت ہوئے جیسا کہ ابھی راہِ سنّت کے حوالہ سے گزرا ہے۔

علاوہ ازیں اس کی مزید دلیل یہ ہے کہ اس کتاب میں جگہ جگہ پر تیموی سلسلہ کے بزرگوں سے استناد بھی مذکور ہے چنانچہ صفحہ ۱۵۵ پر لکھا ہے:-

''ابن قیم نے اپنی کتاب اغاثہ میں اپنے استاد سے نقل کیا ہے'' نیز صفحہ ۱۵۸ پر مرقوم ہے: ''ابن قیم نے اغاثہ میں لکھا ہے'' الخ۔ جب کہ دنیا جانتی ہے کہ ابن قیم صاحب ابن تیمیہ صاحب کے خصوصی شاگردوں میں سے اور ان کی اس خاص تحریک کے دست و بازو ہیں پس مذکور عبارت میں ''اپنے استاذ'' سے مراد ابن تیمیہ صاحب ہی ہیں۔

نیز مزید یہ کہ کتاب ہٰذا کے بیشتر مقامات خصوصاً اس کی اٹھارویں مجلس خالصۃً تیموی زبان میں لکھی ہوئی ہے جن میں بات بات پر بدعت بدعت اور شرک شرک کے جبروتی فتوے صادر کیے گئے جو ہمارے حنفی فقہاء کا طرزِ بیاں ہرگز نہیں۔ فشتّان مابینھما والحمدللہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الامین وآلہٖ و صحبہٖ اجمعین۔

کلیہ ہٰذا کی ابنِ تیمیہ سے نشاندہی:۔

گکھڑوی صاحب نے جو کلّیۂ بدعت مجالس الابرار کے حوالہ سے ذکر کیا ہے' وہ بعینہٖ ابن تیمیہ صاحب کی کتاب ''اقتضاء الصراط المستقیم مخالفة اصحاب الجحیم ''میں من وعن موجود ہے دونوں کا موازنہ کر لیجئے۔ چنانچہ مجالس الابرار میں لکھا ہے:۔

''اگر کوئی ایسا امر ہے جو رسول اللہ ﷺ کے بعد پیدا ہوا ہے اور حاجت کے موافق ایجاد کیا گیا ہے تو جائز ہے (الیٰ) اور اگر آپ کے زمانہ میں سبب موجود ہو لیکن کسی عارض وجہ سے متروک ہو اور حضورؐ کی وفات کے بعد وہ مانع جاتا رہا ہو تو ایسے امر کا احداث بھی جائز ہے (الیٰ) اور جس فعل کا سبب آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں موجود ہو اور کوئی مانع بھی نہ ہو اور باوجود اس کے حضورؐ نے نہ کیا ہو تو ایسا کام کرنا اللہ کے دین کو بدلنا ہے کیونکہ اس کام میں کوئی مصلحت ہوتی تو حضرت سرورِ کائنات اس کو خود ضرور کرتے یا ترغیب فرماتے اور جب آپ نے نہ خود کیا نہ دوسروں کو ترغیب دی تو معلوم ہوا کہ اس میں کوئی بھلائی نہیں بلکہ وہ بدعت قبیحہ سیئہ ہے''۔ اھ ملخّصاً بلفظہٖ ملاحظہ ہو [صفحہ ۱۶۶' صفحہ ۱۶۷ اٹھارویں مجلس' طبع دارالاشاعت کراچی مطبوعہ ۱۳۹۸ھ نیز راہِ سنّت صفحہ ۶۷ بحوالہ مجالس الابرار]

جب کہ اسی کو ابن تیمیہ صاحب ان الفاظ میں لکھ چکے ہیں:۔

''فان کان السبب المحوج الیه امراً حدث بعد النبی صلی الله علیه وسلم لکن ترکه النبی صلی الله علیه وسلم من غیر تفریط منافهنا قد یجوز احداث ماتدعوالحاجة الیه و کذلک ان کان المقتضیٰ لفعله قائما علیٰ عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم لکن ترکه النبی صلی الله علیه وسلم لمعارض قد زال بموته (الیٰ)فکل امر یکون المقتضی لفعله علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم موجودا لو کان مصلحة ولم یفعل یعلم انه لیس بمصلحةٍ''۔ اھ ملخّصاً بلفظہٖ ملاحظہ

ہو [اقتضاء الصراط المستقیم صفحہ ۲۷۷، ۲۷۸ طبع مکتبہ سلفیہ لاہور مطبوعہ ۱۳۹۸ھ ۱۹۷۸ء]

نیز مجالس الابرار میں اس کے آگے لکھا ہے:-

''اس کی مثال عیدین میں اذان کہنا ہے کہ جب اس کو بعض سلاطین نے ایجاد کیا تو علماء نے منع کیا اور اس کو ناجائز بتلایا۔ اگر اس کا بدعت ہونا اس کی کراہت کی دلیل نہ ہوتا تو کہا جاتا کہ یہ تو خدا کا ذکر ہے اور اللہ کی عبادت کے لیے لوگوں کو بلانا ہے تو جمعہ کی اذان پر اس کا قیاس کیا جائے یا ان عام احکام کے تحت میں داخل مانا جائے جن میں سے ایک، اللہ کا یہ فرمان بھی ہے ''اللہ کو بہت یاد کیا کرو''۔ اور یہ ارشاد ''اس سے بہتر کون ہے جس نے اللہ کی طرف بلایا''۔ لیکن ایسا کسی نے نہیں کیا بلکہ یہی کہتے رہے کہ جیسے اس فعل کو کرنا جس کو پیغمبر علیہ السلام نے کیا ہے، سنّت ہے۔ اسی طرح اس کام کو چھوڑ دینا بھی سنت ہے جس کو آپ نے باوجود ضرورت ہونے اور مانع نہ ہونے کے نہیں کیا ہے کیونکہ پیغمبر علیہ السلام نے جب جمعہ کی اذان کا حکم دیا اور عیدین میں حکم نہیں دیا تو ان میں اذان نہ کہنا ہی سنت ہے اور کسی کو حق نہیں ہے کہ اس پر زیادتی کرے اور یہ کہے کہ یہ نیک کام کی افزائش ہے اور ایسی زیادتی مضر نہیں اس لیے کہ اس کے جواب میں یہ کہا جائے گا کہ اسی طرح پیغمبروں کے دین متغیر ہو گئے اور ان کی شریعتیں بدل گئیں کیونکہ دین میں زیادتی اگر جائز ہوتی تو یہ بھی جائز ہوتا کہ صبح کی نماز چار رکعت اور ظہر کی چھ رکعت پڑھے کیونکہ یہ بھی تو نیک کام کی زیادتی ہے اس میں کچھ حرج نہیں لیکن یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کیونکہ بدعتی جو مصلحت اور فضیلت بیان کرتا ہے اگر وہ پیغمبر علیہ السلام کے وقت ثابت ہوتی اور باوجود اس کے آپ نے اس کو نہیں کیا تو اُس کام کا چھوڑ ہی آپ سے سنّت ہے جو ہر عموم اور قیاس سے مقدم ہے''۔ اھ بلفظہٖ ملاحظہ ہو [صفحہ ۱۶۷، ۱۶۸، مجلس نمبر و طبع و سن طباعت مذکور]

اسی کو ابن تیمیہ صاحب نے حسبِ ذیل الفاظ میں بیان کیا تھا:-

''فمثال هٰذا القسم الاذان فی العیدین فان هٰذا لما احدثه بعض الامراء انکره المسلمون لانه بدعة. فلولم یکن کونه بدعة دلیلا علیٰ کراهة والایقل هٰذا ذکر الله ودعاء للخلق الیٰ عبادة الله فید خل فی العمومات کقوله تعالیٰ (۳۳:۴۱) 'اذکروا الله ذکرا کثیرا) وقوله تعالیٰ (۴۱:۳۳) ومن احسن قولاً ممن دعا الی الله) اویقاس علی الاذان فی الجمعة. فان

الاستدلال علی حسن الاذان فی العیدین اقویٰ من الاستدلال علیٰ حسن اکبر البدع بل یقال ترک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لہ مع وجود ما یعتقد مقتضیا وزوال المانع سنۃ کما ان فعلہ سنۃ فلما امر بالاذان فی الجمعۃ وصل العیدین بلا اذان ولا اقامۃ کان ترک الاذان فیھما سنۃ فلیس لاحدان یزید فی ذٰلک بل الزیادۃ فی ذلک کالزیادۃ فی اعداد الصلوٰۃ واعداد الرکعات او الحج(الیٰ) ومع ھٰذا لم یفعلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فھٰذا الترک سنۃ خاصۃ مقدمۃ علیٰ کل عموم وکل قیاس ''اھ بلفظہٖ ملخّصاً ملاحظہ ہو [اقتضاء الصراط المستقیم صفحہ ۲۷۹ صفحہ ۲۸۰ طبع مذکور]

اقولُ:- مجالس الابرار اور اقتضاء الصراط دونوں کی منقولہ عبارت کا آپس میں تقابل کر کے بآسانی سمجھا جا سکتا ہے کہ اوّل الذکر کتاب کے پیش نظر مقامات ثانی الذکر ہی کا چربہ بلکہ سرقہ ہیں۔ چنانچہ مجالس کی نقل کردہ عبارت نمبر۲ کے ابتدائی الفاظ تھے: ''اس کی مثال عیدین میں اذان کہنا ہے''۔ جب کہ اقتضاء میں اس کی عبارت نمبر۲ کے ابتدائی الفاظ اس طرح ہیں: فمثال ھٰذ القسم الاذان فی العیدین''۔

اس طرح مجالس کی منقولہ عبارت نمبر۲ کے آخری الفاظ اس طرح تھے: ''جو ہر عموم اور قیاس سے مقدم ہے''۔ جب کہ اقتضاء کی مذکورہ عبارت نمبر۲ کے آخر میں یہ لفظ ہیں: ''مقدمہ علیٰ کل عموم و کل قیاس''، جس میں کلی مطابقت روز روشن کی طرح عیاں ہے و ع

عیاں راچہ بیاں فاتّضح بہ ماقلناہ

ابنِ تیمیہ کے مذکورہ اعتراضات کا مختصر و جامع جواب:-

باقی ابنِ تیمیہ صاحب نے اپنی ان عبارات میں جو اعتراضات کیے ہیں وہ قطعاً بے جا، پادر ہوا، لیس بشیٔ اور مغالات ہیں اور علم و تحقیق کے معیار سے بالکل ساقط الاعتبار کیونکہ پنجگانہ نمازوں اور ان کی رکعتوں میں کمی وبیشی اسی طرح عیدین میں اذان واقامت کے عدم جواز کی وجہ محض عدم فعل نہیں بلکہ نمازوں کی تعداد اسی طرح ان کی رکعات کی حد بندی اور احادیث متواترہ میں منصوص ہے جب کہ ایسے منصوص امور میں قیاس تو کجا خبر واحد سے بھی کمی بیشی روا نہیں (کما ھو مبرھن فی الاصول) جو خارج از بحث ہے جب کہ عیدین میں اذان واقامت کا مکروہ ہونا فعلِ عدم کی بنیاد پر ہی جب کہ عدم فعل اور فعل عدم میں زمین وآسمان کا سا فرق ہے یعنی عیدین میں اذان واقامت اس لیے نہیں کہی جاتی کہ احادیث صحیحہ کثیرہ میں صراحت آ گئی ہے کہ آپ ﷺ

نے ان میں نہ اذان کہلوائی اور نہ اقامت۔(کما رواة غیر واحد من ائمّه الحدیث)جب کہ بحث فعل عدم میں نہیں، عدم فعل کے حکم میں ہے۔پس یہ ابن تیمیہ صاحب کا مغالطہ ہے جوانہوں نے ہاتھ کی صفائی سے عوام کو دیا ہی (مکمل اور مفصل جوابات اپنے مقام پر آئیں گے)۔

نوٹ:۔ مجالس الابرار پر کچھ تبصرہ ہماری اس کتاب کے جلد دوم میں بھی گزر چکا ہے فمن شاء الاطلاع علیها فلیرجع الیه۔

مجالس الابرار سے متعلق ازالۂ وہم:۔

فتاویٰ عزیز فارسی جلد۲ صفحہ ۱۱۵ طبع کوئٹہ میں ایک سائل کے سوال (جو مجالس الابرار کے متعلق ہے کہ) وہ معتبر ہے یا نہیں؟ کے جواب میں اتنا لکھا ہے کہ معتبر است واللہ اعلم بالصواب'' جس سے تقریب تام نہیں کہ اوّلاً: خود فتاویٰ کا حرف بحرف ثابت ہونا محل نظر ہے۔ثانیاً: یہ بھی متعین نہیں کہ یہ کلام موجودہ مجالس الابرار کے بارے میں ہے یا اس نام کی کوئی اور کتاب ہے فافہم۔

الاعتصام للشاطبی سے جامع جواب:۔

مجالس الابرار سے متعلق ہمارے مذکورہ بالا بیان کی روشنی میں فی الجملہ ابواسحاق لخمی کی کتاب الاعتصام سے بھی اصولی جواب ہوگیا جسے گکھڑوی صاحب نے امام غرناطی علامہ ابواسحٰق اور امام شاطبی کے القاب سے یاد کر کے ان کی مذکورہ کتاب سے بکثرت حوالے اپنی کتاب راہِ سنّت میں بھرتی کئے ہیں کیونکہ وہ بہ تیموی تعلیمات سے متاثر ہیں جن کی وفات ۷۹۰ھ میں ابن تیمیہ صاحب کے تقریباً ۶۲ برس بعد ہوئی ملاحظہ ہو [مقدمہ الاعتصام صفحہ ۱۰ طبع بیروت۔نیز رارہِ سنّت صفحہ ۱۰۸] (مکمل تفصیل مناسب مقام پر آ جائے گی)۔

گکھڑوی کلیہ ہٰذا پر کلام:۔

گکھڑوی صاحب کے بیان کردہ کلیہ ہٰذا (جس کے اصل موجد و واضع مولوی ابن تیمیہ صاحب ہیں) کا ذمہ دار اور ماٴ خذ قاضی ابراہیم کو ٹھہرایا جائے خواہ وہ شیخ احمد رومی کو یا ابن تیمیہ کو

(۱) وہ بہر صورت قطعاً غیر معتبر ہے بلکہ خود گکھڑوی صاحب کے مقرر کردہ معیار سے ہٹ کر اور وہی بدعت قبیحہ سیّئہ ہے جس کے ردّ میں انہوں نے اپنی پیش نظر کتاب کو وضع کیا ہے کیونکہ انہوں نے شرعی دلیل کے لیے قرآن، حدیث، اجماع امّت اور قیاس مجتہد میں سے کسی کا ہونا ضروری بتایا تھا جب کہ

کلیہ ہٰذا ان میں سے کسی سے صریحاً ثابت نہیں۔ نیز کسی امر کے مطابق سنّت ہونے کے لیے انہوں نے اس کے تین قرون میں سے کسی سے صریحاً ثابت ہونے کی شرط لگائی تھی اور یہ بھی انہوں نے وضاحت کر دی تھی کہ خیر القرون کا اختتام ۲۲۰ھ کو ہوا تھا (راہِ سنّت صفحہ ۴۵) جب کہ مذکورہ بالا تینوں بزرگوں میں سے کوئی بھی خیر القرون سے نہیں بلکہ وہ سب گکھڑوی صاحب کے طور پر شر القرون سے ہیں جیسا کہ ان کی تواریخ وفیات وغیرہا سے بھی ظاہر ہے۔

(۲) بدعت کی تعریف میں انہوں نے جتنے حوالے اس مقام پر دیئے ہیں حتّٰی کہ خود اپنے اکابر کی بھی جو اس سلسلہ کی عبارات پیش کی ہیں ان میں سے کسی میں بھی اس کا کوئی ذکر نہیں جس سے گکھڑوی صاحب اور ان کے اکابر ہر دو میں سے کسی ایک کی بیان کردہ تعریف یقیناً غلط اور بدعت قبیحہ سیّئہ قرار پائی۔ وللہ الحمد

(۳) بعض امور کے اسباب اور محرّکات کے ہونے کے باوجود رسول اللہ ﷺ سے ان کا نہ کرنا بھی ثابت ہے جیسے قرآن مجید پر ناخواندہ یا عجمی قسم کے لوگوں کی آسانی کے لیے اعراب (حرکات وسکنات) وغیرہ کا لگانا کیونکہ ان کا سبب اور محرّک عہدِ رسالت میں موجود تھا اور مانع بھی کوئی نہ تھا کہ بہت سے عجمی دورِ اقدس میں اسلام لا چکے تھے۔ لہٰذا گکھڑوی صاحب کا یہ کلیہ باطل ٹھہرا جسے درست مان لینے سے وہ اور ان کی جماعت اس کی زد میں سرفہرست آتی ہے کہ وہ بھی تو اسی قرآن کو پڑھتے پڑھاتے ہیں۔

(۴) علاوہ ازیں بہت سے ایسے کام خود گکھڑوی صاحب اور ان کے ہمنوا حضرات بھی کرتے ہیں کہ جن کے اسباب ومحرکات عہدِ رسالت علٰی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں موجود تھے اور مانع بھی نہ تھا۔ پھر بھی انہیں نہ کیا گیا جیسے نمازوں کے لیے ٹائم کی پابندی۔ جمعہ کے خطبوں سے پہلے بالالتزام جمعہ کی تقریریں۔ مدارس کا قیام پھر ان میں آٹھ دس سالہ نصابوں اور مدت کی تعیین۔ نیز تفسیر وقرأت کے سالانہ دورے۔ مرید کے اور رائیونڈ کے سالانہ اجتماع، یومیہ، دوروزہ، سہ روزہ، ہفتہ اور مہینہ یا سال بھر کے تبلیغی چلّے جن کے شرکاء خورد ونوش اور دیگر سامان ضروریات بستر ہانڈی اور توّا وغیرہا ہمراہ رکھ کر مختلف علاقوں کا گشت کریں، اسی طرح سیرۃ کانفرنس کے عنوانات سے جلسے اور یوم صدیق اکبر و یوم فاروق اعظم (رضی اللہ عنہما) کے سالانہ جلوس وغیرہا بے شمار امور۔ پس یہ کلیہ کیا ہوا کل کا جان لیوا ہوا

ع اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

(۵) بلکہ اس سے گکھڑوی صاحب کا تین قرون والا پروپیگنڈہ بھی کافور ہوگیا اوران کی پوری راہِ سنّت کی محنت پر بھی پانی پھر گیا کیونکہ کلیہ گکھڑوی (مبحث فیہا) میں صرف زمانہ رسالت کی قید مذکور ہے جس سے زمانۂ صحابہ وتابعین واتباع یقیناً خارج ہوگیا۔

(۶) گکھڑوی صاحب جن معمولات اہلِ سنّت پر اپنے اس خودساختہ اوروضعی کلیہ کوفٹ کرکے ان پر حکم بدعت لگاتے ہیں وہ کسی نہ کسی طرح ان کے بعض مسلّم اکابر بلکہ خود گکھڑوی صاحب سے بھی ثابت ہیں پس یہ کلیہ خود انہی کومضر ہوااور انہی کے لیے طوقِ گلوقرار پایا (تفصیل باب ہفتم کے جواب میں آرہی ہے انشاءاللہ)

(۷) بلکہ اس کلیہ سے ان معمولات اہلِ سنّت کے مسنون ومشروع ہونے کا واضح اقرار ہے کیونکہ اس کا (برتقدیرتسلیم) مفاد یہ ہے کہ سنّت یہ ہے کہ جب کسی امر کا سبب اورمحرک پایا جائے تو اس کے کرنے میں حرج نہیں تو ہم کہتے ہیں کہ معمولات اہلِ سنّت کی اصلیں ادلائل شرعیہ میں موجود ہیں باقی ان کی ترکیبی ہیئات کے محرکات اور اسباب بعد میں پیدا ہوئے جیسے لوگوں کی دین سے دوری نیز حبّ نبی ﷺ جو ہرخیر کی اصل ہے اس میں کمی اور بے رغبتی۔ پس انہی قریب لانے نیز ان کے قلوب میں حبّ رسول ﷺ کواجاگر کرنے کے لیے مثلاً محافل میلاد اور بیان فضائل وکمالات نبوت ورسالت کا اہتمام کیا گیا۔ بالفاظ دیگر دوراوّل کے حضرات کے صفاءِ قلوب اوردین سے شدّت سے وابستگی کے باعث ان کے لیے ان اہتمامات کی ضرورت نہ تھی کہ وہ تمام نیک کام خصوصاً جن کی حیثیت عمومی واطلاقی تھی وقتاً فوقتاً خود ہی کرلیتے تھے' جب لوگوں کی یہ کیفیت مصروفیت سے بڑھ کر غفلت کی حد تک پہنچ گئی تو ان اہتمامات کی ضرورت پڑی۔ پس زیادہ سے زیادہ نئی چیز اہتمام ہوا جس کا محرک بعد کو پیدا ہوا جب کہ وہ اہتمامات بھی محض بغرض سہولت اورمحض عرفی ہونے کی حیثیت رکھتے ہیں' ان کے بارے میں کسی صحیح العقیدہ اہل علم سنّی کا یہ نظریہ قطعاً نہیں ہے کہ ان کی تعینات وتخصیصات شرعی ہیں بایں معنیٰ کہ صرف اسی ہیئت سے روا ہیں اوراس سے ہٹ کرنا روا نہیں (ومن ادّعیٰ فعلیہ البیان بالبرھان ثم علینا جوابہ ان شاء المولیٰ الرحمن) جب کہ ایسے اہتمامات خود گکھڑوی صاحب اوران کی جماعت سے بھی ثابت ہیں جس کی کچھ تفصیل ابھی کچھ پہلے نمبر ۴ پر گزر چکی ہے۔

مفتی محمد شفیع دیوبندی صاحب کا کارنامہ:-

یہاں پر مدرسہ دیوبند کے سابق مدرس اور ہیڈ مفتی مفتی محمد شفیع دیوبندی ثم کراچوی صاحب جو گکھڑوی صاحب کے مقتداء تھانوی صاحب کے خلیفہ مجاز بھی ہیں (کما فی مقدمۃ امدادالمفتین المعروف بفتاوٰی دارالعلوم دیوبند المجلد (الثانی،ان) کا یہ کارنامہ بھی لائق دد دید ہے کہ انہوں نے بھی گکھڑوی صاحب کی طرح بلکہ ایک قدم آگے بڑھ کرانہیں مات کرتے ہوئے بدعت کی تعریف میں داعیہ اور سبب کے زمانۂ رسالت اور عہد صحابہ میں پائے جانے کی قید لگانے کے بعد اس کی نسبت دو بزرگوں (علامہ برکلی اور ابو اسحٰق غرناطی) سے کردی ہے حالانکہ مفتی شفیع صاحب موصوف نے اس سلسلہ میں ان کی جن کتب کا حوالہ دیا ہے اُن میں حسب بالا داعیہ اور سبب کی قید کا کچھ نام ونشان نہیں چنانچہ ان کے لفظ ہیں:-

''اصطلاح شرع میں ہر ایسے نوایجاد طریقۂ عبادت کو بدعت کہتے ہیں جو زیادہ ثواب حاصل کرنے کی نیت سے رسول اللہ ﷺ اور خلفاء راشدین کے بعد اختیار کیا گیا ہو اور آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام کے عہد مبارک میں اس کا داعیہ اور سبب موجود ہونے کے باوجود نہ قولاً ثابت ہو نہ فعلاً نہ صراحۃً نہ اشارۃً۔ بدعت کی یہ تعریف علامہ برکوئی کی کتاب الطریقۃ المحمدیۃ اور علامہ شاطبی کی کتاب الاعتصام سے لی گئی ہے''۔ اھ بلفظہٖ ملاحظہ ہو رسالہ [سنّت و بدعت صفحہ ۱۱ طبع ادارۃ المعارف کراچی ۱۴]

اقولُ:- اس کے بعد بساختہ نوکِ قلم پر آتا ہے کہ ماشاءاللہ ع ایں ہمہ خانہ آفتاب است
نیز ع ناطقہ سر بہ گریباں ہے اسے کیا کہیے؟

ثمّ اقولُ:- داعیہ اور سبب کی قید کے متذکرہ بالا علماء پر افتراء اور خلاف واقعہ ہونے کی ایک ٹھوس دلیل خود مفتی شفیع صاحب موصوف کا اپنا ایک فتویٰ بھی ہے جس میں انہوں نے محولہ بالا کتاب الطریقۃ المحمدیہ کے حوالہ سے بدعت کی تعریف لکھی گئی ہے جس میں داعیہ اور سبب کی قید کا کچھ ذکر نہیں کیا چنانچہ موصوف نے بدعت سے متعلق ایک سائل کے سوال کا جواب دیتے ہوئے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے:-

''معنیٰ شرعی بدعت کے یہ ہیں کہ دین میں کسی کام کا زیادہ یا کم کرنا جو قرن صحابہ وتابعین کے بعد ہوا ہو اور نبی کریم ﷺ سے اس کے کرنے کی اجازت منقول نہ ہو نہ قولاً نہ فعلاً نہ صراحۃً نہ اشارۃً

هذا ملخص ما فی الطريقة المحمدية وهو اجمع مارأيت من تعريف البدعة وان اردت

التفصيل فراجع الیٰ بریقة شرح الطریقة صفحہ ۱۲۸ جلد ا ''۔اھ بلفظہٖ ملاحظہ ہو [فتاویٰ دارالعلوم دیوبند جلد ۲ صفحہ ۱۶۴ طبع دارالاشاعت کراچی نمبر ا۔ نیز رسالہ سنّت و بدعت صفحہ ۸۱ طبع مذکور]

ثمّ ثمّ اقولُ:۔ اگر مفتی شفیع صاحب موصوف کے اخلاف یا بہی خواہوں میں سے کوئی یہ کہے کہ عبارت نمبر ۲ میں صرف الطریقة کا حوالہ دیا گیا ہے جب کہ عبارت نمبر ا میں الاعتصام للشاطبی کا حوالہ بھی دیا ہے تو ممکن ہے کہ یہ داعیہ اور سبب والی قید اس میں ہو؟ تو جی بسم اللہ۔ اسی سے ہی دکھادیں اور اس قرض کو چکا دین ورنہ کم از کم اگلے ایڈیشن میں اس کی تصحیح کے ساتھ ساتھ اعلانیہ معذرت بھی کریں کہ توبة السر بالسر و توبة العلانیہ بالعلانیہ۔ دیدہ باید۔

حضرت مفتی احمد یار خاں پر اعتراضات کا جامع اجمالی جواب:۔

اس کے بعد گکھڑوی صاحب نے حسبِ عادت حضرت حکیم الامّت مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ پر کچھ اعتراضات کئے ہیں جن کا خلاصہ مع جامع اجمالی جواب حسبِ ذیل ہے۔ اس کے بعد تر کی بہ تر کی جواب آئے گا۔ چنانچہ گکھڑوی صاحب نے کچھ گالیاں سنانے کے بعد لکھا ہے کہ:۔

''سب بدعت کی تعریف میں دین کی قید لگاتے ہیں مگر مفتی احمد یار خاں صاحب بدایونی جاء الحق صفحہ ۲۱۲ میں لکھتے ہیں کہ دینی کام کی قید لگانا محض اپنی طرف سے ہے۔ ہر نیا کام بدعت ہے اس میں دینی یا دنیاوی کی قید نہیں۔ پھر جاء الحق صفحہ ۲۰۴، ۲۰۵ میں انہوں نے حدیث من احدث فی امرنا ھذا کا معنیٰ کرتے ہوئے دین کی قید خود بھی لگائی ہے۔ نیز صفحہ ۲۰۵ پر بدعت کو عقائد سے خاص کر دیا ہے جب کہ اس کا اعمال سے متعلق ہونا بھی ثابت ہے'' اھ ملخّصاً ملاحظہ ہو [راہِ سنّت صفحہ ۸۰ صفحہ ۸۲ صفحہ ۸۶ صفحہ ۸۹ صفحہ ۹۰]

اقولُ:۔ گکھڑوی صاحب میں یا تو اس سے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے منشاء کو سمجھنے کی اہلیت نہیں ہے یا پھر وہ جان بوجھ کر حسبِ عادت اسے غلط رنگ دے کر خواہ مخواہ الجھانے کی کوشش کر رہے ہیں جو انہی کا حصّہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت مفتی صاحب کو نہ تو اس سے انکار ہے کہ بدعت کا تعلق دین سے ہوتا ہے اور نہ ہی اس سے کچھ پس و پیش ہے کہ اس کا تعلق عقائد و اعمال دونوں سے ہوتا ہے بلکہ وہ اس سب کے قائل ہیں جسے خود گکھڑوی صاحب نے بھی ان سے اس سب کو نقل کر کے مان لیا ہے نیز جاء الحق کی پوری بحث کے

مغالطہ سے بھی اسے سمجھا جاسکتا ہے چنانچہ آپ نے متفرق مقامات پر نہایت درجہ دوٹوک الفاظ میں لکھا ہے:۔
''بدعت تین معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے۔ نیا کام جو حضور انور کے بعد ایجاد ہوا۔ خلاف سنّت کام جو دافع سنت ہو۔ برے عقائد جو بعد میں پیدا ہوئے''۔ نیز

''بدعت کے شرعی معنیٰ ہیں وہ اعتقاد یا وہ اعمال جو کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ حیات ظاہری میں نہ ہوں بعد میں ایجاد ہوئے نتیجہ یہ نکلا کہ بدعت شرعی دوطرح کی ہوئی۔ بدعت اعتقاد اور بدعت عملی جبریہ قدریہ مرجیہ چکڑالوی غیر مقلد دیوبندی عقائد بدعت اعتقادی ہیں کیونکہ یہ سب بعد کو بنے اور یہ لوگ ان کو اسلامی عقائد سمجھتے ہیں''۔''اور بدعت اور بدعتی پر جو سخت وعیدیں احادیث میں آئی ہیں ان سے مراد بدعت اعتقادیہ ہی ہے۔ بدعت عملی ہر وہ کام ہے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ پاک کے بعد ایجاد ہوا ہو خواہ وہ دنیاوی ہو یا دینی۔ ما سے مراد عقائد ہیں کہ دین کا عام اطلاق عقائد پر ہوتا ہے اور اگر اعمال بھی ہوں تو لیس منہ سے مراد وہ اعمال ہیں جو خلاف سنّت یا خلاف دین ہوں''۔ اھ ملخصًا بلفظہٖ ملاحظہ ہو [جاء الحق وزہق الباطل صفحہ ۲۱۴ صفحہ ۲۱۶ طبع نعیمی کتب خانہ گجرات]

نیز مراۃ شرح مشکوٰۃ (جسے آپ نے جاء الحق کے کم وبیش سترہ برس کے بعد تحریر فرمایا تھا چنانچہ جاء الحق کے دیباچہ میں آپ کے قلم سے یہ تاریخ درج ہے''۳ شعبان المعظم ۱۳۶۱ھ'' جب کہ مراۃ کا تاریخی نام ہے ذوالمراۃ جس کے عدد ہیں ۱۳۷۸۔ بالفاظ دیگر ۱۳۷۸ھ اس کا سن تالیف ہے۔ اس) میں حدیث''من احدث فی امرنا ھذا مالیس منه فھو رد'' کی شرح میں لکھا ہے:۔

''خیال رہے کہ اَمْر سے مراد دین اسلام ہے اور مَا سے مراد عقائد یعنی جو شخص اسلام میں خلاف اسلام عقیدے ایجاد کرے وہ شخص بھی مردود اور وہ عقائد بھی باطل۔ لہٰذا روافض قادیانی وہابی وغیرہ بہتر فرقے جن کے عقائد خلاف اسلام ہیں باطل ہیں۔ یا اَمْر سے مراد دین ہے اور مَا سے مراد اعمال ہیں اور لیس منہ سے قرآن وحدیث کے مخالف۔ یعنی جو کوئی دین میں ایسے عمل ایجاد کرے جو دین یعنی کتاب وسنت کے مخالف ہوں جن سے سنت اٹھ جاتی ہو وہ ایجاد کرنے والا بھی مردود اور ایسے عمل بھی باطل، جیسے اردو میں خطبہ ونماز پڑھنا فارسی میں اذان دینا وغیرہ۔ اس کی تفسیر وہ حدیث ہے جو آگے آرہی ہے کہ جو قوم کوئی بدعت ایجاد کرے تو اللہ سنّت کو اٹھالیتا

ہے۔ ہماری اس تفسیر کی بناء پر یہ حدیث اپنے عموم پر ہے اس میں کوئی قید لگانے کی ضرورت نہیں
الخ ملاحظہ ہو [جلد ۱ صفحہ ۱۴۶ حاشیہ نمبر ۳ طبع نعیمی کتب خانہ گجرات]

منشاء عبارت حضرت مفتی صاحب:-

اپنی ان عبارات میں حضرت مفتی صاحب دراصل دین کے عموی مفہوم کے تحت:

(۱) ایک تو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ رد بدعات کی بعض احادیث میں بدعی عقائد مراد ہیں اور بعض میں بدعی اعمال۔ چنانچہ انہوں نے اسے گکھڑوی صاحب کے پیش رو گنگوہی صاحب کے فتاویٰ رشیدیہ کے حوالہ سے مبرہن بھی فرمایا ہے۔ جاء الحق صفحہ ۲۱۶ پر لکھتے ہیں:-

''حدیث میں ہے کہ جس نے بدعتی کی تعظیم کی اس نے اسلام کے ڈھانے پر مدد دی یعنی بدعت اعتقادیہ والے کی۔ فتاویٰ رشیدیہ جلد اوّل کتاب البدعات صفحہ ۹۰ میں ہے ''جس نے بدعت میں ایسی شدید وعید ہے وہ بدعت فی العقائد ہی جیسا کہ روافض وخوارج کی بدعت ہے''۔اھ

اورلطف کی بات یہ ہے کہ خود گکھڑوی صاحب نے بھی اسے من وعن نقل کیا ہے۔ ملاحظہ ہو [راہِ سنّت صفحہ ۷۸] پھر اس کے بعد انہوں نے اس کی تائید بھی اسی صفحہ پر کی ہے حیث قال: بلاشک وعید شدید ایسی ہی بدعت پر وارد ہوئی ہے جو عقائد کی بدعت ہے''۔اھ بلفظہ ع مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

(۲) دوسرا حضرت موصوف اپنے ان الفاظ سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ بدعت ہر اس امر سے متعلق ہوتی ہے جس سے احکام شرع متعلق ہوں جو بالکل بجا ہے کیونکہ دنیوی امور سے متعلق یہ کہہ کر نہیں گزر جایا جاتا کہ یہ چونکہ دنیوی ہیں اس لیے درست ہیں بلکہ ان کا جواز اً ومنعاً شرعی حکم تلاش کیا جاتا ہے مرد دوپٹہ پہن لے اور عورت پگڑی باندھ لے تو یہ کہہ کر نہیں گزر جائیں گے کہ یہ دنیوی امر ہے اس لیے اس میں کچھ حرج نہیں یا اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں بلکہ شرعی اصول وقواعد کی رو سے اس کا حکم تلاش کر کے لگایا جائے گا۔ اسی طرح انجکشن سے روزہ کے فساد وعدم فساد کا حکم، چلتی ٹرین اور بس پر نماز کا حکم، نماز میں لاؤڈ سپیکر کے استعمال کا حکم نیز انتقال خون کا مسئلہ اور ان جیسے دیگر صدہا امور۔ ورنہ شادی بیاہ وغیرہ کے بعض رسوم کو دیوبندی حضرات بدعت کیوں کہتے ہیں؟ جب کہ اس کی بھی انہوں نے خود بھی وضاحت فرمادی ہے ملاحظہ ہو (جاء الحق صفحہ ۲۲۲ صفحہ ۲۲۳) اور پُر لطف امر یہ کہ اسے بھی گکھڑوی صاحب نے نقل کیا ہے ملاحظہ ہو راہِ سنّت صفحہ ۸۶ صفحہ ۹۰)

واضح رہے کہ جو دنیوی امور ایسے ہوں کہ جن کے بارے میں نفیاً اثباتاً صریحاً کچھ منقول نہیں، حضرت مفتی صاحب ان سے بدعت سیئہ کے متعلق ہونے کے قطعاً قائل نہیں۔ چنانچہ شرح مشکوٰۃ میں حدیث ما ابتدع قوم بدعة فی دینهم کے تحت لکھتے ہیں:

''دین کی قید سے معلوم ہوا کہ بدعت سیئہ ہمیشہ دین ہی میں ہوگی، دنیوی ایجادات کو بدعت سیئہ نہیں کہا جائے گا۔ جس قدر برائیاں بدعت کی آئی ہیں وہ سب اس بدعت کی ہیں جو دین میں ہو اور سنت کی مٹانے والی اور اگر دین سے مراد عقائد ہیں جیسا کہ ظاہر ہے تو حدیث بالکل صاف ہے''۔اھ [مراۃ جلد ۱ صفحہ ۱۷۹، طبع گجرات]

مفتی صاحب اس میں متفرد نہیں:۔

جب کہ حضرت مفتی صاحب اپنے اس موقف میں متفرد بھی نہیں اور نہ ہی آپ کا یہ عندیہ بے اصل ہے بلکہ وہ کئی ائمہ ٔ شان سے ثابت ہے جن میں بعض وہ ہیں جن کی ثقاہت گکھڑوی صاحب کے ہاں بھی مسلّم ہے بلکہ گکھڑوی صاحب کے بعض اکابر بلکہ خود بہ نفس نفیس گکھڑوی صاحب سے بھی اس کا ثبوت موجود ہے۔ بعض نقول حسبِ ذیل ہیں:۔

علامہ علی القاری سے:۔

چنانچہ علامہ علی القاری الحنفی المکی رحمۃ اللہ تعالیٰ (جن کے حوالہ سے گکھڑوی صاحب نے ملا علی قاری اور مسئلہ علم غیب وحاضر ناظر نامی رسالہ لکھ اور چھاپ کر انہیں اپنا پیشوا مانا ہے) حدیث من احدث فی امرنا هذا الخ کی شرح میں ارقام فرماتے ہیں:۔

متفق عليه ورواه ابوداؤد وابن ماجه وذكر فى الاربعين النووية وفى رواية لمسلم من عمل عملاً اى من اتىٰ بشئى من الطاعات اوبشئى من الاعمال الدنيوية والاخروية سواء كان محدثا اوسابقاً على الامر ليس عليه امرنا اى وكان من صفة انه ليس عليه اذننا بل اتىٰ به على حسب هواه فهورد اى مردود غير مقبول فهٰذا الرواية اعم الخ یعنی یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم دونوں کی روایت کردہ ہے اور اسے امام ابوداؤد اور امام ابن ماجہ نے بھی روایت کیا اور امام نووی نے اسے اپنی کتاب اربعین نوویہ میں نقل کیا ہے۔ مسلم کی ایک روایت میں مَنْ اَحْدَثَ کی بجائے مَنْ عَمِلَ عَمَلًا کے لفظ آئے ہیں تو اس روایت میں مَنْ اَحْدَثَ

والی روایت کے مقابلہ میں زیادہ عموم ہے پس معنیٰ یہ ہوگا کہ جو شخص کوئی عبادت کرے یا کوئی ایسا دنیوی اور اخروی عمل کرے جو خود ساختہ ہو خواہ اس نے اسے خود ایجاد کیا ہو یا وہ کسی دوسرے کا ایجاد کردہ ہو اور ہماری طرف سے اس کا کوئی اذن نہ ہو تو وہ واجب الرد ہے۔ اھ ملاحظہ ہو [مرقاۃ جلد ا صفحہ ۲۱۵ طبع مکتبہ امدادیہ ملتان]

عبارت ہٰذا کی خط کشیدہ الفاظ ''من الاعمال الدنیویه والاخرویة'' ما نحن فیه میں نہایت صریح ہیں۔

حضرت شیخ محقق سے:-

شیخ محقق حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:-

''ولازم است اتباع سنّت سنیه او درعبادات وعادات'' یعنی عبادات وعادات سب امور میں آپ ﷺ کی سنّت مقدسہ کی پیروی کرنا لازم ہے''۔اھ ملاحظہ ہو [مکتوبات شیخ برہامش اخبار الاخیار فارسی صفحہ ۹۴ مکتوب ۹'' ایرادالعبارات الفصیحة فی شرح قوله علیه السلام الدین النصیحة'' طبع مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر (پاکستان)]

عبارت ہٰذا کو گکھڑوی صاحب نے بھی من وعن استناداً نقل کیا ہے۔ملاحظہ ہو [راہِ سنّت صفحہ ۸۸]

اس عبارت میں عادات کے الفاظ ہمارے موقف کی واضح دلیل ہیں کیونکہ ان کا تعلق دنیوی امور سے ہے جس سے کسی کو اختلاف نہیں لہٰذا اس کے لیے کسی حوالے کی بھی حاجت نہیں۔ فافهم۔

علامہ شاطبی سے:-

نیز علامہ ابواسحٰق ابراہیم (المتوفیٰ ۷۹۰ھ جن سے گکھروی صاحب نے اپنی اس کتاب میں بکثرت استناد کیا اور ان کی ثقاہت وامامت کے جابجا گن گائے ہیں ملاحظہ ہو راہِ سنّت صفحہ ۱۰۸) نے لکھا ہے:-

''وبالجملة فکل ما یتعلق به الخطاب الشرعی یتعلق به الابتداع'' یعنی جس جس امر سے کسی حکم شرعی کا تعلق ہوتا ہے اس سے بدعت کا حکم بھی متعلق ہوتا ہے۔اھ ملاحظہ ہو [الاعتصام جلد ا صفحہ ۳۴ الباب الاوّل فی تعریف البدع۔ فصل فی الحدّ طبع دارالکتب العلمیة بیروت۔ مطبوعہ ۱۴۱۵ھ ۱۹۹۵ء]

عبارت ہٰذا بھی ہمارے حسبِ موقف اپنے مفہوم میں نہایت واضح ہے جو کچھ محتاج تفصیل نہیں ____

خود گکھڑوی صاحب سے:-

گکھڑوی صاحب نے حضرت شیخ محقق کی منقولہ بالا عبارت کو نقل کرنے کے بعد اس کے فوائد بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:-

''دوسرا یہ امر واضح ہوا کہ عبادات' عادات اور اعتقاد تمام چیزوں میں سنّت کی پیروی لازم ہے اور اس کی مخالفت' بدعت اور مردود ہے''۔ ملاحظہ ہو [راہِ سنّت صفحہ ۸۸]

نیز اسی کے صفحہ ۸۰ پر لکھا ہے:-

''علم اور عمل اور حال' عبادات و معاملات سب کو اس میں درج کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ جو عقیدہ یا عمل یا حال کتاب و سنّت اجماع و قیاس شرعی کے تحت درج نہ ہو وہ بدعت ہے''۔ اھ

ان ٹھوس حوالہ جات سے واضح ہوگیا کہ حضرت مفتی صاحب کا بدعت کو دینی اور دنیوی دونوں قسم کے امور سے متعلق قرار دینا قطعاً موجہ ہے اور اسلاف سے بلکہ خود گکھڑوی صاحب سے بھی ثابت ہے ورنہ وہ بتائیں کہ ''عبادات اعتقاد علم و رعمل'' کے ساتھ عادات' معاملات اور حال کے جو الفاظ انہوں نے لکھے ہیں وہ کیا اور کس مرض کی دوا ہیں؟

عبارات علماء اہلِ سنّت کی توجیہہ:-

لہٰذا جن علماء اہل سنّت نے حدیث ہٰذا (من احدث الخ) کی شرح میں لفظ ''دین'' ذکر فرمایا ہے جسے گکھڑوی صاحب نے بارٗبار دہرایا ہے وہ بھی حضرت مفتی صاحب کے خلاف نہیں کیونکہ انہوں نے دنیوی امور کی اس سے نفی نہیں فرمائی جب کہ ابھی گزرا ہے کہ اس میں وہ دنیوی امور بھی داخل جن پر حکمِ شرع لگتا ہے (کما صرّح به العلامة علی القاری علیه رحمة الله الباری)

اعلیٰ حضرت کی عبارت کی توجیہہ:-

رہی اعلیٰ حضرت سے منسوب یہ عبارت کہ ''یہ بدعت کھانے پینے میں ہے کہ امور دین میں۔ تو اس کی حرمت ثابت کرنا ایک دشوار کام ہے''۔ اھ [راہِ سنّت صفحہ ۷۵ نیز صفحہ]؟

تو یہ بھی گکھڑوی صاحب کو کچھ مفید اور حضرت مفتی صاحب کو کچھ مضر نہیں کیونکہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ کا برتقدیر اس سے منشاء صرف یہ ہے کہ عادات کے متعلق عموماً احادیث کریمہ میں کچھ بیان نہیں ہوتا لہٰذا جب ایسے امور کا مسنون ہونا ہی سرے سے منقول نہیں ہوتا تو اس کے بارے میں حکم بدعت لگانا تو اور بھی

بہت مشکل کام ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ کھانے پینے کے امور میں کھلی چھٹی ہوتی ہے اور دنیوی امور ہونے کے باعث ان کے بارے میں کچھ پوچھنے کی حاجت ہی نہیں ہوتی اور ان میں حکم بدعت لگتا ہی نہیں بلکہ اس حکم کے ثابت کرنے کو ''دشوار کام'' فرمایا ہے جو بالکل بجا ہے (عبارت ہٰذا پر بحث آغاز میں گزر چکی ہے)۔

پیش کردہ دیگر عبارات سے جواب:-

بناء بریں دیگر علماء کی وہ عبارات جن میں دین کی قید کا ذکر ہے جو گکھڑوی صاحب نے راہِ سنّت میں صفحہ۸۲ سے صفحہ تک پیش کی ہیں۔ یا صفحہ۸۹ تا صفحہ وہ عبارات جن میں عمل کی قید کا ملحوظ ہونا موصوف نے ذکر کیا ہے۔ ہمارے بیان بالا کی رو سے ان سب سے بھی جواب ہو گیا کیونکہ حضرت مفتی صاحب اس سب کے قائل ہیں نیز دین میں دنیوی امور بھی من وجہ شامل ہے جیسا کہ علامہ علی القاری سے ابھی گزرا ہے۔

لفظ دین کے حوالہ سے مزید وضاحت:-

گکھڑوی صاحب اگر یہ کہیں کہ حدیث جبریل علیہ السلام وغیرہ (متعدد احادیث) میں دین اسلام کا پانچ ارکان (کلمہ، نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج) میں منحصر ہونا بیان فرمایا گیا ہے؟ تو ہم عرض کریں گے کہ یہ بھی انہیں کچھ مفید اور ہمیں کچھ مضر نہیں کیونکہ اس میں اسلام کے محض ارکان کا بیان ہے جب کہ اسلام کے دیگر امور بھی ہیں جیسے، جہاد، اطعام الطعام، افشاء السلام وغیرہا جن کی اس میں نفی نہیں کی گئی اور کسی امر کا ذکر اس کے ماسوا کی نفی کو مستلزم نہیں۔ پھر بھی نہ مانیں تو لباس، اموال، خورد ونوش اور زادِ راہ وغیرہا جو ان میں سے بیشتر کے متعلقات ہیں نیز گکھڑوی صاحب نے جو اپنی متذکرہ بالا عبارات میں عادات، معاملات اور حال کی قیود ذکر کی ہیں ان کا کیا بنے گا؟

حضرت مفتی صاحب اور گکھڑوی صاحب کے اس اختلاف کا نتیجہ:-

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اس بحث کا فائدہ اسلام اور اہل اسلام دونوں کو ہے جس سے وہ مسلمانوں کو اپنے ہر قدم اور ہر اقدام کو تابع شرع رکھنے کی تلقین فرما رہے ہیں جب کہ گکھڑوی صاحب کی اس تحریک کا فائدہ براہِ راست اعداء اسلام انگریز کو ہے جو یہ پروپیگنڈہ کر رہے ہیں کہ دین محض چند ارکان کا نام ہے باقی جملہ معاملات میں مسلمانوں کو مکمل آزادی ہے چنانچہ وہ خود بھی کلیسا اور قصر سیاست کے دو الگ

الگ چیزیں ہونے کے قائل ہیں جس کا زیادہ تر اثر گکھڑوی صاحب کے ہمنواؤں نے ہی لیا ہے۔ان کے بہتوں نے تو فرنچی داڑھیاں اپنالی ہیں اور بیشتر داڑھی مین ایسے ہیں کہ فُل داڑھی کے ساتھ گلے میں ٹائی اور نیچے پینٹ پتلون ڈالے عجیب منظر پیش کر رہے ہوتے ہیں اور یہ سب نحوست دین کی اس گکھڑوی تشریح کی بدولت ہے جس نے اسلام اور مسلمانوں کو کھوکھلا کر دیا اور اعداء اسلام کے پنجے مضبوط سے مضبوط تر کر دیئے۔ فالی الله المشتکیٰ۔

ع ببیں تفاوت کہ راہ از کجا است تا بہ کجا

جملہ اعتراضات کے ترتیب وار ترکی بہ ترکی جوابات:-

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر مذکورہ اعتراضات کے جامع اجمالی جواب کے بعد ان سمیت دیگر ضمنی اعتراضات (جو راہِ سنّت صفحہ ۸۰ تا ۹۰ تک پھیلے ہوئے ہیں) کے ترتیب وار ترکی بہ ترکی جوابات پیش خدمت ہیں۔ یہاں طوالت سے بچنے کے لیے اعتراض **قولہٗ** اور جواب **اقولُ** کے لفظوں سے ہوگا فھو حسبما یأتی

چنانچہ گکھڑوی صاحب نے حدیث من احدث فی امرنا ھذا میں ھذا کے مشار الیہ نیز بدعت کی لغوی و شرعی تعریف سے متعلق کچھ الٹے سیدھے حوالہ جات (جن کے جوابات گزر چکے ہیں) کے نقل کرنے کے فوراً بعد لکھا ہے وھذا۔

قَوْلُہٗ:- ”قارئین کرام! ان ٹھوس حوالہ جات کو پڑھ پڑھ کر اور سن سن کر آپ یقیناً اکتا چکے ہوں گے“۔اھ بلفظہٖ ملاحظہ ہو [راہِ سنّت صفحہ ۸۰]

اَقُوْلُ:- شکر ہے کہ کچھ احساس تو ہوا۔ باقی آپ کے پیش کردہ وہ حوالہ جات تارِ عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور اور گئے گزرے ہیں تفصیل گزر چکی ہے ان میں قطعاً کچھ جان نہیں ہے۔جس کی وضاحت خود آپ کے ان لفظوں سے بھی ہو جاتی ہے کیونکہ حوالہ جات ٹھوس اور مطابق دعویٰ ہوں تو طبیعت پر اکتاہٹ کی بجائے نزاہت اور انبساط کی کیفیت طاری ہوتی ہے بلکہ آپ خود انہیں باعث اکتاہٹ قرار دے چکے ہیں۔

ع مدّعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

قَوْلُہٗ:- ”مگر ہم بھی مجبور ہیں ہمیں ایسے حضرات سے سابقہ پڑ چکا ہے جو دین سے یقیناً بے بہرہ ہیں مگر لوگوں کے ایمان اور دین کو شبہات کی بدولت لوٹنے میں بڑے چست اور ہوشیار ہیں اور عوام بے چارے ان کے جبوں اور قبہ نما دستاروں میں الجھ کر متاع ایمان گنوا دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان گندم نما جوفروشوں سے محفوظ

رکھے''۔اھ بلفظہٖ [راہِ سنّت صفحہ ۸۰]

اَقُوْلُ:- وہابیہ کی علماء اہلِ سنّت کے بارے میں شستہ زبانی کوئی نئی بات نہیں ہے پھر جب گکھڑوی صاحب سخت زبان استعمال کرتے ہوئے علمائے اہلِ سنّت کے متعلق اپنے ان دعووں کے بعد ان کی کوئی دلیل پیش نہیں کر سکے تو یہ محض ان کا گالی گلوچ ہوا جس کے اہلِ سنّت محل و مستحق نہیں تو یہ سب خود انہی پر لوٹ گیا۔''و حق بہ صاحب حق برسید''۔ پس یہ سب ان کا اپنا ہی نقشہ ہے قال اللہ تعالیٰ الا انهم هم السفهاء ولكن لا يعلمون وقال عليه الصلوٰة والسلام فقد باء بهٖ احدهما۔ جب کہ گکھڑوی صاحب کا خائن اور محرف ہونا ہم ابھی ثابت کر آئے ہیں جیسا کہ حدیث من احدث فی امرنا الخ کے حوالہ سے اس کی تفصیل ابھی گزر چکی ہے۔ پس ان کا یہ واویلا دراصل اپنے جرم پر پردہ ڈالنے کی ناکام کوشش ہے۔ دستار باندھنا جو اللہ کے حبیب ﷺ کی عظیم سنّتوں میں سے ہے اس پر گکھڑوی صاحب کی ہٹ بتاتی ہے کہ وہ اس سے محروم ہیں۔ سبحان اللہ حوالہ جات میں قطع و برید کریں وہ خود حدیث میں تحریف و خیانت کریں وہ اور سنّت نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ پر چوٹ کر کے بے ایمانی کی راہ چلیں وہ خود نیز افتراء باندھ کر اس کا ثبوت پیش نہ کر سکیں وہ خود پھر بھی دین سے یقیناً بے بہرہ اور عوام کے دین و ایمان کو لوٹنے میں چست اور ہوشیار قرار پائیں ہم؟ تلبیس شدید نہیں تو اور کیا ہے؟''اللہ تعالیٰ نے ان گندم نما جو فروشوں سے محفوظ رکھے''۔ آمین بحرمة النبی الامين صلی اللہ علیہ وعلیٰ اٰلہٖ وصحبہٖ اجمعین۔ ع ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہو ویسی سنو

قَوْلُہٗ:- ''ان عبارات میں آپ نے بخوبی ملاحظہ کر لیا کہ کیا دیوبندی حضرات اور کیا بریلوی اور کیا وہ اکابر علماء اُمّت جو فریقین کے نزدیک مسلّم ہیں، بدعت کی تعریف میں دین کی قید لگاتے ہیں (الیٰ) اس سب بحث کو پیش نظر رکھ کر آپ مفتی احمد یار خان صاحب بدایونی ثم گجراتی کی تحقیق انیق بھی ملاحظہ کیجیے وہ لکھتے ہیں کہ دینی کام کی قید لگانا محض اپنی طرف سے ہے (الیٰ) مفتی صاحب کا یہ ارشاد سراسر جہالت پر مبنی ہے''۔اھ ملخّصاً بلفظہٖ [راہِ سنّت، صفحہ ۸۰، ۸۱]

اَقُوْلُ:- گکھڑوی صاہب کا یہ اعتراض قلّت مطالعہ نیز دین کا مفہوم نہ سمجھنے یا سب کچھ پڑھ اور سمجھ لینے کے باوجود عمداً ہیرا پھیری کرنے پر مبنی ہے۔ اجمالی جواب کے تحت مرقاۃ شرح مشکوٰۃ کی عبارت کے حوالہ سے دنیوی امور نیز اس کے دنیوی اخروی جملہ امور کو شامل ہونے کی تصریح گزر چکی ہے نیز گکھڑوی کی انتہائی پسندیدہ کتاب الاعتصام سے بھی صراحت کے ساتھ گزرا ہے کہ جس جس امر سے حکم شرعی متعلق ہو سکتا ہے اس

سے حکم بدعت بھی متعلق ہوسکتا ہے ظاہر ہے اس میں دنیوی امور بھی ہیں بلکہ خود گکھڑوی صاحب سے بھی گزر چکا ہے کہ عادات سے بھی بدعت کا حکم متعلق ہوتا ہے۔ پس گکھڑوی صاحب کا یہ اعتراض خود ان کی اپنی سراسر جہالت پر مبنی ہے۔ ولنعم ماقیل ع الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے

قَوْلُہٗ:- ''دین کی قید ملحوظ ہے بلکہ روایت میں فی دیننا کے الفاظ آئے ہیں''۔[راہِ سنّت صفحہ ۸۱]

اَقُوْلُ:- وہ الفاظ شاذ ہیں جس کی مکمل بحث پیچھے گزر چکی ہے۔ پھر ''دین'' کی جامع مانع تعریف کے ساتھ ساتھ یہ بھی مدلّل واضح کریں کہ دینی احکام کا دائرہ کار کیا ہے اپنے معیار دلائل کو مت بھولیئے گا۔ نیز عبارت مرقاۃ، عبارت الاعتصام اور خود اپنی عبارت کا تسلی بخش جواب بھی لکھیں جن میں امور دنیویہ اور عادت سے بھی حکم بدعت کے متعلق ہونے کی تصریحات موجود ہیں (وقد مرّت)۔

اَقُوْلُ:- (مرقاہ جلد ا صفحہ ۲۳ اور اشعۃ اللمعات جلد ا صفحہ ۱۰۲ کی ایک عبارت کے نقل کرنے کے بعد) ''اب مفتی صاحب ان سے پوچھ لیں کہ انہوں نے محض اپنی طرف سے دین کی قید کیوں لگائی ہے''۔[راہِ سنّت صفحہ ۸۱]

اَقُوْلُ:- اور یہ آپ ان سے پوچھ لیں کہ اتنا کچھ لکھنے کے باوجود انہوں نے حدیث من احدث الخ کو دینی دنیوی امور کے لیے عام کیوں قرار دیا نیز شیخ محقق نے عبادات کے ساتھ ساتھ عادات کے ساتھ بدعت کو کیوں متعلق قرار دیا جب کہ ان کی وہ عبارت آپ خود بھی راہِ سنّت صفحہ ۸۸ پر استناداً نقل کر چکے ہیں ؎

آپ ہی اپنی اداؤں پہ ذرا غور کریں
ہم عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

قَوْلُہٗ:- ''اسی طرح علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین اور ماانا علیہ واصحابی کی شرح میں ان دونوں بزرگوں کی عبارتیں ملاحظہ کرلیں کہ حضرات صحابۂ کرام کا عمل سنّت ہے یا بدعت؟ طبیعت صاف ہو جائے گی''۔اھ بلفظہٖ [راہِ سنّت صفحہ ۸۱]

اَقُوْلُ:- حضرت مفتی صاحب نے یہ کب فرمایا ہے کہ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل مظہر سنّت نہیں ہے؟ انہوں نے تو یہ فرمایا ہے کہ کسی امر کے بدعت ہونے میں زمانہ حاکم نہیں چنانچہ ان کے لفظ ہیں جنہیں خود گکھڑوی صاحب نے بھی نقل کیا ہے۔ ''اور نہ زمانۂ صحابہ کا لحاظ ہے'' الخ۔ (راہِ سنّت صفحہ ۸۰، ۸۱ بحوالہ جاء الحق صفحہ ۲۰۶) جس سے لگتا ہے کہ (گکھڑوی صاحب) معترض کے اوسان جگہ پر نہیں ہیں۔ باقی اس حدیث کے حوالہ سے گکھڑوی صاحب کے مغالطہ کی جو اصل بنیاد ہے اس کا ہم نے بفضلہ تعالیٰ اپنی کتاب ہٰذا کے جلد دوم میں قلع قمع کر دیا ہے، اسے ادھر ہی دیکھ لیں انشاء اللہ دماغ ٹھکانے لگ جائے گا۔

قَوْلُہٗ:۔ ’’اور اشعۃ اللمعات کی یہ عبارت پہلے نقل کر دی گئی ہے کہ حضرت خلفاء راشدین نے اجتہاد و قیاس سے جو احکام صادر کیۓ ہیں وہ بھی سنّت ہیں: واطلاق بدعت براں نتواں کرد چناں کہ فرقۂ زائغہ کنند‘‘۔اھ بلفظہٖ [راہِ سنّت صفحہ ۸۱]

اَقُوْلُ:۔ یہ عبارات بھی مثلِ بالا ہے اور اس میں بھی وہی تفصیل ہے جو اوپر گزری ہے۔

قَوْلُہٗ:۔ ’’مفتی احمد یار خان صاحب تو صحابہ کے عمل کو بھی الزامی طور پر بدعت کہہ کر بدعت کا چور دروازہ کھولتے ہیں‘‘۔اھ بلفظہٖ [راہِ سنّت صفحہ ۸۱]

اَقُوْلُ:۔ خیر القرون میں خصوصاً صحابۂ کرام کے زمانہ میں کسی بدعتی کی بدعت سے یہ کب لازم آیا کہ معاذ اللہ اس کے مرتکب معاذ اللہ خود صحابۂ کرام ہوں۔ انتہائی افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے کہ گکھڑوی صاحب نے حضرت مفتی صاحب پر سفید جھوٹ بولا اور سخت جھوٹا الزام لگایا ہے پس وہ حضرت مفتی صاحب کے ایسے لفظ دکھا دیں جس پر ہم انہیں منہ مانگا انعام پیش کریں گے۔ اتنا بڑا جھوٹ بولتے ہوئے نہ معلوم موصوف کو کیوں خداو رسول (جلّ جلالہٗ وصلی اللہ علیہ وسلم) کا لحاظ نہ آیا اور اس ابلیسی سنّت کو اپنانے میں قبر و حشر کا انہوں نے کیا فائدہ دیکھا؟

قَوْلُہٗ:۔ ’’تعجب اور حیرت ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ تو حضرات خلفاء راشدین کے عمل کو سنّت فرمائیں اور حضرات صحابۂ کرام کو معیارِ حق قرار دیں اور خیر القرون کے نقش قدم پر چلنے کی وصیت فرمائیں اور مفتی احمد یار خاں صاحب یہ کہیں کہ خواہ زمانۂ صحابہ میں یا اس کے بعد، وہ بدعت ہے‘‘۔اھ بلفظہٖ [راہِ سنّت صفحہ ۸۱،۸۲]

اَقُوْلُ:۔ سخت تعجب اور نہایت درجہ حیرت یہ ہے کہ گکھڑوی صاحب ایک معمولی سی بات کو بھی کیوں نہیں سمجھ پا رہے؟ حضرت مفتی صاحب نے زمانۂ صحابہ کرام میں وجودِ بدعت کی بات کی ہے۔ معاذ اللہ عمل صحابۂ کرام کو بدعت نہیں کہا اور یہ ایسی بات ہے جسے خود گکھڑوی صاحب بھی لکھ چکے ہیں چنانچہ اپنی اسی تقریر دلپذیر سے چند سطور پہلے وہ لکھ آئے ہیں کہ:۔

> ’’حضرت ابن عمر کی ایک بدعتی کو سلام کا جواب نہ دینے کی روایت باحوالہ پہلے عرض کی جا چکی ہے‘‘۔اھ بلفظہٖ [راہِ سنّت صفحہ ۸۱، سطر نمبر ۶،۷]

اسی طرح اس طرح کی دیگر متعدد روایات بھی گکھڑوی صاحب نے اپنی اس واجب الرد کتاب راہِ سنّت کے باب دوم اور باب چہارم میں لکھی ہیں جن کی مکمل تفصیل ہماری اس کتاب کے جلد دوم میں حدیث خیر القرون

قرنی کی ابحاث نیز جلد ہٰذا میں گزر چکی ہے اور یہ روایت انہوں نے صفحہ ۷۲ پر نقل کی ہے جو زمانہ صحابہ میں باحوالہ وجود بدعت کا واضح اعتراف ہے پھر اگر ایسا کہنا احادیث نبویہ کو رد کرنے کے متراد ہے تو گکھڑوی صاحب خود یہ بات کہہ کر کیا قرار پائے؟

باقی اس عبارت میں انہوں نے جن روایات کی طرف اشارے کیے ہیں ان کے صحیح محامل کی مکمل تفصیل کتاب ہٰذا کے جلد دوم میں کی جا چکی ہے جس کے اعادہ کی حاجت نہیں۔ فمن شاء الاطلاع علیہ فلیرجع الیہ۔

قَوْلُہٗ:۔ ’’مفتی صاحب نے جو یہ کہا ہے کہ دینی کام کی قید لگانا محض اپنی طرف سے ہے، احادیث صحیحہ اور اقوال علماء وفقہاء اور محدثین کے خلاف ہے۔ یہ ان کا خالص بہتان اور افتراء اور سفید جھوٹ ہے۔ دینی کام کی قید نہ تو احادیث صحیحہ کے خلاف ہے اور نہ اقوال فقہاء اور محدّثین کے خلاف ہے۔ کسی ایک معتبر امام وفقیہ اور محدّث و عالم کا حوالہ پیش نہیں کیا جا سکتا جو یہ کہتا ہو کہ بدعت مذمومہ اور شرعی بدعت کی تعریف میں دین کی قید ملحوظ نہیں۔ فھل من مبارز‘‘۔اھ بلفظہٖ [راہِ سنّت صفحہ ۸۲]

اَقُوْلُ:۔ حضرت مفتی صاحب کی اس سے جو منشاء ہے ہم اسے اجمالی جواب میں کھول کر مدلّل بیان کر آئے ہیں کہ وہ اسے اس کلیسا وقصر سیاست کے دو الگ تصوّر ہونے کا نعرہ لگانے والی دین دشمن قوم کے زہریلے اثرات سے مسلمانوں کو بچانا چاہتے ہیں اور وہ نعرہ ظاہر ہے کہ احادیث صحیحہ اور اقوال علماء وفقہاء اور محدّثین کے یقیناً خلاف ہے۔ پس آپ کے کلام کو اس کے صحیح محمل سے ہٹا کر اسے غلط رنگ دے کر پیش کرنا گکھڑوی صاحب کی سخت ہیرا پھیری، شدید تلبیس اور قبیح جہالت یا تجاہل ہے ہم اس سلسلہ میں حضرت ملا علی القاری، حضرت شیخ محقق، علامہ شاطبی اور خود گکھڑوی صاحب کی عبارات بھی پیش کر چکے ہیں جن میں فلسفۂ بدعت سے متعلق امور دنیویہ کا ملحوظ ہونا بھی واضح طور پر بیان کیا گیا ہے۔ لہٰذا امور دنیویہ کو بالکلیہ حکم بدعت سے خارج کر دینا قطعاً احادیث صحیحہ اور اقوال ائمہ کے خلاف ہے۔ پس اس کے باوجود گکھڑوی صاحب کا ’’فھل من مبارز‘‘ کی چیخ لگانا مداریوں کے طریق واردات سے زیادہ نہیں ہے۔ فھل من مجیب؟

قَوْلُہٗ:۔

ستعلم لیلیٰ ای دین تداینت — وای غریم فی التقاضی غریمھا

[راہِ سنّت صفحہ ۸۲]

اَقُوْلُ:-

باطل سے گھبرانے والے اے آسمان نہیں ہیں ہم
سو بار کر چکا ہے تو امتحاں ہمارا

فلما صرح الشر رامسی وھو عریان
ولم یبق سوی العدوا ن دنا ھم کما دانوا

قال اللہ عزّ وجلّ : فسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون

قَوْلُہٗ:- ''حضرت امام مالک کا حوالہ الاعتصام سے نقل کیا جاچکا ہے (الیٰ) باقی علماء اور فقہاء محدّثین کی عبارتیں نقل کی جاچکی ہیں اور ائمہ لغت سے بھی یہ بات نقل کی جاچکی ہے کہ وہ بدعت کی تعریف کرتے ہوئے دین کی قید میں بے اعتنائی اور بے پروائی نہیں کرتے''۔الخ ملخصاً [راہِ سنّت صفحہ ۸۲]

اَقُوْلُ:- گکھڑوی صاحب ایک ہی بات کو بار بار دہرا رہے ہیں جب کہ ان سب کا جواب ہوچکا ہے اور ان نقول کے پیش کرنے میں گکھڑوی صاحب نے جو ہاتھ کی صفائیاں دکھائی اور سخت علمی ٹھوکریں کھائی ہیں ان کی بھی نشاندہی کی جاچکی ہے۔ ع ذرا آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا؟

قَوْلُہٗ:- ''ضرورت تو نہیں ہے کہ ہم کچھ اور عرض کریں مگر مفتی صاحب کی خود فریبی اور مغالطہ آفرینی کے پیش نظر چند حوالہ جات اور سپردِ قلم کیے جاتے ہیں''۔اھ [راہِ سنّت صفحہ ۸۲]

اَقُوْلُ:- ہم بھی جناب کے مزید دجل وفریب اور تلبیس کو بے نقاب کرنے کے لیے سیف قلم کو سونتے حاضر ہیں۔فرمایئے کیا ارشاد ہے؟

قَوْلُہٗ:- ''شیخ عبدالحق صاحب حضرت ابن مسعود کی مرفوع روایت خط لنا الخ کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ صراط مستقیم صرف وہ ہے جس پر سلف صالحین از صحابہ وتابعین باحسان ومن بعدہم برایں اعتقاد وبریں طریقہ بودہ اند وایں بدع واہواء در مذاہب واقوال بعد صدر اوّل حادث شدہ (اشعۃ اللمعات جلد ۱ صفحہ ۷۶)اھ [راہِ سنّت صفحہ ۸۲ ملخصاً]

اَقُوْلُ:- تقویۃ الایمان، صراطِ مستقیم، تحذیر الناس، براہینِ قاطعہ، اور حفظ الایمان غیرہا جیسی کتابیں اور رسالے لکھ کر گستاخانہ، کفریہ اور بدعیہ عقیدے تم ہی لوگوں نے گھڑے جو سلف صالحین از ''صحابہ وتابعین باحسان ومن بعدہم'' سے یکسر ہٹ کر ہیں۔پس حضرت شیخ کی اس عبارت کا مصداق بھی ہم قطعاً نہیں خود تم ہی ہو۔

قَوْلُہٗ:- صفحہ۸۲تاصفحہ۸۴ حضرت ابن عباس، حسّان تابعی، علامہ تفتازانی، علامہ عبدالعزیز فرہاروی، اعلیٰ حضرت اور حضرت شیخ مجدّد کے بعض اقوال وعبارات جن میں فی الدین، فی دینھم اور دردین وغیرہ کے الفاظ ہیں، پیش کر کے لکھا ہے کہ:

''آپ نے دیکھا کہ حضرت عبداللہ بن عباس سے لے کر فریق مخالف کے مسلّم عالم مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی تک سب بدعت کے ساتھ دین کی قید لگاتے ہیں مگر مفتی احمد یار خان صاحب کہ وہ کہتے ہیں کہ دینی کام کی قید لگانا محض اپنی طرف سے ہے۔ سبحان اللہ تعالیٰ اھ بلفظہٖ''۔ [راہِ سنّت صفحہ۸۴]

اَقُوْلُ:- بحیثیت مضمون ان حوالہ جات میں کوئی جدّت یا کوئی گزشتہ حوالہ جات سے الگ کوئی بات نہیں ہے جسے خود گکھڑوی صاحب نے ان کے پیش کرنے سے پہلے یہ لکھ کر کہ ''چند حوالہ جات اور سپرد قلم کیے جاتے ہیں (صفحہ۸۲''، تسلیم کر لیا ہے لہٰذا ئی بھرتی کے سوا ان کی کچھ حیثیت نہیں ہے۔ پس ان کا جواب بھی وہی ہوا جو اس مضمون کے حوالہ جات کے جواب میں گزر چکا، ہے اعلیٰ حضرت سے منسوب عبارت پر بھی تفصیلاً گفتگو ہو چکی ہے۔ لہٰذا ان حوالہ جات کو بھی گکھڑوی صاحب کا حضرت مفتی صاحب کے خلاف سمجھنا ان کا اپنا قصور فہم ہے جو ماشاء اللہ، تبارک اللہ انہی کا حصّہ ہے۔ بلکہ غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ حوالہ جات خود گکھڑوی صاحب کے خلاف ہیں۔ چنانچہ انہوں نے حضرت ابن عباس کے قول کے ثبوت کے لیے تفسیر خازن کا بھی حوالہ دیا ہے جب کہ تفسیر خازن ان کے نزدیک معتبر کتب سے نہیں۔ چنانچہ اپنی ایک کتاب میں انہوں نے طنزیہ انداز میں علامہ خازن کو صوفی خازن کہہ کر ان کے حوالہ کو ردّ کیا ہے۔ اسی طرح اس مقام پر حسان تابعی نیز روایت غضیف لکھ کر واضح طور پر مان لیا ہے کہ بدعت ہونے کے لیے مغیر سنّت ہونا لازم ہے پھر حاشیہ میں اشعۃ اللمعات جلد اصفحہ ۶۸ کے حوالہ سے سنّت کا بمعنی طریقہ مسلوکہ فی الدین ہونا بھی تسلیم کر لیا ہے (صفحہ ۸۳) جو بعینہٖ سنّی موقف ہے جس کی تفصیل عنقریب آرہی ہے۔

نیز علامہ تفتازانی کی پیش کردہ عبارت میں بدعت ہونے کے لیے صرف صحابہؓ وتابعین اور علامہ فرہاروی کی عبارت میں صرف صحابہ کے بعد ہونے کی قید ہے جو گکھڑوی صاحب کے سراسر خلاف ہیں کیونکہ وہ اس میں اتباع کو بھی شامل کرتے ہیں (کما مرّہ مراداً) نیز ان کی عبارت میں نئے امر کے بدعت ہونے کے لیے اس کا خلاف شرع ہونا بھی مذکور ہے جو ہماری دلیل ہے اور گکھڑوی صاحب کے نظریہ کے سراسر

منافی۔ جب کہ حضرت مجدّد کی عبارت میں کسی امر کے بدعت ہونے کے لیے اس کا عہد رسالت اور زمانۂ خلفاء راشدین میں نہ ہونا مذکور ہے چنانچہ اس کے لفظ ہیں:

''ہر چہ در دین محدث شدہ است ومبتدع گشتہ کہ در زمان خیر البشر وخلفاء راشدین او نبودہ'' الخ

[راہِ سنّت صفحہ ۸۴ بحوالہ مکتوبات]

پس ع ببیں تفاوت کہ راہ از کجا است تا بہ کجا

قَوْلُہٗ:۔ ''آنحضرت ﷺ نے بھی بدعت کا تقابل سنّت سے کیا ہے۔ اگر سنّت دینی کام ہے تو بدعت بھی دینی کام ہوگا۔ اگر بدعت دنیاوی کام ہو جیسا کہ مفتی صاحب کو دھوکا ہوا ہے تو اتحاد محل نہ رہا۔ پھر بدعت کے لیے احداث سے سنّت کیسے رافع ہوگی''۔ اھ بلفظہٖ [راہِ سنّت صفحہ ۸۳]

اَقُوْلُ:۔ ''دینی کام'' سے مراد ہر وہ امر جس پر کوئی حکم شرعی لاگو ہوتا ہے جیسا کہ الاعتصام کے حوالہ سے ابھی گزر چکا ہے۔ لہٰذا وہ امور دنیویہ بھی اس میں شامل ہوئے جن سے کوئی حکم شرعی متعلق ہوتا ہے اسی طرح سنّت سے مراد بدعت کا مقابل طریقۂ مسلوکہ فی الدین ہے جو ہر چیز کی مقرر کردہ شرعی حیثیت ہے۔ اسی حیثیت کو بدل کر اپنی قرار دادہ حیثیت کو دین سمجھنے کا نام بدعت ہے۔ پس جب یہ امر ان دنیوی امور سے بھی متعلق ہوا تو عدم اتحاد محل کا قول بذاتِ خود بے محل ٹھہرا۔ لہٰذا اس پر قائم کردہ استدلال بناء الفاسد علی الفاسد قرار پایا۔ باقی دنیوی امور سے حکم بدعت کے متعلق ہونے کی کئی علماء سے تصریحات ابھی گزری ہیں بلکہ خود گکھڑوی صاحب سے بھی اس کا ثبوت گزر چکا ہے کہ انہوں نے بھی عبادات کے علاوہ عادات میں بھی اتباع سنّت کو لازم اور خلاف ورزی کو بدعت قرار دیا ہے۔ راہِ سنّت صفحہ ۸۸ سے اس کا حوالہ دیا جا چکا ہے۔ لہٰذا دھوکا حضرت مفتی صاحب کو نہیں ہوا بلکہ سخت علمی ٹھوکر گکھڑوی صاحب کو لگی ہے۔ سچ ہے ع

ہم الزام ان کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا

قَوْلُہٗ:۔ ''کیا بعید ہے کہ وہ یہ کہہ دیں ؎

یہ سب سوچ کر دل لگایا ہے ناصح
نئی بات کیا آپ فرما رہے ہیں

ملاحظہ ہو [راہِ سنّت صفحہ ۸۴]

اَقُوْلُ:۔ پھر ہمیں اس سے کیا مانع ہے کہ ہم یوں عرض کریں گے ؎

ہٹ چھوڑیئے اب برسرِ انصاف آیئے
انکار ہی رہے گا میری جان کب تلک

قَوْلُہٗ:- ''علامہ شاطبی لکھتے ہیں کہ یعنی حضرات صحابہ کرام تابعین اور تبع تابعین وغیرہم سلف صالحین کا اسی بدعت کی مذمت پر اجماع واتفاق رہا ہے الاعتصام جلد اصفحہ ۱۸۱'' اھ [راہِ سنّت صفحہ ۸۵]

اَقُوْلُ:- اب صرف یہ دیکھنا ہوگا کہ اس میں ملوّث ہیں کون؟ جب کہ ہماری تحقیقِ حقیق کے مطابق خیر سے وہ **خود** گکھڑوی صاحب وامثالہ ہی ہیں جس کی کچھ جھلکیاں ہماری اس کتاب کے گزشتہ اوراق میں جگہ جگہ اور اس کے جلد اوّل میں خصوصیت کے ساتھ دکھائی جاچکی ہیں مزید تفصیل عنقریب اگلے صفحات میں بھی آرہی ہے۔

قَوْلُہٗ:- ''دنیوی امور اس بدعت میں ہرگز داخل نہیں ہیں بلکہ یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ وہ مکروہ تک بھی نہیں چہ جائیکہ وہ حرام اور بدعت مذمومہ میں داخل ہوں'' (اس کے بعد اپنے حسب زعم اپنے اس دعویٰ کی تائید میں علامہ ابن دقیق العید کی ایک عبارت کو پیش کر کے اپنی اس تقریر کو دوبارہ دہرایا ہے) ملاحظہ ہو [راہِ سنّت صفحہ ۸۵]

اَقُوْلُ:- بار بار عرض کیا جاچکا ہے کہ جن دنیوی امور پر حکم شرع لاگو ہوتا ہے وہ بھی یک گونہ دین کے مفہوم میں شامل ہیں۔ اگر یہ درست نہیں تو صفحہ ۸۸ پر گکھڑوی صاحب نے بدعت مذمومہ کو عبادات کے ساتھ ساتھ عادات کے ساتھ کیوں متعلق قرار دیا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ علامہ ابن دقیق العید کی پیش کردہ عبارت میں بھی جملہ امور دنیا کو اس حکم سے خارج نہیں فرمایا بلکہ اس سے انہوں نے محض بعض کو مستثنیٰ قرار دیا ہے جو ہماری تحقیق کے مطابق وہی ہیں جن کے بارے میں صریحاً معمول یا متروک ہونا منقول نہیں (وقد مرّ قبل) جس کی دلیل ان کے یہ لفظ بھی ہیں: ''بل كثير منها يجزم فيه بعدم الكراهة ''جس کا ترجمہ گکھڑوی صاحب نے اس طرح کیا ہے ''بلکہ ایسی بہت سی دنیوی بدعات کے متعلق یقیناً یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ مکروہ بھی نہیں''۔ [راہِ سنّت صفحہ ۸۵]

علامہ موصوف دراصل بدعت کی قباحت کے درجات کو بیان فرمارہے ہیں کہ سب سے سخت بدعت فی العقائد ہے اس سے کم بدعت فی الاعمال اور سب سے نیچے بدعت فی الامور الدنیویہ کیونکہ امور دنیویہ کے دو پہلو ہیں جن میں سے ایک کا تعلق دین سے ہے پس اس میں اتنی شدّت نہیں جتنی شدّت پہلی دو اقسام میں ہے۔ بتایئے یہ عبارت حضرت مفتی صاحب کی مؤید ہے یا ان کے خلاف؟ مگر قصور فہم کا کیا علاج؟

قَوْلُہٗ:- (اس کے بعد گکھڑوی صاحب نے اپنی خاص زبان میں اپنے اس دعویٰ کو ایک بار پھر دہرایا ہے کہ)

''جولوگ امور دنیاوی کو بدعت کی مد میں شامل کرتے ہیں وہ نرے جاہل ہیں''۔ (پھر اس کی تائید میں حسب ذیل عبارت پیش کی ہے):

"ومن الجهلة من يجعل كل امر لم يكن فى زمان اصحابه بدعة مذمومة وان لم يقم دليل علىٰ قبحه تمسكاً بقول صلى الله عليه وسلم اياكم ومحدثات الامور ولايعلمون المراد بذلك ان يجعل فى الدين ماليس منه''۔اھ [راہِ سنّت صفحہ ۸۶،۸۵ بحوالہ انوارِ ساطعہ از شرح جواہر توحید]

اَقُولُ:۔ عبارت ہذا میں قطعی طور پر ان لوگوں کو جاہل کہا گیا ہے جو ایسے دینی امور کو جھٹ سے بدعت مذمومہ کہہ دیتے ہوں جن کی اصل قرآن وسنّت سے ثابت اور ان کی صورۃ ترکیبیہ وہیئتِ کذائیہ نئی ہو۔ دنیوی امور کے مطلقاً حکم بدعت سے خارج ہونے کا اس میں قطعاً کوئی ذکر نہیں ہے جب کہ مؤلّف انوارِ ساطعہ علامہ عبدالسمیع امدادی رحمۃ اللہ علیہ بھی اسے متذکرہ بالا امر کی وضاحت میں لائے ہیں لہٰذا اس میں جاہل ہونے کا حکم بھی گکھڑوی صاحب جیسی ہستیوں کے بارے میں ہے ہم غریبوں کے متعلق ہرگز نہیں۔ پھر اگر یہ جہلاء مذکورہ عبارت کے قائل محترم کے دور میں تھے تو یہ بلا واسطہ ان کی اور ان کی بالواسطہ گکھڑوی صاحب کی تردید ہوئی اور اگر پیش بندی کے طور پر انہوں نے یہ لکھا ہے تو ہم ان کے نورِ فراست کو دادِ تحسین پیش کرتے ہیں کہ گکھڑوی صاحب ابھی شاید پیدا بھی نہیں ہوئے تھے انہوں نے ان کا انتظام پہلے ہی فرمادیا۔ فرحمة الله رحمة واسعة واحفّه بغفرانه واسكنه. بحبوهة جنانه آمين بحرمة الرسول الكريم صلى الله عليه واله و صحبه اجمعين ۔

قَولُہٗ:۔ ''ان تمام اقتباسات کو دیکھیے اور پھر مفتی احمد یار خان صاحب کی علمی تحقیق ملاحظہ کیجئے۔ وہ لکھتے ہیں:

''آج کل دنیا میں وہ وہ چیزیں ایجاد ہوگئی ہیں کہ جن کا خیر القرون میں نام ونشان بھی نہ تھا اور جن کے بغیر اب دنیاوی زندگی مشکل ہے ہر شخص ان کے استعمال پر مجبور ہے۔ ریل، موٹر، ہوائی جہاز، سمندری جہاز، تانگہ، گھوڑا گاڑی، پھر خط، لفافہ، تار، ٹیلی فون، ریڈیو، لاؤڈ سپیکر وغیرہ یہ تمام چیزیں اور ان کا استعمال بدعت ہے اور انہیں ہر جماعت کے لوگ بلا تکلف استعمال کرتے ہیں۔ بولو دیوبندی وہابی بغیر بدعات حسنہ کے دنیاوی زندگی گزار سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں (انتہیٰ جاء الحق وزہق الباطل صفحہ ۲۱۱) اھ بلفظہٖ [راہِ سنّت صفحہ ۸۶]

اَقُولُ:۔ حضرت مفتی صاحب نے عامّہ اذہان کے پیش نظر آسان مثالوں کے ذریعہ یہ سمجھایا ہے کہ کسی چیز کا

محض نیا ہونا اس کے بدعت مذمومہ ہونے کو مستلزم نہیں بلکہ اس کے لیے شرعی اصول وقواعد کو دیکھا جائے گا جو بالکل بجا ہے اور اگر یہ امور بالکلیہ حکم شرعی سے خارج اور مستثنیٰ ہیں تو علماء میں آج تک چلتی ریل اور موٹر پر نماز' اسی طرح نماز میں لاؤڈ سپیکر کے استعمال نیز تار' ٹیلی فون' خط اور ریڈیو پر رؤیتِ ہلال کی خبر پر اعتماد اور عدم اعتماد اور ان کے جواز وعدم جواز کی بحثیں کیوں جاری ہیں اور یہ کہہ کر ان سے کیوں صرفِ نظر نہیں کرلیا گیا کہ چھوڑو یہ دنیاوی چیزیں ہیں ان کے متعلق تو بحث کی ضرورت ہی نہیں۔ ہوائی جہاز وغیرہ کے ذریعہ حج وعمرہ نیز جہاد پر جانے کا مسئلہ بھی اسی سلسلہ کی کڑی ہے۔ کچھ تو بولیں۔

قَوْلُہٗ:- ''سابق عبارات کوملاحظہ کرکے مفتی صاحب کو مناسب ہے کہ وہ اپنے گریبان میں منہ ڈال کر اپنا محاسبہ کر لیں کہ غلطی ان کی ہے جو ہر نئی چیز کو بدعت کہتے ہیں یا دیوبندیوں اور وہابیوں کی ہے''؟ [راہِ سنّت صفحہ ۸۶]

اَقُوْلُ:- ہم نے دیکھ لیا ہے اس میں غلطی دیوبندیوں اور وہابیوں کی ہے کیونکہ ''سابق عبارات'' میں سے کوئی ان کے دعویٰ کی دلیل مطابق نہیں بلکہ وہ عبارات سرے سے ان کے مقرر کردہ معیار دلائل سے بھی ساقط و خارج ہیں۔ پس گکھڑوی صاحب اپنی اس غلطی سے توبہ کریں اور ہم سے نہیں کم از کم خدا اور رسول (جلّ جلالہٗ وصلی اللہ علیہ وسلم) ہی کا کچھ لحاظ کریں وہ بھی ؏ شرم نبی' خوف خدا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں
ان لفظوں میں گکھڑوی صاحب اپنی جماعت کے وہابی ہونے کا بھی اقرار کررہے ہیں جسے کتاب کے ٹائٹل وغیرہ پر انہوں نے چھپانے کی کوشش کی تھی مکمل تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو کتاب ہٰذا اجلد اوّل ملاحظہ ہو۔ (راہِ سنّت صـ۸۶)

قَوْلُہٗ:- ؎

مری تعمیر میں مضمر ہے اک صورت خرابی کی
ہیولیٰ برق خرمن کا ہے خون گرم دہقاں کا

اَقُوْلُ:- گویا مخلوق کی کوئی اور قسم ہو۔ اپنی خرابی تم نے خود مان لی اور دہقانیت بھی جو تمہیں لے ڈوبی ہے۔ پھر حدیث رسول ﷺ میں قطع وبرید' تحریف معنوی اور خیانت آپ سے ثابت ہو چکی تو دہقان بھی وہی ہو جس کا بیان سورۃ توبہ کی آیت نمبر ۹۹ میں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے نیازمند نہیں ہو کہ آپ کو ''وصلوات الرسول'' والی آیت میں شامل کہا جائے۔ لہٰذا ''برق خرمن'' بھی آپ ہی کے ''ہیولیٰ'' کے لیے ہے ؎

ٹوٹ جائے نہ تیغ اے قاتل
سخت جاں ہوں ذرا سمجھ کر کھینچ

اور ع جلا کر راکھ نہ کر دوں تو داغ نام ہی نہیں

قَوْلُہٗ:- (الزامی طور پر حضرت مفتی صاحب کی ایک عبارت نقل کر کے (جس میں دین کا ذکر ہے لکھا ہے)
''مفتی صاحب سے دریافت کیجیئے کہ آپ نے محض اپنی طرف سے احادیث صحیحہ اور اقوال علماء وفقہاء اور محدّثین کے خلاف کرتے ہوئے کیوں دین کی قید لگائی ہے''؟ [راہِ سنّت صفحہ ۸۶]

اَقُوْلُ:- حضرت مفتی صاحب نے یہ کہیں کہا ہی نہیں ہے کہ حدیث من احدث الخ میں ہٰذا کا مشارالیہ دین نہیں ہے بلکہ وہ دین کے مفہوم میں تعمیم فرماتے ہوئے ان دنیوی امور پر بھی ابتداع کو لاگو مانتے ہیں جن کی طرف احکام شرعیہ متوجہ ہوتے ہیں اور بعینہٖ یہی تصریح مرقاۃ اور الاعتصام وغیرہما کی عبارات میں موجود ہے۔
پس سمجھ گکھڑوی صاحب کو خود نہ آئے تو اس میں قصور حضرت مفتی صاحب کا کیوں ہے؟

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمۂ آفتاب راچہ گناہ؟

قَوْلُہٗ:- (مفتی صاحب نے لکھا ہے ''دین عقائد ہی کا نام ہے اعمال فروع ہیں''۔ اس پر پھبتی کستے ہوئے لکھا ہے):

''پھر یہ بھی خوب کہی کہ دین عقائد ہی کا نام ہے اعمال فروع ہیں۔ بلاشک نماز روزہ حج زکوٰۃ اور جہاد وغیرہ احکام عقائد کے لحاظ سے فروع ہیں مگر اپنے مقام پر وہ ارکان اسلام اور اصول دین بھی ہیں''۔ [راہِ سنّت صفحہ ۸۶٬۸۷]

اَقُوْلُ:- جب وہی کچھ مان لیا ہے جو حضرت مفتی صاحب فرما رہے ہیں تو پھبتی کسنے کا کیا مطلب؟ کیا اس پر ٹیڑھا اڑنے والی مثال تو صادق نہیں آتی؟

باقی حضرت مفتی صاحب نے ''ہی'' کا جو حصر ذکر فرمایا ہے وہ عقائد کی بنیادی حیثیت کے پیش نظر ہے ان کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اعمال دین سے خارج ہیں یا کسی طرح سے ان پر دین کا اطلاق درست نہیں۔ آخر اعمال کو انہوں نے دین ہی کی فرع تو فرمایا ہے۔ لہٰذا گکھڑوی صاحب کا مزید واویلا بھی کچھ گنجائش نہیں رکھتا۔

قَوْلُہٗ:- ''مفتی احمد یار خان صاحب کی محض اپنی طرف سے اختراع: مفتی صاحب نے مــا کے معنیٰ کو صرف عقائد پر بند رکھا ہی اور اسی کی بحث کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

''ثابت ہوا کہ بدعت عقیدے کو فرمایا گیا'' (جاء الحق صفحہ ۲۰۵)۔ آگے لکھتے ہیں: بدعت اور

بدعتی پر جو سخت وعیدیں احادیث میں آئی ہیں ان سے مراد بدعت اعتقادیہ یہی ہے''۔اھ بلفظہٖ [راہِ سنّت صفحہ ۸۷]

اَقُوْلُ:- حضرت مفتی صاحب کا اس سے مقصود یہ ہے کہ سب سے سخت بدعت' اعتقادیہ ہوتی ہے لہٰذا بنیادی طور پر اس کا مصداق بدعی عقائد ہیں۔ آپ نے اس پر ائمہ شان کے حوالہ جات بھی پیش فرمائے ہیں جن سے گکھڑوی صاحب نے عمداً اغماض سے کام لیا ہے۔ آپ کب بدعت کے عملیہ ہونے سے ہرگز انکار نہیں ہے بلکہ حقیقت اس کے برعکس ہی۔ چنانچہ آپ نے تصریح کرتے ہوئے لکھا ہے: بدعت کے شرعی معنیٰ ہیں وہ اعتقاد یا اعمال جو الخ تھوڑا سا آگے لکھا ہے: ''نتیجہ یہ نکلا کہ بدعت شرعی دو طرح کی ہوئی بدعت اعتقادی اور بدعت عملی''، مزید لکھا ہے: ''بدعت عملی ہر وہ کام ہے جو'' الخ۔ ملاحظہ ہو [جاء الحق صفحہ ۲۱۴، ۲۱۶]

اسی طرح ما بمعنی عقیدے کا حصر بھی ان کی مراد نہیں چنانچہ اس حدیث (من احدث الخ) کی شرح میں آپ ارقام فرماتے ہیں: خیال رہے کہ اَمْر سے مراد دین اسلام ہے اور ما سے مراد عقائد (الیٰ) یا اَمْر سے مراد دین ہے اور ما سے اعمال ہیں الخ اھ ملخصاً بلفظہٖ ملاحظہ ہو [مراۃ شرح مشکوٰۃ جلد ۱ صفحہ ۱۴۶ طبع گجرات]

بلکہ اسی جاء الحق میں آگے چل کر لکھا ہے:

''اس میں یا تو ما سے مراد عقائد ہیں کہ دین کا عام اطلاق عقائد پر ہوتا ہے اور اگر مراد اعمال بھی ہوں تو لیس منه سے مراد وہ اعمال ہیں جو خلاف سنّت یا خلافِ دین ہوں گے''۔ ملاحظہ ہو [صفحہ ۲۲۴ طبع نعیمی کتب خانہ گجرات]

باقی رہا احادیث وعید میں آپ کا بدعت سے بدعت اعتقادیہ مراد لینا؟ تو بعینہٖ یہی بات گکھڑوی صاحب کے عظیم پیش رو مسمی رشید احمد گنگوہی دیوبندی نے بھی لکھی ہے چنانچہ گنگوہی صاحب نے اس سلسلہ کے ایک طویل سوال جواب میں لکھا ہے: ''جس بدعت میں ایسے شدید وعید ہیں وہ بدعت فی العقائد ہے''۔ اھ بلفظہٖ ملاحظہ ہو [فتاویٰ رشیدیہ صفحہ ۱۲۸ طبع محمد علی کراچی نمبر ۳۸]

یہی حوالہ خود حضرت مفتی صاحب نے بھی اس مقام پر پیش فرمایا ہے ملاحظہ ہو [جاء الحق صفحہ ۲۱۶]

بلکہ خود گکھڑوی صاحب نے بھی اسے جاء الحق سے نقل کیا ہے۔ ملاحظہ ہو [راہِ سنّت صفحہ ۸۷]

بلکہ اس کی انہوں نے اس بارے میں حضرت مفتی صاحب کی تصدیق کرتے ہوئے یہ بھی اقرار کیا ہے کہ ''بلاشک وعید شدید ایسی ہی بدعت پر وارد ہوئی ہے جو عقائد کی بدعت ہے''۔ ملاحظہ وہ (راہِ سنّت صفحہ

۸۷)۔ پھر وہ اس پر اعتراض بھی کر رہے ہیں ع ناطقہ سر بہ گریباں ہے اسے کیا کہیئے۔

قَوْلُہٗ:۔ ''مگر مفتی صاحب ہی بتائیں کہ کیا علم غیب، حاضر و ناظر اور مختار کل اور بشریت وغیرہ کے مسائل عقائد ہیں یا محض دل لگی کا سامان ہے؟ اور کیا ایسی شدید وعید ایسی بدعت اعتقادیہ پر آئے گی یا نہیں''؟ اھ بلفظہٖ [راہِ سنّت صفحہ ۷۸]

اَقُوْلُ:۔ عظمت رسالت علٰی صاحبہا الصلٰوۃ کے اعتقادی پہلو کے حوالہ سے یہ مسائل عقائد کی حیثیت رکھتے ہیں جب کہ ان کا ایک پہلو فضائل کا ہے پس اگر کوئی عدم انکار ہو تو ان کی حیثیت عقیدہ والی بن جائے گی جب کہ گکھڑوی صاحب اور ان کی ہاں میں ہاں ملانے والے از راہ عناد ہی انکار کرتے ہیں جس پر قرینہ ان کی وہ گستاخانہ اور کفریّہ عبارات ہیں جنہیں تحفظ فراہم کرنے میں وہ آج تک خواہ مخواہ کمر بستہ ہیں جن میں سے بعض کی تفصیل جلد اوّل میں گزر چکی ہے اور بہت کچھ آئندہ اوراق میں بھی آ رہا ہے۔

باقی رہی ان پر ''ایسی وعید شدید'' کے آنے کی بات؟ تو اس کی بنیاد ان کے بدعت اعتقادیہ ہونے پر ہے جو گکھڑوی صاحب کا ایسا دعویٰ ہے جو ابھی تشنۂ دلیل ہے۔ پس ''ثبت العرش ثم انقش'' کے تحت پہلے ان کا بدعت اعتقادیہ ہونا تو ثابت کریں، حکم لگانا تو اگلا مرحلہ ہے۔

قَوْلُہٗ:۔ ''خیر القرون میں تو یہ عقائد کسی کے نہ تھے''۔ اھ بلفظہٖ [راہِ سنّت صفحہ ۸۷]

اَقُوْلُ:۔ یہ گکھڑوی صاحب کا ثبوتِ عدم کا دعویٰ ہے اگر ذرہ بھر بھی ان میں صداقت ہے تو وہ خود یا ان کا کوئی ماننے والا (کہ ممکن ہے وہ ہماری اس کتاب کے اس حصّہ کے منظر عام پر آنے کے وقت پردۂ خفاء میں جا چکے ہوں) بخاری، مسلم چھوڑ حدیث کی کسی کتاب کی فصیح حدیث سے یہ تصریح دکھا دیں کہ خیر القرون میں یہ عقائد کسی کے نہ تھے یا صحابہؓ و تابعین میں سے کوئی ان کا حامل نہ تھا۔ باقی اصطلاحات اور عنوان کا عدم ذکر مصطلحات اور معنون کی نفی کو ہرگز مستلزم نہیں ورنہ کیا وہ اصول حدیث اور اصول فقہ کی اصطلاحات حسب اصول خود خیر القرون سے دکھا سکتے ہیں نیز کیا وہ حسبِ بالا تقلید کی اصطلاح اور معجزہ اور توحید کے اصطلاحی عنوانات کا بھی ثبوت مہیّا کر سکتے ہیں؟ فهل من مبارز دیدہ باید

قَوْلُہٗ:۔ ''پھر یہ کیسے ہوا کہ اگر وعید شدید کا اطلاق بدعت اعتقادیہ پر ہوا ہے تو احکام اور فروغ اور غیر اعتقادی امور پر نفس بدعت کا اطلاق ہی نہ ہو اور ان پر نقش وعید بھی نہ ہو''۔ اھ [راہِ سنّت صفحہ ۵۷]

اَقُوْلُ:۔ حضرت مفتی صاحب نے جب یہ بات کہی ہی نہیں ہے اور نہ ہی ان کا یہ مطلب ہے جیسا کہ ابھی

کچھ پہلے اس کے برخلاف ان کی تصریحات گزر چکی ہے تو کیسے ویسے اور اگر مگر کی ضرورت ہی کیا ہے؟ پھر بھی تسلی نہ ہو تو اپنے گنگوہی صاحب سے رابطہ کر لیجیے جنہوں نے احادیث وعید شدید کا تعلق بدعات اعتقادیہ سے بتایا ہے۔ فتاویٰ رشیدیہ کا حوالہ ابھی کچھ پہلے گزر چکا ہے۔

قَوْلُہٗ:۔ ''متعدد حوالے سپردِ قلم کیئے گئے ہیں کہ بدعت، اعتقاد اور عمل دونوں میں ہوتی ہے''۔اھ [راہِ سنّت صفحہ ۸۷]

اَقُوْلُ:۔ ہم بھی حضرت مفتی صاحب کی کئی تصریحات دکھا چکے ہیں کہ وہ بھی اس کے قائل ہیں۔ پس اس کا ذکر ہی سرے سے بے جا اور فضول ہے۔

قَوْلُہٗ:۔ ''حافظ ابن کثیر کی عبارت میں قول و فعل کے الفاظ اور صاحب قاموس کی عبارت میں اہواء واعمال کی قید اور علامہ شمنی وغیرہ محققین کی عبارت میں علم وعمل اور حال کی قید اور ابن دقیق العید کی عبارت میں احکام فرعیہ اور اصولِ اعتقادیہ کی قید خاص طور پر مذکور ہے''۔اھ بلفظہٖ [راہِ سنّت صفحہ ۸۷]

اَقُوْلُ:۔ یہ تمام عبارات گکھڑوی معیار دلائل سے ہٹ کر ہونے کے باعث قطعاً مفید نہیں اور ہمیں کچھ مضر نہیں اور ان کی صحیح محامل تفصیل سے بیان کیے جا چکے ہیں نیز ان میں سے بعض کا خلاف اصول نیز خود گکھڑوی صاحب کے خلاف ہونا بھی بیان کیا جا چکا ہے۔ پھر جب حضرت مفتی صاحب بدعت کے عملیہ ہونے کے بھی قائل ہیں تو خواہ مخواہ ورق سیاہی کی ضرورت ہی کیا ہے؟

قَوْلُہٗ:۔ ''حافظ ابن رجب لکھتے ہیں الخ'' (اس کے بعد ان کی ایک عبارت لکھی ہے جس میں مذکور ہے کہ جس امر کی اصل دین میں نہ ہو وہ بدعت اور گمراہی ہے نیز یہ کہ بدعت لغوی بھی ہوتی ہے) [راہِ سنّت صفحہ ۸۷،۸۸]

اَقُوْلُ:۔ بر تقدیر تسلیم اہلِ سنّت کا کوئی عقیدہ و عمل صالح بے اصل نہیں اس لیے یہ عبارت ہمارے قطعاً خلاف نہیں البتہ گکھڑوی صاحب کے ضرور خلاف ہے کیونکہ اس میں ہیئتِ کذائیہ اور صورۃ ترکیبیہ کے بدعت شرعیہ نہ ہونے تصریح موجد ہے جب کہ گکھڑوی اس کے بدعت شرعیہ ہونے کے قائل ہیں جیسا کہ ان کی اس کتاب کا باب چہارم اس کی واضح دلیل ہے۔ ولفظہ واما ماوقع فی کلام السلف من استحسان بعض البدع فانما ذلک فی البدع اللغویة لاالشرعیة ملاحظہ ہو [راہِ سنّت صفحہ ۸۸ بحوالہ جامع العلوم والحکم]

جب کہ ''بدعت لغویہ'' ہیئتِ کذائیہ اور صورۃ ترکیبیہ ہی کی مصداق ہے جب کہ اصل ثابت ہو فافهم۔

قَوْلُہٗ:۔ اور شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ لکھتے ہیں (اس کے بعد ان کی عبارت نقل کی ہے جس میں عبادات کے

ساتھ ساتھ عادات میں بھی اتباع سنّت کولازم قرار دیا گیا ہے وغیرہ) [راہِ سنّت صفحہ۸۸]

اَقُولُ:- حضرت شیخ کی یہ عبارت خود گکھڑوی صاحب کے خلاف ہی نہیں بلکہ ان کے راہ سنّت کے پورے منصوبے کی قالع وقامع اور بیخ کن بھی ہے کیونکہ اس میں عادات یعنی دنیوی امور میں اتباع سنت کو بھی لازم قرار دیا گیا اور بدعت ہونے کے لیے مغیر سنّت ہونا شرط فرمایا گیا ہے اور یہ دونوں باتیں حضرت مفتی صاحب کے موقف کی ہی مؤید ہیں۔ اور لطف یہ ہے کہ گکھڑوی صاحب نے بھی بڑی سادگی کے ساتھ اس سب کو تسلیم کرلیا ہے۔ چنانچہ ان کے لفظ ہیں: ''حضرت شیخ کی اس عبارت میں ایک تو یہ واضح کیا گیا ہے کہ جو چیز جناب رسول اللہ ﷺ کی سنّت کی مغیر اور مخالف ہو وہ بدعت ضلالت اور مردود ہے (الیٰ) دوسرا یہ امر واضح ہوا کہ عبادات، عادات اور اعتقاد تمام چیزوں میں سنّت کی پیروی لازم ہے اور اس کی مخالفت بدعت اور مردود ہے''۔ اھ بلفظہٖ ملخصاً۔ [راہِ سنّت صفحہ۸۸]

باقی انہوں نے اس مقام پر جو دینی دنیوی کی بحث پھر سے چھیڑی ہے اس کی وضاحت ہم پہلے کر چکے ہیں جس کے اعادہ کی حاجت نہیں۔

قَوْلُہٗ:- ''اور چوتھا یہ امر واضح ہوا کہ بدعتی میں نورِ ولایت کبھی نہیں آسکتا الخ''۔ [راہِ سنّت صفحہ۸۸]

اَقُولُ:- اس سے دو باتیں ثابت ہوئیں۔ ایک تو یہ کہ اہلِ سنّت بفضلہٖ تعالیٰ بدعت نہیں ہیں کیونکہ جتنے اولیاء کرام ہوئے ہیں وہ سب اہلِ سنّت ہی میں ہوئے ہیں۔ دوسری یہ کہ دیوبندی وہابی بدعتی ہیں کیونکہ ان میں اللہ کا کوئی ولی کبھی نہیں ہوا۔ قدوۃ الاولیاء امام السالکین محبوب سبحانی حضور غوث اعظم جیلانی قدس سرّہ العزیز کا ارشاد ہے کہ حصول ولایت کے لیے اہلِ سنّت و جماعت ہونا بنیادی شرط ہے۔ گکھڑوی صاحب کے ہاں اس قول کی ہم پھر تصدیق کرتے ہیں کہ واقعی ''بدعتی میں نور ولایت کبھی نہیں آسکتا'' جس کے اصل مصداق وہ خود ہی ہیں۔

قَوْلُہٗ:- ''ایک وہم اور اس کا ازالہ'' (اس عنوان کے تحت گکھڑوی صاحب نے اس بحث کو پھر سے دہرایا ہے کہ بدعت اعتقادی بھی ہوتی ہے عملی بھی لہٰذا وعیدیں جو وارد ہوئی ہیں، دونوں سے متعلق ہیں جب کہ مفتی صاحب اس کے قائل نہیں) [راہِ سنّت صفحہ۸۹، ۹۰]

اَقُولُ:- اس پر مفصّل بحوالہ بحث ابھی گزری ہے کہ حضرت مفتی صاحب قطعی طور پر بدعت اور عملی (دو قسمیں) ہونے کے قائل ہیں نیز یہ بھی گزر چکا ہے کہ وعیدوں کے بدعت اعتقادیہ سے متعلق ہونے کا جو انہوں نے قول کیا ہے اس سے مراد بنیادی طور پر اور اوّلی حیثیت سے تعلق ہے یہ نہیں کہ کسی

طرح سے بھی وہ وعیدیں عملی بدعت یا اس کے مرتکب سے متعلق نہیں ہیں۔ مزید اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت مفتی صاحب نے یہ بھی تصریح کر دی ہے کہ بعض بدعتیں مکروہ تحریمی بلکہ حرام بھی ہوتی ہیں جب کہ حرام امر بلاشبہ محل وعیدہ ہے۔ پھر لطف یہ کہ نئے سرے یہ سب کچھ کرنے کے بعد گکھڑوی صاحب نے تان اس پر توڑی ہے کہ حضرت مفتی صاحب بدعت کی دو قسمیں ہونے کے قائل ہیں جو خدا کی قدرت حضرت مفتی صاحب کی کرامت ہے۔ چنانچہ گکھڑوی صاحب یہ سب کچھ کہہ لکھ لینے کے بعد لکھتے ہیں: ''لیجیے ہم مفتی احمد یارخان صاحب کی زبانی ان کو یہ مسئلہ منوا دیتے ہیں وہ خود لکھتے ہیں کہ بدعت کے شرعی معنیٰ میں وہ اعتقاد یا اعمال جو کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانۂ حیات ظاہری میں نہ ہوں' بعد میں ایجاد ہوئے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ بدعت شرعی دو طرح کی ہوئی' بدعت اعتقادی اور بدعت عملی''۔ (بلفظہٖ جاءالحق صفحہ ۲۰۴) اھ [راہِ سنّت صفحہ ۸۹]

اس کے بعد گکھڑوی صاحب فرماتے ہیں: ''اور یہی ہم کہنا چاہتے ہیں کہ بدعت دو طرح کی ہوتی ہے بدعت اعتقادی اور بدعت عملی'' الخ ملاحظہ ہو [راہِ سنّت صفحہ ۹۰]

یعنی اس پر دونوں کا اتفاق ہے تو پھر بحث کاہے کی۔ اللہ تعالیٰ فہم عطا فرمائے۔

لہٰذا اس ضمن میں گکھڑوی صاحب نے حدیث من احدث الخ کے دوسرے طرق کے الفاظ من عمل عملاً الخ یا من صنع امراً الخ کو نقل کر کے بدعت کے عملی ہونے کا ثبوت بنا کر پیش کرنے کی کوشش کی ہے (کمافی صفحہ ۸۹ مع حاشیہ ۱ بحوالہ بخاری مسلم احمد وابوداؤد) تو وہ بھی بالکل بے سود ہوئی کہ جب خود مان لیا ہے کہ حضرت مفتی بھی اس کے قائل ہیں تو سرے بحث کا ہی خاتمہ ہو گیا۔ وعیدات کے اعتقادی بدعات سے متعلق ہونے کی بات گنگوہی صاحب نے بھی کی ہے جو باحوالہ گزر چکی ہے جسے گکھڑوی صاحب درست قرار دے چکے ہیں (راہِ سنّت صفحہ ۸۷) انہیں اس پر کیونکر عام معافی دی گئی ہے؟ یا اپنوں کے لیے شریعت اور ہے اور بیگانوں کے لیے اور؟

گکھڑوی جہالت:۔

گکھڑوی صاحب حدیث من احدث الخ کی بے نظیر شرح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

''اور حدیث من احدث فی امرنا ھذا ما الخ مطلق ہے۔ حرف ما عقائد اعمال اور اقوال و خواہشات سب کو شامل ہے'' [راہِ سنّت صفحہ ۸۹]

اَقُوْلُ:۔ ان کی قبیح جہالت ہے کیونکہ حدیث میں ''ما'' کا لفظ حرف نہیں بلکہ یہ ما اسمیہ ہے جس کا غلط ہونا خود

ان کے ترجمہ سے بھی ظاہر ہے یعنی ''عقائد اعمال اور اقوال وخواہشات'' کہ یہ سب اسماء ہیں۔ نیز انہوں نے آگے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے: ''ایسا کام کیا جس پر'' الخ [راہِ سنّت صفحہ ۸۹ مع ۱]

بحث ہٰذا میں حضرت مفتی صاحب کی فتح مبین اور گکھڑوی صاحب کی شکستِ فاش:-

بحث ہٰذا میں حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے آخری ضرب یہ لگائی تھی (جسے گکھڑوی صاحب نے بھی اس کا آخری حصہ قرار دیتے ہوئے اسے اس کے آخر میں رکھتے ہوئے نقل کیا ہی اور اس پر ''مفتی احمد یار خان صاحب کی ایک اور غلطی'' کا عنوان بھی دیا ہے کہ) ''اگر مان لیا جائے کہ بدعت میں دینی کام کی قید ہے تو دینی کام اسی کو تو کہتے ہیں جس پر ثواب ملے (الیٰ ان قال) اور دنیا کا کوئی کام بھی نیت خیر سے کیا جاوے اس پر ثواب ملتا ہے (الیٰ ان قال) لہٰذا مسلمان کا ہر دنیاوی کام دینی ہے اب بتاؤ کہ نیت خیر سے پلاؤ کھلانا بدعت ہے یا نہیں؟ (جاء الحق صفحہ ۲۱۲)'' اھ ملاحظہ ہو [راہِ سنّت صفحہ ۹۰]

جس کے جواب میں وہ ایک حوالہ بھی ایسا نہیں لا سکے جس میں یہ صراحت ہو کہ مباح کام کے بہ نیت خیر کرنے کے ثواب ہونے کی حضرت مفتی صاحب کی بات غلط ہے بلکہ بات آئی گئی کرنے کی غرض سے گکھڑوی صاحب نے اس کا یہ جواب دیا کہ ''مگر مفتی صاحب یہ تو بتائیں کہ کیا انہوں نے کتب فقہ اور اصولِ فقہ میں مباح کی تعریف بھی کہیں پڑھی ہے؟'' (اس کے بعد تسلی سے کام لیتے ہوئے کہا) ''خلاصہ کیدانی ہی ملاحظہ کر لیتے''۔ (پھر انوار ساطعہ سے اس کے متعلق یہ لفظ نقل کیئے) ''اور بعضے مباح یعنی ان کے کرنے میں نہ ثواب نہ عذاب''۔ (بلفظہٖ انوارِ ساطعہ صفحہ ۴۷)'' (پھر جاء الحق صفحہ ۳۰۵ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ) ''بلکہ خود مفتی صاحب نے اپنے استدلال میں ایک عبارت نقل کی ہے جس میں اس کی تصریح ہے کہ مباح سے ثواب متعلق نہیں ہوتا''۔ (نیز حاشیہ ۱ میں توضیح صفحہ ۲۶ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ) ''لا یثاب ولا یعاقب علیه یعنی نہ تو اس کے کرنے میں ثواب ہوتا ہے اور نہ عذاب''۔ اھ بلفظہٖ ملخّصاً۔ ملاحظہ ہو [راہِ سنّت صفحہ ۹۰]

جب کہ بحث یہ نہیں کہ فی نفسہ مباح کار ثواب ہے یا نہیں اس لیے حضرت مفتی صاحب کو اس کے لانے کی حاجت ہی نہیں تھی بلکہ بحث صرف اور صرف یہ ہے کہ مباح کو بہ نیت خیر کرنے سے ثواب ملتا ہے یا نہیں لہٰذا گکھڑوی صاحب کا اسے حضرت مفتی صاحب کی غلطی کہنا خود ان کی اپنی غلطی ہے۔ پس گکھڑوی صاحب، حضرت مفتی صاحب کے موقف کو غلط ثابت کرنے میں سخت عاجز و ناکام قرار پائے جو حضرت مفتی صاحب کی بحث ہٰذا میں عظیم اور واضح فتح اور گکھڑوی صاحب کی عبرت ناک شکست فاش ہے۔ وھو المقصود)

مباح نہ نیت خیر کے ثواب ہونے کا ثبوت:-

جب کہ مباح بہ نیت خیر کا ثواب ہونا ایک اٹل بات اور نا قابل تردید حقیقت ثابتہ ہے جس کے کچھ دلائل حضرت مفتی صاحب نے بھی جاءالحق میں اسی مقام پر دیئے ہیں جنہیں گکھڑوی صاحب کا جواب نہ بن پڑنے کے باعث صاف اڑا گئے اور شیر مادر کی طرح ہضم کر گئے ہیں۔ چنانچہ گکھڑوی صاحب نے درمیان سے ان کی جو عبارت اڑا دی ہے وہ اس طرح ہے۔

حضرت مفتی صاحب سے:-

''دنیا کا کوئی بھی کام نیت خیر سے کیا جائے اس پر ثواب ملتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ مسلمان سے خندہ پیشانی سے ملنا صدقہ کا ثواب رکھتا ہے۔ اپنے بچوں کو پالنا نیت خیر سے ہو تو ثواب ملتا ہے۔ حتی اللقمة ترفعها فی فی امرأتک یہاں تک کہ جو لقمہ اپنی زوجہ کے منہ میں دے وہ بھی ثواب'' لہٰذا مسلمان کا ہر کام دینی ہے۔ اھ بلفظہٖ ملاحظہ ہو [جاءالحق وزہق الباطل صفحہ ۲۲۳ طبع نعیمی کتب خانہ گجرات]

مزید حضرت موصوف سے:-

مزید سنیئے حضرت مفتی صاحب نے اس سے آگے بھی بہت کچھ لکھا ہے مگر گکھڑوی صاحب نے اس کے بھی نقل نہ کرنے میں عافیت سمجھی ہے چنانچہ آپ کے لفظ ہیں: نیز دینی کام کی قید لگانا آپ کے لیے مفید نہیں کیونکہ دیوبند کا مدرسہ، وہاں کا نصاب دورۂ حدیث، تنخواہ لے کر مدرسین کا پڑھانا، امتحان اور تعطیلات کا ہونا، آج قرآن پاک میں اعراب لگانا، قرآن و بخاری چھاپنا، مصیبت کے وقت ختم بخاری کرنا جیسا کہ دیوبند میں پندرہ روپیہ لے کر کرایا جاتا ہے بلکہ سارا فن حدیث بلکہ خود احادیث کو کتابی شکل میں جمع کرنا بلکہ خود قرآن کو کاغذ پر جمع کرنا، اس میں رکوع بنانا، اس کے تیس پارے کرنا وغیرہ وغیرہ سب ہی دینی کام ہیں اور بدعت ہیں کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں ان میں سے کوئی کام نہ ہوا تھا۔ بولو یہ حرام ہیں یا حلال؟ بے چارے محفل میلاد شریف اور فاتحہ نے ہی کیا قصور کیا ہے جو صرف وہ تو اس لیے حرام ہوں کہ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں نہ تھے اور اوپر ذکر کیے ہوئے سب کام حلال؟'' اھ بلفظہٖ [جاء الحق صفحہ ۲۲۳، صفحہ ۲۲۴ طبع مذکور]

مزید وضاحت:-

اگر کوئی اسے حضرت مفتی صاحب کی ذاتی رائے کہہ کرنا مانے تو مزید عرض ہے کہ:

''مانحن فیہ کے عمدہ دلائل میں سے ایک حدیث نیت بھی ہے جو صحیح بخاری وغیرہ میں حضرت امیر المؤمنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''انما الاعمال بالنیات وانما لکل امرئ مانویٰ''، یعنی اعمال کا دارومدار نیت پر ہے اور ہر شخص کے لیے اس کے ہر کام کا صلہ محض اس کی نیت کے مطابق ہے۔ (الحدیث) ملاحظہ ہو [صحیح بخاری مشمولہ فتح الباری جلد اصفحہ ۱۵ حدیث نمبر ا، ۵۴، ۲۵۲۹، ۳۸۹۸، ۵۰۷۰، ۶۶۸۹، ۶۹۵۳، طبع بیروت]

اس کے تحت بے شمار شراح حدیث، فقہاء وصوفیاء نے تصریحات فرمائی ہیں کہ ہر مباح کو نیت خیر سے عبادت اور کارِ ثواب بنایا جاسکتا ہے۔

امام حافظ ابن حجر عسقلانی سے:-

چنانچہ امام حافظ ابن حجر عسقلانی (المتوفیٰ ۸۵۲ھ) رقم طراز ہیں:

''وکذا من طلب التزویج فقط لاعلی صورة الهجرة الی الله لانه من الامر المباح الذی قد یثاب فاعله اذا قصد به القربة کالاعفاف. ومن امثله ذلک ماوقع فی قصة اسلام ابی طلحة فیما رواه النسائی عن انس قال تزویج ابو طلحة ام سلیم فکان صداق ما بینهما الاسلام فاسلمت ام سلیم قبل ابی طلحة فخطبها فقالت انی قد اسلمت فان اسلمت تزوجتک فاسلم فتزوجه وهو محمول علیٰ انه رغب فی الاسلام ودخله من وجهه وضم الیٰ ذٰلک ارادة التزویج المباح فصار کمن نوی بصومه العبادة والحمیة اوبطوافه العبادة وملازمة الغریم''۔

یعنی جو شخص صرف بقصد تزویہ ترک وطن کرے اور اللہ کی رضا کے لیے ہجرت کرنا اس کا مقصود نہ ہو تو سے جس طرح ہجرت کا ثواب نہیں ملے گا بقصد تزویج ترک وطن کا گناہ بھی نہیں ہوگا کیونکہ تزویج فی نفسہٖ مباح امر ہے جس کا کرنے والا اسے بہ نیت ثواب کرے مثلاً اس سے حصول عفت کی نیت کرے تو وہ ثواب کا مستحق ہوگا جس کی متعدد مثالوں میں سے ایک حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا واقعہ بھی ہے جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس کی تفصیل

حسبِ روایت نسائی یہ ہے کہ حضرت انس نے فرمایا کہ حضرت ابوطلحہ نے حضرت ام سلیم سے تزویج فرمائی حق المہر ان کا اسلام لانا مقرر ہوا تھا۔ حضرت ام سلیم حضرت ابوطلحہ سے قبل اسلام لائیں تو انہوں نے انہیں نکاح کا پیغام دیا جواباً کہنے لگیں کہ میں مسلمان ہو چکی ہوں اگر آپ بھی مسلمان ہو جائیں تو پھر میں آپ سے تزویج کروں گی۔ پس وہ اسلام لائے تو حضرت ام سلیم ان کی تزویج میں آئیں۔ اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت ابوطلحہ کے دل میں اسلام کی طرف میلان پہلے سے تھا اور وہ من وجہٍ اس میں داخل ہو چکے تھے جس کے ساتھ تزویج جو کہ فی نفسہٖ ایک مباح امر ہے کا قصد بھی شامل ہو گیا۔ پس یہ ایسے ہو گیا جیسے کوئی روزہ رکھ کر عبادت کی نیت کے ساتھ ساتھ حصول صحت کا قصد بھی کرے یا طواف کعبہ میں عبادت کے قصد کے ساتھ اپنے غریم کو جو وہاں ہو پکڑنے کی غرض سے بھی اس حالت میں رہے۔ اھ ملاحظہ ہو [فتح الباری جلد ا صفحہ ۲۵ طبع دار الدیان بیروت]

شیخ الاسلام بدرالدین محمود عینی سے :-

شیخ الاسلام بدرالدین محمود العینی الحنفی (المتوفیٰ ۸۵۵ھ) ارقام فرماتے ہیں:

''الثالث ماذكره ابن السمعانی فی امالیه ان فیه حلالة علیٰ ان الاعمال الخارجة عن العبادة قد تفید الثواب اذا نوی بها فاعلها القربة كالأكل والشرب اذا نوی بهما التقوية علی الطاعة النوم اذا قصد به ترويج البدن للعبادة والوطئ اذا اراد به التعفف عن الفاحشة كما قال عليه الصلوٰة والسلام فی بضع احدكم صدقة الحديث''۔

یعنی ''انما الاعمال بالنیات'' کے بعد ''وانما لکل امرئ مانویٰ'' فرمانے سے ابن السمعانی کے اس بیان کے مطابق جو انہوں نے اپنے اَمالی میں فرمایا ہے یہ ہے کہ پہلے ارشاد کا تعلق ان اعمال سے ہے جو فی نفسہٖ عبادت ہوتے ہیں اور دوسرے جملے کا تعلق مباح قسم کے اعمال سے ہے جنہیں ان کا کرنے والا بہ نیت خیر کرے تو ثواب کا مستحق قرار پاتا ہے مثلاً اس نیت سے کھانا پینا کہ اس سے عبادت کی طاقت پیدا ہو اور نینداس سے نیت سے کرنا کہ جسم میں عبادت کے لیے چستی پیدا ہو اور بیوی سے اس نیت سے قربت کرنا کہ برائی سے بچ جائے جس کی دلیل آپؐ کا ارشاد ''فی بضع احدكم صدقة'' بھی ہے یعنی مسلمان کا اپنی بیوی سے قربت کرنا بھی صدقہ ہے''

اھ ملاحظہ ہو [عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری جلد ۱ صفحہ ۲۷ طبع مصر و پاک]

علّامہ علی القاری سے:۔

نیز علّامہ نور الدین علی بن سلطان محمد القاری الحنفی (المتوفّٰی ۱۰۱۴ھ) لکھتے ہیں:۔

"وقیل المراد بالا عمال العبادات وبالثانی الامور المباحات. فانها لاتفید المثوبات. الا اذا نوی بها فاعلها القربات. کالماکل والمشارب والمناکح وسائر اللذات. اذا نوی بها القوۃ علی الطاعات. لا استیفاء الشهوات. وکالتطیب اذا قصد اقامۃ السنۃ ودفع الرائحۃ الموذیۃ عن عباداللہ تعالیٰ ففی الجملۃ کل عمل صدر عنه لداعی الحق فهو الحقّ"

یعنی "ایک قول پر انما الاعمال بالنیات میں میں عبادات اور وانما لکل امرئ مانویٰ میں مباحات کا بیان ہے کیونکہ مباح امور میں ثواب محض اس وقت حاصل ہوتا ہے جب انہیں بہ نیت ثواب کیا جائے جیسے کھانا پینا شادی بیاہ اور حظوظ نفس کے دیگر امور جب کہ ان سے عبادات پر مدد لینا مقصود ہو، محض خواہشات کی تکمیل ملحوظ نہ ہو نیز جیسے اقامت سنّت کی نیت سے اور بوئے ناخوش جس سے بندگان خدا کو ایذا پہنچتی ہو اسے زائل کرنے کی غرض سے خوشبو کا استعمال کرنا۔ الغرض جو مباح امر بہ نیت خیر کیا جائے گا وہ حسن نیت کے سبب کارِ ثواب قرار پائے گا۔ اھ ملاحظہ ہو [مرقاہ شرح مشکوٰۃ جلد ۱ صفحہ ۴۴ طبع مکتبہ امدادیہ ملتان]

اسی طرح دیگر کئی کتب معتبرہ میں بھی ہے۔ امام اہلِ سنّت اعلیٰ حضرت عظیم البرکۃ الشاہ احمد رضا خان قادری فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ارقام فرماتے ہیں:۔

"ہر مباح نیت حسن سے مستحب و مستحسن ہو جاتا ہے کمافی البحر ائق ورد المختار وغیرھما من معتمدات الاسفار۔ اھ ملاحظہ ہو [فتاویٰ افریقہ صفحہ ۱۱۲ طبع مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی]

خلاصہ:۔

ان ٹھوس حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ موقف کہ مباح بہ نیت خیر، ثواب ہو جاتا ہے، قطعاً درست اور کتاب وسنّت کی روشنی میں، تصریحات ائمۂ شان کے عین مطابق ہے جس میں آپ متفرد نہیں ہیں لہٰذا یہ آپ کی عظیم الشان فتح مبین اور گکھڑوی صاحب کی تاریخی شکست فاش ہے جب کہ گکھڑوی صاحب نے آپ کے حوالہ جات سے نہ صرف یہ کہ جواب دینے سے گریز کیا ہے بلکہ

جاء الحق کی عبارت کونقل کرتے وقت انہیں صاف اڑا دیا ہے۔اس کے اوّل سے بھی عبارت لے لی اور آخر سے بھی اور درمیان والے ٹکڑے کو چھوا تک نہیں بلکہ ''الیٰ ان قال ''الیٰ ان قال '' کے پردے میں چھپا گئے ہیں جس کی تفصیل ابھی گزری ہے بلکہ موضوع کو بھی بدلنی کی کوشش کی ہے کیونکہ موضوع یہ تھا کہ مباح بہ نیت خیر ثواب بن جاتا ہے یا نہیں جب کہ وہ اس کا رُخ بدل کر اس طرف لے گئے کہ بعض کام ایسے بھی ہوتے ہیں جن کرنے میں ثواب نہیں ہوتا جو قطعاً خارج از بحث ہے تو کیا اب بھی گکھڑوی صاحب کی عبرت ناک اور ذلّت آمیز شکست فاش میں کچھ شک رہا؟

عبارت انوارِ ساطعہ اور جاء الحق کی مزید وضاحت:-

اس مقام پر گکھڑوی صاحب کی حکم مباح سے متعلق پیش کردہ عبارت انوارِ ساطعہ اور عبارت جاء الحق جس میں مباح سے ثواب کے متعلق نہ ہونے کا ذکر ہے کے بارے میں مزید عرض ہے کہ اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ جب نیت خیر کے بغیر ہو تو مباح میں ثواب نہیں ہوتا۔اس میں بہ نیت خیر ثواب ہونے کی قطعاً نفی نہیں کیونکہ مباح کے بارے میں ان حضرات کا نظریّہ اس کا واضح قرینہ ہے۔مزید اسی جاء الحق میں مباح اور جائز کے متعلق اس کی تصریح بھی موجود ہے۔چنانچہ بدعت جائز کے زیرِ عنوان حضرت مفتی صاحب نے لکھا ہے:-

''ہر وہ نیا کام جو شریعت میں منع نہ ہو اور بغیر کسی نیت خیر کے کیا جاوے''۔اھ بلفظہٖ

اس کے بعد ہی لکھا ہے کہ: ''ان کاموں پر نہ ثواب نہ عذاب''۔ملاحظہ ہو [جاء الحق صفحہ ۲۱۹]

مگر گکھڑوی صاحب نے اپنا من مانا جملہ لے لیا باقی کو صاف اڑا گئے ولا حول ولاقوۃ الا باللہ ۔ لہٰذا اس کے بعد ان کا یہ کہنا کہ ''مفتی صاحب کو اس سے بڑا ثبوت اور کیا درکار ہے ع

مانتے جس کو نہ تھے لیجئے پہنچے وہاں'' [راہِ سنّت صفحہ ۹۰]

ان کی ہٹ دھرمی کے سوا کچھ نہیں۔

گکھڑوی صاحب کا مبلغ علم:-

گکھڑوی صاحب نے مفتی صاحب کو طنزیہ انداز میں مشورہ دیتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے ''اگر اور کتابیں نصیب نہیں ہو سکیں تو خلاصہ کیدانی ہی ملاحظہ کر لیتے'' اھ بلفظہٖ [راہِ سنّت صفحہ ۹۰]

اَقُوْلُ:- اوّلا: حضرت مفتی صاحب کو بفضلہٖ تعالیٰ یہ عظیم شرف حاصل ہے کہ آپ حضرت صدر الافاضل علاّمہ سیّد نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ کے اور وہ امام اہلِ سنّت شیخ الاسلام والمسلمین اعلیٰ حضرت عظیم البرکۃ

مولانا الشاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی قدس سرّہ کے تلمیذ رشید اور فیض یافتہ ہیں جو خصوصیت کے ساتھ فقہ و اصول کے کوہِ گراں تھے۔ کاش کہ گکھڑوی صاحب اس بارے میں اپنے پیش رو مولوی عبدالحیٔ حسنی ندوی (والد مولوی ابوالحسن ندوی عمید مدرسہ دیوبند) سے اس خانوداہ علیہ کا فقہی معام پوچھ لیتے تو انہیں یہ اعتراض کرنے کی نوبت نہ آتی۔ چنانچہ موصوف نے حضرت مفتی صاحب کے دادا استاذ اعلیٰ حضرت مولانا الشاہ احمد رضا خان علیہ الرحمۃ والرضوان کے علمی وفقہی مقام کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

''کان عالما متبحرا کثیرا المطالعة واسع الاطلاع (الیٰ) یندر نظیره فی عصره فی الاطلاع علی الفقه الحنفی وجزئیاته لیشهد بذ لک مجموع فتاواه و کتابه کفل الفقیه الفاهم فی احکام قرطاس الدراهم الذی الفه فی مکة سنة ثلاث و عشرین وثلث مائة والف''

یعنی آپ کثیر المطالعہ وسیع العلم متبحر عالم تھے، فقہ حنفی اور اس کی جزئیات سے علم وواقفیت کے حوالہ سے ان کے زمانہ میں ان جیسا (حنفی فقیہہ) کوئی نہیں تھا جس کی واضح دلیل ان کا مجموعہ (فتاویٰ رضویہ) اور ان کی کتاب کفل الفقیه الفاهم فی احکام قرطاس الدراهم بھی ہے جسے آپ نے ۱۳۲۳ھ میں مکۃ المکرّمۃ میں (علماء مکہ کے بعض ادق فقہی سؤالات کے جواب میں) تحریر فرمایا تھا۔ اھ ملاحظہ ہو [نزہۃ الخواطر جلد ۸ صفحہ ۴۰ صفحہ ۴۱ طبع نور محمد اصح المطابع کراچی]

ثانیاً:۔ تھوڑی سے ترمیم سے خود گکھڑوی صاحب کے اپنے لفظوں میں ''پہلے تو یہ کہاوت سنا کرتے تھے کہ کھودا پہاڑ اور نکلا چوہا لیکن اب گکھڑویصاحب کی یہ کتاب دیکھ کر اس کہاوت کی صداقت کا کامل یقین ہو گیا ہے کہ گکھڑوی صاحب کے حواریوں سے ان کی کتاب کا بہت شور وغل سنتے تھے مگر اس میں دفع الوقتی قطع و برید اور کج فہمی کے سوا اور کچھ نہیں اور یہ شور وغل جس کو سن سن کر ہمارے کان اکتا گئے تھے، بے مغز تھا ؎

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا
جو چیرا تو ایک قطرۂ خوں نکلا''

[باب جنت صفحہ ۱۳]

پھر گکھڑوی صاحب نے ''خلاصۂ کیدانی'' کے پڑھنے کی ترغیب دی ہے جس سے ان کے مبلغ علم اور اصل علمی پوزیشن کا پتہ چلتا ہے کیونکہ یہ کتاب لطف اللہ نسفی نامی ایک صاحب کی تالیف ہے جو گکھڑوی معیار دلائل سے ساقط ہونے کے علاوہ علّامہ عبدالحیٔ لکھنوی صاحب پھر مولوی عبدالاوّل جون پوری کے حسبِ

تصریح غیر معتبر کتب میں سے۔ ملاحظہ ہو [مفید المفتی صفحہ ۹۵ مؤلفہ عبدالاوّل جونپوری طبع مکتبہ عثمانیہ کوئٹہ]

انوارِ ساطعہ پر چوٹ کا جواب:-

اس مقام پر گکھڑوی صاحب نے انوارِ ساطعہ پر چوٹ کرتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے کہ:

''اور اگر وہ بھی دستیاب نہ ہو تو انوارِ ساطعہ تو پیش نظر ہی ہوگی جس سے رطب و یابس حوالے چن چن کر جاء الحق تیار کی گئی ہے''۔اھ [راہِ سنّت صفحہ ۹۰]

اَقُولُ:- سبحان اللہ! رطب و یابس کا طعنہ بھی وہ شخص دے رہا ہے جس کا اپنا مبلغ علم خلاصۂ کیدانی جیسی کتابیں ہیں جب کہ اس کا یہ عویٰ خلاف واقعہ بھی ہے جیسا کہ گزشتہ اوراق میں ان کے انوارِ ساطعہ پر کیے گئے موصوف کے کھو کھلے اعتراضات کے تابڑ توڑ جوابات سے بھی ظاہر ہے۔ پھر اس سے تو یہ تأثر ملتا ہے کہ بفضلہٖ تعالیٰ انوارِ ساطعہ کی کاری ضربوں کے اثرات تاحال باقی ہیں جس سے ایوان دیوبند میں تاحال تہلکہ برپا ہے ورنہ جب وہ ہے ہی مجموعۂ رطب و یابس تو اس سے اس قدر پریشانی کی کیا وجہ ہے؟ گکھڑوی صاحب کو دراصل غصّہ اس بات کا ہے کہ مؤلف انوارِ ساطعہ حضرت علّامہ عبدالسمیع رام پوری امدادی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مرشد کریم حضرت حاجی امداداللہ صاحب مہاجر مکی علیہ الرحمۃ کے اصل معتقدات اور سنّی نظریات کو بیان کر کے گنگوہی، انبیٹھوی تحریک کو یوں کھول کر اسے کیوں ناکام کیا ہے جو انہوں نے مصنوعی مرید بنا کر حاجی صاحب موصوف کے خلاف چلائی تھی جس کی ایک واضح دلیل یہ بھی ہے کہ گنگوہی صاحب اپنے مقابلہ میں حاجی صاحب کو کچھ بھی نہیں سمجھتے تھے اور برملا کہتے تھے کہ حاجی صاحب ان سے زیادہ پڑھے ہوئے نہیں ہیں جس کی مکمل تفصیل مصدّق الہند مولوی عاشق الٰہی میرٹھی صاحب کی کتاب تذکرۃ الرشید اور تھانوی صاحب کی تربیت السالک جلد سوم اور دیگر کئی کتب خانہ میں بھی موجود ہے۔

گکھڑوی صاحب اور تعریف مباح:-

گکھڑوی صاحب نے از راہِ مکابرہ اور بلا جواز بہ زبان طعن حضرت مفتی صاحب کو مخاطب بنا کر یہ لفاظی تو کر دی ہے کہ آپ نے مباح کی تعریف بھی کہیں پڑھی ہے، اور پھر بڑھتے چلے گئے کہ خلاصہ کیدانی ہی دیکھ لیتے یا فلاں فلاں کتاب ہی دیکھ لیتے وغیرہ وغیرہ۔ مگر خیر سے اس کی تعریف بتائی خود انہوں نے بھی نہیں جس کا مطلب یہ ہوا کہ انہوں نے ماشاء اللہ نظر بدّور ساری کتابیں پڑھی ہیں البتہ یا تو وہ انہیں بہ تقاضائے عمر بھول چکے ہیں یا کم از کم یہ کہ وہ اس کے متعلقہ اسباق میں غیر حاضر تھے پھر حضرت مفتی صاحب کی بددعا سے

اس کی توفیق ہی نہیں مل پائی۔

باقی جوانہوں نے حاشیہ میں ''لایثاب ولا یعاقب علیه'' کے الفاظ کو بحوالہَ توضیح اس کی تعریف بنا کر پیش کی؟ تو اوّلاً اہل علم جانتے ہیں کہ یہ مباح کا حکم ہے جو حد اور تعریف سے الگ چیز ہے۔ثانیاً: اس سے قطع نظر خود بھی انہوں نے اس میں واضح اشارہ دیا ہے کہ ان کے پیش کردہ الفاظ' مباح کی تعریف نہیں چنانچہ ان کے نقل کرنے سے قبل انہوں نے لکھا ہے کہ: ''مباح وغیرہ کے متعلق توضیح صفحہ نمبر ۲۶ میں لکھا ہے'' [راہِ سنّت صفحہ ۹۰ ل]۔پس اگر وہ الفاظ مباح کی تعریف ہیں تو مباح کے ساتھ یہاں ''وغیرہ'' کے لفظوں کی کیا تک بنتی ہے؟ کیا دو یا کئی مختلف الحقائق چیزوں کی ایک ہی ماہیت ہوتی ہے؟ اگر جواب اثبات میں ہو تو وہ چیزیں مختلف الحقائق کیسے ہوئیں؟

سبحان اللہ! یہ ہیں جنہیں فقہ اور اصول فقہ دونوں پر مکمل عبور حاصل ہے اور یہ ہیں حضرت مفتی صاحب کو یہ طعنہ دینے والے کہ فقہ اور اصولِ فقہ میں کہیں مباح کی تعریف بھی پڑھی ہے؟ پس یہ چھوٹا منہ بڑی بات والا معاملہ نہیں تو اور کیا ہے؟ پس ؏ دامن کو ذرا دیکھ ذرا بندِ قبا دیکھ

بعض الفاظ پر ہٹ کا جواب:-

جاء الحق کی پیش کردہ منقولہ بالا عبارت کے آخری الفاظ پر گکھڑوی صاحب نے ہٹ کرتے ہوئے اس مقام پر یہ ہٹ بھی کی ہے کہ:-

''اس کا فلسفہ تو مفتی صاحب ہی جانیں کہ پلاؤ کی تخصیص میں کیا حکمت مضمر ہے؟ اور اس کا راز بھی وہی جانیں کہ لوگوں کو پلاؤ کھلانے کی ترغیب کیوں دی ہے کھانے کی کیوں نہیں دی''؟

[راہِ سنّت صفحہ ۹۰]

ان الفاظ سے گکھڑوی صاحب حضرت مفتی صاحب کو الفاظ کے چکر میں پیٹو ہونے کی گالی دے رہے ہیں جس کے متعلق اتنا عرض ہے کہ بعینہٖ یہی اعتراض منکرین حدیث قربانی کے حوالہ سے مسلمانوں پر کرتے ہیں کہ لاکھوں کروڑوں جانوروں کی جانیں ضائع کی جاتی ہیں جس کا مقصد شکم پروری کے سوا اور کچھ نہیں۔ نہ معلوم فریقین میں سے کسی نے یہ اعتراض کس سے سیکھا اور اس میں استاذ ہونے کی سعادت کس کو حاصل ہے۔ نیز پیٹو وہ ہوتا ہے جو حلال حرام کی تمیز نہ کرتے ہوئے ''ہر آنچیزے کہ آید فنا در فنا'' کا آئینہ دار ہو جب کہ بفضلہٖ تعالیٰ یہ صفت علی الوجہ الاتم خود گکھڑوی صاحب کی جماعت کا خاصہ ہے کیونکہ وہ قل خوانی وغیرہ کے پلاؤ وغیرہ

کوحرام بھی کہتے ہیں اور قل خوانی وغیرہ کے مواقع پر ان سے شکم پُری میں بھی پیش پیش ہوتے ہیں جو کچھ محتاج بیان اور ڈھکی چھپی بات نہیں۔ نیز حضرت مفتی صاحب نے پلاؤ کی بات کی ہے جو ایک حلال طیب چیز ہے' زاغ معروفہ اور دیسی کوّا کا نام تو نہیں لیا اور اس کے کھانے کو ثواب تو نہیں بتایا جیسا کہ گکھڑوی صاحب کے پیش رَوا عظم جناب گنگوہی نے یہ فتویٰ دیا ہے۔ ملاحظہ ہو [فتاویٰ رشیدیہ صفحہ ۵۸۳ طبع محمد علی کراچی نمبر ۳۸]

پس مفتی صاحب نے ایک حلال چیز کا نام لیا ہے تو یہ ان کی مجبوری تھی۔ گکھڑوی صاحب پھر بھی اپنی اس گالی سے باز نہ آئیں تو ذرا چوک میں کھڑے ہو کر اپنے پیٹ کی پیمائش کر کے حساب تو لگائیں کہ ان کے اس فلسفہ کا مصداق کامل کون ہے اور کس کا پیٹ ''ہزارے خان کا بیٹ'' ہے؟

گکھڑوی صاحب کو کھلانے کے لفظوں پر بہت سخت تعجب ہو رہا ہی کیونکہ ان کے لیے یہ الفاظ بالکل نئے ہیں۔ پوری دنیا جانتی ہے کہ سنّی ''ختم پڑھنے والا'' اور دیوبندی وہابی ''ختم کرنے والا'' ہوتا ہے۔ بھلے مانس یہ ان کے لفظ کا معنیٰ ہے کہ مجھے آ کر کھلاؤ یا کس لفظ کا مفہوم ہے کہ کھلانے کے فاعل محض لوگ ہیں اور حضرت مفتی صاحب اس میں شامل نہیں۔

گکھڑوی صاحب! حضرت مفتی صاحب نے کھلانے کی بات اس لیے بھی کی ہے کہ ان کے امام کو وفات کے وقت بھی غریبوں، یتیموں اور مسکینوں کی فکر تھی اور وہ اپنے اہل خانہ کو ان کے حق میں خصوصی وصیت فرما گئے کہ انہیں میری رحلت کے بعد بھی اعلیٰ سے اعلیٰ کھانے پینے کی اشیاء سے محروم مت کیجئے گا (کما فی وصایا الشریفہ) جسے آنجناب نے بھی ''عیب نمایدش ہنر درنظر'' کے حوالہ سے کیا سے کیا کچھ بنا کر پیش کیا ہے [راہِ سنّت صفحہ ۲۶۸] جس کا مسکت اور مسقط مفصّل جواب اپنے مقام پر آ رہا ہے انشاء اللہ تعالیٰ۔ انہیں اپنی فکر کیا ہوتی کہ ان کی چوبیس گھنٹوں کی خوراک چند لقموں سے زائد نہ تھی نیز برزخ میں انہیں ان فانی چیزوں کی ضرورت ہی کیا تھی جہاں نعیم جنّت ان کا سامانِ اکرام پہلے سے تیار و موجود ہو۔ بات آگے نکل گئی ''کھلانے'' پر آپ کو تعجب بلکہ حیرت اس لیے ہو رہی ہے کہ آپ کے مقدّس بزرگان کو رحلت کے وقت خود کھانے ہی کی فکر تھی۔ بتایئے آپ کے نانوتوی صاحب نے اپنی مرگ کے موقع پر ککڑی کے کھانے کی شدید خواہش ظاہر کی تھی یا نہیں اور آپ کے شیخ الہند مختلف کھیتوں کا گشت کر کے بڑی صعوبتیں جھیل کر ان کے لیے ککڑی تلاش کر کے لائے تھے یا نہیں؟ نیز آپ کے شیخ الاسلام مدنی صاحب نے اس موقع پر سردا کھانے کا شوق ظاہر کیا تھا یا نہیں اور وہ لاہور سے منگوایا گیا تھا یا نہیں؟

اب بھی کھانے اور کھلانے کا یہ فلسفہ وحکمت واضح نہ ہوا ہو اور ابھی تک یہ راز نہ کھلا ہو تو قرآن و سنّت ہی سے پوچھ لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وفی اموالھم حق للسائل والمحروم ''یعنی برگزیدہ بندگان خدا کے اموال میں ہمہ قسم منگتوں کا حصہ ہوتا ہے۔ نیز فرمایا: ''فذالک الذی یدع الیتیم ولا یحض علیٰ طعام المسکین'' روزِ جزاء کا منکر اور جھٹلانے والا وہی تو ہے جو یتیم کو دھکّے دیتا ہے اور مسکین کو کھلانے پر لوگوں کو آمادہ نہیں کرتا۔

نیز صحیح حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ سے ایک شخص نے پوچھا! حضور اسلام کے بہترین امور کون سے ہیں آپ نے فرمایا: تطعم الطعام وتقرء السلام علی من عرفت ومن لم تعرف ''یعنی کھانا کھلانا اور ہر واقف ناواقف اہل ایمان کو سلام کرنا اھ۔ ملاحظہ ہو (صحیح بخاری جلد ا صفحہ ۶ طبع کراچی) واضح رہے کہ امام بخاری نے اس حدیث پر یہ عنوان باب قائم کیا ہے ''باب اطعام الطعام من الاسلام یعنی اس امر کا بیان کہ کھانا کھلانا امورِ اسلام ہے۔ ملاحظہ ہو [صحیح بخاری جلد وصفحہ ومطبع مذکور]

امید ہے تسلّی ہوگئی ہوگی ورنہ یوں سمجھیں کہ چونکہ آپ کی جماعت کے لوگ قل خوانیوں کے مواقع پر پلاؤ کے کھانے پر بہت گرتے ہیں اس لیے بھی یہ الفاظ زیرِ قلم آگئے یہ الگ بات ہے کہ کھلانے والوں کی نیت تو ثواب کی تھی مگر کھانے والے غلط اور بدنیت نکلے جس کا اہل سنّت کو خاص نوٹس لینا چاہیے۔ بتایئے راز وا ہوا یا نہیں؟

نہ صدمے تم ہمیں دیتے نہ فریاد ہم یوں کرتے
نہ کھلتے راز سر بستہ نہ یوں ...... ہوتیں

''سرخیل اہلِ تنقیص کا بہتان عظیم وکوتاہ فہمی'' بجواب ''اہل بدعت حضرات کا ایک اصولی مغالطہ'':-

اس کے بعد گکھڑوی صاحب نے ''اہلِ بدعت حضرات کا ایک اصولی مغالطہ'' کا عنوان قائم کر کے انوارِ ساطعہ اور جاء الحق کی بعض عبارات کے ذریعہ حضرت علامہ امدادی اور حضرت مفتی وغیرہما علماء اہلِ سنّت رحمہم اللہ پر اعتراض کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:-

''دیگر اہلِ بدعت حضرات عموماً اور مولوی عبدالسمیع صاحب اور مفتی احمد یار خان صاحب خصوصاً اس مغالطہ کا شکار ہیں کہ لیس منہ سے وہ عقائد اور اعمال مراد ہیں جو سنت اور دین کے خلاف ہوں۔ اور مخالفت کا یہ مطلب ہے کہ آنحضرت ﷺ کی نہی ان پر موجود ہو۔ اور جو امور مسکوت عنہا ہیں ان کا احداث بدعت نہیں اور اگر

بدعت بھی ہوں تو بدعت حسنہ ہوں گے'' (اس کے بعد انوار ساطعہ اور جاء الحق کی دو عبارتیں پیش کی ہیں) اھ ملاحظہ ہو (راہِ سنّت صفحہ ۹۰ صفحہ ۹۱]

الجواب:-

یہ سرخیل اہلِ تنقیص گکھڑوی صاحب کا ہمارے علماء خصوصیت کے ساتھ علامہ امدادی اور مفتی صاحب رحمہم اللہ پر شدید افتراء، سخت بہتان اور افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے کہ) بہت بڑا جھوٹ ہے ہمارے کسی ایک بھی ذمّہ دار قسم کے عالم نے خصوصاً ان دو حضرات میں سے کسی نے یہ ہرگز نہیں لکھا کہ ہر نیا امر بدعت حسنہ ہے بلکہ ایک نہیں درجنوں مقامات پر انہوں نے نہایت درجہ صراحت کے ساتھ بدعت کی دو قسمیں ہونے کو بیان فرمایا ہے یعنی حسنہ اور سیئہ نیز مطلق بدعت کو پانچ قسموں پر منقسم فرمایا ہے جائز مستحب واجب حرام اور مکروہ۔ جسے انوارِ ساطعہ اور جاء الحق میں متعلقہ صفحات پر دیکھا جاسکتا ہے بلکہ ان حضرات کے حوالہ سے یہ بات خود گکھڑوی صاحب بھی لکھ چکے ہیں ملاحظہ ہو [راہِ سنّت صفحہ ۷۵ صفحہ ۱۰۲ وغیرہ]

رہی ''نہی'' والی بات؟ تو حضرت مفتی صاحب پر یہ بھی گکھڑوی صاحب کا بہتان ہے انہوں نے ایسا بالکل نہیں لکھا۔ چنانچہ ان کی جس عبارت کو گکھڑوی صاحب نے اس مقام پر پیش کیا ہے' اس طرح ہے: ''اگر اعمال بھی ہوں تو لیس منہ سے مراد وہ اعمال ہیں جو خلاف سنّت یا خلاف دین ہوں''۔ ملاحظہ ہو [راہِ سنّت صفحہ ۹۱ بحوالہ جاء الحق]

واضح رہے کہ گکھڑوی صاحب نے یہاں جاء الحق کا صفحہ ۲۱۳ لکھا ہے جب کہ صحیح صفحہ ۲۲۴ ہے)

بتایئے اس میں نہی کے لفظ کہاں ہیں؟ علاوہ ازیں گکھڑوی صاحب نے جاء الحق کی عبارت ادھوری نقل کی ہے اس میں منقولہ بالا الفاظ کے بعد متصلاً حضرت مفتی صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ ''ہم اس کے حوالے بھی پیش کر چکے ہیں''۔ (جاء الحق صفحہ ۲۲۴) جب کہ ان حوالہ جات کے پیش نظر آپ نے کئی مقامات پر ''خلافِ سنّت'' اور ''خلافِ دین'' کی نوعیت بھی متعین کر دی ہے کہ وہ مغیّر اور رافع سنّت ہو۔ چنانچہ ایک مقام پر اشعة اللمعات کے حوالہ سے لکھا ہے:-

''مراد چیزے است کہ مخالف ومغیّر اں باشد''۔ چوں احداث بدعت رافع سنّت است الخ۔

تھوڑا سا آگے لکھا ہے ''بری بدعت وہ ہے کہ جس سے سنّت مٹ جاوے''۔ ملاحظہ ہو [جاء الحق صفحہ ۲۱۸]

رہی عبارت انوارِ ساطعہ جس کا عبارت جاء الحق سے پیوند لگا کر گکھڑوی صاحب نے بزور و بزُور مخالفت کا مذکورہ بالا مطلب کشید کیا ہے؟ اس میں نہی کے لفظ ضرور موجود ہیں مگر اس سے ان کی مراد نہی بمعنی الاعم ہے۔ صرف بمعنی الاخص اور خاص لا تفعل جیسے صیغوں سے ورود ممانعت ہرگز نہیں کہ یہ ان کی عبارت کے کسی لفظ کا معنیٰ نہیں۔ بالفاظ دیگر نہی سے مطلق اور ممانعت مراد ہے عام ازیں کہ صیغۂ نہی وغیرہ سے ہو یا کسی امر کی شرعی حیثیت کے بدلنے سے کیونکہ بدعت سیئہ و مذمومہ کا شرعاً واجب الاحتراز ہونا سب کے نزدیک مسلّم ہے، اس معنیٰ میں ظاہر ہے کہ وہ ممنوع ہی ہے اور لغۃً اس پر نہی کا لفظ بول دینے میں شرعاً کوئی پرابلم نہیں۔ پس اس کے حوالہ سے گکھڑوی صاحب کا ''ایک اصولی مغالطہ'' کا الزام رکھنا بذات خود ان کا بہت بڑا مغالطہ یا سخت دھوکہ ہے یا پھر ان کی کوتاہ فہمی کا نتیجہ ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

علّامہ امدادی اور مفتی صاحب پر اعتراضات کے ترکی بہ ترکی جواب:-

لہٰذا اس کے بعد ان عبارات پر گکھڑوی صاحب نے جتنے اعتراضات کیے ہیں، اصولی طور پر وہ سب خود بخود کافور ہو گئے کہ وہ سب اسی بہتان اور کوتاہ فہمی پر مبنی ہیں اور جب بنیاد ہی نہ رہی تو اس کے سہارے قائم کی گئی عمارت کیونکر باقی رہ سکتی ہے۔ اب ان اعتراضات کے ترکی بہ ترکی جوابات پڑھیئے۔

گکھڑوی صاحب نے لکھا ہے ''یہ ان کی اصولی غلطی اور جہالت کا بدترین مظاہرہ ہے''۔ [راہِ سنّت صفحہ ۹۱]

اَقُوْلُ:- اس کا فیصلہ ہم منصف مزاج اہل علم قارئین پر چھوڑتے ہیں کہ وہ قیامت کی پیشی کو مدِّ نظر رکھ کر بتائیں کہ یہ ''الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے'' والا معاملہ ہے یا نہیں؟ ورنہ قیامت میں تو فیصلہ ہو ہی جائے گا۔

قَوْلُہٗ:- ''ابھی حدیث نقل کی جا چکی ہے (الیٰ) کہ جس نے کوئی ایسا کام کیا (لیس علیہ امرنا) جس پر ہمارا ثبوت موجود نہیں تو وہ مردود ہوگا۔ یہ تو آپ نے نہیں فرمایا کہ وہ کام مردود ہوگا (نھینا عنہ) جس پر ہماری نہی موجود ہو یا جس سے ہم نے منع کیا ہو''۔ اھ بلفظہٖ ملخّصاً۔ ملاحظہ ہو [راہِ سنّت صفحہ ۹۱]

اَقُوْلُ:- نہی کا فلسفہ ان کے نزدیک جو ہے ہم نے اس کی وضاحت کر دی ہے۔ مزید غور کیجیے:

آپ نے الفاظ حدیث ''لیس علیہ امرنا'' میں لفظ امر کو ثبوت کے معنیٰ میں لیا ہے ظاہر ہے کہ آپ اس سے تعمیم کرنا اور اس پر ہونے والے اعتراضات سے جان بچا کر بھاگنا چاہتے ہیں جو بلا دلیل ہونے کے باعث آپ کے لیے گلے کا کانٹا اور وبال جان ہے۔ تو آپ ہی کی اسی روش کی رو سے نہی کے معنیٰ میں

تعمیم کیوں نہیں ہوسکتی۔ اور صرف ہم پر ہی یہ پابندی کس دلیل سے ہے۔ پھر سنیئے ''لیس علیه امرنا'' میں امر چونکہ اصطلاحی نہیں اس لیے وہ بذاتِ خود تعمیمی معنیٰ کے لیے ہے اس لیے علیحدہ سے ''نُهِیْنَا عَنْهُ'' نہ بھی ہوتو آپ علیہ السلام نے حسب بالا ''امرنا'' فرما کر اس کی ضرورت ہی نہیں رکھی۔ لہٰذا حدیث کے یہ الفاظ آپ کی نہیں ہماری دلیل ہیں اور آپ کی یہ چُستی ع

چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد۔ کا آئینہ دار ہیں۔

اس سے قطع نظر یہ کیا ضرور ہے کہ ہر ہر مسئلہ کے تمام پہلو کسی ایک آیت یا حدیث میں ہوں' اگر آپ کے بقول یہ بات اس حدیث میں نہیں ہے تو کیا دوسرے مقامات پر بھی وہ بالکلیہ مفقود ہوگئی؟ لیجئے روایت کے بدلے آپ کو آیت دکھاتے ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''وما اتاکم الرسول فخذوه وما نهاکم عنه فانتهوا'' جسے آپ نے خود اپنی اس نام کی راہِ سنّت کے اندرونی ٹائٹل پیج پر سب سے اوپر لکھ کر اس کا یہ ترجمہ بھی کردیا ہے کہ ''اور جو چیز تم کو رسول دے اس کو لو اور جس چیز سے منع کرے اس سے باز آجاؤ''۔ سبحان اللہ

ع مدّعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

اس میں پُرلطف بات یہ ہے کہ آپ نے قرآنی الفاظ ''نهاکم'' کا ترجمہ لفظ نہی سے کرنے کی بجائے لفظ منع کیا ہے یعنی نہی کا تعمیمی معنیٰ لیا ہے جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا ہے۔

اور اگر حدیث ہی ہو تو آپ کی تسلّی ہوگی تو سنیئے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: وما نهیتکم عنه فاجتنبوه وما امرتکم به فأتوا منه ما استطعتم ''میں نے تم کو جن کاموں سے روکا ہے ان سے بچو اور جن چیزوں کا حکم دیا ہے جہاں تک ہوسکے (انتہائی کوشش کے ساتھ) ان کو کرو۔ رواہ البخاری و مسلم۔ ملاحظہ ہو [اربعین امام نووی صفحہ ٦٦ مع ترجمہ وشرح اردو از عاشق الٰہی دیوبندی طبع کراچی]

مانیں نہ مانیں اے جانِ جہاں اختیار ہے
ہم نیک و بد حضور کو سمجھائے دیتے ہیں

قَوْلُہٗ:- ''نتیجہ یہ ہوگا کہ جس چیز پر (باوجود اس کے کہ اس وقت اس کا سبب اور محرک موجود تھا) آپ کی طرف سے ثبوت موجود نہ ہو تو وہ یقیناً بدعت ہوگی اگرچہ اس پر صریح نہی موجود نہ ہو''۔ [راہِ سنّت صفحہ ۹۱]

اَقُوْلُ:- جب یہ حضرات اس سلسلہ میں صریح نہی کے موجود ہونے کے مدّعی ہی نہیں تو اس کی بار بار رٹ لگانے کی کیا گنجائش ہے؟ البتہ بدعت شرعیہ ہونے کے لیے سبب اور محرک کے موجود ہونے کا دعویٰ گھڑ دی

صاحب کا ایسا بے بنیاد دعویٰ ہے جو ابھی تک ثبوت کے لیے ان کا منہ تک رہا ہے جس کی مکمل بحث ہماری اس کتاب کی جلد دوم میں نیز اس مجلد میں بھی کچھ پہلے گزر چکی ہے۔ لہٰذا گکھڑوی صاحب کا نکالا ہوا یہ نتیجہ درست ہونے کی بجائے ان کا سخت سوءِ انجام ہے۔

قولہٗ:۔ جس چیز پر آپ کی نہی موجود ہو وہ تو ممنوع اور منہی عنہ ہوگئی۔ وہ چیز احداث اور ابتداء کی مد میں کیسے رہی؟ [صفحہ ۹۱]

اقُول:۔ حسبِ اصطلاح منہی عنہ اور بدعت شرعیہ قطعاً الگ الگ چیزیں ہیں مگر مختلف نوعیّتوں کی ممنوعات کو تعمیمی معنیٰ سے بیان کرنے پر شرعاً پابندی کا کیا ثبوت ہے اور اگر یہ درست ہے تو سورۃ مائدہ کی آیت نمبر ۹۰ میں خمر، میسر، ازلام اور انصاب سب پر ''رجس من عمل الشیطٰن'' کا حکم کیوں لگایا گیا ہے یا کیا یہ سب چیزیں ایک ہی نوعیت کی حامل ہیں؟ خدارا انصاف!

قولہٗ:۔ اگر احداث اور بدعت کی یہ تعریف ہے کہ اس پر نہی موجود ہو تو پھر اس کی دو قسمیں بدعت حسنہ اور بدعتِ سیئہ کیسے بنالی گئی؟ کیا آنحضرت ﷺ کی نہی کے بعد بھی اس کا احتمال باقی رہ جاتا ہے کہ اس میں حسن موجود ہو؟ اھ بلفظہٖ [راہِ سنّت صفحہ ۹۱، ۹۲]

اقُول:۔ جب حضرت علامہ امدادی صاحب اور حضرت مفتی صاحب نہایت صراحت کے ساتھ بدعت کی دو قسمیں ہونا لکھ چکے ہیں جس کی تفصیل چند سطور قبل ابھی گزر چکی ہے اور آپ یہ بھی خود مان رہے ہیں کہ بدعت اور نہی کو ایک ماننے سے بدعت کی دو قسمیں نہیں کیا جاسکتیں تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ جو بدعت کی دو قسمیں مانتا ہو وہ بدعت اور نہی (اصطلاحی) کے ایک ہونے کا قائل نہیں ہوسکتا۔ پس اس کے باوجود یہ واویلا کرنا اور ''نہی کے بعد بھی حسن کی موجودگی'' کا الزام رکھنا کیونکر درست ہوسکتا ہے اور اس کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ ؏ جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے۔

قولہٗ:۔ ''اور اس صریح نہی کے ہوتے ہوئے علماء اُمّت یہ نہ سمجھ سکے کہ آپ کی نہی کا اقل درجہ کراہت ہے۔ پھر بدعت کے یہ احکام کہ واجب، مندوب، حرام، مکروہ اور مباح کیسے تجویز ہوئے دیکھئے (شرح مسلم للنووی جلد ۱ صفحہ ۲۸۵ و مدخل لابن امیر الحاج جلد ۲ صفحہ ۲۵۷)''۔ اھ بلفظہٖ [راہِ سنّت صفحہ ۹۲]

اقُول:۔ ''صریح نہی'' والی بات نئی نہیں وہی پرانی بات ہے جس کی وضاحت کئی بار کی جا چکی ہے۔ اس میں جو نئی بات ہے اور واقعی لاجواب ہے وہ یہ ہے کہ جناب نے بدعت کی پانچ قسمیں مان لی ہیں اور وہ بھی باحوالہ

کہ فلاں فلاں کتاب، فلانی فلانی جلد، فلانا صفحہ اور فلاں فلاں کی لکھی ہوئی، جس سے آپ نے بحث کا خاتمہ کر دیا ہے اور ساتھ ہی اپنا بھی کہ بدعت مباح چھوڑ، مستحب چھوڑ، واجب بھی ہوتی ہے تو پھر لڑائی کا ہے کی ہے۔ باقی آپ کا اس کے لیے بعض مقامات پر بدعت لغویہ کی اصطلاح گھڑ کر بھاگنے کا چور دروازہ رکھنا آپ کو بالکل مفید نہیں کہ اوّلا: وہ نزاع لفظ پر منتج ہے۔ ثانیاً: اس کا مفہوم یہ ہے کہ آپ اس سے ہیئت کذائیہ کا بدعت شرعیہ نہ ہونا بیان کرنا چاہتے ہیں جب کہ اپنی اس کتاب راہِ سنّت کے باب چہارم میں آپ نے سارا زور ہی ہیئتِ کذائیہ کے بدعت شرعیہ ہونے کے ثابت کرنے پر صرف کیا ہے جس سے آپ نے اپنی تردید خود ہی کر دی ہے۔ اس پر بھی کچھ بحث پہلے گزر چکی ہے اور بہت کچھ آگے بھی آرہا ہے۔ سبحان اللہ! آپ کی جماعت کے لیے آپ جیسے ایک دو مباحث مزید وقف ہو جائیں تو اپنی جماعت کے لیے آپ خود ہی کافی رہیں گے، ہمیں کچھ لکھنے چھاپنے کی تکلیف اٹھانے کی نوبت ہی پیش نہیں آئے گی اس حوالہ سے سلامت رہو۔

ع جلا کر راکھ نہ کردوں تو داغ نام نہیں۔

قَولُہٗ:- ''یہ کہنا کہ جس چیز کی نہی کتاب وسنّت میں نہ ہو اس کا نکالنا اور کرنا برا نہیں، یہ بھی سراسر باطل اور قطعاً مردود ہے اور محدثین عظام وفقہاء کرام کے صریح ضوابط کے خلاف ہے''۔ اھ بلفظہٖ [راہِ سنّت صفحہ ۹۲]

اَقُولُ:- بدعت شرعیہ کا ممنوع ہونا بھی کتاب وسنّت کی نہی اور ممانعت ہی کی بناء پر ہے لہٰذا اس سے اغماض آپ کے خودساختہ باطل اور قطعی مردود کلیہ کی بناء پر ہے۔ باقی ''محدثین عظام اور فقہاء کرام کے صریح ضوابط'' آپ جب دکھائیں گے تو ہم اس پر انشاء اللہ آپ ہی کے مقرر کردہ معیار دلائل اور راہنما اصولوں کی رو سے اس کی اصل پوزیشن اور قدر وقیمت واضح کریں گے۔ تسلّی رکھیں۔

گکھڑوی اصول ''ترک وعدمِ فعل علی الاطلاق عدم وجواز کی دلیل ہے'' کا ردِّ بلیغ:-

اس مقام پر گکھڑوی صاحب نے حضرت علاّمہ امدادی صاحب اور حضرت مفتی صاحب رحمہما اللہ تعالیٰ پر لگائے گئے مذکورہ الزام کی بنیاد پر خواہ مخواہ اس کے بزعم خویش دلائل دینے شروع کر دیئے ہیں کہ بمعنی الاخص اصطلاحی نہی کے ورود کے بغیر بھی ممانعت ثابت ہوتی ہے جو بدعت شرعیّہ کی حدت تک تو بالکل بجا اور درست ہے جس سے (مذکورہ دونوں حضرات سمیت) ہمارے علماء میں سے کسی کو بھی انکار نہیں جس کی تفصیل ابھی گزری ہے۔ البتہ یہاں پر ان کا ترکِ فعل اور عدمِ فعل کو مطلقاً عدم جواز کی دلیل بناتے ہوئے اسی کو ہی اس کا محمل قرار دینا محض خودساختہ اور ان کا ایسا من گھڑت اصول ہے جس کی کوئی معیاری دلیل پیش کرنے

سے وہ قطعاً عاجز رہے ہیں۔ باقی اس بارے میں انہوں نے جو نام کے دلائل پیش کیے ہیں وہ سب بے جا' بے بنیاد اور مغالطات ہیں جنہیں ان کے دعویٰ سے خود ان کے مقرر کردہ معیاروں کے مطابق بھی کچھ مطابقت نہیں۔ تفصیل حسبِ ذیل ہے:-

دلیل نمبر ا (رخصتوں پر بھی عمل مطلوب ہے) سے جواب:-

چنانچہ اس سلسلہ کی پہلی دلیل گکھڑوی صاحب نے یہ پیش کی ہے کہ: ''علماء اسلام نے اس کی تصریح کی ہے کہ جیسے عزائم سے خدا تعالیٰ کی بندگی اور عبادت وخوشنودی کی جاتی ہے اسی طرح رخصتوں سے بھی اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی متعلّق ہے (الیٰ ان قال) چنانچہ حضرت ملاّ علی القاری اور شیخ عبدالحق محدّث دہلوی کی ایک حدیث شریف یوں پیش کرتے ہیں: ان اللہ یحب ال ان یؤتی رخصة کما یحب ان یؤتیٰ عزائمه' (مرقات' جلد ۲ صفحہ ۱۵ اواشعۃ اللمعات صفحہ) کہ اللہ تعالیٰ جیسے عزائم کی ادائیگی کو پسند کرتا ہے اسی طرح وہ اس کو بھی پسند کرتا ہے کہ اس کی رخصتوں پر عمل کیا جائے۔ اھ بلفظہٖ ملخّصاً ملاحظہ ہو [راہِ سنّت صفحہ ۹۲]

الجواب:-

ا گکھڑوی صاحب نے اپنی اس عبارت میں ''علماءِ اسلام'' کے الفاظ سے یہ تأثر دینے کی کوشش کی ہے کہ ان کی اس دلیل کا صحیح ہونا تمام علماء کی متفق علیہ یا کم از کم ایک جمّ غفیر کی رائے ہے جس کا سقیم اور خلاف واقعہ ہونا خوب ظاہر ہے کہ یہ ان کا نرا دعویٰ ہی ہے جو دلیل کے لیے تا حال ان کا منہ تک رہا ہے۔

۲ پھر جن حضرات کا انہوں نے الٹا سیدھا نام لیا ہے یعنی حضرت ملاّ علی القاری اور حضرت شیخ محقق رحمہما اللہ تعالیٰ' ان میں سے کوئی بھی گکھڑوی معیار دلائل میں سے نہیں۔ گکھڑوی صاحب اپنی اس کتاب کے اوائل میں نیز دیگر کئی مقامات پر بھی لکھ چکے ہیں کہ خصوصیت کے ساتھ ان کی اس کتاب میں جو چیزیں دلیل شرعی بننے کی صالح ہوں گی وہ چار ہیں۔ قرآن [۱]۔ سنّت [۲]۔ اجماع [۳] امّت اور قیاس [۴] مجتہد مطلق (دعویٰ حنفیت کے ناطہ سے امام اعظم) جیسا کہ مفصلاً گزر چکا ہے جب کہ ان حضرات کا ان چار میں سے نہ ہونا کچھ محتاج بیان نہیں۔

۳ علاوہ بریں علاّمہ علی القاری رحمہ اللہ کے بارے میں ایک خاص بات یہ ہے کہ گکھڑوی صاحب کی پیش کردہ (ان کے حوالہ سے) عبارت ان کا اپنا قول نہیں جب کہ یہ بات انہوں نے علاّمہ

طیبی کے حوالہ سے لکھی ہے جو شافعی المذہب تھے جیسا کہ اس کی تصریح اس کے شروع میں ان لفظوں سے موجود ہے ''قال الطیبی'' یعنی یہ طیبی کا قول ہے۔ ملاحظہ ہو (مرقاۃ جلد۲ صفحہ ۳۵۲ باب الدعا فی التشھد الفصل الاوّل (جب کہ علامہ طیبی کا یہ قول ان کی کتاب شرح مشکوٰۃ میں ہے۔ ملاحظہ ہو [الکاشف عن حقائق السنن المعروف طیبی شرح مشکوٰۃ جلد۲ صفحہ ۳۷۴ طبع کراچی]

جب کہ علامہ طیبی صالح اہل علم ہونے کے باوجود امام علاّمہ سیوطی شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک درجۂ حفاظ پر پہنچے ہوئے عالم نہ تھے۔ چنانچہ گکھڑوی صاحب ہی کے ایک ہم عقیدہ بزرگ مولوی عبدالحلیم صاحب نے لکھا ہے:-

''قال السیوطی وله المام بالحدیث لکنه لم یبلغ درجة الحفاظ (الیٰ) یورد صاحب الکشاف الحدیث المعروف فلا یحسبن الطیبی تخرجه ویعدل الیٰ ذکر ماھو فی معناه مما فی ھٰذه الکتب وھو قصور فی التخریج''۔

یعنی امام سیوطی نے فرمایا علامہ طیبی حدیث کی شدھ بدھ تو رکھتے تھے مگر حافظ الحدیث نہ تھے یہی وجہ ہے کہ تخریج احادیث میں کمزور واقع ہوئے ہیں (ملخّصاً) ملاحظہ ہو [البضاعة المزجاة لمن لطالع المرقاة فی شرح المشکوة (مشموله مرقاة جلد ۱) صفحہ ۵۷ طبع ملتان]

گکھڑوی صاحب عبارت مرقاۃ میں قال الطیبی کے الفاظ سمیت اس سب کو اڑا گئے اور چھپا گئے کیونکہ اس کے بغرض انہیں بات بنتی نظر نہیں آ رہی تھی۔ فوا اسفا۔

۴ باقی رہی مرقاۃ اور اشعۃ اللمعات کے حوالہ سے گکھڑوی صاحب کی پیش کردہ روایت ان اللہ یحب الخ؟ تو:

اوّلاً:- اس کے مرفوع و موقوف ہونے میں علماء کا اختلاف ہے۔ حسبِ تصریح بعض محققین وہ مرفوع نہیں بلکہ موقوف ہے۔ چنانچہ علامہ عزیزی اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

''حم ھق عن ابن عمر بن خطاب طب عن ابن مسعود وعن ابن عباس والا صح وقفه''

یعنی امام احمد اور بیہقی نے اسے حضرت ابن عمر سے اور طبرانی نے حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے۔ اصح یہ ہے کہ یہ موقوف ہے۔ ملاحظہ ہو [السراج المنیر جلد۲ صفحہ ۵ طبع مدینہ منورہ زادہا اللہ شرفاً]

ثانیا:- امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ضعیف کہا ہے چنانچہ الجامع الصغیر میں اسے نقل فرمانے کے بعد ارقام فرماتے ہیں:-

''حم ھق ابن عباس وعن ابن مسعود (ض)''یعنی اسے امام احمد و بیہقی نے حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود سے روایت کیا ہے اور یہ حدیث ضعیف ہے۔ ملاحظہ ہو [جلد ا صفحہ ۷۴ طبع پاکستان]

ثالثاً:- اس سب سے قطع نظر یہ گکھڑوی صاحب کے دعویٰ کے کچھ مطابق بھی نہیں بلکہ اس کے بالکل برعکس ہے کیونکہ انہوں نے دلیل تو دینی تھی اس کی کہ مسکوت عنہا امور علی الاطلاق ممنوع ہیں اور عدم و ترک فعل مطلقاً عدم جواز کو مستلزم ہے جب کہ پیش کردہ روایت میں مسکوت عنہا کا نہیں منصوص علیہا امور کا بیان ہے جو خود اس کے مضمون سے ظاہر ہے کہ اس میں عزیمت و رخصت کا بیان ہے جب کہ وہ دونوں منصوص کے قبیل سے ہیں یعنی عزیمت بھی حکم شرعی کا نام ہے اور رخصت بھی۔ فرق صرف یہ ہے کہ اوّل اصل اور ثانی اس کا متبادل ہوتا ہے یا اوّل نسبتاً مشکل اور ثانی نسبتاً سہل ہوتا ہے جیسے وضو اصل ہے اور تیمّم اس کا متبادل ہے مگر دونوں منصوص ہیں۔ وضو کے بارے میں ارشاد ہے یا ایھا الذین آمنوا اذا قمتم الی الصلوٰۃ فاغسلوا الایۃ خلاصہ یہ کہ ایمان والو! جب نماز پڑھنے کا ارادہ کرو تو وضو کرلیا کرو اور تیمّم کے بارے میں فرمایا: فلم تجدوا ماً فتیمموا صعیدا طیبا یعنی پانی پر قدرت نہ ہونے کی صورت میں پاک مٹی سے (حسبِ دستور) تیمّم کرو۔

اسی طرح کھڑے ہو کر نماز پڑھنا عزیمت اور بیٹھ کر یا لیٹ کر پڑھنا مریض کے لیے رخصت ہے (کما فی الاحادیث الصحیحہ الکثیرۃ المرفوعۃ وغیرھا) جس سے صاف ظاہر ہے کہ عزیمت و رخصت منقول امر ہیں مسکوت عنہا نہیں۔

نیز علامہ عزیزی (المتوفیٰ ۱۰۷۰ھ) علامہ مناوی (المتوفیٰ ھ) کے حوالہ سے رقم طراز ہیں:-

''فان امر اللہ تعالیٰ فی الرخص والعزائم واحد فلیس الوضوء اولیٰ من التیمم فی محلّۃ'' یعنی رخص اور عزائم دونوں اللہ کا حکم ہونے میں برابر ہیں لہٰذا جس نے وضو پر قدرت نہ ہونے کی صورت میں تیمّم کیا تو یہ ایسے ہے جیسے اس نے وضو کیا ہو کیونکہ تیمّم جو رخص کے قبیل سے ہے بھی حکم الٰہی ہے (ملخّصاً) ملاحظہ ہو [السراج المنیر جلد ۲ صفحہ ۵ طبع مدینہ منورہ زادہا اللہ شرفاً تعظیماً]

علاوہ ازیں علامہ علی القاری اور شیخ محقق رحمہما اللہ اس روایت کو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک روایت کی شرح

میں لائے ہیں جو اس بارے میں ہے کہ امام سلام پھیرنے کے بعد کس جانب منہ کر کے بیٹھے۔ چنانچہ اس کے لفظ ہیں:

''عن ابن مسعود قال لا یجعل احدکم بشیطان شیئاً من صلوٰۃ یریٰ ان حقا علیه ان لا ینصرف الا عن یمینه لقدرأیت رسول اللہ کثیرا ینصرف عن یساره متفق علیه''

یعنی صحیح بخاری مسلم دونوں میں ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی اپنی نماز کا کوئی حصّہ شیطان کے حوالے نہ کرے' بایں طور کہ وہ یہ نظریہ بنالے کہ سلام پھیرنے کے بعد وہ اپنے دائیں جانب ہی مڑ جانے کو جائز سمجھے۔ میں نے رسول اللہ کو بارہا اپنے بائیں جانب مڑ کر بیٹھتے دیکھا''۔ ملاحظہ ہو [مشکوٰۃ مشمولہ مرقاۃ جلد۲ صفحہ ۳۵۲' ۳۵۳ مشمولہ اشعۃ جلد۱ صفحہ ۲۱۴]

شیخ محقق رحمۃ اللہ علیہ اس کے تحت لکھتے ہیں:۔

''حاصل مقام آنکہ آنحضرت بعد از سلام دادن گاہے برمے گشت از جانب یمین و مے نشست بجانب یسار و در بیشتر احوال ایں چنیں بود کہ سلام میداد و دعا میخواند و بجانب حجرۂ شریف کہ در جانب یسار است میرفت و گاہے برعکس ایں میکرد از جانب یسار برمیگشت و بجانب یمین مے نشست اوّل را بر عزیمت حمل کردہ اند کہ دروے تیامن است و فعل آں حضرت در اکثر احوال ایں چنیں بود و لیکن ابن مسعود میگوید کہ ثانی اگرچہ رخصت است و کم بود امادر سنت اعتقاد وجوب بناید گرفت و از ترخیص شارع اعراض نباید نمود کہ در حدیث آمدہ است کہ حق تعالیٰ دوست میدارد کہ عمل کردہ شود برخصتہائے او چنانکہ دوست میدارد کہ عمل کردہ شود بعزیمتہائے او'' اھ ملاحظہ ہو [اشعۃ اللمعات جلد۱ صفحہ ۴۱۴ کتاب الصلوٰۃ باب الدعا فی التشہد طبع سکھر مطبوعہ ۱۹۷۶ء]

حضرت شیخ کی اس عبارت سے روز روشن کی طرح واضح ہے کہ نماز سے فراغت کے بعد دائیں بائیں وغیرہ کو مڑ جانا سب سنن نبویّہ علیٰ صاحبہا السلام سے ہیں اور دائیں جانب مڑنا عزیمت جب کہ بائیں جانب مڑنا رخصت پر محمول ہے۔ اسی پر وہ حدیث ان اللہ یحب الخ کو لائے ہیں جو اس امر کی دلیل ہے کہ عزیمت و رخصت دونوں منصوص علیہما قسم کے احکام ہیں مسکوت عنہا کے قبیل سے نہیں۔ پس گکھڑوی صاحب کا اسے اپنی دلیل بنا کر پیش کرنا ان کا صریح مغالطہ' سراسر خوش فہمی ہے۔ گکھڑوی صاحب پھر بھی نہ مانیں اور اپنی اسی

تحقیق انیق ہی پر مصر رہیں تو ہم کہیں گے کہ اگر رخصت ترک کا دوسرا نام ہے تو یہ حدیث ترک کے جواز بلکہ استحباب کی دلیل ہے کیونکہ رخص پر عمل کا وہ مطلوب شرعی ہونا بیان کر رہی ہے۔ سچ ہے ع

جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے۔

شیخ محقق کی اس عبارت سے اس امر کی بھی وضاحت ہوگئی کہ مستحب ومندوب پر اصرار اس وقت ناجائز ہے جب عامل اس کے بارے میں وجوب کا عقیدہ رکھے جیسا کہ ان کے الفاظ ''اما در سنت اعتقاد وجوب بناید گرفت'' بانگ دہل اس کا اعلان کر رہے ہیں۔ نیز طیبی پھر مرقاۃ میں بھی اس کی تصریح موجود ہے چنانچہ ان کے لفظ ہیں:-

''من اصر علیٰ مندوب وجعله عزماً الخ [مرقاۃ جلد۲ صفحہ۳۵۲ طیبی جلد۲ صفحہ۳۷۴]

بلکہ منقولہ بالا روایت ابن مسعود میں بھی یہ امر صراحت کے ساتھ مذکور ہے ''یریٰ ان حقا علیه ان لا ینصرف الا عن یمینه''۔ جس کا معنی علامہ علی القاری نے یہ لکھا ہے:-

''یریٰ (ان حقاً) ای واجبا ....انه حق علیه ان لا ینصرف اذا فرغ من الصلاة (الاعن یمینه) ای جانب یمینه فمن اعتقد ذلک فقد تابع الشیطٰن فی اعتقاد حقیة مالیس بحق علیه فذهب کمال صلٰوة'' [مرقاۃ جلد۲ صفحہ۳۵۲]

شیخ محقق نے اس کا یہ مفہوم بیان فرمایا ہے:-

''بداند واعتقاد کند یا گمان برد کہ حق است ولازم است بردے کہ برنگردد از نماز مگر از جانب دست راست خود'' [اشعۃ اللمعات جلد۱ صفحہ۴۱۴]

معلوم ہوا مستحب پر محض خالی مداومت عدم جواز کو مستلزم نہیں بلکہ اس کے بارے میں واجب ہونے کا اعتقاد ممنوع ہے ورنہ نیک اعمال پر مداومت، مطلوب شرع ہے پس مطلب کیونکر ممنوع ہو سکتا ہے چنانچہ صحیح بخاری و صحیح مسلم وغیرہما کی بکثرت احادیث صحیحہ میں ہے:-

''احب الاعمال الی الله تعالیٰ ادو مها وان قل'' یعنی آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب وہ نیک عمل ہے جس پر اس کا عامل پابندی کرے اگرچہ چھوٹا سا بھی ہو۔

اھ ملاحظہ ہو [الجامع الصغیر جلد۱ صفحہ۱۰ بحوالہ صحیحین عن ام المؤمنین الصدیقہ رضی اللہ عنہا]

پھر بھی نہ مانیں تو گکھڑوی صاحب اور ان کی جماعت جن بعض امور پر مداومت اور پابندی کرتے ہیں جیسے ہر

سال رمضان المبارک میں درس وتدریس کی چھٹیاں بلکہ ہر جمعہ کو تعطیل وغیرہ، تو کیا وہ ان کے واجب شرعی ہونے کے قائل ہیں۔ نیز جو امور وہ ہمیشہ ترک کرتے ہیں جیسے دعا بعد نماز جنازہ وغیرہ، تو کیا وہ ان کے حرام قطعی ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں؟ للہ انصاف۔

بعض گکھڑوی علمی کمالات:-

گکھڑوی صاحب کو اپنی پیش کردہ روایت ان اللہ یحب الخ کا اصل مأخذ نہیں مل پایا اس لیے انہوں نے اسے مرقاۃ اور اشعۃ اللمعات پر محوّل کرنے پر ہی اکتفا کیا ہے۔ پھر وہ اشعۃ میں کس مقام پر ہے اس میں بھی انہیں کامیابی نہیں ہو سکی لہٰذا کتاب کے نام کے ساتھ انہوں نے اس کے صرف ''ج صفحہ '' کے خالی نشان سے گزارا چلایا ہے۔ پھر انہوں مرقاۃ کے لیے جلد۲ صفحہ ۱۵ کا حوالہ دیا ہے جو غلط ہے کیونکہ یہ اس کے ''جلد۲ صفحہ ۳۵۲، ۳۵۳'' پر ہے جس سے یہ بھی واضح ہے کہ اس کا اس کے صفحہ ۱۵ پر ہونا ممکن ہی نہیں کیونکہ مرقاۃ کے جملہ مطبوعہ نسخوں میں سے کسی میں بھی یہ بحث اس کی کسی جلد کے اوائل میں نہیں۔ نیز مرقاۃ میں دو مرتبہ ''ان تؤتی'' کے لفظ ہیں مگر گکھڑوی صاحب نے اسی کے حوالہ سے دونوں بار اسے ان یؤتی'' کر کے لکھا ہے۔

علاوہ ازیں انہوں نے اس روایت پر حاشیہ ۱ کا نشان دے کر نیچے لکھا ہے کہ:-

''کتاب ہٰذا کا صفحہ ۲۸۷ بھی ملاحظہ کیجئے''۔ ملاحظہ ہو [راہِ سنّت صفحہ ۹۲ حاشیہ ۱]

تو کجا اس کا کوئی نام ونشان بھی نہیں۔ فیا للعجب ولضیعۃ العلم والادب۔

آگے پڑھیے ان کی اس سلسلہ کی دوسری دلیل کا جواب ـــــ

دلیل نمبر۲ (ترک بھی سنّت اور اس کا کرنا بدعت ہے) سے جواب:-

گکھڑوی صاحب نے اپنے مذکورہ دعویٰ (''ترک وعدم فعل علی الاطلاق عدم جواز کی دلیل ہے'') کی حسبِ زعم خویش دوسری مایۂ نازوزنی اور ٹھوس دلیل یہ دی ہے کہ:-

''اور جس طرح جناب نبی کریم ﷺ کا کسی کام کو کرنا سنّت ہے اسی طرح کسی کام کو چھوڑنا بھی سنّت ہے۔ لہٰذا آپ کے ترکِ فعل کی اتّباع بھی سنّت ہے اور اس کی مخالفت بدعت ہے''۔ اھ بلفظہٖ ملاحظہ ہو [راہِ سنّت صفحہ ۹۲]

اَقُولُ:- گکھڑوی صاحب کی اس دلیل (جو درحقیقت ان کا دعویٰ اور بذات خود محتاج دلیل ہے) کا خلاصہ یہ

ہے کہ جس امر کا کرنا آپ ﷺ سے صریحاً ثابت نہ ہو ہمارے لیے اس کا کرنا ناجائز اور بدعت سیّئہ ہے جس کے ناجائز اور بدعت سیّئہ ہونے کے لیے اتنا بھی کافی ہے کہ اس کے کرنے کا کہیں ذکر نہ ہو جو علم و تحقیق کے معیار سے قطعاً ساقط انتہائی سطحی بات اور تارِ عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور ہی نہیں بلکہ نہایت درجہ غلط اور قرآن و سنّت کے متعدد دلائل نیز ائمہ شان بلکہ گکھڑوی صاحب کے کئی پیشرووں کی تصریحات اور خود ان کے کئی جماعتی معمولات کے بھی سراسر خلاف ہے اور اس بارے میں تحقیق حقیق یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا کوئی کام نہ کرنا یا کسی امر کو چھوڑ دینا، ضروری نہیں کہ اس لیے ہو کہ آپ نے اسے ناپسند یا حرام اور ناجائز قرار دینے کے لیے ترک فرمایا یا چھوڑا ہو اس سے ہٹ کر بھی بہت سے امور کا ترک فرمانا اور چھوڑنا آپ سے ثابت ہے (کما سیأتی)۔ لہٰذا ترک کو مطلقاً عدم جواز کی دلیل سمجھنا ہرگز درست نہیں۔ پس اگر کسی امر کے چھوڑنے کی یہ مذکور نہ ہو کہ آپ نے اسے ناپسند یا ناجائز قرار دینے کے لیے چھوڑا تھا تو اس پر سیدھا عدم جواز کا حکم لگانے کی بجائے اسے قواعد شرعیہ پر پیش کر کے اس کا حکم متعین کیا جائے گا۔ خصوصاً وہ امر جس کے کرنے نہ کرنے کا کہیں کوئی ذکر نہ ہو کیونکہ کسی امر کے روایت میں مذکور نہ ہونے سے سرے سے اس کے وجود کی نفی لازم نہیں۔ اس سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ عدمِ فعل اور فعلِ عدم میں یک گونہ فرق ہے کہ اوّل کا مطلب ہے کسی امر کا نفیاً اثباتاً کسی طرح سے روایت میں مذکور نہ ہونا جب کہ دوم کا مفہوم ہے روایت میں یہ مذکور ہونا کہ آپ نے ایسا نہ کیا تھا۔ اوّل کی مثال ہے نماز عیدین کے خطبہ کے بعد امام اور مقتدیوں کا ہاتھ اٹھا کر اجتماع شکل میں دعا مانگنا جب کہ دوم کی مثال صحیحین وغیرہما کی وہ بکثرت صحیح احادیث ہیں جن میں مذکور ہے کہ آپ ﷺ نے عیدین کی نمازوں میں اذان اور اقامت نہ کہلوائی۔ فعل عدم کا منشاء بھی عدم فعل کی طرح قواعد شرعیہ ہی سے متعین کیا جا سکتا ہے یعنی فعلِ عدم بھی کراہت یا تحریم کے ثبوت کو مستلزم نہیں چنانچہ جمع قرآن کے مشورہ کے موقع پر حضرت صدیق اکبر کا حضرت فاروق اعظم کو پھر حضرت زید بن ثابت کا دونوں کو یہ کہنا کہ کَیْفَ تَفْعَلُ / تَفْعَلَانِ / تَفْعَلُوْنَ شَیْئًا لَمْ یَفْعَلْہُ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم (آپ وہ کام کیونکر سرانجام دیں گے جو رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا)۔ پھر لَمْ یَفْعَلْہُ (فعل عدم کی تصریح للہ کے باوجود حضرت فاروق اعظم کا نیز صدیق اکبر کا وَاللّٰہِ لَھُوَ خَیْرٌ وغیرہا کے الفاظ ارشاد فرمانا کہ قسم بخدا اگرچہ آپ نے یہ کام نہیں کیا پھر بھی ہے، بہت اچھا کام' مانحن فیہ کی روشن دلیل ہے۔ الغرض کسی امر کے بارے میں اس کا ذکر آ جانا بھی کہ آپ نے یہ کام نہ کیا' اس کی کراہت یا حرمت کو مستلزم نہیں چہ جائیکہ کسی ایسے امر پر سیدھا کراہت یا حرمت کا حکم داغ دیا جائے جس کے متعلق

نفیاً اثباتاً کچھ بھی مذکور نہ ہو اور وہ خالص مسکوت عنہ امر ہو۔

ہمارے اس بیان سے بعض علماء کی ان بعض عبارات کی توجیہ بھی واضح ہوگئی جن میں عدمِ نقل کو وجہ کراہت بنایا گیا ہے کہ ان کے نزدیک اس کی کراہت پر کوئی دلیل قائم ہوئی جس کی بناء پر انہوں نے یہ حکم لگایا یہ نہیں کہ محض منقول نہ ہونے کی بناء پر انہوں نے اس پر یہ حکم کراہت لگایا ہو جیسے قبل نماز عیدین عید گاہ میں نفل کے متعلق عبارت ہدایہ وغیر ہا۔ جس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ ائمہ شان نے بعض دیگر امور کے غیر منقول ہونے کی تصریح فرمانے کے ساتھ ساتھ ان پر عمل کی صورتوں کو جائز بلکہ مستحسن اور مستحب بھی قرار دیا ہے جیسے زبان سے نماز کی نیت کرنا وغیرہ۔ لہٰذا غیر منقول امور کے بارے میں مشائخ فتیم یا ان سے نچلے درجے کے علماء وفقہاء نے اپنے حسب تحقیق جو حکم لگایا ہوگا اور اس کی توجیہ بھی کر دی ہوگی تو دلائل شرعیہ اور اصول مذہب کی روشنی میں اس کی نوعیت پر بحث ہو سکتی ہے۔ اور اگر اس کی دلیل ذکر نہ کی ہوگی تو اس کی صحیح اور معیاری توجیہ کے سامنے نہ آنے کی صورت میں اسے ان کی انفرادی تحقیق کہا جائے گا لیکن محض عدم نقل کو عدم جواز کی دلیل بنانا بہر حال درست نہ ہوگا کہ یہ بلا دلیل ہی نہیں بلکہ متعدد دلائل کے خلاف بھی ہے۔ ہاں مجتہد مطلق یا منتسب کا فیصلہ ہوگا تو اس پر بحث کا حق اسی درجہ کے مجتہد ہی کو ہو سکتا ہے۔ لہٰذا راہِ سنّت صفحہ ۹۲ سے صفحہ ۹۹ تک اس سلسلہ کی جتنی عبارات گکھڑوی صاحب نے پیش کی ہیں ان سطور سے اجمالی طور پر ان سب سے نیز مسئلہ ترک سے متعلق جملہ عبارات سے بھی اصولاً جواب ہو گیا ہے جس کے بعد اس بارے میں مزید کچھ لکھنے کی اگرچہ حاجت نہیں تاہم اس سلسلہ میں گکھڑوی صاحب کے پروپیگنڈہ کی شدت نیز ترکی بہ ترکی جواب کی ضرورت اور التزام کے پیش نظر اس سب کی تفصیل بھی سپرد قلم کی جاتی ہے۔

لیکن گکھڑوی صاحب پیش کردہ عبارات کے ترتیب وار جوابات سے پہلے پڑھیے اس امر کے دلائل کا لانا مناسب معلوم ہو رہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا کسی امر کو ترک فرمانا یا نہ کرنا اس کے مکروہ یا حرام اور ناجائز ہونے کی بناء پر ہونے کو مستلزم نہیں نیز یہ کہ عدم فعل کو مطلقاً سنّت کا نام دینا بھی درست نہیں جو حاضر ہیں۔ وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔

ترک یا عدم فعل کے کراہت یا حرمت کو مستلزم نہ ہونے کے دلائل:۔

ہمارے اس موقف کے دلائل معدودے چند نہیں بلکہ بفضلہٖ تعالیٰ بلا مبالغہ سینکڑوں ہیں جن کا احصاء ممکن ہے نہ مقصود۔ اس لیے محض عنوان کو تشنۂ تکمیل ہونے سے بچانے کے لیے بعض پر اکتفاء کیا جا رہا

ہے جن کو مشعل راہ بنا کر دلچسپی رکھنے والے اہل علم حضرات اپنے خصوصی مطالعہ سے ان پر اضافہ بھی کر سکتے ہیں کیونکہ ؎

مشکلے نیست کہ آساں نہ شود   مردے باید کہ ہراساں نہ شود

تو لیجیے پڑھیے:-

دلیل نمبر۱:-

اس کی ایک بہت اہم دلیل یہ ہے کہ کوئی ایک ایسی بھی صحیح معیاری شرعی دلیل نہیں کہ آپ ﷺ کا عدمِ فعل (کوئی کام نہ کرنا) یا ترکِ فعل (کرنے کے بعد چھوڑ دینا) علی الاطلاق محض اس وجہ سے ہوتا تھا کہ آپ اسے مکروہ یا حرام (ناپسند یا ناجائز) سمجھتے تھے یا یہ کہ عدم فعل یا ترک فعل مطلقاً کراہت یا عدم جواز کی بناء پر ہوتا ہے (ومن ادّعیٰ فعلیه البیان بالبرهان ثم علینا جوابه ان شاء الله الرحمن) گکھڑوی صاحب بھی اس پر اپنی پوری طاقت صرف کرنے کے باوجود اس میں سخت عاجز و ناکام رہے ہیں اور اس کی (حسبِ بالا) کوئی ایک دلیل کے لانے میں کامیاب نہیں ہو پائے ہیں اور نہ ہی آئندہ بھی اس میں وہ کچھ کامیاب ثابت ہو سکتے ہیں۔ بے شک وہ (خود یا ان کے کوئی وارث و جانشین) اس پر طبع آزمائی کر کے دیکھ لیں۔ ''ہمیں گوی وہمیں میداں'' دیدہ باید۔ باقی ان کے دیے گئے اس سلسلہ کے نام نہاد دلائل اور فی الحقیقۃ مغالطات کے جوابات عنقریب آ رہے ہیں۔

دلیل نمبر۲:-

بلکہ قرآن و حدیث کے متعدد صریح نصوص و شواہد میں اس کی بنیاد ''منع فرمانے'' کو بنایا گیا ہے یہ بھی مانحن فیه کی زبردست دلیل اور اس امر کا بیّن ثبوت ہے کہ محض ترک یا عدم فعل کراہت یا حرمت کو مستلزم نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا: ''وما اتاکم الرسول فخذوه وما نهاکم فانتهوا'' یعنی میرا رسول تمہیں جو دے دے اسے لے لو اور وہ تمہیں جس چیز سے منع کر دے تو اس سے باز رہو''۔ ملاحظہ ہو [پ۲۸ الحشر آیت نمبر ۷]

آیت ہذا میں یوں نہیں فرمایا وما ترکه عنه فانتهوا (جسے آپ نے ترک کیا ہو یا نہ کیا ہو اس سے بچو) بلکہ ناجائز ہونے کے لیے ممانعت کے ہونے کو ضروری فرمایا جو اس امر کی روشن دلیل ہے کہ محض ترک، عدم جواز کی دلیل نہیں (وهو المقصود)۔

علاوہ ازیں صحیح حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ما امرتکم به فائتوا منه ماستطعتم وما نهیتکم عنه فاجتنبوه یعنی میں تمہیں جس چیز کا حکم دے دوں تو کوشش کر کے اسے بجالاؤ اور جس سے تمہیں روک دوں اس سے بچو۔ اھ۔ اس مضمون کا حوالہ کتاب ہٰذا میں کچھ پہلے ''سرخیل اہل تنقیص کا بہتان عظیم وکوتاہ فہمی'' کے زیرِ عنوان گزر چکا ہے۔

حدیث ہٰذا میں بھی ممانعت کی بنیاد ''ترک'' کو قرار دیتے ہوئے یوں نہیں فرمایا ''وما ترکته فاجتنبوه'' (جسے میں نے نہ کیا ہو یا چھوڑا ہو تو اس سے بچو)۔ یہ بھی اس امر کا بیّن ثبوت ہے کہ ترک فعل اور عدم فعل، عدم جواز کو مستلزم نہیں۔

دلیل نمبر۳:-

علاوہ ازیں احادیث صحیحہ (احادیث فعلیہ) کثیرہ بھی اس کی دلیل ہیں جن میں آپ ﷺ سے بہت سے ایسے امور کا ترک مذکور ہے جو فی نفسہٖ قطعی طور پر جائز ہیں۔ یا کم از کم یہ کہ ان کے ترک اور عدم فعل کی وجہ اور بنیاد یہ ہونا کسی صحیح معیاری شرعی دلیل سے ثابت نہیں کہ آپ نے انہیں مکروہ یا ناجائز قرار دینے کی بناء پر چھوڑا ہو ومن ادّعی فعلیه البیان بالبرهان ثم علینا جوابه ان شاء الله الرحمن ۔ان سب کا احصاء ممکن ہے نہ مقصود، ان میں سے بعض بطور نمونہ حسب ذیل ہیں: ـــــ

چنانچہ:

حدیث ۱: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: کان اذا تغدی لم یتعیش واذا یغشی لم یتغدّ یعنی جب آپ ﷺ صبح کا کھانا تناول فرما لیتے تو شام کے وقت کھانا تناول نہیں فرماتے تھے اسی طرح جب آپ شام کا کھانا تناول فرما لیتے تو صبح کے وقت تناول نہیں فرماتے تھے ۔اھ ملاحظہ ہو [الجامع الصغیر جلد۲ صفحہ ۱۰۳ بحوالہ حلیہ ابونعیم ۔طبع پاکستان۔ علامہ سیوطیؒ نے کتاب مذکور میں حدیث ہٰذا کو صحیح قرار دیا ہے)۔

اَقُوْلُ:- اگر ترک فعل یا عدم فعل کا مطلقاً کراہت، عدم جواز یا بدعت شرعیہ ہونے کی دلیل ہونا صحیح ہو تو اس حدیث کی رو سے چوبیس گھنٹوں میں ایک بار سے زیادہ کھانا تناول کرنا جائز، بدعت اور کم از کم مکروہ قرار پائے گا جو خود گکھڑوی صاحب کے لیے بھی قابل قبول نہیں ورنہ وہ اور ان کی جماعت جو روزانہ بلاناغہ ایک در جن سے زائد مرتبہ کھا جاتے اور دعوتیں اڑاتے رہتے ہیں، انہیں وہ اس حدیث کی زد میں آنے سے کیونکر بچائیں

گے؟ اب یا تو انہیں اپنا اصول بدلنا پڑے گا یا پھر چوبیس گھنٹوں میں ایک سے زیادہ بار کھانے کی (بقول خود) بدعت سے تائب ہونا پڑے گا۔ جو آسان ہو اسے ہی اختیار کرلیا جائے۔ ع مصلحت بین وکار آسان بکن

حدیث۲: نیز اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے: ''وکان لایتوضاء بعد الغسل''، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم، نہا لینے کے بعد وضو نہیں فرماتے تھے اھ ملاحظہ ہو [الجامع الصغیر للسیوطی جلد۲ صفحہ ۱۱۲ بحوالہ مسند احمد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، مستدرک للحاکم)۔

اَقُوْلُ:۔ تو کیا اس لیے وضو نہ فرماتے کہ اسے مکروہ یا ناجائز سمجھتے تھے؟ تو اس کا کیا ثبوت ہے؟

حدیث۳: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ''کان لایدخر شیئا لغد''، یعنی آپ ﷺ آئندہ کل کے لیے کچھ جمع کر کے نہیں رکھتے تھے۔ ملاحظہ ہو [الجامع الصغیر للسیوطی جلد۲ صفحہ ۱۱۲ بحوالہ ترمذی۔ امام السیوطی نے فرمایا یہ حدیث صحیح ہے)۔

اَقُوْلُ:۔ اگر یہ بھی کراہت یا عدم جواز کی بناء پر تھا تو گکھڑوی صاحب اور ان کی اللہ والی جماعت کے بینک بیلنس نیز اس کے مدارس میں جمع اناج وغیرہ کی شرعی حیثیت کیا ہوگی؟

حدیث۴: نیز حدیث شریف میں ہے: ''کان لا یستلم الا الحجر والرکن الیمانی''، یعنی آپ ﷺ کعبہ کے صرف رکن اسود اور رکن یمانی کا استلام فرماتے تھے اھ۔ رواہ النسائی عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما وقال السیوطی صح۔ ملاحظہ ہو [الجامع الصغیر جلد۲ صفحہ ۱۱۲]

اَقُوْلُ:۔ تو کیا کعبہ مقدسہ کے دیگر ارکان کے چھونے یا چومنے کو آپ نے ناپسند فرماتے یا ناجائز قرار دیتے ہوئے استلام نہ کیا تھا؟ یہ مطلب ہے تو سنیے حضرت ابوالشعثاء نے فرمایا: ومن یتعی شیئا من البیت وکان معاویہ یستلم الارکان فقال لہ ابن عباس انہ لا نستلم ھذین الرکنین فقال لہ لیس بشئی من البیت بمھجور'' یعنی بیت اللہ شریف پورے کا پورا چومنے کے قابل ہے حضرت معاویہ اس کے تمام گوشوں کا استلام فرماتے تو ان سے حضرت ابن عباس نے کہا کہ ہم تو دوسرے دو کونوں کا استلام نہیں کرتے۔ اس پر حضرت معاویہ نے فرمایا کہ کعبہ کے کسی حصہ کا چھونا یا چومنا ممنوع نہیں۔ ملاحظہ ہو [صحیح بخاری جلد۱ صفحہ ۲۱۸ کتاب المناسک]

نیز اسی کے جلد میں اسی صفحہ پر ہے: ''وماکان ابن الزبیر یستلمھن کلھن''، یعنی صحابیٔ رسول حضرت عبداللہ بن زبیر کعبہ مقدسہ کے تمام گوشوں کا استلام فرماتے تھے اھ۔

ثمّ اقولُ:۔ یہاں مسنون وغیر مسنون کی بحث، گکھڑوی صاحب کو کچھ فائدہ نہ دے گی کیونکہ یہاں زیر بحث

امر صرف یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا کوئی کام نہ کرنا یا کسی کام کو چھوڑ نا مطلقاً کراہت یا عدم جواز کی دلیل ہے یا نہیں؟ گکھڑوی صاحب اس کے بہرصورت کراہت اور عدم جواز کے قائل ہیں۔ جب کہ حضرت معاویہ اور حضرت عبداللہ بن زبیر (رضی اللہ عنہم) کا نظریّہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ اب دیکھیں گے کہ موصوف ان حضرات کے بارے میں کیا گل پاشی اور کیا گوہر افشانی فرماتے ہیں؟

حدیث۵: نیز حدیث شریف میں ہے:- ''کان لایصلی الرکعتین بعد الجمعة ولا الرکعتین بعد المغرب الا فی اهله ''یعنی آپ ﷺ نماز جمعہ نیز نماز مغرب کے فرضوں کے بعد والی دو دو رکعتیں' گھر پر ہی ادا فرماتے تھے(رواه ابو داؤد الطیالسی عن ابن عمر رضی الله عنهما وقال السیوطی حدیث حسن) وفی روایة کان لا یصلی بعد الجمعة حتی ینصرف فیصلی رکعتین فی بیته رواها مالک والشیخان وابوداؤد والنسائی عنه ایضاً وقال السیوطی صح ۔ملاحظہ ہو[الجامع الصغیر للسیوطی جلد۲ صفحہ۱۲ا صفحہ ۱۱۷ طبع پاکستان]

اَقُولُ:- اگر ترک یا عدم فعل کو کراہت یا عدم جواز کی دلیل گردانا جائے جیسا کہ گکھڑوی صاحب کا کہنا ہے تو گکھڑوی صاحب سمیت ان کی جماعت کے وہ تمام اراکین پکے بدعتی قرار پائیں گے جو جمعہ اور مغرب کی بعد والی سنّتیں مساجد ہی میں ادا کرتے ہیں۔ اب پتہ چلے گا کہ گکھڑوی صاحب اس حدیث کو متروک بناتے ہیں یا اپنی قوم کو بدعتی قرار دیتے ہیں جب کہ بصورت ثانی اس سے قبل کے عرصہ میں پڑھی گئی سنتوں کے بارے میں بھی انہیں بتانا ہوگا کہ ان کا کیا بنے گا۔ اور اگر وہ ایسی روایات لائیں جن میں مساجد میں سنّتیں ادا کرنے کا ذکر ہو تو اس صورت میں اس کی بھی وضاحت کرنی ہوگی کہ آپ اکثر طور پر انہیں گھر میں ادا فرماتے تھے یا مساجد میں پھر دیوبندی حضرات کا اس بارے میں عمل اس سے مطابقت رکھتا ہے یا نہیں؟ اس سے قطع نظر اندریں صورت یہ بات بہرصورت متعین ہو جائے گی کہ ترک یا عدم فعل کا علی الاطلاق محض کراہت یا عدم جواز کی بناء پر ہونا قطعاً غلط ہے(وهو المقصود والحمدلله المعبود)۔

حدیث۶: نیز حدیث شریف میں ہے''کان لا یطرق اهله لیلاً''یعنی آپ ﷺ سفر سے رات کے وقت اپنے اہل خانہ میں واپسی نہیں فرماتے تھے(رواه احمد والشیخان والنسائی عن سیّدنا انس رضی اللہ عنہ وقال السیوطی حدیث صحیح)اھ ملاحظہ ہو [الجامع الصغیر جلد۲ صفحہ۱۱۲ طبع پاکستان]

اَقُولُ:- یہ حدیث گکھڑوی صاحب کے (بشمول صاحب موصوف) ان مبلغین کے یکسر خلاف ہے جو تبلیغی

دوروں سے عموماً رات گئے میں اپنے اہل خانہ کی طرف مراجعت کرتے ہیں۔ان کا حکم بیان کرتے ہوئے کچھ تو بولیں۔

حدیث ۷: حدیث شریف میں ہے: ''کان لا یطیل الموعظة یوم الجمعة ''یعنی آپ ﷺ جمعہ کے روز طویل خطاب نہیں فرماتے تھے (رواہ ابوداؤد والحاکم عن جابر بن سمرة رضی اللہ عنہ وقال السیوطی صح) ملاحظہ ہو [الجامع الصغیر للسیوطی جلد۲صفحہ۱۱۲طبع پاکستان]

اَقُوْلُ:- حدیث ہٰذا میں ''موعظہ'' سے مراد اگر وہ خطبہ ہے جو عربی میں نماز کے لیے پڑھا جاتا ہے تو اس کا مفاد یہ ہوگا کہ آپ ﷺ اس خطبہ کے علاوہ جمعہ کے دن خطاب نہیں فرماتے تھے اس صورت میں گکھڑوی جماعت کے وہ خطباء بدعتی قرار پائے جو التزام کے ساتھ نماز جمعہ سے قبل خطبہ کے علاوہ اپنی اپنی بولیوں (غیرعربی زبان) میں تقریریں کرتے ہیں۔اور اگر اس (موعظہ) سے مراد نماز جمعہ کے خطبہ سے پہلے کی کوئی تقریر ہو (جو محتاج ثبوت بھی ہے تو بھی وہ اس کی زد میں آئے کیونکہ حدیث طویل خطاب کے ترک اور عدم فعل کا ذکر ہے جب کہ یہ لوگ لمبی لمبی لچھے دار تقریریں داغتے ہیں۔

حدیث ۸: نیز ابن سعد نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ:

''کان لا یقراء القرآن فی اقل من ثلث ''یعنی آپ ﷺ تین ایام سے کم میں پورا قرآن مجید ختم نہیں فرماتے تھے (وقال السیوطی حسن) اھ ملاحظہ ہو [الجامع الصغیر جلد۲صفحہ۱۱۲]

اَقُوْلُ:- یہ مضمون متعدد احادیث میں موجود ہے فافہم۔

ثم اَقُوْلُ:- اگر ترک وعدم فعل کے کراہت وعدم جواز کو مستلزم ہونے کا گکھڑوی نظریہ درست ہو تو تین دن سے کم میں پورا قرآن مجید پڑھنا ناجائز قرار پائے گا جس سے ایک رات کے دیوبندی شبینے جو بہت سے علاقوں میں پڑھے جاتے ہیں' بدعت ہو جائیں گے نیز یہ کہ یہ خود گکھڑوی صاحب کی اپنی تصریحات کے خلاف ہے جن میں انہوں نے ڈنکے کی چوٹ پر تسلیم کیا ہے کہ تین ایام سے کم میں بھی پورا قرآن مجید ختم کرنا درست ہے چنانچہ ان کے لفظ ہیں:-

''امت مرحومہ میں بہت سے حضرات ایسے ہوئے ہیں جو صرف ایک ہی رات میں قرآن کریم ختم کر دیتے تھے۔حضرات صحابہ کرام میں حضرت عثمان بن عفان المتوفی ۳۵ھ قیام اللیل صفحہ ۶۱ وطبقات ابن سعد جلد۳ صفحہ ۵۳) حضرت تمیم داری المتوفی ۴۰ھ (طحاوی جلد ۱ صفحہ ۲۰۵ وتہذیب

التہذیب جلد ا صفحہ ۵۱۱) اور حضرت عبداللہ بن الزبیر (المتوفی ۷۳ھ طحاوی جلد ا صفحہ ۲۰۵ وقیام اللیل صفحہ ۶۳) خصوصیت سے قابل ذکر ہیں اور ائمہ دین میں حضرت امام شافعی صرف رمضان مبارک کے مہینے میں ساٹھ مرتبہ قرآن کریم ختم کر دیا کرتے تھے (تذکرۃ الحفاظ جلد ا صفحہ ۳۲۹) اور ایک مرتبہ انہوں نے ایک مسئلہ کی تلاش میں روزانہ تین تین مرتبہ اور تین دنوں میں نو دفعہ قرآن کریم ختم کیا تھا (مفتاح الجنۃ صفحہ ۲۹ للسیوطی طبع مصر) اور امام وکیع بن الجراح ایک رات میں قرآن کریم ختم کر دیا کرتے تھے (بغدادی جلد ۱۳ صفحہ ۴۷۰) امام الجرح والتعدیل یحیٰ بن سعید القطعان چوبیس گھنٹوں میں ایک مرتبہ قرآن کریم ختم کر دیا کرتے تھے (بغدادی جلد ۱۴ صفحہ ۱۴۱ وتہذیب الاسماء واللغات نووی جلد ۲ صفحہ ۱۵۴)۔ ایک دو نہیں سینکڑوں مثالیں باحوالہ تاریخی طور پر اس کی پیش کی جاسکتی ہیں ___ صرف ایک حوالہ اور سن لیجیے ___ امام بخاری ہر روز دن کو ایک مرتبہ قرآن کریم ختم کر دیا کرتے تھے اور یہ ختم افطار کے وقت ہر شب کو ہوتا تھا اور فرماتے تھے کہ ہر ختم کے وقت دعا قبول ہوتی ہے دعوۃ مستجابۃ (تاریخ بغداد جلد ۲ صفحہ ۱۲ وطبقات الکبریٰ علامہ سبکی والحطۃ صفحہ ۲۲)۔ اگر حدیث مذکور کے ظاہری الفاظ کو دیکھا جائے تو بعض اہل ظاہر کی طرح یہ نظریہ قائم کرنا پڑے گا کہ مذکورہ دنوں میں کم میں قرآن پاک کو ختم کرنا مکروہ تحریمی ہے (ہامش بخاری جلد ۲ صفحہ ۷۵۶) اور سلف صالحین کے ان اکابر کو معاذ اللہ مکروہ تحریمی کا مرتکب کہنا پڑے گا ___ آپ کا یہ ارشاد امت پر شفقت اور ترحّم کے سلسلہ میں ہے تاکہ اتنے دنوں میں غور وفکر سے قرآن پاک پڑھا جائے اور اس کے معنی کو سمجھا جاسکے کیونکہ ہر آدمی تو مثلاً شافعی نہیں کہ مسئلہ اجماع کے سمجھنے کے لیے تین دن میں نو مرتبہ قرآن کریم ختم کرے اور منتہائے نظر یہ ہو کہ یہ مسئلہ استنباط کرنا ہے ہر ایک کو بھلا یہ مقام کہاں نصیب ہوسکتا ہے؟ اھ ملخّصاً بلفظہٖ ما اردناہ۔ ملاحظہ ہو [مقام ابی حنیفہ صفحہ ۲۴۲، صفحہ ۲۴۳ طبع نصرۃ العلوم گوجرانوالہ مؤلّفہ گکھڑوی صاحب۔ مطبوعہ ۱۴۰۵ھ]

اَقُوْلُ:- گکھڑوی صاحب نے اپنی اس طویل عبارت میں نہایت صراحت کے ساتھ مان لیا اور اس کا بکثرت حوالہ جات سے بادلیل ہونا بھی تسلیم کرلیا ہے کہ ترک فعل اور عدم فعل تو کجا بعض صورتوں میں ممانعت کے وارد ہونے کے باوجود بھی کام ممنوع قرار نہیں پاتا کہ اس کا ایک خاص محمل ہوتا ہے جو اسے کراہتِ تحریمیہ

اور عدم جواز کی مد سے نکال لیتا ہے۔ بالفاظ دیگر منع کے صیغہ کے ورود کے باوجود بھی کسی امر کا ممنوع ہونا لازم نہیں چہ جائیکہ وہ ترک فعل یا عدم فعل سے لازم ہو۔

واضح رہے کہ گکھڑوی صاحب کی کتاب محوّلہ بالا (مقام ابی حنیفہ) ان کی کتاب راہِ سنّت سے کم و بیش پانچ سال بعد تالیف کردہ ہے۔ پس منقولہ بالا اقتباس کی رو سے ان کا راہِ سنّت والا موقف مرجوع عنہ ٹھہرا نہیں تو ان کی یہ کتاب' راہِ سنّت سے متعارض ہوئی جس کا تسلی بخش حل بہرحال ان کے ذمّہ ہے۔

حدیث ۹ تا ۱۱: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: ''کان یأکل مما مست النار ثم یصلی ولا یتوضاء'' یعنی آپ ﷺ آگ پر پکی ہوئی چیز کے تناول فرمانے کے بعد نماز پڑھ لیتے تھے جب کہ آپ وضو نہیں فرماتے تھے (رواه الطبرانی وقال السطیوطی صح) اھ ملاحظہ ہو [الجامع الصغیر جلد۲ صفحہ۱۱۳]

نیز حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ: ''کان ینام حتی ینفخ ثم یقوم ویصلی ولا یتوضاء ''یعنی آپ ﷺ گہری نیند سو جاتے پھر کھڑے ہوتے ہی نماز پڑھتے جب کہ وضو نہ فرماتے (رواہ احمد وقال السیوطی صح) ملاحظہ ہو [الجامع الصغیر جلد۲ صفحہ۱۲۰]

انہی سے مروی ہے: ''کان ینام وھو جنب ولا یمس ماء'' (رواہ احمد والترمذی والنسائی وابن ماجہ وقال الامام السیوطی حدیث صحیح) اھ ملاحظہ ہو [الجامع الصغیر جلد۲ صفحہ۱۲۰]

اَقُوْلُ:- کوئی جاہل ولا یعقل بھی نہیں کہے گا کہ ان صورتوں میں وضو وغیرہ کا ترک اس لیے تھا کہ آپ نے انہیں مکروہ یا ناجائز قرار دیا تھا فضلاً عن عالم وعاقل ــــــ

حدیث ۱۲ ام المؤمنین حضرت صدیقہ بنت صدیق رضی للہ تعالیٰ عنہما فرماتی ہیں: ''ان کان رسول اللہ ﷺ لیدع العمل وھو یحب ان یعمل بہ خشیۃ ان یعمل بہ الناس فیفرض علیھم ''یعنی بلاشبہ رسول اللہ ﷺ کو بعض کام بہت پسند ہوتے تھے پھر بھی آپ انہیں ترک فرماتے تھے جس سے آپ کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ لوگ بھی انہیں اپنا لیں پھر ان پر اسے فرض کر دیا جائے جائے۔ اھ ملاحظہ ہو [صحیح بخاری جلد ا صفحہ ۱۵۲ کتاب التہجد طبع کراچی۔ مسند احمد جلد ۶ صفحہ ۱۶۸ مسند عائشہ رضی اللہ عنہا طبع مکۃ المکرّمۃ وفیہ ایضاً و کان یحب ما خف علی الناس]

اَقُوْلُ:- یہ حدیث اپنے اس مفہوم میں نہایت درجہ واضح ہے کہ حضور سیّد عالم ﷺ بعض اوقات بعض ایسے کام بھی ترک فرما دیتے تھے جن کا کرنا آپ کو بہت پسند ہوتا تھا جو گکھڑوی نظریّہ کے لیے پیامِ موت ہے۔ واللہ

الحمد۔ علاوہ ازیں وہ روایات جنمیں نسیاناً بعض رکعات کا ترک کرتے ہوئے قبل از تکمیل نماز سلام پھیر دینے کا ذکر ہے' ان سے بھی عنوان ہٰذا پر روشنی پڑتی ہے ولا یخفیٰ علیٰ لبیب فلیتأمّل ـــــ

دلیل نمبر۴ (احادیث قولیّہ):-

علاوہ ازیں ترک یا عدم فعل بر بناء کراہت یا عدم جواز نہ ہونے کی مزید ٹھوس دلیل وہ احادیث صحیحہ کثیرہ بھی ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ نے بعض امور کے ترک کی وجوہ کو از خود بیان فرماتے ہوئے وضاحت فرمائی کہ آپ کا انہیں چھوڑنا ان کے افتراض وغیرہ سے بچانے کی حکمت کی بناء پر تھا۔ بعض مثالیں حسبِ ذیل ہیں:

حدیث۱: امّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جس کا خلاصہ یہ ہے) کہ ایک دفعہ کے ماہ رمضان المبارک میں رسول اللہ ﷺ نے آخری عشرہ کی تین متفرق راتوں میں نماز تراویح کی جماعت کرائی ہر اگلی رات میں صحابۂ کرام کثیر تعداد میں آنے لگے حتّٰی کہ چوتھی شب میں مسجد لوگوں سے کھچا کھچ بھر گئی۔ فلم یخرج الیھم رسول اللہ ﷺ فلما اصبح قال قد رأیت الذی صنعتم ولم یمنعنی من الخروج الیکم الّا انی خشیت ان یفرض علیکم ''اس کے بعد آپ انہیں تراویح پڑھانے کے لیے تشریف نہ لائے پھر صبح کے وقت آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ تمہارے شدّت شوق کا عملی مظاہرہ میرے پیش نظر ہے مگر مجھے تمہارے پاس آ کر تمہیں باجماعت تراویح پڑھانے سے جو چیز مانع ہوئی وہ محض یہ تھی کہ وہ میرے التزام کے باعث کہیں تم پر فرض نہ قرار دے دی جائے اھ ملخّصاً ملاحظہ ہو [صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۵۲ نیز صفحہ ۱۲۶ ولفظہ' لم یخف علی مکانکم لکنی خشیت ان تفرض علیکم فتعجزوا عنھا]

نوٹ: حدیث ہٰذا دیگر کئی کتب حدیث میں بھی ہے تفصیل کے ملاحظہ ہو فقیر کا رسالہ ''تحقیق رکعات تراویح''۔

اَقُوْلُ:۔ اس حدیث میں خود رسول اللہ ﷺ کی تصریح مذکور ہے نماز تراویح کی جماعت کو آپ کا ترک فرمانا اس لیے نہ تھا کہ آپ نے اسے مکروہ یا ناجائز قرار دیا ہو بلکہ آپ نے اسے محض اس لیے ترک فرمایا کہ کہیں وہ آپ کی امت پر فرض نہ ہو جائے جس کی ادائیگی اس پر شاق ہو جو گکھڑوی صاحب کے اس نظریّہ کا خوب قلع قمع کر رہی ہے کہ آپ کا ترک یا عدم فعل علی الاطلاق' کراہت یا عدم جواز کو مستلزم ہے

ع ببیں تفاوت کہ راہ کجا است تا بہ کجا

حدیث۲: متعدد کتب حدیث میں بطرق متعددہ بالفاظ مختلفہ حضرت امّ المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے

مروی ہے کہ آپ نے ان کو مخاطب بنا کر فرمایا: لولا حدثة قومک بالکفر لنقضت البیت ثم لبنیۃ علٰی اساس ابراھیم"۔ وفی روایۃ "فاخاف ان تنکر قلوبھم ان ادخل الجدر فی البیت وان الصق بابہ بالارض" وفی روایۃ "لنقضت الکعبۃ فجعلت لھا بابین باباً یدخل الناس وباباً یخرجون منہ"۔ وفی روایۃ" لامرت بالبیت فھدم فادخلت فیہ ما اخرج منہ والزقتہ بالارض وجعلت لہ بابین باباً شرقیا وباباً غربیا فبلغت بہ اساس ابراھیم "یعنی اگر نو مسلم قسم کے لوگوں کی قلبی پریشانی کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں کعبہ مقدسہ کی عمارت کو توڑ کر یا تو ڑوا کر اسے نئے سرے سے ابراہیم علیہ السلام کی رکھی گئی بنیادوں پر اس طرح سے تعمیر کراتا کہ اس کے دو دروازے ہوتے' ایک شرقی اور ایک غربی۔ اور وہ دونوں اونچائی کی بجائے سطح زمین پر ہوتے۔ ایک سے لوگ اس کے اندر جاتے اور دوسرے سے باہر کو نکلتے۔ اھ ملاحظہ ہو [صحیح بخاری جلد ا صفحہ ۲۴ نیز صفحہ ۲۱۵ صحیح مسلم جلد صفحہ (وغیرہما)]

اَقُوْلُ:- اس حدیث سے بھی خوب واضح ہے کہ کعبہ مقدسہ کی نئے سرے سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں پر تعمیر کا ترک اس کے مکروہ یا ناجائز ہونے کی بناء پر نہ تھا بلکہ اس میں یہ حکمت کارفرما تھی کہ وہ اسلام میں نئے آنے والوں کے لیے کہیں تزلزل اور تذبذب کا باعث نہ بن جائے جب کہ آپ کو پسند یہ تھا کہ اسے کر لیا جائے مگر آپ نے اسے نہ کیا۔ جس کی مزید تقویت اس سے بھی ہوتی ہے کہ صحابیٔ رسول حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے اپنے دور خلافت میں کعبہ شریفہ کہ عمارت کو منہدم کر کے اسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسب پسند نئے سرے سے تعمیر کرایا۔ ملاحظہ ہو صحیح بخاری جلد ا صفحہ ۲۴ ولفظہ "ففعل ابن الزبیر۔ نیز جلد ا صفحہ ۲۱۵ ولفظہ "فذلک الذی حمل ابن الزبیر علٰی ھدمہ")

ثم اَقُوْلُ:- اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صحابۂ کرام بالخصوص حضرت عبداللہ بن زبیر' ترک یا عدم فعل کو کراہت یا عدم جواز کا موجب نہ سمجھتے تھے ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ سلم کے ترک کے بعد وہ اسے کبھی عمل میں نہ لاتے۔

حدیث۳: نیز حدیث شریف میں ہے رسول اللہ ﷺ نے ضرورت بشریت سے فراغت فرمائی آپ کو وضو کے لیے پانی پیش کیا گیا تو آپ نے وضو نہ کیا اور فرمایا: "ما امرت کلما بلت ان اتوضاء ولو فعلت لکانت سنة "یعنی مجھے ہر بار وضو کر لینے کا حکم نہیں دیا گیا اور اگر میں ایسا کرتا تو امت کے لیے یہ فرض (واجب الاتباع) ہو جاتا جس کی پابندی اس کے بس سے باہر کی بات ہوتی اھ ملاحظہ ہو [مسند احمد' ابو

داوَدُ،ابن ماجہ وغیر ہا۔الجامع الصغیر للسیوطی جلد۲ صفحہ۱۴۲اوقال السیوطی حسن)

اَقُولُ:- وضوایک نیک عمل ہے مگر آپ ﷺ نے اسے بعض اوقات ترک فرمادیا پھراس کی وضاحت بھی فرما دی کہ آپ کا اسے چھوڑ دینا امت کو مشقت سے بچانے کی حکمت کی بناء پر تھا نہ کہ اسے ناپسندیدہ یا ناجائز قرار دینے کی غرض سے۔پھر ''ما امرت '' کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ بھی یہی ہے کہ آپ کا کسی امر کو ترک فرمانا علی الاطلاق اس کے بر بناء کراہت وعدم کراہت وعدم جواز ہونے کو مستلزم نہیں (وھو المقصود)۔

دلیل نمبر۵ (احادیث تقریریۃ):-

علاوہ ازیں اس کی مزید دلیل وہ احادیث صحیحہ کثیرہ بھی ہیں جن میں یہ مذکور ہے کہ بہت سے صحابہؓ کرام نے بہت سے ایسے اچھے کام جو آپ ﷺ نے نہ کیے تھے' ازخود کیے اور وہ آپ ﷺ کے نوٹس میں آئے تو آپ نے مزمت فرمانے کی بجائے ان کی توثیق فرمائی بلکہ بعض کے لیے رحمت' مغفرت اور جنت کی بشارتیں بھی ارشادفرمائیں۔ان کا سلسلہ بھی ازحد طویل ہے اوراس کی مثالیں بکثرت ہیں اس لیےان کا احاطہ بھی ناممکن نہ بھی ہو مشکل ضرور ہے۔پس ''ما لایدرک کله لایترک کله '' کے پیشِ نظر اس کی بھی بعض مثالوں پر اکتفا کیا جاتا ہے جو حسبِ ذیل ہیں:-

حدیث۱: حدیث شریف میں ہے رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال ؓ سے فرمایا: یا بلال حدثنی بارجی عمل عملته فی الاسلام فانی سمعت دف نعلیک بین یدی فی الجنة قال ما عملت عملا ارجی عندی انی لم اتطهر فی ساعة من لیل و لا نهار الا صلیت. بذلک الطهور ما کتب لی ان اصلی" وفی روایة " ورأیت ان لله علیٰ رکعتین فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم بهما. وفی لفظ "بهذا"' یعنی بلال! اسلام لانے کے بعد تم نے سب اچھا عمل کون سا کیا ہے جس پر تمہیں سب سے زیادہ ثواب کی امید ہو کیونکہ میں نے جنت میں اپنے آگے تمہارے چلنے کی آواز سنی ہے؟ عرض کی: میرے خیال کے مطابق وہ عمل یہ ہے کہ رات دن کے تمام اوقات میں مجھے جب بھی وضو' غسل یا تیمّم کی ضرورت پڑتی ہے تو اسے فوراً کر لیتا ہوں اور اس کے ساتھ' اللہ کی رضا کے لیے دو رکعت نفل پابندی سے لازماً پڑھ لیتا ہوں۔پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہیں یہ مقام اسی عمل یا فرمایا انہی دو رکعتوں کے حوالہ سے ملا ہے۔اھ ملاحظہ ہو[صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۵۴ طبع کراچی' صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۹۲ طبع کراچی' مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۳۳۳'۴۳۹ طبع

مکۃ المکرّمۃ، صحیح ابن خزیمہ جلد۲ صفحہ۲۱۳ حدیث نمبر ۱۲۰۸ طبع المکتب الاسلامی بیروت، المستدرک للحاکم: عینی شرح بخاری جلد۷ صفحہ ۲۰۶ کلھم عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بالفاظ مختلفہ وطرق متعددۃ واللفظ الاوّل للبخاری۔ نیز مسند احمد جلد۵ صفحہ۳۵۴، صفحہ۳۶۰ طبع مکۃ المکرّمۃ وترمذی جلد۲ صفحہ ۲۰۹ طبع دہلی عن بریدۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ واللفظ لہما متفرقاً۔ نیز بخاری جلد ا صفحہ ۵۲۰، مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۹۲، مسند احمد جلد ۳ صفحہ ۳۷۲ صفحہ ۳۸۹، ابوداؤد الطیالسی صفحہ ۲۳۸ حدیث ۱۷۱۹ طبع دارالمعرفۃ بیروت عن جابر رضی اللہ عنہ مختصراً۔ نیز مسند احمد جلد۵ صفحہ۲۵۹ عن ابی امامۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مختصراً]

اَقُوْلُ:- وجہ استدلال یہ ہے کہ بعض شرّاح کے حسب تصریحات حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے یہ نماز (جسے تحیۃ الوضو کہا جاتا ہے اور تحیۃ الطہارۃ بھی کہا جاسکتا ہے) از خود آپ ﷺ کے اس کے متعلق امر کے وارد ہونے سے پہلے جاری کی تھی اگر پوچھ کر کیا ہوتا تو آپ انہیں "حدثنی بارجی عمل کیوں فرماتے؟ نیز ورأیت ان للہ علی رکعتین سے بھے اس کی تائید ہوتی ہے۔ جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ انہوں نے ایسا کام کیا جو حضور ﷺ نے نہ تو کیا تھا اور نہ ہی اس کے بارے میں کچھ فرمایا تھا مگر اس کے باوجود آپ ﷺ نے گکھڑوی صاحب کی طرح بدعتی قرار دیا نہ ہی ان کی مذمت بیان فرمائی جو اس امر کی روشن دلیل ہے کہ آپ ﷺ کا ترک یا عدم فعل کراہت یا عدم جواز کی دلیل نہیں یعنی نہ کرنا اور ہے، ناجائز ہونا اور ہے۔

چنانچہ (گکھڑوی صاحب کے معتمد علیہ اور مستند بہ جن سے انہوں نے راہِ سنّت میں بھی بہت استناد کیا ہے یعنی) علامہ طیبی (متوفی ۷۴۳ھ) اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

ونریٰ ذٰلک واللہ اعلم عبارۃ عن مسارعۃ بلال الی العمل الموجب لتلک الفضیلۃ قبل ورود الامر علیہ وبلوغ الندب الیہ وذلک مثل قول القائل لعبدہ تسبقنی الی العمل ای تعمل قبل ورود امری علیک. اقول ھٰذا التاویل لا ینافی قولہ تعالیٰ یا ایھاالذین امنوا لا تقدموا بین یدی اللہ ورسولہ (الیٰ) لا ان الأیۃ واردۃ فی النھی عمالا یرضی اللہ تعالیٰ ورسولہ بہ کما یشھد لہ سبب النزول والحدیث لیس کذلک ومن ثم قررہ علیٰ ذٰلک واستحمدہ علیہ"۔

عبارت ہٰذا کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے جواب کا مفہوم یہ ہے کہ وہ عمل جس کی آپ ﷺ نے مذکورہ

فضیلت بیان فرمائی بہت پابندی کے ساتھ کرتے ہیں اور ان کا یہ عمل اس کے بارے میں امر یا ترغیب کے وارد ہونے سے پہلے کا ہے اور یہ کلام ایسے ہے جیسے کوئی مالک اپنے غلام سے کہے ''تسبقنی الی العمل'' (تم عمل مجھ سے پہلے کرتے ہو)۔ تو اس کا معنیٰ یہ ہے کہ تم بہت اچھے شخص ہو کہ میرے کہے بغیر کام کر دیتے ہو۔ یہ مفہوم اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''یا ایھا الذین آمنوا لاتقدموا بین یدی اللہ ورسولہ'' کے برخلاف نہیں کیونکہ یہ محض اس کام کی پیش قدمی کرنے سے ممانعت کے بارے میں ہے جو اللہ اور اس کے رسول کو ناپسند ہو جیسا کہ اس کے شان نزول سے واضح ہے جب کہ حدیث میں مذکور ہے حضرت بلال کا عمل اس قبیل سے نہیں ہے اسی لیے آپ ﷺ نے نہ صرف یہ کہ اسے برقرار رکھا بلکہ اس پر ان کی تعریف بھی فرمائی۔ اھ ملاحظہ ہو [طیبی شرح مشکوٰۃ جلد۳ صفحہ ۷۸ طبع کراچی]

نیز معمولی اختلاف سے استناداً یہ عبارت علامہ قسطلانی علیہ الرحمۃ کی ارشاد الساری شرح صحیح بخاری جلد۲ صفحہ ۳۲۶ طبع دار الفکر بیروت میں بھی ہے)۔

ثمّ اَقُولُ:- حدیث ہٰذا سے استدلال کی دوسری وجہ یہ ہے کہ بعض دیگر علماء کے حسب تصریح، حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اس نماز (تحیۃ الوضوء والطہارۃ) پر مداومت، مواظبت، التزام اور پابندی اپنے اجتہاد سے فرمائی تھی۔ اس کے الفاظ ورأیت ان للہ علی رکعتین سے بھی اس پر روشنی پڑتی ہے اور یہ ایسا تھا جو آپ ﷺ نے نہیں کیا تھا جب کہ آپ نے اس پر انہیں ڈانٹنے کی بجائے (جیسا کہ گکھڑوی نظریہ اور رویّہ ہے) ان کی توثیق فرمائی۔ پس متروکہ امور کے بارے میں آپ ﷺ کی سنّت یہی ہوئی کہ جو نئے امور قواعد شرعیہ کی رو سے درست ہوں انہیں ممنوع یا بدعت نہ کہا جائے۔ چنانچہ علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

ویستفاد منہ جواز الاجتہاد فی توقیت العبادۃ لان بلالاً توصل بہا الیٰ ما ذکرنا بالاستنباط فصوبہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ''یعنی اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عبادت پر پابندی رکھنے اور اس کی تعیین میں اجتہاد سے کام لینا جائز ہے کیونکہ حضرت بلال حدیث میں مذکور جس مقام پر پہنچے تھے اس کی بنیاد ان کے اجتہاد ہی پر تھی جسے نبی ﷺ نے درست قرار دیا اھ ملاحظہ ہو [فتح الباری شرح صحیح بخاری صفحہ ۴۲ جلد۳ طبع دار الدیان القاہرہ]۔

نیز علامہ فہامہ قسطلانی فرماتے ہیں: ''لکنہ لما کان ما استنبط موافقاً لمرضاۃ اللہ ورسول اقرہ واستحمدہ علیہ ''یعنی چونکہ حضرت بلال کا یہ اجتہاد اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مرضی کے مطابق تھا

اس لیے آپ ﷺ نے اسے برقرار رکھا اور اس پر انہیں سراہا بھی''اھ۔ ملاحظہ ہو [ارشاد الساری شرح صحیح بخاری جلد۲ صفحہ۳۲۶ طبع بیروت]

حدیث۲: حضرت رفاعہ بن رافع زرقی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا ہم نے ایک دن نبی کریم ﷺ کی اقتدا میں نماز پڑھی۔ آپ نے جب رکوع سے سر اقدس اٹھا کر سمع اللّٰہ لمن حمدہٗ کہا تو ایک شخص نے جو آپ کی اقتدا میں نماز پڑھ رہا تھا یہ لفظ کہے ''ربنا لک الحمدُ کثیرا طیبا مبارکا فیه'' آپ نے سلام پھیرنے کے بعد فرمایا یہ لفظ کس نے کہے ہیں؟ اس نے کہا میں نے۔ آپ نے فرمایا ''رأیت بضعة وثلثین ملکا یبتدرونها ایهم یکتبها اوّل''میں نے تینتیس ۳۳ سے انتالیس فرشتوں کو دیکھا جن میں سے ہر ایک ان کلمات کو لکھ لینے میں سبقت کر رہا تھا اھ ملاحظہ ہو [صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۱۰ طبع کراچی]

ایک روایت میں ہے کہ یہ کلمات کہنے والے خود حضرت رفاعہ تھے نیز یہ بھی ہے کہ آپ کے تین بار پوچھنے کے بعد انہوں نے اقرار کیا۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ وہ گھبرا گئے تھے کہ شاید آپ ﷺ اس پر ناراض ہو گئے ہیں حتّٰی کہ وہ سوچنے لگے کہ کاش میں اپنے مال سے سبکدوش ہو جاتا اور آج میں اس نماز میں ہوتا ہی نہ۔ حتّٰی کہ آپ ﷺ نے یہ لفظ ارشاد فرمایا ''فانه لم یقل بأسا'' وفی روایة ''فانه لم یقل الا صوابا'' کہ اس نے کوئی غلطی نہیں بلکہ اچھا کام ہی کیا ہے۔ پھر انہوں نے عرض کی تھی ''انا قلتها لم اردبها الاخیراً'' یہ کلمات میں نے ہی کہے ہیں جن سے میری نیت نیکی ہی کی تھی۔ بعض روایات میں ہے کہ انہوں نے یوں بھی کہا تھا: مبارکا علیه کما یحب ربنا ویرضی''اھ ایک روایت میں ہے کہ ان کو چھینک آئی تو انہوں نے اس طرح کہا تھا الحمد لله حمد کثیراً طیباً مبارکاً فیه الخ ملاحظہ ہو [فتح الباری بشرح صحیح البخاری جلد۲ صفحہ۳۳۴ صفحہ۳۳۵ بحوالہ ابوداؤد و طبرانی وغیرہما]

اَقُوْلُ:- حدیث ہٰذا بھی اس امر کی روشن دلیل ہے کہ ترک یا عدم فعل کراہت یا عدم جواز کو مستلزم نہیں کیونکہ اس صحابی نے ایسا کام کیا تھا جو انہوں نے آپ ﷺ کو کرتے نہیں دیکھا تھا اور نہ ہی آپ سے پوچھ کر کیا تھا ورنہ آپ ﷺ کے بار بار پوچھنے نیز ان کے سہم جانے اور پسینہ پسینہ ہو جانے کا کیا مطلب؟ مزید اس کی تائید امام ابن حجر عسقلانی (متوفّٰی ۸۵۲ھ) کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے: واستدل به علی جواز احداث ذکر فی الصلوٰة غیر مأثور الخ یہ حدیث اس امر کی دلیل ہے کہ نماز کے اندر ایسا ذکر کرنا بھی جائز ہے جو آپ ﷺ

سے ثابت نہ ہوا ملاحظہ ہو [فتح الباری جلد۲ صفحہ ۳۳۵ سطر نمبر ۹ سطر نمبر ۱۰ طبع دارالدیان للتراث القاہرہ]

لٰہذا گکھڑوی نظریہ سراسر غلط اور حدیث نبوی علیٰ صاحبہ السلام وتصریحات ائمہ کے بالکل برعکس ہے (وھو المقصود)۔

حدیث ۳: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ کے پیچھے آغاز نماز میں یہ الفاظ آغاز نماز میں کہے: ''اللہ اکبر کبیراً والحمد للہ کثیراً وسبحٰن اللہ بکرۃ واصیلا'' آپ نے (بعد از سلام) پوچھا یہ کلمات کس نے کہے ہیں؟ اس نے کہا یا رسول اللہ یا نبی اللہ میں نے کہیں ہیں! فرمایا: ''لقد ابتدرھا اثنا عشر ملکاً '' وفی روایۃ ''فتحت لھا ابواب السماء '' ان کلمات کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیے گئے ہیں اور بارہ فرشتے انہیں لکھنے میں سبقت کرنے کے لیے آئے ہیں۔ ملاحظہ ہو [سنن النسائی جلد ۱ صفحہ ۱۴۱ کتاب الافتتاح۔ القول الذی یفتح بہ الصلوٰۃ]

نوٹ: یہ حدیث مصنف عبدالرزاق وغیرہ میں بھی ہے۔

اَقُوْلُ:- حدیث ہٰذا میں بھی تقریر وہی ہے جو حدیث نمبر۲ کے تحت گزری ہے اور یہ حدیث بھی مثل بالا گکھڑوی نظریہ (ترک فعل عدم جواز کو مستلزم ہے) کی نفی ہے۔

حدیث ۴: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا ایک گروہ سفر پر گیا (جس میں وہ خود بھی شامل تھے) ایک عرب قبیلہ کے ہاں انہوں نے پڑاؤ ڈالا اور ان سے مہمانی طلب کی لیکن قبیلہ والوں نے مہمان نوازی سے انکار کر دیا۔ اتنے میں اس قبیلہ کے سردار کو بچھو نے ڈس لیا جس کا ہر ممکن علاج کیا گیا مگر اسے افاقہ نہ ہوا۔ وہ لوگ صحابۂ کرام کے پاس آئے اور ماجرا سنا کر پوچھا کہ تم میں سے کسی کے پاس اس کا کوئی علاج موجود ہے۔ حضرت ابوسعید نے فرمایا میرے پاس اس کا ایک ''دم'' ہے لیکن تم نے ہمیں مہمان بنانے سے انکار کر دیا تھا اس لیے اب اس کی فیس لگے گی انہوں نے بکریوں کا ایک ریوڑ دینا کیا۔ حضرت ابوسعید نے سورۃ فاتحہ پڑھ کر دم کی تو وہ فوراً صحیح ہو گیا اور اس کی پوری تکلیف بالکلیہ رفع ہو گئی۔ حسب وعدہ انہوں نے بکریوں کا ریوڑ ان کے حوالے کیا۔ بعض صحابہ نے کہا اسے آپس میں تقسیم کر لو لیکن حضرت ابوسعید نے فرمایا ایسا نہ کرو۔ حضور ﷺ سے جا کر پوچھیں گے اور حسب الحکم عمل کریں گے۔ واپسی پر یہ سارا واقعہ آپ کے گوش

گزار کیا گیا تو آپ نے ان کے اس عمل کی توثیق فرماتے ہوئے اسے جائز قرار دیا۔ حدیث شریف کے لفظ ہیں: فقال وما یدریک انها رقیة ثم قال قد اصبتم اقسموا واضربوا لی معکم سهما فضحک النبی صلی الله علیه وسلم ''فرمایا تمہیں کیونکر معلوم ہوا کہ یہ سورۃ دم کا کام بھی دیتی ہے۔ پھر فرمایا تم نے بالکل ٹھیک کیا اسے آپس میں تقسیم کرلو اور (یقین نہ آئے تو) میرا حصہ بھی اپنے ساتھ رکھ لو اور آپ یہ جملہ ارشاد فرماتے ہوئے مسکرائے بھی اھ ملاحظہ ہو [صحیح بخاری جلد ا صفحہ ۳۰۴ کتاب الاجارۃ]

نوٹ: اس قسم کا ایک اور واقعہ بھی مروی ہے جو صحیح ابن حبان وغیرہ میں ہے۔

اَقُوْلُ:- یہ حدیث اپنے اس مفہوم میں نہایت درجہ واضح ہے کہ صحابۂ کرام نے اس میں مذکور دونوں کام (سورۃ فاتحہ سے دم کرنا اور اس کی اجرت مقرر کرنا) قطعی طور پر آپ سے پوچھے بغیر کیے تھے اور آپ کو کبھی ایسا کرتے انہوں نے نہیں دیکھا تھا پھر بھی آپ نے کئی تاکیدات وتصریحات سے اسے جائز اور درست قرار دیا۔ تم نے ٹھیک کیا۔ آپس میں انہیں تقسیم کرلو۔ مجھے بھی اس میں شامل کرلو۔ پھر اس سب سے بڑھ کر اس پر آپ کا متبسم ہونا جو اس امر کی دلیل ہے کہ مسکوت عنہا امور کے متعلق سنت نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ یہ ہوئی کہ مطلقاً ان کو ناجائز قرار نہ دے دیا جائے بلکہ انہیں قواعد شرعیہ پیش کرتے ہوئے فیصلہ صادر کیا جائے۔ اگر گکھڑوی نظریہ کو درست مانا جائے تو اس سے صحابۂ کرام بدعتی قرار پائیں گے جو انتہائی غلط ہے۔ پس ثابت ہوا کہ مسئلہ ہٰذا میں گکھڑوی نظریہ اور ہے، نبوی فیصلہ اور ہے (صلی اللہ علیٰ نبینا محمد وآلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم اجمعین)۔

حدیث ۵: حدیث شریف میں ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ایک صحابی کو ایک لشکر کا سالار بنا کر بھیجا وہ اپنے ساتھیوں کو اس طرح نماز پڑھاتے کہ سورۃ فاتحہ کے بعد والی سورۃ کے ساتھ سورۃ اخلاص ضرورت ملاتے۔ واپسی پر آپ ﷺ سے اس کا ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا اس سے پوچھو وہ ایسا کیوں کرتا ہے۔ پس پوچھنے پر انہوں نے بتایا کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی شان مذکور ہے اور مجھے اس کی تلاوت سے محبت ہے۔ اس پر آپ نے فرمایا: اخبروه ان الله یحبه ''یعنی اسے میری طرف سے بتادو کہ وہ اللہ کا محبوب بن چکا ہے۔ اس قسم کی ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: ان حبک ایاه ادخلک الجنة یعنی اس سورۃ سے تمہاری اس محبت نے تمہیں جنتی بنا دیا۔ اھ ملاحظہ ہو [مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۱۸۵ بحوالہ صحیح بخاری، صحیح مسلم جامع ترمذی عن الصدیقة وانس رضی اللہ عنہما]

اَقُولُ:- اس صحابی کا یہ عمل قطعی طور پر ایسا تھا کہ نہ تو حضور ﷺ سے ثابت تھا نہ آپ کے دیگر اصحاب کرام سے ورنہ صحابۂ کرام کا اس پر اعتراض اور بارگاہِ رسالت مآب علیہ السلام میں اس کی شکایت چہ معنیٰ؟ مگر آپ علیہ السلام نے نہ انہیں ان نمازوں کے اعادہ کا حکم فرمایا اور نہ ہی انہیں بدعتی قرار دیا بلکہ خوش ہو کر محبوب بیت الله نیز جنتی ہونے کی بشارت بھی دی جو گکھڑوی نظریہ کے نہایت درجہ غلط اور مردود ہونے کی زبردست دلیل ہے۔ پس اس مسئلہ میں اہل سنّت کا نظریّہ یقینی طور پر سیّد عالم ﷺ کے عین فیصلوں کے مطابق ہے۔

دلیل نمبر۶ (نظریّہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم):-

صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا نظریّہ یہی ہے کہ عدم فعل، عدم جواز کی دلیل نہیں اور یہ کہ حضور سیّد عالم ﷺ کے ترک اور نہ کرنے کے باوجود بھی بعض کام ایسے ہوتے ہیں جن کا کرنا جائز، مستحسن اور مستحب و کارِ ثواب ہے اور یہ اکابر صحابۂ کرام خصوصاً خلفاء راشدین، اصحاب بدر و بیعۃ الرضوان اور اصحاب احد و حنین رضی اللہ عنہم ربّ الکونین کا اجتماعی فیصلہ بھی ہے۔ ان کے جملہ اقوال وارشادات کا احصاء تو ممکن نہیں اور نہ ہی یہ مقصود ہے اس لیے بطورِ نمونہ بعض مثالیں حسب ذیل ہیں:-

حدیث ۱: امّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: ''وما سبّح رسول الله صلی الله علیه وسلم سبحة الضحیٰ قط وانی لاسبّحها ''یعنی رسول اللہ ﷺ نے نماز چاشت بالکل نہیں پڑھی لیکن میں اسے ضرور پڑھتی ہوں اھ ملاحظہ ہو [صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۵۲ کتاب التہجد]

اَقُولُ:- نماز چاشت کے متعلق حضرت صدیقہ کا یہ ارشاد اگرچہ ان کی معلومات کی حد تک ہے اور بعض دیگر اصحاب کرام کے حوالے سے آپ ﷺ سے اس کا پڑھنا بھی منقول ہے (کما فی حدیث انس فی قضیة عتبان بن مالک الانصاری (رضی الله عنهما) وغیره رواه البخاری وغیره و لفظ البخاری ''فصلی علیه رکعتین (الیٰ) مارأیة صلاها الا یومئذ۔ لاحظ صحیح البخاری جلد ۱ صفحہ ۹۲) تاہم امّ المؤمنین رضی اللہ عنہا کے منقولہ بالا قول سے وجہ استدلال یہ ہے کہ آپ ایک طرف یہ فرما رہی ہیں کہ یہ کام رسول اللہ ﷺ نے بالکل نہیں کیا پھر دوسری طرف یہ بھی فرماتی ہیں کہ بایں ہمہ میں یہ کام کرتی ہوں جو نظریّہ اہل سنّت کے صحیح ہونے کی واضح دلیل ہے کہ نہ کرنا اور ہے ناجائز ہونا اور ہے۔ اگر گکھڑوی نظریہ کو درست مان لیا جائے تو اس سے معاذ اللہ حضرت امّ المؤمنین صدیقہ بدعتی قرار پاتی ہیں جو قطعاً غلط ہے فثبت ماقلنا۔

حدیث ۲: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کعبہ مقدسہ کے اندر جا کر اس مقام پر بہ کوشش نماز پڑھتے

تھے ''الذی اخبرہ بہ بلال ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ''، جس کے متعلق حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے انہیں بتایا تھا کہ نبی ﷺ نے اس میں نماز ادا فرمائی تھی (کیونکہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اس وقت آپ ﷺ کے ساتھ تھے) اس کے باوجود حضرت ابن عمر کا ارشاد ہے: ''ولیس علیٰ احدنا بأس ان صلّی فی ایّ نواحی البیت شاء ''، یعنی ہم میں سے کسی پر بیت اللہ شریف کے کسی کونے میں حسب منشاء نماز پڑھنے پر کوئی پابندی نہیں ہے اھ ملاحظہ ہو [صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۷۲ طبع کراچی]

اَقُولُ:- حدیث ہٰذا اپنے اس مفہوم میں نہایت درجہ صاف اور واضح ہے کہ صحابہ کرام کا نظریہ بھی یہی تھا کہ آپ ﷺ کا کوئی کام نہ کرنا ضروری نہیں کہ اس لیے ہو کہ آپ نے اسے ناجائز یا ناپسندیدہ قرار دے کر نہ کیا ہو اور وہ آپ کے عدم فعل کے باوجود جواز کے قائل تھے (وھو المقصود)۔

حدیث ۳، ۴: ابھی کچھ پہلے دلیل نمبر ۳ کے تحت حدیث نمبر ۴ کی بحث میں صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۲۱۸ کے حوالہ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ قول گزر چکا ہے کہ انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سن لینے کے باوجود کہ آپ ﷺ نے کعبہ مقدسہ کے صرف دو کونوں کا استلام فرمایا تھا' کہا تھا کہ ''لیس شئی من البیت بمھجور ''، یعنی کعبہ مقدسہ کے کسی حصہ کا چھونا یا چومنا ممنوع نہیں اھ۔

نیز یہ کہ ''وکان ابن الزبیر یستلمھن کلھن ''، یعنی یعنی جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن زبیر کعبہ مقدسہ کے تمام گوشوں کا استلام فرماتے تھے۔ ملاحظہ ہو (بخاری جلد' صفحہ مذکور) یہ بحث بھی مبحث فیہ کی عمدہ دلیل ہیں۔

حدیث ۵: صحابیٔ رسول حضرت سیدنا خبیب رضی اللہ عنہ کی کفار کے ہاں اسادت اور شہادت کے قصہ کی طویل حدیث میں ہیکہ مکۃ المکرّمۃ میں حالت قید میں ان کے پاس بے موسم انگوروں کے گچھے دیکھے گئے جنہیں وہ تناول فرماتے تھے پھر جب انہیں کفار شہید کرنے کی غرض سے حد حرم سے باہر لے جانے لگے تو آپ نے ان سے فرمایا: دعونی اصلی رکعتین ثم انصرف الیھم فقال لولا ان تروا ان مابی جزع من الموت لزدت فکان اوّل من سن رکعتین عند القتل ''، یعنی مجھے دو رکعت نماز نفل پڑھنے دو پس آپ اس سے فارغ ہو کر ان کے پاس آئے اور فرمایا اگر ایسا نہ ہوتا کہ تم میرے دیر کرنے کو موت سے گھبرانے پر محمول کرتے تو میں اس سے زیادہ نماز پڑھتا۔ پس آپ پہلے شخص تھے جنہوں نے شہید ہونے سے پہلے دو رکعت نفل پڑھنے کی بنیاد رکھی۔ اھ ملاحظہ ہو [صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۵۸۵، صفحہ ۵۸۶ کتاب المغازی طبع کراچی]

اَقُوْلُ:- یعنی حضرت خبیب ﷺ نے یہ کام ایسا کیا جو پہلے نہیں کیا جاتا تھا اور نہ ہی اس سلسلہ میں ان کے پاس سید عالم سے کوئی تلقین تھی۔ گکھڑوی نظریہ کے مطابق آپ معاذ اللہ بدعتی ہو کر فوت ہوئے والعیاذ باللہ العظیم (کبرت کلمة تخرج من افواههم ان يقولون الا كذبا) جس سے مسئلہ ہٰذا میں نظریہ اہل سنّت کی صحت وصداقت کا بیّن ثبوت ملتا ہے۔

نوٹ:- یہ واقعہ عہد رسالت علیٰ صاحبہا السلام کا ہے جب کہ اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کے اس عمل کو مکروہ، ناجائز یا بدعت قرار دیا ہو (ومن ادّعیٰ فعليه البيان) جو اس امر کی دلیل ہے کہ آپ نے ان کے اس عمل کو برقرار رکھا لہٰذا یہ حدیث جاری عنوان میں دلیل نمبر ۵ کے تحت بھی رکھی جاسکتی ہے فافهم ___

حدیث ۶ احادیث صحیحہ کثیرہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی مسجد شریف کی چھت مبارک کھجور کی چھڑیوں کی تھی ۷۔۸: جب بارش ہوتی تو گویا اندر ہی پرنالے چل پڑتے اور نماز بھی مسجد شریف کے اندر پانی اور مٹی میں پڑھنی پڑتی (کمافی صحیح البخاری ومسلم وغیرہما)۔

اَقُوْلُ:- اس صورت میں صحابۂ کرام کو جو تنگی کا سامنا کرنا پڑتا ہوگا وہ محتاج بیان نہیں پس اس امر کا داعیہ، محرک اور سبب سخت ضرورت کی حد تک موجود تھا لیکن آپ نے اس کے باوجود مسجد کی چھت پختہ نہ بنوائی۔ بناء بریں اس کا پختہ کرانا گکھڑوی اصول کے مطابق بدعت سیئہ ہوا مگر اس کے باوجود حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے پاک دورِ خلافت میں اس کی تجدید کرائی لیکن اس کے ساتھ آپ نے یہ تنبیہ فرمائی کہ اسے رنگین بنانے سے احتیاط کی جائے مگر حضرت ذوالنورین رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد مبارک میں اسے پھر سے بنوایا دیواریں اور ستون رنگ برنگے پتھروں کے بنوائے اور چھت ساکھو کی لکڑی کی بنوائی۔ بعض صحابۂ کرام نے ان پر اس حوالہ سے اعتراض کیا تو انہوں نے یہ نہ فرمایا کہ میں خلیفۂ راشد ہوں اس لیے مجھے ایسا کرنا جائز ہے بلکہ آپ نے اس کے مسجد کے تعمیر کرنے کی فضیلت میں وارد شدہ حدیث کے عموم واطلاق سے استدلال کرتے ہوئے اس کے جواز پر روشنی ڈالی جو اس امر کی واضح دلیل ہے کہ ترک علی الاطلاق عدم جواز کو مستلزم نہیں بلکہ داعیہ اور محرک کے باوجود ترک بھی عدم جواز یا کراہت کی دلیل نہیں جس سے گکھڑوی کلیہ، یکسر باطل قرار پاتا اور پیوند خاک ہو جاتا ہے نیز یہ کہ محض عدم فعل عدم جواز کی دلیل نہیں بلکہ نئے امر کو دلائل شرعیہ پر پیش کیا جائے گا، سیدھا اس پر ناجائز ہونے کا فتویٰ لگا دینا درست نہیں ورنہ حضرت فاروق اعظم اور حضرت عثمان غنی اور ان کی ہاں میں ہاں

ملانے والے دیگر اصحاب کرام معاذ اللہ ثم معاذ اللہ ارتکاب بدعت کا الزام آئے گا جو قطعاً درست نہیں۔

صحیح بخاری کا حوالہ:-

چنانچہ صحیح بخاری (جلد۱صفحہ۶۴ کتاب الصلوٰۃ باب بنیان المسجد طبع کراچی) میں ہے:

''امر عمر ببناء المسجد وقال اکنّ الناس من المطر وایاک ان تحمّر او تصفّر''
یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی علیٰ صاحبہا السلام کو نئے سرے سے بنانے کا حکم دیا اور فرمایا کہ اس سے میں لوگوں کو بارش سے بچا رہا ہوں نیز یہ تنبیہ فرمائی کہ اس میں سرخ اور زرد رنگ مت لگاؤ۔اھ ـــــ

ایضاً: اسی (کے اسی جلد وصفحہ کتاب وباب) میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: ان المسجد کان علیٰ عہد رسول ﷺ باللبن و سقفه الجرید وعمده خشب النخل فلم یزد فیه ابوبکر شیئا وزاد فیه عمر و بناه علیٰ بینانه فی عهد رسول اللهﷺ باللبن و الجرید و اعاد عمده خشباً ثم غیره عثمان فزاد فیه زیادة کثیرة وبنی جداره بالحجارة المنقوشة والقصه وجعل عمده من حجارة منقوشة وسقفه بالساج''یعنی مسجد نبوی شریف رسول اللہ ﷺ کے زمانہ اقدس میں کچی اینٹوں کی تھی اور اس کی چھت کھجور کی ٹہنیوں کی تھی جب کہ اس کے ستون کھجور کے درختوں کے تھے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسے اس کی ہیئت پر بعینہٖ باقی رکھا اور اس میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہ کی۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عہد نبوی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ کی بنیادوں پر نئے سرے سے کچی اینٹوں اور کھجور کی ٹہنیوں سے بنایا اور اس کے ستون بھی حسب سابق کھجور کے درختوں کے بنائے پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کا نقشہ ہی بدل دیا اور اس میں بہت اضافے فرمائے۔اس کی دیواریں رنگا رنگ ماربل کی بنوائیں انہیں چونا وغیرہ سے پلاسٹر کر کے مضبوط بنوایا اور اس کے ستون بھی پھول دار ماربل کے بنوائے اور اس کی چھت ساکھو کی لکڑی کی بنوائی اھ ـــــ

ایضاً: نیز اسی (کے اسی جلد وصفحہ وکتاب اور باب من بنیٰ مسجداً) میں عبیداللہ خولانی سے مروی ہے:

''انه سمع عثمٰن بن عفان رضی اللہ عنہ یقو ل عند قول الناس فیه حین بنٰی مسجد الرسول ﷺ انکم اکثرتم وانی سمعت رسول اللهﷺ یقول من بنی مسجداً قال بکیر انه قال یبتغی به وجه الله بنی الله له' مثله' فی الجنة''اھ

رویت ھذا کے الفاظ ''عند قول الناس فیه'' کے تحت بحوالہ صحیح مسلم، فتح الباری (جلد اصفحہ ۶۴۸ طبع دارالدیان القاہرہ) میں بطریق حضرت محمود بن لبید انصاری رضی اللہ عنہ مرقوم ہے: لما اراد عثمان بناء المسجد کرہ الناس ذلک واحبوا ان یدعوہ علیٰ ھیئته'' اھ۔

یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جب رسول اللہ ﷺ کی مسجد پاک کو نئے نقشہ پر بنانے کا ارادہ فرمایا تو (بعض دیگر) صحابہء کرام (وغیرہم) نے اس پر اعتراض کیا اور یہ خواہش ظاہر کی کہ اسے عہدِ نبوی والی صورت پر ہی باقی رکھیں تو آپ نے فرمایا تم لوگوں کی اعتراض بازی حد سے بڑھ گئی ہے جب کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا کہ جس نے اللہ کی رضا کے لیے کوئی مسجد بنائی تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں محل بنائے گا۔ اھ

ابن بطال پھر حافظ ابن حجر کا قول:-

منقولہ بالا روایت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے تحت حافظ ابن حجر عسقلانی نے ابن بطال وغیرہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ:

''ھذا یدل علیٰ ان السنة فی بنیان المسجد القصد و ترک الغلو فی تحسینه فقد کان عمر مع کثرة الفتوح فی ایامه وسعة المال عندہ لم یغیر المسجد عما کان علیه وانما احتاج الیٰ تجدیدہ لان جرید النخل کان قد نحر فی ایامه ثم کان عثمان والمال فی زمانة اکثر فحسنه بما لا یقتضی الزخرفة ومع ذلک فقد انکر بعض الصحابة علیه''

یعنی یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ تعمیر مسجد کے بارے میں مسنون طریقہ، میانہ روی کا اختیار کرنا اور اس کی آراستگی و پیراستگی میں مبالغہ کرنے سے بچنا ہے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ میں کثرت فتوحات اور مالی وسعت کے باوجود مسجد شریف کو اس کی سابقہ حالت سے نہ بدلا اور آپ نے صرف اس کی مرمت پر جس کی سخت ضرورت پڑ گئی تھی اکتفاء کیا کیونکہ ان کے عہد میں کھجور کی ٹہنیاں بوسیدہ ہوگئی تھیں۔ ان کے بعد حضرت عثمان آئے اور آپ کے زمانہ میں مال ودولت کی فراوانی ہوئی تو انہوں نے اسے زخرفہ (ممنوعہ) کی حد سے ہٹ کر آراستہ و پیراستہ کرایا اس کے باوجود بھی بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس پر اعتراض کیا اھ۔ (جلد اصفحہ ۶۴۴ طبع قاہرہ)۔

عبارت ہٰذا کی رو سے گکھڑوی جماعت کی ماڈرن طرز کی بیشتر مساجد بہرحال بدعت قرار پاتی ہیں کیونکہ شراح حدیث کو بھی وہ راہِ سنت میں بڑی اہمیت دیتے نظر آتے ہیں۔

ازالۂ وہم:

رہی فتح الباری (جلد اصفحہ ۶۴۴) میں یہ عبارت کہ "ورخص فی ذلک بعضھم وھو قول الی حنیفة اذا وقع علٰی سبیل التعظیم (الٰی) وقال ابن المنیر الخ؟ تو یہ گکھڑوی صاحب کو سراسر مضر ہے کیونکہ وہ داعیہ اور محرک کے ہونے کے باوجود ترک رسول ﷺ کو سراسر بدعت سیئہ قرار دے چکے ہیں۔ (راہِ سنّت صفحہ ۹۳، ۱۰۰ وغیرہ)۔ پس برتقدیر تسلیم امام اعظم کا یہ قول، بریلوی نظریہ کی تائید کرتا ہے کہ ترک علی الاطلاق کراہت یا عدم جواز کو مستلزم نہیں بلکہ اس سے نیز ابن المنیر کے قول سے قبہ جات مزارات اولیاء کرام رحمہم اللہ کے جواز پر بھی روشنی پڑتی ہے تو کیا یہ بھی انہیں گوارا ہے؟

حدیث ۹: احادیث صحیحہ کثیرہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق حضرت عمر الفاروق رضی اللہ عنہما کے زمانہائے مقدسہ سے جمعہ کی ایک ہی اذان ہوتی تھی جو وقت خطبہ دی جاتی ہے ملاحظہ ہو [صحیح بخاری جلد اصفحہ ۱۲۴، ۱۲۵ وغیرہ]۔

اَقُولُ:- داعیہ، محرّک اور سبب کے موجود ہونے کے باوجود جو کہ نماز جمعہ ہے آپ ﷺ اور شیخین کریمین رضی اللہ عنہما نے لوگوں کو جمع فرمانے کے لیے مزید اذان نہیں دلوائی لیکن حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں اسے باقاعدہ سے جاری فرمایا پس گکھڑوی صاحب کے حسبِ اصول حضرت ذوالنورین رضی اللہ عنہ نے معاذ اللہ ثم معاذ اللہ ثم العیاذ باللہ اسی بدعت کا ارتکاب کیا جس کی مذمت میں انہوں نے اپنی نام کی راہِ سنّت لکھ جو ظاہر ہے صحیح نہیں پس اس سے بھی گکھڑوی اصول کا قلع قمع ہو گیا اور یہ امر ایک بار پھر روزِ روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ ترک اگرچہ داعیہ اور محرّک وسبب کے باوجود بھی ہو ہرگز ہرگز کراہت وعدم جواز کو مستلزم نہیں۔

چنانچہ صحابی رسول حضرت سائب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "فلما کان عثمان وکثر الناس زاد النداء الثالث علی الزوراء"۔ [صحیح بخاری جلد اصفحہ ۱۲۴]

تھوڑا سا آگے ہے: "ان الذی زاد التاذین الثالث یوم الجمعة عثمان بن عفان حسین کثر اھل المدینة"۔ [جلد اصفحہ ۱۲۴]

نیز اسی میں ہے: "ان التاذین الثانی یوم الجمعة امر به عثمان حین کثر اھل المسجد

و کان التأذین یو مئذ حین یجلس الامام''۔ [جلد۱صفحہ۱۲۵]

نیز اس میں اسی صفحہ (۱۲۵) پر ہے:

''فلما کان فی خلافة عثمان و کثروا امر عثمان یوم الجمعة بالاذان الثالث فاذن به علی الزوراء فثبت الامر علیٰ ذٰلک''اھ۔یعنی پہلے جمعہ کی اذان صرف وہی تھی جو قبل خطبہ امام کی منبر پر موجودگی کے وقت دی جاتی ہے لوگ جب بڑھ گئے تو حضرت عثمان بن عفان ﷺ نے مزید اذان کا اضافہ فرمایا پھر بعد کے ادوار میں اس پر عمل جاری ہوگیا۔اھ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان نے یہ اذان دوسری نمازوں کی اذانوں پر قیاس کرتے ہوئے ازروئے اجتہاد جاری فرمائی تھی''وفیہ استنباط معنی من الاصل لایبطلہ''۔ [فتح الباری جلد۲صفحہ۴۵۸]

حدیث۱۰: حضرت ابن عمر اور اذان ثانی:۔

امام ابن حجر فرماتے ہیں:وروی ابن ابی شیبه من طریق ابن عمر قال الاذان الاول یوم الجمعة بدعة یعنی ابن ابی شیبہ کی روایت میں ہے حضرت ابن عمر نے حضرت عثمان کی جاری کردہ جمعہ کی پہلی اذان کو بدعت قرار دیا ملاحظہ ہو [فتح الباری جلد۲صفحہ۴۵۸طبع قاہرہ]

حافظ صاحب فرماتے ہیں:

فیحتمل ان یکون قال ذٰلک علیٰ سبیل الانکار ویحتمل انه یرید انه لم یکن فی زمن النبی ﷺ وکل مالم یکن فی زمنه یسمی بدعة لکن منها مایکون حسنا ومنها مایکون بخلاف ذٰلک''۔یعنی حضرت ابن عمر کے اس قول کا یہ معنیٰ بھی ہوسکتا ہے کہ انہوں نے اسے واقعی بدعت مذمومہ کہا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس معنیٰ میں بدعت کہا ہو کہ وہ آپ ﷺ کے زمانۂ اقدس میں نہ تھی جس سے اس کا مذموم ہونا ضروری نہیں کیونکہ بعض بدعتیں حَسَن اور بعض اس کے برعکس بھی ہوتی ہیں''۔اھ [فتح جلد۲صفحہ۴۵۸]

اَقُولُ:۔ یہ روایت اور حافظ صاحب کی عبارت گکھڑوی نظریہ اور گکھڑوی کلیۂ بدعت کے بوجوہ سراسر باطل ہونے کی زبردست دلیل ہیں جیسے کسی امر کے بدعت شرعیہ ہونے میں زمانہ کا حاکم نہ ہونا' عدم فعل کا عدم جواز یا کراہت کو مستلزم نہ ہونا اور بعض بدعات کا حسنہ ہونا وغیرہا نیز اس سے حدیث خیر القرون اور حدیث اتباع خلفاء راشدین کے محمل پر بھی روشنی پڑتی ہے جس پر مفصّل بحث مصباح سنّت جلد دوم میں گزر چکی ہے۔

اعلام :- بعض روایات سے مترشح ہوتا ہے کہ جمعہ کی اس پہلی اذان کے مروّج حضرت فاروق اعظم ہیں حافظ ابن حجر فرماتے ہیں ''وقد تواردت الروایات ان عثمٰن ھوالذی زادۃ فھوالمعتمد ''یعنی بعض روایات میں اگر چہ یہ بات حضرت عمر کے حوالہ سے مذکور ہے لیکن بکثرت روایات اس پر ہیں کہ اسے حضرت عثمان نے جاری فرمایا تھا پس یہی لائق اعتماد ہے۔ [فتح الباری جلد ۲ صفحہ ۴۵۸]

تنبیہ :- اس اذان کو بعض اعتبارات سے اذان اوّل، بعض اعتبار سے اذان ثانی اور بعض اعتبارات سے اذان ثالث بھی کہا جاتا ہے پس اس مضمون کی روایات میں کوئی تعارض یا تصادم نہیں فافہم وایضا لاحظ فتح الباری جلد ا صفحہ ۴۵۸]

حدیث ۱۱-۱۲:- یہ ایک حقیقتِ ثابتہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قرآن مجید کو یکجا کتابی شکل میں جمع نہیں فرمایا ہاں متفرق طور پر مختلف صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس مکمل طور پر لکھا ہوا موجود تھا جب کہ اس کا داعیہ محرک اور سبب بھی موجود تھا۔ پس اسے کتابی شکل میں جمع کرنا گھڑوی اصول کے مطابق بدعت مذمومہ اور ناجائز ہے مگر اس کے باوجود صحابۂ کرام نے اسے یکجا فرمایا اور سب کے سب اس پر متفق ہوگئے کہ اگر چہ یہ کام رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا مگر اس کے باوجود قسم بخدا! یہ ہے بہت اچھا کام۔ حضرت صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہما نے جب اس پر تبادلۂ خیال فرمایا تو یہ لفظ حضرت فاروق اعظم نے ارشاد فرمائے پھر حضرت زید نے حضرت صدیق اکبر سے گفتگو کی تو حضرت صدیق کے یہ لفظ ارشاد فرمائے چنانچہ صحیح بخاری میں ہے:

''قال ابو بکر قلت لعمر کیف افعل شیئا لم یفعله رسول ﷺ فقال عمر ھو واللہ خیر (الیٰ) قلت کیف تفعلان شیئا لم یفعله النبی ﷺ فقال ابوبکر ھو واللہ خیر'' وفی روایۃ کیف نفعلون شیئا لم یفعله رسول اللہ ﷺ قال ھو واللہ خیر ''۔ملاحظہ ہو [جلد ۲ صفحہ ۶۷۶ کتاب التفسیر باب قوله لقد جاء کم رسول من انفسکم الخ نیز جلد ۲ صفحہ ۷۴۵ کتاب فضائل القرآن باب جمع القرآن ۔ نیز جلد ۲ صفحہ ۱۰۶۷ کتاب الاحکام باب مایستحب للکاتب۔ اسی طرح صحیح مسلم جلد صفحہ کتاب وغیرہ میں بھی ہے۔ نیز ملاحظہ ہو مشکوٰۃ عربی صفحہ ۱۹۳]

بہر حال یہ حدیث اس امر کی واضح دلیل ہے کہ عدم فعل کے عدم جواز کو مستلزم نہ ہونے نیز اس پر کہ بہت سے کام ایسے بھی ہیں کہ جو رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیے لیکن بہت اچھے اور نیک کام، تمام صحابۂ کرام کا اجماع ہے نیز

اس پر بھی کہ کسی امر کے بدعت ہونے نہ ہونے میں کسی زمانہ کا کوئی تعلق نہیں بلکہ اس کے لیے شرعی اصولوں کو دیکھا جاتا ہے ورنہ صدیق اکبر حضرت عمر سے اور حضرت زید حضرت ابوبکر سے یہ بحث کرنے کی بجائے کہ آپ وہ کام کیونکر کریں گے جو رسول اللہ ﷺ نہیں کر گئے سیدھا کہہ دیتے ہم صحابہ کیا خلفاء راشدین ہیں اس لیے اس میں کچھ حرج نہیں ہے۔اس کی کچھ بحث مصباحِ سنّت جلد دوم میں بھی گزر چکی ہے۔

عہدِ صدیقی میں یہ جمع قرآن متفرق لغات عرب پر مشتمل تھا۔ پھر امیر المؤمنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور میں جب کچھ لوگوں کو اختلاف قرأت کی بناء پر اختلاف کرتے دیکھا گیا تو رسول اللہ ﷺ کے اسرار و رموز کے امین حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ذوالنون کی خدمت میں عرض کی: یا امیر المؤمنين ادرک هٰذه الامة قبل ان يختلفوا فی الكتاب اختلاف اليهود والنصارىٰ ''اے امیر المؤمنین اس امت کو سنبھالیے اس سے قبل کہ وہ اللہ کی کتاب میں یہود و نصاریٰ جیسے اختلاف کا شکار ہو جائے۔ پس حضرت امیر المؤمنین نے حضرت زید بن ثابت سمیت چار حضرات کی سربراہی میں پہلے جمع کردہ مصحف شریف کو سامنے رکھ کر نئے سرے لغت قریش پر اس کو علیحدہ صحیفہ میں لکھوایا اور اس کے مختلف نسخے اطراف واکناف میں ارسال فرمائے (جواب سارے عالم میں موجود ہے) ملخصاً ملاحظہ ہو [صحیح بخاری جلد۲ صفحہ ۷۴۶ کتاب فضائل القرآن باب جمع القرآن۔ نیز مشکوٰۃ صفحہ ۱۹۳]

یہ حدیث بھی اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایسا کام کیا جو رسول اللہ ﷺ تو کجا حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی نہیں کر گئے تھے جب کہ اس کا داعیہ اور محرک بھی ان سے پہلے کے ادوار میں موجود تھا۔ لہٰذا یہ بھی آفتاب نصف النہار کی طرح اس امر کی روشن دلیل ہے کہ ترک یا عدم فعل مطلقاً کراہت یا عدم جواز کو مستلزم ہو، یہ کلیہ بالکل غلط ہے۔ پس اس سے گکھڑوی کلیہ پاش پاش ہو گیا اور اس کی دھجیاں فضا میں بکھر گئیں اور اس کے پرخچے اڑ گئے اور تانا بانا ادھڑ کر ریزہ ریزہ ہو گیا ورنہ حضرت امیر المؤمنین ذوالنورین اور لغت قریش پر قرآن کو جمع کرنے والے نیز ان کی ہاں میں ہاں ملانے والے تمام صحابۂ کرام پر معاذ اللہ ارتکاب بدعت کا الزام آئے گا جس کا از حد غلط ہونا کچھ محتاجِ بیان نہیں۔

حدیث ۱۳: حضرت امیر المؤمنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بہ ہیئت کذائیہ نماز تراویح کو مروّج کر کے فرمایا: نعم البدعةُ هٰذه'' کیا خوب بدعت ہے یہ اھ۔ صحیح بخاری جلد ا صفحہ ۲۶۹ کتاب الصوم۔ یہ بھی مانحن فیہ کی عمدہ دلیل ہے ولا یخفی۔

حدیث۱۴: ابوداؤد (جلد۱صفحہ۷۷کتاب الصلوٰۃ) میں ہے حضرت بلال رضی اللہ عنہ فجر کی اذان دینے سے پہلے ہمیشہ یہ کلمات کہتے تھے اللھم انی احمدک واستعینک علیٰ قریش ان یقیموا دینک اھ یہ بھی پیش نظر موضوع سے گہرا تعلق رکھتی ہے۔

تتمّہ دلیل نمبر:۶

علاوہ ازیں حسب ذیل ملے جلے واقعات بھی مانحن فیہ کی دلیل ہیں۔ چنانچہ:

- چنانچہ حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ آپ پوری رات رکوع میں گزار دیتے۔
- نیز عامر بن عبداللہ جو کہ عبّاد میں سے تھے نے اپنے اوپر لازم کیا تھا کہ روزانہ ایک ہزار رکعت نفل پڑھیں (فرض علیٰ نفسہ فی کل یوم الف رکعۃ)۔
- امام شافعی ہر سال رمضان شریف میں نفل میں قران مجید کے ساٹھ ختم فرماتے تھے۔
- امام احمد بن حنبل روزانہ ایک سو پچاس رکعت نفل پڑھتے تھے۔
- سعد بن ابراہیم روزانہ روزہ رکھتے اور قرآن مجید کا ایک ختم کرتے تھے۔

(ھذا کلہ فی حلیۃ الاولیاء للامام ابی نعیم)

- جامع الترمذی (جلد۲صفحہ۷۷طبع دہلی) میں ہے کان عمیر بن ھانی یصلی کل یوم الف رکعۃ ویسبح مائۃ الف تسبیحۃ یعنی عمیر بن ہانی کا معمول تھا کہ وہ روزانہ ایک ہزار رکعت نفل اور ایک لاکھ بار تسبیح پڑھتے تھے۔
- حلبی کبیر (صفحہ۷۰۴طبع لاہور نیز فتاویٰ قاضی خاں اور طحطاوی علی المراقی وغیرہما) میں ہے:

عن ابی حنیفۃ انہ کان یختم فی شھر رمضان احدی وستین ختمۃ ثلثین فی اللیالی وثلثین فی الایام وواحدۃ فی التراویح وعنہ انہ صلی ثلثین سنۃ الفجر بوضوء العشاء...... والمشھور عنہ انہ صلاھا کذالک اربعین سنۃ اھ۔

"یعنی حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ آپ ماہ رمضان میں اکسٹھ ختم قرآن فرماتے تھے (یعنی جب کہ رمضان المبارک ۳۰ ایام کا ہوتا) تیس ختمات رمضان شریف کی راتوں اور تیس اس کے دنوں اور ایک تراویح میں اور ایک روایت میں ہے آپ کے متعلق یہ بھی ہے کہ آپ نے تیس سال اور مشہور روایت کے مطابق پورے چالیس سال مسلسل اسی طرح سے

گزارے کہ آپ نے فجر کی نماز عشاء کے وضو سے ادا فرمائی اھ ____

(هٰذا وامثال ذٰلک لا تحصیٰ ولا تعدّ والحمد للہ لا حد)

دلیل نمبر۷: مانحن فیه کی مزید دلیل یہ ہے کہ ائمّہ شان میں سے کسی نے بھی سنّت کی تعریف میں ''ترک'' کو شامل فرماتے ہوئے یوں نہیں کہا ''هی قوله وفعله وسکوته وترکه''۔

دلیل نمبر۸: نیز کسی امر کے حرام ہونے کی دلیل کے لیے ضروری ہے کہ:

۱ نہی کا صیغہ وارد ہو جیسے لاتقربوا الزنا

۲ حرام وغیرہ کہہ کر اس سے منع فرمایا گیا ہو جیسے حرمت علیکم المیتته اور

۳ یا اس کے کرنے کی مذمّت اور عذاب کی دھمکی ہو جیسے لیس منا من ضرب الخدود الخ جب کہ ترک ان تینوں میں سے نہیں پس وہ عدم جواز کو مستلزم نہ ہوا۔ وللہ الحمد

دلیل نمبر۹:-

کسی امر کو ناجائز یا مکروہ کہنا اس پر حکم لگانا ہے جب کہ حکم کے ذرائع چار ہیں۔ قرآن٬ حدیث٬ اجماع٬ اور قیاس۔ ترک ان میں سے کوئی نہیں پس یہ دلیل نہ ہوا۔

دلیل نمبر۱۰:-

ترک٬ تحریم کے علاوہ کا بھی محتمل ہوتا ہے بلکہ ترک کا محض بر بناء تحریم ہونا ثابت ہی نہیں اور قاعدہ ہے ''مادخله الاحتمال سقط به الاستدلال''۔ احتمال کے آنے سے استدلال باطل ہو جاتا ہے۔

دلیل نمبر۱۱:-

ترک اصل ہے کیونکہ وہ عدم فعل ہے جب کہ عدم اصل اور فعل امر طاری ہے اور اصل کسی حکم پر دلالت نہیں کرتی نہ لغۃً نہ شرعاً۔ پس ترک کا مستلزم کراہت یا حرمت ہونا صحیح نہ ہوا۔

دلیل نمبر۱۲:-

قاعدہ مسلّمہ ہے کہ عام اپنے عموم پر اور مطلق اپنے اطلاق پر رہے گا نیز عموم واطلاق نصوص سے استدلال کا درست وصحیح ہونا اصولی طور پر سب کے ہاں مسلّم ہے اور کم از کم یہ کہ تحقیقی امر یہی ہے جس کی ایک مثال یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے آیت کریمہ وما اتاکم الرسول فخذوه وما نهاکم عنه فانتهوا کے عموم سے استدلال فرماتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے فرامین کو فرامین قرآن قرار دیا ملخصاً ملاحظہ ہو

[صحیح بخاری جلد۲ صفحہ ۸۷۸٬۸۷۸ ۲۵ وغیرہ) مزید بہت کچھ آ رہا ہے۔

پس اگر ترک اور عدم فعل، عدم جواز کو مستلزم ہوں تو اصول فقہ کی عام و مطلق والی فصول میں عموم واطلاق کے لائق احتجاج ہونے کا پہلو بے کار محض ہو کر رہ جائے گا جو درست نہیں۔ یہ بھی گکھڑوی نظریّہ (مبحث فیہا) کے بطلان کی دلیل ہے۔ خود گکھڑوی صاحب نے بھی اپنی نئی کتاب الیضاح سنّت میں روایت ہٰذا کو استناداً نقل کیا ہے۔

دلیل نمبر۱۳:-

احکام علی التحقیق گیارہ ہیں۔ پانچ جانب ترک میں (حرام، مکروہ تحریمی، اساءت، مکروہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ)۔ پانچ جانب فعل میں (فرض، واجب، سنّت موکّدہ، سنّت غیر مؤکّدہ اور مستحب یا مندوب)۔ ان سب کے درمیان ''مباح'' ہے (کما حققہ الامام اعلیٰ حضرت فی فتاواہ) بالفاظ دیگر خصوصی دلیل سے حسب مرتبہ ان دسوں میں سے کوئی ہوگا اور خصوصی دلیل کی نہ ہونے کی صورت میں مباح ہوگا۔ اگر ترک کو یا عدم فعل کو مستلزم کراہت یا حرمت گردانا جائے تو یہ مباح بھی کسی مرض کی دوا نہ رہے گا اور بے کار محض ہو کر رہ جائے جو درست نہیں۔ یہ بھی مانحن فیہ کی دلیل ہے____

دلیل نمبر۱۴:-

ائمہ شان نے بدعت کی تعریف میں ''ترک'' کا اعتبار فرمانے کی بجائے صورۃً نئے امر کو قواعد شرعیہ پر پیش کرنے کی تصریح فرمائی۔ یہ بھی مسلک اہل سنت کی مؤیّد ہے۔ چنانچہ خود گکھڑوی صاحب نے اس سلسلہ کی فتح الباری شرح البخاری کی ایک عبارت کو نقل کر کے اس کا اردو ترجمہ کیا ہے کہ: تحقیق یہ ہے کہ اگر بدعت، شریعت کی کسی پسندیدہ دلیل کے تحت داخل ہے تو وہ بدعت حسنہ ہوگی اور اگر وہ شریعت کی کسی غیر پسندیدہ دلیل کے تحت داخل ہے تو وہ بدعت قبیحہ ہوگی ورنہ مباح ہوگی۔ ملاحظہ ہو [راہِ سنّت صفحہ ۹۹]

ع مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری۔

دلیل نمبر۱۵:-

ائمہ شان نے قولاً و فعلاً تصریحات بھی فرمائی ہیں کہ ترک یا عدم فعل، کراہت یا عدم جواز کو مستلزم نہیں۔ بعض مثالیں بطور نمونہ حسبِ ذیل ہیں:

المواہب اللدنیہ میں ہے:

''الفعل یدل علی الجواز وعدم الفعل لا یدل علی المنع ''یعنی کسی کام کا کر کے دکھانا تو اس کے جواز کی دلیل ہے لیکن نہ کرنا اور چھوڑ دینا ضروری نہیں کہ اس کے ناجائز ہونے کی بناء پر ہو [اقامۃ القیامۃ صفحہ ۴۱ مؤلفہ اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ)

نیز حضرت امام المحدثین شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: نہ کردن چیزے دیگر است ومنع فرمودن چیزے دیگر یعنی نہ کرنا اور چیز ہے اور منع کرنا چیزے دیگر ہے (اقامۃ القیامۃ صفحہ ۴۱ بحوالہ تحفہ اثناءعشریہ)۔

نیز درمختار میں ہے'' ومستحبة فی کل اوقات الامکان ''یعنی ہر ممکن وقت میں درود شریف پڑھنا مستحب ہے۔ [جلد ا صفحہ ۳۸۳ برہامش ردالمختار طبع کوئٹہ]

اس کے تحت علّامہ شامی نے فرمایا: '' ای حیث لا مانع ''یعنی درمختار کی اس عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ جہاں جہاں کوئی مانع شرعی نہ ہو وہاں وہاں درود شریف پڑھنے کی شرعی حیثیت یہ ہے کہ وہ مستحب ہے۔ (ردالمختار جلد ا صفحہ ۳۸۳ طبع کوئٹہ)۔

اسی طرح البحر الرائق جلد ا صفحہ ۳۲۸ طحطاوی علی المراقی صفحہ ۲۱۹ میں بھی ہے۔

نیز امام ابن الہمام رقم طراز ہیں: ''عدم النقل لا ینفی الوجود' 'یعنی منقول نہ ہونا سرے سے مفقود ہونے کو لازم نہیں۔ [فتح القدیر جلد ا صفحہ ۱۴]

علّامہ سید محمود آلوسی بغدادی حنفی ارقام فرماتے ہیں! عدم الذکر لا یدل علیٰ عدم الوجود ذکر نہ ہونا سرے سے نہ ہونے کی دلیل نہیں [تفسیر روح المعانی پ ۲۳ صفحہ ۱۳۵ طبع مصر]

علاوہ ازیں مستحب کی تعریف کی ہمارے فقہاء کرام رحمہم اللہ کی وہ جملہ عبارات جن میں یہ مصرح ہے کہ مستحب ہونے کے لیے کر کے دکھانا ضروری نہیں بلکہ ترغیب بھی کافی ہے۔ مانحن فیہ کی دلیل ہیں۔ چنانچہ محقق علی الاطلاق ابن ہمام کی تالیف منیف ''التحریر'' کے حوالہ سے ردالمختار میں ہے: ''ومالم یواظب علیه مندوب و مستحب وان لم یفعله بعد مارغب فیه ''یعنی جس امر پر آپ ﷺ نے مواظبت نہ فرمائی ہو وہ مندوب اور مستحب ہے۔ اسی طرح جو کام آپ نے بالکل نہ کیا البتہ اس کے کرنے کی ترغیب دی ہو تو وہ بھی مندوب و مستحب ہے [جلد ا صفحہ ۸۷]

اَقُولُ:۔ یعنی مستحب کی دو قسمیں ہیں: (۱) اکثر چھوڑا کبھی کیا اور ترغیب بھی دی ہو اور (۲) صرف ترغیب دی

ہوا گرچہ خود نہ کیا ہو۔ فافھم۔

نیز فقہاء کی وہ عبارات جو سنت کی تعریف کے متعلق ہیں جن میں ''ترک احیانا'' کا ذکر ہے بھی ہمارے اس موقف کی دلیل ہیں چنانچہ التحریر کے حوالہ سے علّامہ ابن عابدین رقم طراز ہیں ''ان ما واظب علیه مع ترک مابلا عذر سنة''یعنی جو کام آپ ﷺ نے اکثر کیا اور بلا عذر کبھی کبھی ترک بھی فرمایا ہو وہ سنت ہے [ردّالمحتار جلد ا صفحہ ۸۷]

نیز مسئلہ تثویب اور زبان سے نماز کی نیت اور دعا بعد نماز پنجگانہ نیز صلوٰۃ وسلام عندالاذان وغیرہا کے متعلق عبارات فقہاء بھی اس کی مؤیّد ہیں جو آئندہ سطور میں عنقریب (گکھڑوی دلائل کے جواب میں) آرہی ہیں۔ انشاءاللہ تعالیٰ۔

دلیل نمبر ۱۶ (تصریحات مسلّم اکابر و بزرگان گکھڑوی صاحب):-

اس عنوان کے حوالہ جات کی فہرست و تفصیل از حد طویل ہے جب کہ احصاء بھی مقصود نہیں صرف عنوان کو تشنۂ تکمیل ہونے سے بچاتے ہوئے قدر کفایت پر اکتفاء کرنا ہے اس لیے مالا یدرک کلہ لایترک کلہ کے پیشِ نظر اس کی کچھ مثالیں حسبِ ذیل ہیں:-

زبان سے نماز کی نیت ثابت نہیں مگر جائز بلکہ مستحسن بلکہ مستحب بلکہ سنت ہے

مولوی خلیل احمد انبیٹھوی دیوبندی سے:-

چنانچہ گکھڑوی صاحب کے پیش رو مولوی خلیل احمد انبیٹھوی دیوبندی نے لکھا ہے کہ:-

''اور نیت کا لفظ جو بدعت نہ ہوا تو اس کی دلیل جواز کی موجود ہے کہ حج میں تلفظ لسان' حدیث میں وارد ہے اور نیت قلبی کو کہ فرض ہے اس سے قوۃ بلکہ بعض وقت بدوں اس کے حاصل ہی نہیں ہوتی لہٰذا ملحق بالسنہ ہوگئی''۔ اھ بلفظہٖ ملاحظہ ہو [براہینِ قاطعہ صفحہ ۷۴ صفحہ ۴۸ طبع دارالاشاعت کراچی]

اَقُوْلُ:- عبارت ہٰذا میں انبیٹھوی صاحب نے کسی صریح معیاری دلیل کے قائم کیے بغیر زبان سے نماز کی نیت کو جائز ہی نہیں ملحق بالسنّہ بھی قرار دیا ہے۔ جو نام کی دلیل پیش کی ہے وہ خود گکھڑوی معیار اور دیو بندی اصول سے ہٹ کر ہے نہ وہ قرآن ہے نہ حدیث نہ اجماع۔ صرف قیاس پیش کیا ہے اور وہ بھی کسی امام مجتہد کا

نہیں بلکہ ان کا اپنا قیاس ہے جسے محققین فقہاء احناف قیاس مع الفارق قرار دے چکے ہیں (کما فی ردالمحتار وغیرہ من معتمدات الاسفار)۔ پھر نیت قلبی کو شرط کی بجائے ''فرض'' کہنے سے جو انبیٹھوی صاحب کی کمالِ فقاہت ٹپک رہی ہے وہ بھی روزِ روشن کی طرح عیاں ہے۔

مولوی اشرف علی تھانوی سے:-

گنگھڑوی صاحب کے حکیم الامّت تھانوی صاحب نے خواتین کو درس دیتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''اگر زبان سے نیت کہنا چاہے تو اتنا کہہ لینا کافی ہے نیت کرتی ہوں میں آج کے ظہر کے فرض کی اللہ اکبر۔ یا نیت کرتی ہوں ظہر کی سنتوں کی ''اللہ اکبر'' ملاحظہ ہو [بہشتی زیور صفحہ ۱۳۴ طبع کراچی]

موصوف نے مزید لکھا ہے:-

''سنت حقیقیہ و بدعت حقیقیہ جمع نہیں ہوسکتیں لیکن بدعت صوریہ سنت حقیقیہ کے ساتھ جمع ہوسکتی ہے۔ چنانچہ تلفظ بنیۃ الصلوۃ کو درست کہا گیا ہے بعض معانی کے اعتبار سے کہ وہ معنی ایک قسم ہے سنت حقیقیہ کی اور بدعت بھی کہا گیا ہے بعض معانی سنت کے مقابلہ کے اعتبار سے اسی لیے حلیہ کی عبارت میں اس کو بدعت مان کر حسن کہا گیا ہے''۔ اھ ملاحظہ ہو [بوادر النوادر صفحہ ۷۷۸ نیز تحفۃ العلماء جلد ۲ صفحہ ۱۴۵ بحوالہ بوادر مؤلّفہ مفتی محمد زید دیوبندی آف انڈیا]

مولوی عبدالشکور کاکوروی اور مفتی محمد شفیع دیوبندی سے:-

نیز گنگھڑوی صاحب کے ایک اور پیش رو مولوی عبدالشکور کاکوروی دیوبندی نے لکھا ہے:-

''زبان سے کچھ کہنا نیت ہی نہیں۔ نبی ﷺ اور صحابہ کا یہ دستور تھا ___ بعض افاضل نے اس کو بدعت حسنہ لکھا ہے ___ عربی زبان کو تخصیص نہیں جس زبان کو سمجھتا ہو اسی زبان میں نیت کے الفاظ کہے'' اھ بلفظہ ملخّصاً ملاحظہ ہو [علم الفقہ صفحہ ۲۰۹ طبع کراچی]

نوٹ:- گنگھڑوی صاحب کے ایک اور پیش رو اور ان کی بعض کتب کے مصدّق و مقرّظ مفتی محمد شفیع دیوبندی خلیفہ مجاز تھانوی صاحب نے محوّلہ بالا کتاب اور اس کے مؤلّف کی ان الفاظ میں توثیق کی ہے:-

''بہترین کتاب ہے اس کے مستند اور معتبر ہونے کے لیے تو خود حضرت مصنف کا اسم گرامی کافی ضمانت ہے''۔ [علم الفقہ صفحہ ۳]

مدرسہ دیوبند کے مفتی اوّل وغیرہ سے:-

گکھڑوی صاحب کی تعلیم گاہ مدرسہ دیوبند (انڈیا) کے پہلے مفتی، مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی دیوبندی سے پوچھا گیا کہ:

''آیا تلفظ بہ نیت نماز بدعت است''؟ (یعنی کیا نماز کی نیت زبان سے کرنا بدعت ہے؟)

تو اس کے جواب میں انہوں نے لکھا:-

''تلفظ بہ نیت نماز بدعت نیست'' (یعنی زبان سے نماز کی نیت کرنا بدعت نہیں)۔

مزید اس کے بارے میں لکھا ہے کہ:-

''مستحب ہے۔ فقہاء کرام نے مستحب لکھا ہے''۔

اس کے حواشی میں درمختار اور ردالمحتار کے حوالہ سے مفتی ظہیر دیوبندی نے لکھا ہے:-

''مستحب هو المختار وقيل سنة يعنى احبه السلف اوسنة العلماء اذلم ينقل عن المصطفىٰ ولا الصحابة ولا التابعين بل قيل بدعة نقله فى الفتح وقال فى الحلية ولعل الاشبه انه بدعة حسنة. فلا جرم انه ذهب فى المبسوط والبداية والكافى الىٰ انه ان فعليه ليجمع عزيمة قلبه فحسن''۔اھ

یعنی زبان سے نماز کی نیت کرنے کے بارے میں مختار یہ ہے کہ مستحب ہے اور ایک قول یہ ہے کہ سنّت ہے اور اس کا بھی معنیٰ یہ ہے کہ سلف نے اسے پسند فرمایا ہے یا یہ کہ وہ علماء اسلام کی سنّت ہے کیونکہ زبان سے نیت کرنا نہ تو مصطفیٰ ﷺ سے منقول ہے اور نہ صحابہ کرام سے ثابت ہے نہ تابعین عظام سے۔ بناء بریں بعض نے اسے بدعت قرار دیا ہے جیسا کہ فتح القدیر میں نقل کیا ہے جب کہ حلیہ میں ہے کہ شبہ یہ ہے کہ بدعت حسنہ ہے (سیّئہ نہیں) بہرحال المبسوط، البدایہ اور الکافی میں یہ اختیار فرمایا گیا ہے کہ اگر دل کو حاضر کرنے کی غرض سے زبان سے نیّت کے الفاظ کہے تو بہت خوب ہے۔ اھ ملاحظہ ہو [فتاوٰی دیوبند جلد۲ صفحہ ۱۴۷ مع حاشیہ نمبر۲ صفحہ ۱۴۸ مع حاشیہ نمبر۳ سوال نمبر ۲۳۶، ۲۳۹، ۲۴۰ طبع مکتبہ امدادیہ ملتان]

مروّجہ دعا بعد از نماز پنجگانہ ثابت نہیں مگر ہے درست اور مستحسن بلکہ مستحب

شیخ محقق پھر بھوپالی اور مفتی کفایۃ اللہ سے:-

گکھڑوی صاحب کے حکیم الامت تھانوی کے معتمد خاص نواب صدیق خاں بھوپالی نیز ان کے پیش رو مفتی کفایت اللہ دہلوی دیوبندی نے حضرت شاہ عبدالحق محقق دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب شرح سفر السعادۃ وغیرہ کے حوالہ سے استناداً لکھا ہے:-

''ایں دعا کہ ائمہ مساجد بعد از سلام مے کنند و مقتدیاں آمین آمین مے گویند چنانچہ الآن در دیارِ عرب و عجم متعارف است از عادت پیغمبر ﷺ نبود دریں باب ہیچ حدیثے ثابت نشدہ و بدعتے است مستحسن''یعنی یہ دعا جو ائمّہ مساجد نماز کا سلام پھیرنے کے بعد کرتے اور مقتدی آمین آمین کرتے رہتے ہیں جیسا کہ دورِ حاضر میں عرب و عجم کا معمول ہے' رسول اللہ ﷺ کا معمول نہ تھی اور اس کے بارے میں کوئی ثابت شدہ حدیث وارد ہوئی ہے اس کے باوجود یہ ایک اچھی بدعت ہے (ناجائز نہیں) اھ [مسک الختام جلد اللبوفالی صفحہ ۴۸۳ طبع سانگلہ ہل۔ النفائس المرغوبہ لکفایۃ اللہ صفحہ ۱۸'۲۰]

صدر مدرسہ دیوبند مولوی انور شاہ کشمیری صاحب سے:-

نیز گکھڑوی صاحب کے ایک اور پیشوا مولوی انور شاہ کشمیری صاحب صدر مدرسہ دیوبند کا کہنا ہے کہ:-

''واعلم ان الادعیة بهذا الهيئة الكذائيه لم تثبت عن النبی ﷺ ولم يثبت عنه رفع الايدی دابر الصلوات فی الدعوات الا اقل قليل ومع ذلک وردت ترغيبات قولية والامر فی مثله ان لا يحكم عليه بالبدعة فهذا الا دعية فی زماننا ليست بسنة بمعنى ثبوتها عن النبی ﷺ و ليست ببدعة بمعنى عدم اصلها فی الدين''یعنی یقین مانیے کہ یہ دعائیں جو بہ ہیئت کذائیہ ہمارے دور میں کی جاتی ہیں وہ نبی ﷺ سے ثابت نہیں ہیں اور نہ ہی نماز کے بعد کی جانے والی ان دعاؤں میں ہاتھ اٹھانے ثابت ہیں مگر اقل قلیل البتہ قولی روایات میں ان کی ترغیبیں آئی ہیں جب کہ اس جیسے امور میں حکم یہ ہے کہ انہیں بدعت نہ کہا جائے پس

ہمارے زمانے کی یہ دعائیں نہ تو اس میں سنّت ہیں کہ وہ نبی سے ﷺ ثابت ہوں اور نہ وہ اس معنیٰ میں بدعت ہیں کہ ان کی کوئی اصل شرعی نہ ہو۔اھ ملاحظہ ہو [فیض الباری جلد۲ صفحہ ۱۶۷ طبع ڈابھیل]

اَقُوْلُ:- مقتداء گکھڑوی، کشمیری صاحب کی یہ عبارت اپنے اس مفہوم میں واضح ہے کہ ترک اور عدم فعل عدم جواز کو مستلزم نہیں نیز کسی امر کی اصل کے ثابت ہونے کے بعد اس کی جدید ہیئت کذائیہ کی بناء پر اس پر بدعت ہونے کا فتویٰ لگا دینا بھی صحیح نہیں نیز یہ کہ سنت نہ ہونا بھی عدم جواز کو مستلزم نہیں۔ نیز یہ کہ عموم واطلاق نصوص سے ثبوت بھی جواز واستحباب کے لیے کافی ہوتا ہے جس سے بیشتر معمولات اہل سنّت (جیسے صلوٰۃ وسلام عندالاذان اور دعا بعد نماز جنازہ وغیرہما جن کا جواز واستحباب عموم واطلاق آیات واحادیث سے ثابت ہے) کے درست اور جائز ہونے اور ان کی بدعت سیّہ نہ ہونے کو مان لیا گیا ہے۔ نیز یہ بھی تسلیم کرلیا گیا ہے کہ کسی امر کے جواز واستحباب کے لیے دلیل خاص کا ہونا بھی ضروری نہیں بلکہ اس کے لیے شارع کا ہلکا سا اشارہ بھی کافی ہوتا ہے (ﷺ) والحمد للہ علیٰ ذٰلک ____ مزید سنیئے:

مفتی کفایت اللہ دہلوی دیوبندی سے:-

گکھڑوی صاحب کے مقتداء اور مفتی اعظم مولوی کفایت اللہ دہلوی صاحب نے شیخ محقق رحمہ اللہ تعالیٰ کی ابھی کچھ پہلے نقل کردہ عبارت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''دوم یہ کہ شیخ کی مراد یہ ہو کہ ہاتھ اٹھانا اور آمین آمین کہا ثابت نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ احادیث میں اس کا ذکر نہ ہونا کہ اس دعا میں آپؐ ہاتھ اٹھاتے تھے اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے، کسی شے کا ذکر نہ ہونے سے اس کا عدم لازم نہیں فان عدم الثبوت لایستلزم ثبوت العدم وھٰذا ظاھر جدّاً جیسا کہ روایات سے یہ ثابت نہیں ہوا کہ ہاتھ اٹھاتے تھے اسی طرح یہ بھی کسی روایت میں نہیں کہ ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے اور جب کہ اس کا لحاظ کیا جائے کہ ہاتھ اٹھانا مطلق دعا کے آداب میں سے ہے تو ہاتھ اٹھانے کی ترجیح ثابت ہوتی ہے''۔اھ ملاحظہ ہو [النفائس المرغوبہ فی الدعاء بعد الصلوٰۃ المکتوبہ صفحہ ۱۹ طبع حضرو]

نیز اسی کے صفحہ ۲۰ پر کچھ عمومی اور اطلاقی روایات کے پیش کرنے کے بعد لکھا ہے:-

''یہ روایات اس بات پر دلیل واضح ہیں بالخصوص پہلی روایت کہ آنحضور ﷺ دعا مانگنے کے وقت

ہاتھ اٹھاتے تھے اور یہ اپنے عموم کی وجہ سے فرضوں کے بعد کی دعاء کو بھی شامل ہے اور یہی راجح ہے۔ مولانا عبدالحی لکھنوی سعایہ میں بعد اس بیان کے کہ اس دعاء میں ہاتھ اٹھانا صراحۃً ثابت نہیں، تحریر فرماتے ہیں:-

''الا انه لماندب اليه فی مطلق الدعاء استحبه العلماء فی خصوص هذاالدعاء ایضاً ''،یعنی چونکہ مطلق دعاء میں ہاتھ اٹھانے کو فرمایا گیا ہے تو علماء نے اس دعاء (یعنی فرضوں کے بعد کی دعا) میں ہاتھ اٹھانے کو مستحب کہا ہے''۔اھ بلفظہٖ۔

نیز اسی میں صفحہ ۴۰ پر لکھا ہے: نوافل کے بعد دعاء کرنا حضور ﷺ وصحابہ وتابعین سے منقول نہیں ومن ادّعی فعليه البيان لہٰذا یہ مباح ہے، مسنون نہیں اھ بلفظہٖ۔

اَقُولُ:- گکھڑوی صاحب کے مفتیٔ اعظم کی یہ عبارت موصوف کے راہِ سنّت کے پورے منصوبے کو خاک میں ملا دینے کے لیے کافی ہے کیونکہ ''ذکر نہ ہونے سے عدم لازم نہیں''۔''عدم الثبوت لا یستلزم ثبوت العدم'' ''ہاتھ اٹھانے کا ذکر نہیں تو نہ اٹھانے کا بھی ذکر نہیں''۔ نیز مطلق ثبوت کے بعد خاص بھی ثابت اور عموم سے خاص دعا پر استدلال نیز عموم اور اطلاق نصوص سے ثبوت استحباب اور نوافل کے بعد دعاء منقول نہ ہونے کے باوجود اس کا ناجائز یا مکروہ ہونے کی بجائے مباح ہونا، یہ سب امور راہِ سنّت کے سراسر منافی اور اس کے لیے قلع قمع ہیں ورنہ بتایا جائے کہ دعاء کے بعد نماز پنجگانہ جب محض عموم واطلاق نصوص کی وجہ سے جائز ہے تو مثلاً دعا بعد نماز جنازہ اور صلوٰۃ وسلام عندالاذان اسی بناء پر کیوں جائز نہیں؟

دعا بعد نماز عیدین بھی منقول نہیں مگر ہے جائز، مستحب بلکہ مسنون

تھانوی صاحب سے:-

گکھڑوی صاحب کے حکیم الامۃ مولوی اشرف علی تھانوی صاحب لکھتے ہیں:-

''بعد نماز عیدین کے (یا بعد خطبہ کے) دعا مانگنا گو نبی ﷺ اور ان کے صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین رضی اللہ عنہم سے منقول نہیں مگر چونکہ ہر نماز کے بعد دعا مانگنا مسنون ہے اس لیے بعد نماز عیدین بھی دعا مانگنا مسنون ہوگا''۔اھ ملاحظہ ہو [بہشتی زیور صفحہ ۹۳/۷ مسئلہ نمبر ۴ طبع کراچی]

مفتی محمد شفیع دیوبندی صاحب سے:-

گکھڑوی صاحب کے پیش رَو مفتی محمد شفیع دیوبندی صاحب نے اس بارے میں لکھا ہے کہ:-

''احادیث قولیہ میں نبی کریم ﷺ سے باسانید صحیحہ ہرنماز کے بعد جس میں نماز عید بھی داخل ہے، دعا مانگنے کی فضیلت منقول ہے اگرچہ احادیث فعلیہ میں عمل کی تصریح نہیں مگر نفی بھی منقول نہیں اس لیے حدیث قولیہ پر عمل کرنا اور ہرنماز کے بعد اور عیدین کے بعد دعا مانگنا جائز و مستحب ہوگا''۔ اھ بلفظہٖ ملاحظہ ہو [فتاویٰ دیوبند (امداد المفتین) جلد۲ صفحہ ۴۰۸ طبع دارالاشاعت کراچی]

مفتی رشید احمد لدھیانوی دیوبندی سے:-

نیز گکھڑوی صاحب کے ایک اور ہم عقیدہ بزرگ مولوی مفتی رشید احمد لدھیانوی دیوبندی نے لکھا ہے کہ:-

''نماز عید یا خطبہ کے بعد دعا مانگنا بالخصوص تو منقول نہیں ___ مگر چونکہ نصوص عامہ سے فضیلت دعا بعد الصلوٰۃ ثابت ہے۔ احادیث کثیرہ کے علاوہ فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ سے بھی اس پر استدلال کیا جاتا ہے لہٰذا عیدین کے بعد بھی دعا جائز ہے البتہ خطبۂ عیدین کے بعد دعا کرنا جائز نہیں کیونکہ اس میں تغییر سنّت ہے ھٰکذا افاد حکیم الامۃ'' اھ بلفظہٖ ملاحظہ ہو۔ [احسن الفتاویٰ صفحہ۳۰۳ طبع کراچی]

اَقُوْلُ:- ان عبارات کا ایک ایک لفظ اپنے اپنے مفہوم میں ایسا واضح ہے کہ محتاج تبصرہ نہیں جو راہِ سنّت کے گکھڑوی نظریّہ کی سراسر نفی ہیں البتہ لدھیانوی صاحب کا بعد خطبہ عیدین دعا کو ناجائز کہنا تعجب خیز اور حیرت انگیز ہے کہ جب بنیاد استدلال ہی عموم و اطلاق نصوص ہے تو یہ دعا اس سے خارج کیونکر ہوگی پھر اس پر دلیل قائم کرنے کی بجائے اپنے جیسے مولوی تھانوی صاحب کو پیش کر دینا مضحکہ خیز بھی ہے کہ نہ ماننے پہ آئیں تو آیات و احادیث کو بھی رد کر دیں اور ماننے پر آئیں تو اپنے ہی مولویوں کو آیت و حدیث کا درجہ دے دیں پھر یہ مفتی کفایت اللہ صاحب کے فتویٰ سے متصادم بھی ہے جس میں انہوں نے دعا بعد خطبہ کو مباح لکھا ہے جو ابھی گزر چکا ہے۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

مفتیٔ اوّل مدرسہ دیو بند سے:-

گکھڑوی صاحب کی تربیّت گاہ مدرسہ دیو بند کے پہلے مفتی مولوی عزیز الرحمٰن عثمانی دیو بندی کی بھی اس سلسلہ میں سن لیجیے: موصوف کے فتاویٰ میں ہے کہ کسی نے ان سے پوچھا:

''آنحضرت ﷺ بعد نماز عیدین دعا مانگتے تھے یا نہیں''؟

تو اس کے جواب میں انہوں نے لکھا:

''الجواب۔ عام طور سے نماز کے بعد دعا مانگنا وارد ہوا ہے لہٰذا عیدین کی نماز کے بعد بھی دعا مانگنا مسنون و مستحب ہے فقط''۔ ملاحظہ ہو [فتاویٰ دار العلوم دیو بند جلد ۵ صفحہ ۱۸۸ سؤال نمبر ۲۶۰۵ طبع مکتبہ امدادیہ ملتان]

نیز ایک دیو بندی سائل نے موصوف کو ایک دیو بندی رسالہ کے حوالہ سے لکھا کہ اس میں لکھا ہے کہ اتباع رسول ﷺ نماز عیدین کے بعد دعا کرنے میں ہے اس کے ترک میں نہیں اور خطبہ کے بعد اتباع سنّت دعاء نہ کرنے میں ہے مجموعہ فتاویٰ مولوی عبدالحی میں ہے کہ روایات حدیث سے اسی قدر معلوم ہوتا ہے کہ آں حضرت ﷺ نماز عید سے فراغت کر کے خطبہ پڑھتے تھے اور بعد میں اس کے معاودت فرماتے تھے۔ دعا مانگنا بعد نماز یا خطبہ کے آپ سے ثابت نہیں ہے۔ ایسے ہی صحابہ کرام و تابعین عظام سے ثبوت اس کا نظر سے نہیں گزرا۔ بہشتی گوہر میں ہے بعد نماز عیدین یا بعد خطبہ دعا مانگنا نبی ﷺ سے اور ان کے صحابہؓ و تابعین سے منقول ہیں اور اگر ان حضرات نے کبھی دعا مانگی ہوتی تو ضرور نقل کی جاتی۔ لہٰذا بالغرض اتباع دعا نہ مانگنا دعاء مانگنے سے بہتر ہے۔ ایسی حالت میں ہم لوگوں کے لیے واجب العمل کیا ہے؟ (ملخّصاً بلفظہٖ)

مفتی عزیز الرحمٰن صاحب موصوف نے اس کا جو جواب لکھا وہ حسبِ ذیل ہے:-

''الجواب۔ ہمارے حضرات اکابر مثل حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرّہ اور حضرت مولانا قاسم نانوتوی اور دیگر حضرات اساتذہ مثل حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب صدر مدرس مدرسہ ہٰذا (دار العلوم دیو بند) وغیرہم کا یہی معمول رہا ہے کہ بعد عیدین کے بھی مثل تمام نمازوں کے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے تھے۔ اور احادیث سے بھی مطلقاً نمازوں کے بعد دعا مانگنا ثابت ہے اس میں عیدین کی نماز بھی داخل ہے۔ لہٰذا راجح ہمارے نزدیک یہی ہے کہ دعا بعد نماز عیدین بھی مستحب ہے۔ اور مولانا عبدالحی صاحب کا فتویٰ بندہ نے بھی دیکھا تھا۔ محض اس وجہ

سے کہ عیدین کی نماز کے بعد دعا کا ذکر نہیں ہے دعا کا نہ ہونا معلوم نہیں ہوتا اور دیگر احادیث سے سب نمازوں کے بعد دعاء ہونا ثابت ہے پس اس کو بھی اس پر محمول کیا جاوے گا کیونکہ جب کلیۃً استحباب دعاء کا بعد صلوات ثابت ہو گیا تو اب یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر ہر نماز کے بعد تصریح وارد ہو کما ہو ظاہر۔ اور بہشتی گوہر میں بھی غالباً مولانا عبدالحی صاحب کے فتویٰ کے اتباع سے ایسا لکھا گیا ہے، بندہ کے نزدیک وہ مسلّم نہیں ہے فقط"۔ ملاحظہ ہو [فتاویٰ دیوبند جلد ۵ صفحہ ۸۹، ۹۰، ۹۱۔ سؤال نمبر ۲۶۰۷ طبع ملتان]

نیز اسی میں صفحہ ۲۰۲ پر "سؤال نمبر ۲۶۳۴ دعا بعد صلوٰۃ عیدین را بعض مکروہ گویند و بعض بدعت و بعض گویند کہ مستحب است" کے جواب میں لکھا ہے":-

"الجواب۔ دعاء بعد الصلوات مسنون و مستحب است و در احادیث وارد شدہ است کما نقلھا فی الحصن الحصین وغیرہ۔ پس در صلوات، صلوٰۃ عیدین ہم داخل و شامل است، بدعت گفتن آنرا صحیح نیست و اکابر امت دیوبندیہ مثل حضرت مولانا رشید احمد محدّث فقیہ گنگوہی راو جمیع اکابر و اساتذہ مابعد نماز عیدین مثل صلوات مکتوبات دعاء مے فرمودند پس ہر کہ آنرا بدعت گفتہ صحیح نیست فقط" اھ____

نیز اسی میں صفحہ نمبر ۲۱۸ پر حسبِ ذیل سؤال جواب مرقوم ہیں:-

"سؤال (۲۶۷۳) بعد نماز عیدین یا بعد خطبہ کے نبی کریم ﷺ کا دعاء مانگنا ثابت ہے یا نہیں عن ام عطیة ن رسول الله ﷺ کان یخرج الابکار والعواتق الخ فی العیدین الحدیث ۔زید کہتا ہے کہ اس حدیث سے بعد نماز عیدین و خطبہ کے دعا مانگنا ثابت ہے، یہ صحیح ہے یا نہ"؟

الجواب۔ اس حدیث سے بعد خطبہ وغیرہ کے دعاء مانگنا ثابت نہیں ہے کیونکہ مراد دعوۃ المسلمین سے اجتماع المسلمین ہے اور خطبہ وغیرہ ہے البتہ بعد نماز عیدین دعاء مانگنا ان احادیث کے عموم سے ثابت ہے جن میں بعد الصلوٰۃ دعاء مانگنا مستحب معلوم ہوتا ہے اور نماز عیدین کے اس سے مستثنیٰ ہونے کی وجہ نہیں ہے اور وہ احادیث حصن حصین وغیرہ کتب احادیث میں مذکور ہیں البتہ خطبہ کے بعد دعاء مانگنا وارد نہیں ہوا نہ خصوصاً نہ عموماً اھ____

نیز اسی میں صفحہ ۲۲۵ پر اس قسم کے ایک سؤال (جو نمبر ۲۶۸۹ ہے) کے جواب میں لکھا ہے کہ:-

''الجواب۔ عیدین کی نماز کے بعد مثل دیگر نمازوں کے دعاء مانگنا مستحب ہے خطبہ کے بعد دعاء مانگنے کا استحباب کسی روایت سے ثابت نہیں ہے اور عیدین کی نماز کے بعد دعاء کرنا استحباب ان ہی حدیثوں وروایات سے معلوم ہوتا ہے جن میں عموماً نمازوں کے بعد دعاء مانگنا وارد ہوا ہے اور دعاء بعد الصلوٰۃ مقبول ہوتی ہے۔ حصن حصین میں وہ احادیث مذکور ہیں اور ہمارے حضرات اکابر کا یہ ہی معمول رہا ہے۔ بندہ کے نزدیک جو علماء عیدین کی نماز کے بعد دعاء مانگنے کو بدعت یا غیر ثابت فرماتے ہیں وہ صحیح نہیں ہے کیونکہ عموماً نمازوں کے بعد دعا کا استحباب ثابت ہے پھر عیدین کی نمازوں کا استثناء کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے وہ احادیث معروف ومشہور مشکوٰۃ شریف و حصن حصین میں مذکور ہیں ان کی نقل کر ضرورت نہیں ہے فقط'' اھ

نیز اسی میں صفحہ ۲۳۱ پر حسب ذیل سؤال وجواب لکھتے ہیں:-

''سؤال (۲۷۰۳) بعد نماز عیدین دعا مانگنا کیسا ہے؟ اور بعد خطبہ کے دعاء مانگنا جائز ہے یا نہیں؟

''الجواب۔ عیدین کی نماز کے بعد دعاء مانگنا تو مثل نمازوں کے مسنون ومستحب ہے مگر خطبہ کے بعد دعاء مانگنا ثابت اور جائز نہیں ہے فقط'' اھ

اَقُوْلُ:- ان عبارات کا بھی ایک ایک لفظ گکھڑوی صاحب کے اس مؤقف کا قلع قمع کر رہا ہے کہ ترک یا عدم فعل، کراہت اور عدم جواز کو مستلزم ہیں وغیرہ۔ باقی تبصرہ وہی ہے جو مفتی کفایۃ اللہ دہلوی اور مفتی رشید احمد لدھیانوی دیوبندی کی عبارات کے حوالہ سے ابھی گزرا ہے اسے اس کے ساتھ ملا لیں

درود شریف میں سیّدنا کے الفاظ ثابت نہیں مگر ملانے چاہئیں

گنگوہی صاحب سے:-

پیش رَو گکھڑوی مصدّق ومقرّظ المہند مولوی عاشق الٰہی میرٹھی دیوبندی اپنے پیشوا مولوی رشید احمد گنگوہی صاحب کے بارے میں لکھا ہے کہ ان سے:-

''ایک مرتبہ مولانا ولایت حسین صاحب نے دریافت کیا کہ حضرت نماز میں درود شریف کے اندر لفظ سیدنا ملانا چاہیے یا نہیں؟ حضرت نے فرمایا ہاں! مولوی صاحب نے عرض کیا کہ کسی روایت میں لفظ سیّدنا پایا نہیں گیا؟ حضرت امام ربانی نے فرمایا اگرچہ جناب رسول اللہ ﷺ نے

لفظ سیّدنا نفرمایا ہو مگرت ہمیں یہی لائق ہے کہ ملائیں"۔اھ بلفظہٖ ملاحظہ ہو [تذکرۃ الرشید جلد ۲ صفحہ ۲۹۱ طبع لاہور]____

انبیٹھوی صاحب سے:-

مولوی خلیل انبیٹھوی صاحب (واضع المہنّد مقتداء گکھڑوی صاحب) سے پوچھا گیا کہ:-

"خارج صلٰوۃ یا داخل صلٰوۃ درود شریف میں لفظ سیدنا کا اضافہ کیسا ہے"؟

اس کے جواب میں انہوں نے لکھا:-

"علامہ شامی نے لفظ سیّدنا کا اضافہ صلٰوۃ میں اولیٰ لکھا ہے تو غیر صلٰوۃ میں بھی بالاولیٰ اولیٰ ہوگا اور کتابت میں بھی لکھنا اولیٰ ہے"۔اھ بلفظہٖ ملاحظہ ہو [فتاویٰ خلیلیہ جلد ا صفحہ ۹۷، ۹۸ طبع کراچی]____

مفتیٔ اوّل مدرسہ دیوبند سے:-

گکھڑوی صاحب کی تعلیم و تربیت گاہ مدرسہ دیوبند کے پہلے مفتی مولوی عزیز الرحمٰن عثمانی دیوبندی سے اس بارے میں پوچھا گیا جو کچھ انہوں نے اس کے جواب میں لکھا اس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔ سائل نے ان سے دریافت کیا کہ "جو درود شریف بعد تشہد نماز میں پڑھا جاتا ہے اور بدوں لفظ سیّدنا مروی ہے، آیا بلا سیّدنا پڑھنا چاہیے یا اضافہ لفظ سیّدنا کیا جاوے"؟

موصوف نے جواباً لکھا ہے:-

"اضافہ لفظ سیّدنا میں کچھ مضائقہ نہیں ہے لیکن تشہد نماز میں جیسا کہ وارد ہوا ہے اسے بلا لفظ سیّدنا ویسا ہی بہتر ہے"۔اھ بلفظہٖ ملاحظہ ہو [فتاویٰ دیوبند جلد ۲ صفحہ ۱۶۸، ۱۶۹ سوال نمبر ۲۹۲ طبع امدادیہ ملتان]

تھانوی نیز مؤلّف تبلیغی نصاب سے:-

نیز امام گکھڑوی مؤلف تبلیغی نصاب مولوی زکریا دیوبندی سہارنپوری صاحب نے بحوالہ درمختار لکھا ہے کہ:

"نبی کریم ﷺ کے نام نامی کے ساتھ شروع میں سیّدنا کا لفظ بڑھا دینا مستحب ہے"۔

نیز لکھا ہے:-

''آپ ؐ کے نام مبارک سے پہلے لفظ سیّدنا بڑھادینا مستحب اور افضل ہے''۔ (بحوالہ رسالہ زاد السعید تھانوی) ملاحظہ ہو [فضائل درود شریف صفحہ ۸۹ طبع ادارہ اشاعت دینیات انارکلی لاہور]

اَقُوْلُ:- غور فرمائیں سیدنا کے الفاظ کو کسی روایت میں نہ آنے کے باوجود اور کسی خصوصی روایت کے بغیر نہ صرف نماز سے باہر بلکہ خود نماز کے اندر شامل کر دینا بھی گکھڑوی اکابر کے نزدیک جائز اور افضل واولیٰ بلکہ مستحب بھی ہے۔ پس کہاں گیا یہ گکھڑوی فارمولا کہ ترک وعدم فعل نیز غیر منقول ہونا کراہت وعدم جواز نیز بدعت سیّئہ ہونے کی دلیل ہیں؟ اس سے گکھڑوی واکابر گکھڑوی تصادم صاف واضح ہے۔ نیز مفتی عزیز الرحمٰن کا فتویٰ نماز میں بلا لفظ سیدنا ویسا ہی بہتر ہے'' جو ان کے اکابر گنگوہی صاحب وغیرہ (جنہیں انہوں نے دعاء بعد نماز عیدین میں اصول موضوعہ اور حجت شرعیہ بنا کر پیش کیا ہے) سے صریحاً ٹکر کھا رہا ہے، بھی روزِ روشن کی طرح واضح ہے نیز بلا دلیل اپنے فتوے لوگوں پر ٹھونسنے کا ان کا عمل بھی صاف ظاہر ہے اور درود شریف کو تشہد نماز کہہ کر انہوں نے جو اپنی علمیت وفقاہت کا مظاہرہ کیا ہے وہ بھی کچھ محتاج بیان نہیں۔

اشغال صوفیاء بہ ہیئتِ کذائیہ ثابت نہ ہونے کے باوجود بدعت نہیں:-

گکھڑوی صاحب کے شیخ الاسلام مولوی حسین احمد اجودھیاباشی وغیرہ کے حسب تصریح (وسیّاتی) ان کے بانیان مذہب مولوی رشید احمد گنگوہی اور مولوی قاسم نانوتوی بانی مدرسہ دیوبند نے حضرت حاجی امداداللہ صاحب مہاجر مکی (جو صحیح العقیدہ خالص سنّی بزرگ تھے) کے ہاتھ پر چاروں سلسلوں (قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ، سہروردیہ) میں بیعت کی تھی جس کا مطلب یہ ہوا کہ انہوں نے جملہ اشغال وطرق اذکار صوفیاء کرام کو نہ صرف درست سمجھنے کا عہد کیا بلکہ خود کو ان کا پابند بھی کر لیا جب کہ وہ بہ ہیئت کذائیہ اور اپنی قیود وتخصیصات سے بہ صورت موجودہ قرآن وسنت سے بعینہٖ اور صریحاً ثابت نہیں جو خدّام تصوّف پر قطعاً مخفی نہیں جن کی بعض صورتیں خود حاجی صاحب موصوف نے بھی اپنے رسائل ''ضیاء القلوب'' اور ''ارشاد مرشد'' وغیرہما میں بیان کر دی ہیں جیسے طریقہ تلقین میں تین روزے رکھنے کا حکم۔ طریقۂ توجّہ، اقسام ذکر ناسوتی، ملکوتی، جبروتی اور لاہوتی۔ بارہ رکعات تہجد جن میں سے ہر ایک میں تین تین بار سورۃ اخلاص پھر ۳، ۵ یا ۷ بار ہاتھ اٹھا کر دعا ۲۱ بار استغفار ۳ بار الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ، یاحبیب اللہ یا نبی اللہ۔ پھر خاص طریقے سے بیٹھ کر نفی اثبات اور دل پر ضربیں لگانا۔ اللہ حاضری اللہ ناظری اللہ معی کے وظیفے۔ پاس انفاس۔ چہار ضربی ذکر قلندری، ذکر جاروب، ذکر حدادی، ذکر ارّہ، سلطان الاذکار، شغل سرمدی اور جس دم وغیرہا جو دیوبندی خصوصاً گکھڑوی

اصول کے مطابق قطعاً بدعت ہیں نہیں تو وہ انہیں حسبِ اصول خود ثابت کر کے دکھائیں۔مگر گکھڑوی صاحب اور ان کے اکابر نے ان کی بدعتِ سیئہ نہ ہونے کی تصریح کی ہے یہ بھی ہمارے موقف کے درست اور گکھڑوی نظریّہ (ترک یا عدم فعل کراہت، عدم جواز اور بدعت سیئہ ہونے کو مستلزم ہیں) کے باطل اور غلط ہونے کی دلیل ہے۔جس سے ان کے داعیہ اور محرک والا افار مولا بھی باطل محض ہو کر رہ جاتا ہے۔سنیئے:

گنگوہی صاحب سے:-

گکھڑوی صاحب کے امام ربانی مولوی رشید احمد گنگوہی صاحب لکھتے ہیں:-

''اشغال صوفیہ بطور معالجوں کے ہیں سب کی اصل نصوص سے ثابت ہے ___ بدعت نہیں ہاں ان ہیئات کو سنت ضروری جاننا بدعت ہے''۔اھ ملخّصاً بلفظہٖ ___ ملاحظہ ہو [فتاویٰ رشیدیہ صفحہ۴۴ طبع محمد علی کراچی]

نیز تھانوی صاحب کے ان کے اس سلسلہ کے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے گنگوہی صاحب نے ان کی تفہیم کرتے ہوئے انہیں اپنے جوابی خط میں لکھا تھا کہ:-

''اشغال مشائخ کی قیود وتخصیصات جو کچھ ہیں وہ اصل سے بدعت ہی نہیں''۔اھ ملاحظہ ہو [تذکرۃ الرشید جلد ۱ صفحہ ۱۲۱ طبع لاہور از مولوی عاشق الٰہی میرٹھی مصدّق ومقرّظ المہند]

نیز گنگوہی صاحب سے کسی نے پوچھا کہ:بعض بعض صوفی قبور اولیاء پر چشم بند کر کے بیٹھتے ہیں اور سوۃ الم نشرح پڑھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارا سینہ کھلتا ہے اور ہم کو بزرگوں سے فیض ہوتا ہے اس بات کی کچھ اصل بھی ہے یا نہیں''؟اس کے جواب میں گنگوہی صاحب نے لکھا ہے:-

''اس کی بھی اصل ہے اس میں کوئی حرج نہیں اگر بہ نیت خیر ہے فقط''۔ملاحظہ ہو [فتاویٰ رشیدیہ صفحہ ۴۶، ۴۷ طبع مذکور]

نانوتوی بانیٔ مدرسہ دیوبند سے:-

نیز گکھڑوی صاحب کے قاسم العلوم والخیرات نانوتوی صاحب کا اس بارے میں بیان ہے کہ:-

''ظاہر میں وہ بدعت معلوم ہوتے ہیں حقیقت میں بدعت نہیں''۔اھ ملاحظہ ہو [سوانح قاسمی جلد ۳ صفحہ ۲۴ بحوالہ فیوض قاسمیہ صفحہ ۲۵ طبع مکتبہ رحمانیہ لاہور]

اجودھیاباشی صاحب سے:-

گکھڑوی صاحب کے شیخ الاسلام اجودھیاباشی صاحب ازراہ تقیہ اپنے اوراپنے اکابر سے وہابیت کی نفی اور خود کو صوفی بنا کر پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

''وہابیہ اشغال باطنیہ واعمال صوفیہ' مراقبہ' ذکر وفکر واردات ومشیخت وربط القلب بالشیخ وفناء وبقاء وخلوت وغیرہ اعمال کو فضول ولغو وبدعت ضلالت شمار کرتے ہیں اوران اکابر کے اقوال وافعال کو شرک وغیرہ کہتے ہیں (الیٰ) اوران مقدس اکابر کے احوال کی طرف توجہ کریں' یہ جملہ حضرات' طرق صوفیہ باطنیہ میں منسلک ہیں۔ ریاضت ودوام فکروذکران کا شعار ہے۔ دونوں حضرات مولانا نانوتوی ومولانا گنگوہی قدس اللہ اسرارہما نے طرق اربعہ میں حضرت قطب العالم مولانا الحاج امداداللہ صاحب تھانوی ثم المکّی قدس اللہ سرّہ العزیز سے بیعت کی''۔الخ ـــــ

ملاحظہ ہو [الشہاب الثاقب صفحہ ۵۹'۶۰ طبع کتب خانہ اعزازیہ دیوبند]

عقائد علماء دیوبند کی نمائندہ کتاب سے:-

دیوبندی عقائد کی نمائندہ کتاب المہند المعروف عقائد علماء دیوبند (جس پر اس وقت کے تقریباً تمام ذمّہ دار قسم کے دیوبندی عقائد کے علماء کی تقریظیں اور تصدیقیں ثبت ہیں جیسے مولوی محمود حسن صاحب صدر مدرس مدرسہ دیوبند' مفتی عزیزالرحمٰن دیوبندی مفتیٔ اوّل مدرسہ دیوبند' مولوی حکیم اشرف علی تھانوی' مفتی کفایت اللہ دہلوی' مولوی عبدالرحیم رائے پوری' ابن نانوتوی مولوی محمد احمد' ابن گنگوہی' مولوی مسعود احمد اورمولوی عاشق الٰہی میرٹھی وغیرہم جن کی تعداد کتاب ہٰذا کے مؤلف مولوی خلیل انبیٹھوی سمیت پچیس [۲۵] ہے) میں سوال نمبر ۱۱ جس کی عبارت یہ ہے کہ:-

''کیا صوفیہ کے اشغال میں مشغول اوران سے بیعت ہونا تمہارے نزدیک جائز اوراکابر کے سینہ اورقبر کے باطنی فیضان پہنچنے کے قائل ہو یا نہیں اورمشائخ کی روحانیت سے اہل سلوک کو نفع پہنچتا ہے یانہیں''؟

کے جواب میں سرخیل دیوبند مولوی خلیل احمد انبیٹھوی سہارنپوری نے لکھا اور دیگر نے آپ کی تصدیق کی ہے کہ:-

''بحمداللہ ہم اور ہمارے مشائخ ان حضرات کی بیعت میں داخل اوران کے اشغال کے شاغل اور

ارشاد و تلقین کے درپے رہے ہیں والحمدللہ علی ذٰلک ۔اب رہا مشائخ کی روحانیت سے استفادہ اوران کے سینوں اور قبروں سے باطنی فیوض کا پہنچنا؟ سو بے شک صحیح ہے مگراس طریق سے جو اس کے اہل اور خواص کو معلوم ہے نہ اس طرز سے جو عوام میں رائج ہے''۔اھ بلفظہٖ ملاحظہ ہو [المہند صفحہ ۲۲۶، ۲۲۷ طبع دارالاشاعت مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی]

نوٹ:-اس سلسلہ کا گنگوہی صاحب کا اپنا حوالہ عنقریب آرہا ہے۔

امام الطائفہ الوہابیہ سے:-

گنگوہی صاحب کی جماعت کے امام اوّل مولوی اسمٰعیل دہلوی اپنی کتاب ''ایضاح الحق الصریح'' میں مسئلہ ہٰذا میں سخت پراگندگی کا شکار ہیں۔چنانچہ کبھی تو وہ ان کی قسمیں کرنے لگتے ہیں اور کبھی اصحاب اشغال کو تقسیم کرتے ہیں کبھی اسے بدعت حکمیہ اور کبھی بدعت حقیقیہ قرار دیتے ہیں جس سے لگتا ہے کہ وہ کرنا تو ان کی نفی چاہتے ہیں مگر ڈر کے مارے ''اگر گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل'' کی زد میں ہیں ملاحظہ ہو [صفحہ نمبر ۷۹، ۸۱، ۳۷ وغیرہا طبع قدیمی کتب خانہ مقابل آرام باغ کراچی]

ختم بخاری خیرالقرون سے ثابت نہ ہونے کے باوجود درست ہے:-

آج کل علماء دیوبند اور غیر مقلدین میں ختم بخاری کا بہت رواج ہے جس کے لیے باقاعدہ سے اشتہارات چھپتے ہیں۔لوگوں کو جمع کر کے اجتماعی شکل دی جاتی ہے بخاری شریف کا پارہ پارہ (وغیرہ) پڑھنے والوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔آخر میں باقاعدہ ہاتھ اٹھا کر اجتماعی دعا کسی بلائے گئے حضرت جی'' سے کرائی جاتی ہے جس پر حاضرین آمین آمین کہتے رہتے ہیں اور بالکل آخر میں لنگر خاص سے کام و دہن کی خدمت بھی سرانجام دی جاتی ہے۔ظاہر ہے کہ یہ عمل نہ ہو تو رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے اور نہ ہی آپ کے صحابہ وتابعین کرام سے کیونکہ صحیح بخاری ان مقدس ادوار کے بہت بعد تالیف ہوئی۔ پس یہ عمل وہابیہ دیوبندیہ خصوصاً جماعت گنگوہیہ کے حسبِ اصول بدعت سیئہ اور وہی بدعت ہوا جس کے رد میں گنگوہی صاحب نے اپنی راہِ سنّت لکھی ہے مگراس کے باوجود وہ یہ عمل نہایت پابندی اور التزام کے ساتھ کر،کرا رہے ہیں اور اس میں ان کے اکابر کے فتوے بھی موجود ہیں جن کے پیش کرنے کی اگرچہ کچھ حاجت نہیں تاہم تکمیل عنوان کی غرض سے سنیے:-

گنگوہی صاحب سے :-

اس بارے میں گنگوہی صاحب سے سؤال کیا گیا کہ :

''کسی مصیبت کے وقت بخاری شریف کا ختم کرانا قرون ثلثہ سے ثابت ہے یا نہیں اور بدعت ہے یا نہیں''؟

توانہوں نے اس کا یہ جواب دیا کہ :-

''قرون ثلثہ میں بخاری تالیف نہیں ہوئی تھی مگر اس کا ختم درست ہے کہ ذکر خیر کے بعد دعا قبول ہوتی ہے۔ اس کا اصل شرع سے ثابت نہیں ہے۔ بدعت نہیں فقط رشید احمد عفی عنہ'' اھ بلفظہٖ ملاحظہ ہو [فتاویٰ رشیدیہ صفحہ ۱۴۷ طبع محمد علی کراچی]

اَقُولُ :- اس سے معلوم ہوا کہ کسی امر کے بدعت ہونے نہ ہونے میں کسی زمانہ کا کوئی دخل نہیں اس کے لیے اصل کا ثابت ہونا نہ ہونا دیکھا جاتا ہے۔ نیز یہ کہ عموم واطلاق نصوص اصل ہیں۔ نیز یہ کہ اصل کی معلوم کرنے کے لیے مجتہد مطلق ہونا ضروری نہیں کیونکہ گنگوہی صاحب مجتہد مطلق تو کجا کسی قسم کے مجتہد بلکہ ممیّز قسم کے مقلّد بھی نہیں ہیں۔ (کما تدل علیہ فتاواہ) اس سے راہِ سنّت کا پورا گکھڑوی منصوبہ خاک میں مل کر رہ گیا ہے (وھو المقصود الحمدللہ علیٰ ذٰلک)

ماز یاراں چشم یاری داشتیم
خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم

غیر منقول صیغ درود بھی موجب اجر وثواب

عقائد علماء دیو بند کی نمائندہ کتاب سے :-

المہند (جو چوبیس عدد علماء دیو بند تھانوی وغیرہ کی مصدقہ ہے کمامرّ) میں گکھڑوی صاحب کے امام ومقتداء مولوی خلیل احمد انبیٹھوی صاحب نے لکھا ہے کہ ''ہمارے نزدیک حضرت ﷺ پر درود شریف کی کثرت مستحب اور نہایت موجب اجر وثواب طاعت ہے خواہ دلائل الخیرات پڑھ کر ہو یا درود شریف کے دیگر رسائل مؤلفہ کی تلاوت سے ہو لیکن افضل ہمارے نزدیک وہ درود ہے جس کے لفظ بھی حضرت سے منقول ہیں گو غیر منقول کا پڑھنا بھی فضیلت سے خالی نہیں اور اس بشارت کا مستحق ہو ہی جائے گا کہ جس نے مجھ پر ایک بار

درود شریف پڑھا حق تعالیٰ اس پر دس مرتبہ رحمت بھیجے گا۔ خود ہمارے شیخ حضرت مولانا گنگوہی قدس سرّہ اور دیگر مشائخ دلائل الخیرات پڑھا کرتے تھے ــــ اور ــــ اپنے مریدین کو اجازت دیتے رہے اھ بلفظہٖ ملخصاً [صفحہ ۴۱، ۴۲]

ٹانڈوی سے:-

گکھڑوی صاحب کے مرکز دائرۃ التحقیق مولوی حسین احمد ٹانڈوی صاحب نے لکھا ہے کہ:-

ہرگز مولانا اور ان کے متبعین کا عقیدہ بہ نسبت حضرت سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وہ نہیں کہ جو وہابیہ خبیثیہ رکھتے ہیں اھ بلفظہٖ۔

نیز لکھا ہے کہ:-

''وہابیہ خبیثہ یہ صورت نہیں نکالتے اور جملہ انواع کو منع کرتے ہیں چنانچہ وہابیہ عرب کی زبان سے بارہا سنا گیا کہ وہ والصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ کو سخت منع کرتے ہیں اور اہل حرمین پر سخت نفرین اس نداء اور خطاب پر کرتے ہیں اور ان کا استہزاء اڑاتے ہیں اور کلمات ناشائستہ استعمال کرتے ہیں حالانکہ ہمارے مقدس بزرگان دین اس صورت اور جملہ صورت درود شریف کو اگرچہ بصیغۂ خطاب ونداء کیوں نہ ہو مستحب و مستحسن جانتے ہیں اور اپنے متعلقین کو اس کا امر کرتے ہیں (الیٰ) وہابیہ خبیثہ کثرت صلوٰۃ وسلام و درود بر خیر الانام علیہ السلام اور قرأت دلائل الخیرات وقصیدہ بردہ وقصیدہ ہمزیہ وغیرہ اور اس کے پڑھنے اور اس کے استعمال کرنے وورد بنانے کو سخت قبیح ومکروہ جانتے ہیں اور بعض اشعار کو قصیدہ بردہ میں شرک وغیرہ کی طرف منسوب کرتے ہیں مثلاً ؎

یا اشرف الخلق مالی من الوذبہ

سواک عند حلول الحادث العمم

''اے افضل مخلوقات میرا کوئی نہیں جس کی پناہ پکڑوں بجز تیرے بروقت نزول حوادث۔ حالانکہ ہمارے مقدس بزرگان دین اپنے متعلقین کو دلائل الخیرات وغیرہ کی سند دیتے رہے ہیں اور ان کو کثرت درود وسلام وتحزیب وقرأت دلائل وغیرہ کا امر فرماتے رہے ہیں ہزاروں کو مولانا گنگوہی ومولانا نانوتوی رحمہ اللہ علیہما نے اجازت عطا فرمائی اور مدتوں خود بھی پڑھتے رہے ہیں اور مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ مثل شعر بردہ فرماتے ہیں۔

مدد کر دے کرم احمدی کہ تیرے سوا   نہیں ہے قاسم بے کس کا کوئی حامی کار
جوتو ہی ہم کو نہ پوچھے تو کون پوچھے گا   بنے گا کون ہمارا تیرے سوا غم خوار

حضرت مولانا ذوالفقار علی صاحب مرحوم ومغفور دیوبندی نے فہم عوام کے واسطے بردہ کی اردو میں شرح فرمائی اوراس کو باعث سعادت خیال فرمایا۔غرض ہمیشہ یہ جملہ اکابران سب کی قرأت وغیرہ کی اجازت دیتے رہے۔اھ ملاحظہ ہو [الشہاب الثاقب صفحہ ۶۴ صفحہ ۶۵ صفحہ ۶۶ طبع کتب خانہ اعزازیہ دیوبند]

اَقُولُ:- گکھڑوی صاحب کے ان اکابر کے یہ حوالہ جات بھی اپنے اس مفہوم میں نہایت صریح ہیں کہ ترک فعل، عدم فعل یا غیر منقول ہونا کراہت وعدم جواز کو قطعاً مستلزم نہیں بلکہ بعض غیر منقول امور صرف مباح ہیں۔مستحب بھی ہوتے ہیں بلکہ منقول کے ہوتے ہوئے بھی غیر منقول پر عمل کو ناجائز نہیں کہا جاسکتا بلکہ اسے ناجائز قرار دینے والوں پر حسب بیان ٹانڈوی صاحب خبیث اس کے علاوہ مسئلہ استعانت مافوق الاسباب ہونے کا حکم ہے۔وغیرہا بھی حل ہوگئے کیونکہ نانوتوی نے مافوق الاسباب ہی استعانت کی ہے جو گکھڑوی منصوبہ کی سراسر نفی ہیں (وھو المقصود)۔

درود شریف پڑھنا ہر وقت جائز ہے جب تک مانع شرعی نہ ہو

مؤلف تبلیغی نصاب سے:-

مؤلف تبلیغی نصاب مولوی زکریا سہارنپوری نے درود شریف کے متعلق لکھا ہے کہ:-

''اور جن اوقات میں بھی پڑھ سکتا ہو پڑھنا مستحب بشرطیکہ کوئی مانع نہ ہو'' اھ بلفظہ ملاحظہ ہو [فضائلِ درود شریف صفحہ ۸۷ طبع لاہور]

اَقُولُ:- یہ عبارت بھی اس بارے میں صریح ہے کہ عموم واطلاق نصوص بھی حجت شرعیہ ہے نیز عموم واطلاق کے بعد عدم جواز ہی کی دلیل درکار ہوگی جو لامحالہ اس کو مستلزم ہے کہ ترک یا عدم فعل ضروری نہیں کہ کراہت یا عدم جواز کی بناء پر ہو۔اس سے بھی گکھڑوی پروپیگنڈہ کی سراسر نفی ہوتی ہے ____

اعراس اولیاء کرام بہ ہیئتِ کذائیہ غیر ثابت ہونے کے باوجود درست ہیں

حضرت شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی سے:-

حضرت شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (جنہیں گکھڑوی صاحب نے بر سبیل غلط اہل دیو بند کا روحانی باپ لکھا ہے) بزرگان دین کے اعراس کے بارے میں ارقام فرماتے ہیں:-

''رفتن برقبور بعد سالے یک روز معین کردہ سہ صورت است ـــــ دوم آنکہ بہ ہیئت اجتماعیہ مردمان کثیر جمع شوند وختم کلام اللہ کنند وفاتحہ برشیرینی یا طعام نمود تقسیم درمیان حاضراں نمایند ایں قسم معمول درزمانہ پیغمبر خدا وخلفاء راشدین نبود۔ اگر کسے ایں طور بکند باک نیست زیرا کہ دریں قسم قبح نیست بلکہ فائدہ احیاء واموات راحاصل مے شود'' الخ۔

یعنی مزارات پر ہر سال مقرر تاریخ میں جانے کی تین صورتیں ہیں (جن میں سے) دوسری صورت یہ ہے کہ بہت سے لوگ بصورت اجتماع، جمع ہوں، قرآن مجید کا ختم کریں اور مٹھائی یا کھانے پر فاتحہ (ختم) پڑھ کر حاضرین میں اسے تقسیم کریں۔ یہ طریقہ اگرچہ رسول اللہ ﷺ کے عہد اقدس اور خلفاء راشدین کے زمانہ پاک میں نہ تھا تاہم اگر ایسا کریں تو کوئی حرج بھی نہیں ہے کیونکہ اس میں کوئی شرعی خرابی نہیں ہے بلکہ اس سے زندوں اور وفات یافتوں سب کو فائدہ ملتا ہے۔ الخ۔ ملاحظہ ہو [فتاویٰ عزیزی فارسی جلد ا صفحہ ۳۸ طبع کابل (افغانستان)]

اَقُوْلُ:- شاہ صحب کا یہ فتویٰ بھی گکھڑوی نظریّہ (ترک وعدم فعل مطلقاً کراہت وعدم جواز کو مستلزم ہے) کے غلط ہونے میں نہایت درجہ صریح ہے ـــــ

مباح بہ نیّت خیر، مستحب ہو جاتا ہے (وغیرہ)

تھانوی صاحب سے:-

گکھڑوی صاحب کے حکیم الامہ تھانوی صاحب کا بیان ہے:-

''جن کے فعل یا ترک کا امر نہیں وہ مباحات ہیں''۔ اھ

نیز

''جب مباح نافع فی الدین کو اچھی نیت سے کیا جائے تو وہ مستحب ضرور ہو جاتا ہے اور اس میں ثواب بھی ملتا ہے'' اھ

نیز

''احداث للدین معنیٰ سنّت ہے اور احداث فی الدین بدعت ہے''۔ ملاحظہ ہو [تحفۃ العلماء جلد ۲ صفحہ ۱۲۰ مؤلفہ مفتی زید دیوبندی آف انڈیا بحوالہ التبلیغ جلد ۷ صفحہ ۱۴۹ صفحہ ۱۵۰ وافاضات یومیہ جلد ۲ صفحہ ۳۰۸]

نیز موصوف (تھانوی صاحب) بدعت کی اقسام بیان کرتے ہوئے لکھا ہے ـــــ

''ومندوبة كاحداث نحو رباط ومدرسة وكل احسان لم يكن فى الصدر الاوّل '' (یعنی بدعت مستحب بھی ہوتی ہے جیسے نئی طرح کی جنگی مشقیں اور مدارس نیز ہر وہ نیک کام جو دورِ اوّل میں نہ تھا) ملاحظہ ہو [تھانوی صاحب کی آخری کتاب بوادر النوادر صفحہ ۷۷۷] ـــــ

اَقُوْلُ:۔ ان عبارات کا لفظ لفظ بانگ دہل پکار پکار کر گکھڑوی نظریّہ (مبحث فیہ) کا صاف صاف رد کر رہا ہے ورنہ فعل و ترک کا امر نہ ہونے کی صورت میں مباح ہونے، مباح کے بہ نیت خیر مستحب اور کارِ ثواب ہونے نیز احداث کے ''معنیٰ سنّت'' ہو کے کیا معنیٰ اور و کل احسان لم یکن فی الصدر الاوّل کا مطلب؟ ع

ببیں تفاوت کہ رہ از کجا است تا بہ کجا

تھانوی صاحب کی مرگ پر ختمات اور بکثرت ایصالِ ثواب:۔

تھانوی صاحب کی سوانح حیات کی سب سے ضخیم اور مستند کتاب اشرف السوانح میں ہے کہ موصوف کی مرگ کے موقع پر:۔

''اکثر جگہ بہت بہت ایصال ثواب کیا گیا۔ پانی پت سے اطلاع ملی کہ ۳۲ یا ۳۴ قرآن شریف ختم کیے گئے وہاں حفاظ کی بہت کثرت ہے متعدد جگہ تقسیم طعام کے ذریعہ بھی ایصال ثواب کیا گیا''۔ اھ ملاحظہ ہو [جلد ۴ صفحہ ۸۷ طبع ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان مطبوعہ ۱۹۵۸ء]

اَقُوْلُ:۔ اگر عدم فعل یا ترک فعل، بدعت ہونے یا کراہت و عدم جواز کو مستلزم ہو تو تھانوی صاحب کے لیے کیے گئے ''بہت بہت ایصال ثواب'' اور ۳۲، ۳۴ ختمات نیز پکائے گئے کھانے سب بدعت مذمومہ اور تمام دیوبندی بشمول گکھڑوی صاحب بدعتی قرار پائے ورنہ قرآن و حدیث سے اس سب کا مطلوبہ معیار کا ثبوت مہیا کیا

جائے۔آج تک کسی دیوبندی نے انہیں بدعت اوران کے فاعلین کو بدعتی قرار نہیں دیا جن میں خود گگھڑوی صاحب بھی شامل ہیں پس وہ اس کا ثبوت دیں ورنہ اپنے بنائے گئے اصول کو غلط قرار دیں اور کم از کم یہ کہ اپنے ان دیابنہ کے بدعتی ہونے کا فتویٰ دیں نیز اتنا عرصہ اس جرم پر خاموشی اختیار کیے رہنے کے جرم سے توبہ بھی کریں___

متعدد غیر منقول امور کے درست ہونے کے متعلق مختلف دیوبندی اکابر کے متفرق حوالہ جات

○ مدرسہ دیوبند کے پہلے مفتی عزیز الرحمٰن صاحب دیوبندی نے رمضان المبارک میں نماز عشاء کے فرض جماعت سے نہ پڑھ سکنے والے کے بارے میں جماعت وتر میں شمولیت کے متعلق لکھا ہے کہ:

''ہمارے اکابر اساتذہ وتر کی جماعت میں شرکت کے جواز کے قائل ہیں کیونکہ وجہ عدم جواز کی کچھ نہیں ہے فقط''۔ [فتاویٰ دیوبند جلد۴ صفحہ۱۵۲ طبع امدادیہ ملتان]

○ نیز موصوف نے دعوتی کارڈز کے بارے میں لکھا ہے کہ:

''چونکہ آنحضرت ﷺ نے دعوت کے خطوط کو منع نہیں فرمایا اس لیے یہ امر شرعاً درست ہے''۔ اھ___ ملاحظہ ہو [عزیز الفتاویٰ صفحہ ۷۶۵ طبع دارالاشاعت کراچی]

○ نیز بیوی سے ہاتھ ملانے کے متعلق موصوف نے لکھا ہے کہ:

''مصافحہ کرنا اپنی زوجہ سے ظاہر ہے کہ جائز اور درست ہے لیکن سنّیت اس کی بظاہر ثابت نہیں ہے''۔اھ ملاحظہ ہو [عزیز الفتاویٰ صفحہ۷۶۷ طبع مذکور]

○ نیز ان سے کسی نے پوچھا: ''مردہ کو قبر میں رکھ کر مٹی دینے کے بعد ہاتھ دھونا___ زید ناجائز بتلاتا ہے''۔

اس کے جواب میں انہوں نے لکھا ہے کہ:

''ہاتھ دھونے میں اس صورت میں شرعاً کچھ حرج نہیں ہے اور کچھ ممانعت اس کی نہیں ہے۔ ناجائز کہنا بلا دلیل ہے''۔اھ ملاحظہ ہو [فتاویٰ دیوبند جلد ۵ صفحہ۲۱۴ طبع ملتان]

○ نیز ان سے کسی نے سؤال کیا کہ:

''بعد اذان رفع یدین کر کے مناجات کرنا ثابت ہے یا نہیں''؟

تو اس کے جواب میں انہوں نے کہا کہ:

o ''خصوصیت کے ساتھ اس موقع پر رفع یدین ثابت نہیں ہے اگرچہ عموماً دعاء میں رفع یدین کا مستحب ہونا اس کے استحباب کو بھی مقتضی ہے مگر معمول نہیں ہے''۔ اھ۔ حاشیہ نمبر۳ میں لکھا ہے:

عن ابن عباس المسئلة ان ترفع یدیک حذو منکبیک او نحوھا رواہ ابوداؤد مشکوٰۃ کتاب الدعوات صفحہ ۱۹۶۔ اھ۔ ملاحظہ ہو [فتاویٰ دیوبند جلد۲ صفحہ ۱۰ اطبع ملتان]

o نیز اسی فتاویٰ دیوبند (جلد۲ صفحہ ۱۴۷) میں موصوف نے لکھا ہے کہ:

''وبسم اللہ مابین فاتحہ وسورۃ ممنوع نیست''۔ اھ

o نیز اسی کے اسی جلد میں (صفحہ ۱۷۸ پر) لکھا ہے کہ:

''عبارت درمختار یہ ہے لاتسن بین الفاتحه والسورة مطلقاً ولو سرّیّة ولاتکره اتفاقاً'' الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ ابتداء سورۃ میں بسم اللہ پڑھنا نہ مسنون ہے اور نہ مکروہ ہے اور محققین نے اس کو راجح فرمایا ہے کہ پڑھنا بہتر اور مستحب ہے'' الخ۔

o نیز دیوبندی حضرات کے مفتی رشید احمد لدھیانوی صاحب سے پوچھا گیا کہ:

''خانہ کعبہ کے غلاف یا دیگر تبرکات کو بوسہ دینا شرعاً کیسا ہے''؟

تو اس کے جواب میں انہوں نے لکھا کہ:

o ''جائز ہے تعدم ورود النھی وکون الاباحة الاصلیة کذا افتی العلامة الجنجوھی والعلامة النانوتوی (یعنی اس کے جائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس کی ممانعت وارد نہیں نیز یہ کہ اصل اباحت ہے گنگوہی اور نانوتوی صاحب کا بھی اس بارے میں یہی فتویٰ ہے) اھ۔ ملاحظہ ہو [احسن الفتاویٰ صفحہ ۵۶۶ طبع دارالاشاعت کراچی]

نیز امام ظاہریہ ابن حزم اندلسی نے قبل مغرب نوافل کی بحث میں لکھا ہے:

o ''ان ابابکر وعمر وعثمان کانوا لا یصلونھما لیس فیه انھم رضی اللہ عنھم نھوا عنھا'' اھ [المحلّٰی جلد۲ صفحہ ۲۵۴]

نیز اسی کے اسی جلد میں اسی صفحہ پر حضرت ابن عمر کی روایت ''مارأیت احداً یصلیھما'' کے نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

o ''لیس فی ھٰذا انه نھیٰ عنھما ونحن لاننکر ترک التطوع مالم ینه عنه'' اھ۔

نیز اسی کے صفحہ ۲۷۱ پر مزید لکھا ہے:

- ''لیس فیه الا انه لم یرولیس فی هذانهی عنهما فما صام علیه السلام شهراً غیر رمضان ولیس بموجب الکراهة اھ۔ یعنی نمازِ مغرب سے قبل دو نفل جائز ہے رہا یہ کہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم نہیں پڑھتے تھے؟ تو اس میں یہ قطعاً نہیں کہ انہوں نے اس سے منع بھی فرمایا تھا۔ اسی طرح حضرت ابن عمر کا یہ کہنا کہ میں نے یہ دو رکعتیں کسی کو بھی پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا؟ تو اس میں بھی یہ نہیں ہے کہ انہوں نے اس سے روکا تھا۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ انہوں نے دیکھا نہیں۔ پھر اگر محض نہ کرنا ناجائز ہونے کی دلیل ہو تو رسول اللہ ﷺ نے بھی تو رمضان المبارک کے علاوہ کسی بھی مہینے کے مکمل روزے نہیں رو کے حالانکہ پورے مہینے کے روزے رکھنا مکروہ نہیں اھ ـــــ

اَقُولُ:- یہ جملہ عبارات بھی ما نحن فیہ کی زبردست دلیل ہیں انہیں بار بار پڑھیے اور گکھڑوی صاحب کو اپنے ہی اکابر کے برخلاف چل کر انہیں بدعتی بنا کر دم لینے پر دادِ تحسین اور شاباش دیجئے۔ ؏

این کار از تو آید و مرداں چنیں مے کنند

مختلف معمولات جماعت دیوبندیہ:-

دیوبندی حضرات کا اصول تو یہ ہے کہ ترکِ فعل یا عدمِ فعل نیز منقول نہ ہونا بدعت مکروہ اور ناجائز ہونے کو مستلزم ہے مگر ان کا عمل اس کے بالکل برعکس ہے اس کی فہرست بھی بہت طویل ہے۔ بعض مثالیں حسبِ ذیل ہیں:

- چنانچہ اس کی ایک مثال دیوبندی مدارس بھی ہیں جو بہ ہیئتِ کذائیہ قرآن و سنّت سے صریحاً ثابت نہیں وسیع و عریض رقبہ جات پر محیط عمارتیں، آٹھ دس سالہ نصاب، کلاسز، موسم گرما و سرما کے الگ الگ اوقات، پڑھائی کم و بیش سولہ علوم صرف، نحو، منطق، معانی، بیان، بدیع، حکمت، اسماء الرجال وغیرہا کی تعلیم آخر میں دورۂ حدیث، ختم بخاری کی تقریبات اور جلسہ ہائے دستار فضیلت اور باقاعدہ سے کسی حضرت جی کو بلا کر ان کے ہاتھ سے فارغ ہونے والوں کے سروں پر پگڑیاں بندھوانا اور ان کے ہاتھوں میں شجرے اور سندیں تھمانا وغیرہا یہ سب امور بالکل نئے ہیں جو ترک و عدمِ فعل کی مد میں آتے اور غیر منقول ہونے کے باعث 'بدعت سیّئہ' قرار پاتے ہیں۔
- نیز وہابیہ دیابنہ کی مساجد بھی اسی مد میں آتی ہیں جو رنگین پتھروں، مینا کاری، پھول بوٹوں پر مشتمل، کیمیکل اور چمکیلی پالشوں سے جگ مگ کرتی دعوت نظارہ دیتی ہیں جن کی چھتیں سولہ سولہ بیس بیس

فٹ اونچی اور مینار سو سو ڈیڑھ ڈیڑھ سو فٹ بلندی پر ہوتی ہیں کہ یہ بھی غیر منقول اور مسجد نبوی شریف کی نہج سے بالکل ہٹ کر ہیں خصوصاً جب کہ صحیح حدیث میں ''ماامرت بتشييد المساجد'' بھی وارد ہے نیز یہ مضمون بھی لتزخرفن المساجد کما زخرفت اليهود والنصارىٰ۔ نیز تھانوی صاحب (مقتداء گکھڑوی صاحب) نے لکھا ہے کہ ومكروهة كزخرفة المساجد (یعنی بعض بدعتیں مکروہ ہیں جیسے مساجد کی تزیین وآرائش) (بوادر النوادار صفحہ ۷۷۷)۔ نیز امام غیر مقلد یہ نواب صدیق حسن صاحب بھوپالی نے تصریح کی ہے: وحدیث ظاہر است در کراہت تحریم (الیٰ) چہ تشبیہ بہ ایشاں حرام است۔ (مسک الختام جلد ا صفحہ ۲۵۲)

نیز صدر مدرسہ دیوبند امام گکھڑوی مولوی انور شاہ کشمیری نے لکھا ہے:

- ''فان ظاهرها تدل على ان التجصيص لايجوز''

نیز لکھا ہے:

- ''فالا صل هو عدم التجصيص'' [فیض الباری جلد ۲ صفحہ ۵۱]

- رمضان المبارک میں نماز تراویح کے ہر ترویحہ اسی طرح تراویح سے فراغت کے بعد والی دعا نیز پنجگانہ نماز کے مقتدیوں کو انتظار کرانے کے بعد دعا کرانا جو دیوبندی جماعت کے معمولات کا حصہ ہے، بھی خود بعض پیشوایان گکھڑوی صاحب کے حسب تصریح اسی مد میں آتے ہیں۔ چنانچہ مولوی عبدالرشید ارشد دیوبندی نے مفتی کفایۃ اللہ دہلوی دیوبندی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ: یہ جو رواج ہے کہ مقتدی نماز سے فارغ ہو کر بیٹھے رہتے ہیں تا آنکہ امام نماز سے فارغ ہوتا ہے تو سب مل کر دعا مانگتے ہیں یہ بدعت ہے کیونکہ کتاب وسنّت سے اس کا ثبوت نہیں۔ اسی طرح تراویح کے بعد دعا کو لازمی کرنے والے اھ ملاحظہ ہو رسالہ [نماز جنازہ کے بعد دعائیں صفحہ ۱۱۵]

ع جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے

- اسی طرح مؤلّف تبلیغی نصاب مولوی زکریا سہارنپوری دیوبندی کی اپنے رسالہ ''مسلمانوں کی موجودہ پستی واحد علاج'' (مشمولہ تبلیغی نصاب) میں اپنے دیوبندیوں کو یہ تلقین کہ: جب اس جگہ پہنچیں جہاں تبلیغ کرنی ہے تو پھر سب مل کر حق تعالیٰ سے دعا مانگیں اور تمام محلّہ یا گاؤں میں گشت کر کے لوگوں کو جمع کریں'' بھی

- نیز خطبۂ جمعہ سے قبل کی تقریریں جو تمام دیوبندی وہابی مساجد میں اہتمام والتزام سے ہوتی ہیں۔
- نیز دورۂ تفسیر کے عنوان سے ہر سال مقررہ ایام میں باقاعدہ آغاز واختتام کے پروگرامز کے ساتھ بالالتزام ترجمۂ قرآن کی آڑ میں اپنے نظریات کے پھیلانے کی کلاسیں لگانا۔
- نیز سالانہ جلسوں اور کانفرنسوں کا اہتمام نیز اس کی آخری نشست میں کسی ''حضرت جی'' کو مدعو کر کے لوگوں کو ان کی دعا میں شریک ہونے کی دعوتیں دینا اعلانات کرنا کہ ضرور شرکت کریں جو سب کی بخشش کی ضمانت ہے پھر ہاتھ اٹھا کر سب کا اجتماعی شکل میں دعاء کرنا۔
- نیز تقریر شروع کرنے سے پہلے اجتماعی دعا جس میں سامعین آمین آمین کہتے ہیں پھر دعا ختم کر کے یہ کہنا کہ درود شریف پڑھیے پھر دوران تقریر بار بار کہنا کہ کہو سبحان اللہ۔ ذرا زور سے بولو شور سے بولو ذرا آہستہ آہستہ دھیرے دھیرے وغیرہ۔
- نیز بعض مقامات پر دیوبندی مولوی صاحبان صبح کی نماز کے بعد درس قرآن کے عنوان سے تقریر کرنے کے بعد ہاتھ اٹھا کر اجتماعی دعا مانگنا
- اسی طرح دیوبندی حضرات کی تبلیغی اجتماع کے سالانہ اجتماع کی آخری نشست میں جو دعا تداعی' اہتمام اور التزام کے ساتھ باقاعدگی کے ساتھ کی جاتی ہے جس کے لیے دور دراز سے لوگ شدّ رحال کر کے شریک ہوتے اور اسے اپنی بخشش کی ضمانت سمجھتے ہیں' بھی سب گکھڑوی اصول کے مطابق بدعت سیئہ ہیں کیونکہ ان میں سے کوئی بھی قرآن وحدیث میں صریحاً منقول نہیں پس گکھڑوی جماعت یا تو اپنے اصول کو بدلے یا اپنے حسبِ فتویٰ ان بدعات سے توبہ کرے ؎

من نگویم ایں مکن وآں کن
مصلحت بین و کار آسان کن

دلیل نمبر ۱۷ (حوالہ جات گکھڑوی):-

اس سلسلہ کی مزید دلیل خود گکھڑوی صاحب کی اپنی تصریحات بھی ہیں جس کی بعض مثالیں حسبِ ذیل ہیں:-

- چنانچہ اشغال صوفیاء جو بہ ہیئتِ کذائیہ حسبِ اصول گکھڑوی بدعت سیئہ ہیں جب کہ ان میں اور معمولات اہل سنّت میں فرق کی ماسوائے خالی دعویٰ کے گکھڑوی صاحب کے پاس کوئی دلیل نہیں' کے

بارے میں گکھڑوی صاحب نے لکھا ہے کہ:

''معتبر بزرگانِ دین نے تصفیۂ قلوب کے لیے جو اعمال و اشغال بتائے ہیں وہ بدعت نہیں''۔

الخ ملاحظہ ہو [راہِ سنّت صفحہ ۶۲]

○ موصوف نے غیر منقول الفاظ سے صلوٰۃ وسلام کے نہ صرف جائز ہونے کی تصریح کی ہے بلکہ منقول کو چھوڑ کر درود وسلام کے صیغے غیر منقول اپنائے بھی ہیں یہ بھی مبحث فیہ کی زبردست دلیل ہے کہ ترک یا عدم فعل، کراہت یا عدم جواز کو قطعاً مستلزم نہیں جس سے گکھڑوی موقف بقلم خود غلط ہو گیا۔ چنانچہ حال ہی میں ان کی شائع کردہ کتاب ایضاحِ سنّت جلد اوّل میں جسے انہوں نے بر سبیل غلط ہماری کتاب مصباح سنّت جلد اوّل کا جواب بنا کر پیش کیا ہے جس کا جواب ہم نے مفتاح سنّت کے نام سے تازہ بہ تازہ دے کر اس قرض کو فوری چکا دیا ہے، میں اس سلسلہ کے ہمارے مصباح سنّت میں کیے گئے ایک سوال کے جواب میں انہوں نے لکھا ہے کہ:

''ہم اور ہمارے تمام اکابر اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ کو بطور درود شریف پڑھنے کے جواز کے قائل ہیں کیونکہ یہ بھی فی الجملہ اور مختصر طریقہ سے درود شریف کے الفاظ ہیں الخ

ملاحظہ ہو [ایضاحِ سنّت جلد ۱ صفحہ ۷۷]

نوٹ:- موصوف نے یہاں پر یہ بھی لکھا ہے کہ وہ یہ بات اپنے رسالہ ''درود شریف پڑھنے کا شرعی طریقہ'' صفحہ ۷۵ پر بھی لکھ چکے ہیں ولنعم ماقیل ؎

دل کے پھپھولے جل گئے سینے کے داغ سے
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

باقی تفصیلات کے لیے دیکھیے مصباح سنّت جلد ۱ نیز مفتاح سنّت بجواب ایضاح سنّت جلد ۱۔

○ راہِ سنّت، ایضاحِ سنّت کے علاوہ اپنے رسالہ مقالہ ختم نبوت میں موصوف نے غیر منقول طریقہ سے درود وسلام درج ذیل الفاظ سے لکھا ہے:

''وصلی اللہ تعالٰی وسلّم علٰی رسولہ خاتم الانبیاء والمرسلین وعلٰی اٰلہٖ واصحابہٖ وازواجہٖ وذریاتہٖ وجمیع اتباعہ الٰی یوم الدین اٰمین یاربّ العلمین'' ملاحظہ ہو [صفحہ ۱ طبع گوجرانوالہ]

○ علاوہ ازیں گکھڑوی صاحب نے اپنی کتاب مقام ابی حنیفہ (کے باب ہفتم صفحہ ۲۳۱ تا ۲۵۴ طبع

گوجرانوالہ مطبوعہ ۱۴۰۵ھ) میں ''مخالفت حدیث کی ایک نفیس بحث'' کر کے اس امر کو بڑی تفصیل سے بیان اور ثابت کیا ہے کہ بعض اوقات بعض امور کے بارے میں شارع علیہ السلام کی جانب سے نہی اور ممانعت بھی وارد ہوتی ہے مگر پھر بھی وہ امور ناجائز نہیں ہوتے کیونکہ ان کا ایک خاص محمل ہوتا ہے۔ یہ بھی ہمارے مؤقف کے صحیح اور گکھڑوی موقف کے ردی ہونے کی بہت عمدہ دلیل ہے کیونکہ جب صریحاً نہی اور ممانعت کا ورود بھی کراہت یا عدم جواز کو مستلزم نہیں تو محض ترک یا عدم فعل اور غیر منقول سے کراہت یا عدم جواز کا لازم ہونا کیونکر درست ہوسکتا ہے؟ علاوہ ازیں گکھڑوی صاحب کے بزرگوں (اسماعیل دہلوی، گنگوہی، نانوتوی، انبیٹھوی، تھانوی، عزیز الرحمٰن عثمانی، مفتی شفیع اور مفتی رشید احمد لدھیانوی وغیرہم) کی اس سلسلہ کی جملہ عبارات بھی بالواسطہ خود گکھڑوی صاحب ہی کے اقوال ہیں کیونکہ ان کی اس تحریک کا لب لباب اپنے انہی اکابر کے نظریات کو تحفظ فراہم کرنا ہے۔

وھٰذا آخر ما اوردناہ فی ھٰذا الباب والحمدللہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیّد المرسلین حبیبنا سیدنا محمد وعلیٰ اٰلہٖ وصحبہٖ وتبعہٖ وعلینا معھم اجمعین۔

گکھڑوی صاحب کے ''ترک وعدم فعل کے مستلزم عدم جواز ہونے'' کے دلائل کا ردّ

عبارتِ علامہ علی القاری سے جواب:-

گکھڑوی صاحب سے اس سلسلہ کی پہلی دلیل پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:-

''حضرت ملا علی القاری مشکوٰۃ شریف کی پہلی حدیث انما الاعمال بالنیات کی شرح میں یہ نقل کرتے ہیں والمتابعۃ کما تکون فی الفعل یکون فی الترک ایضاً فمن واظب علی فعل لم یفعلہ الشارع فھو مبتدع '' کہ متابعت جیسے فعل میں ہوتی ہے اسی طرح ترک میں بھی متابعت ہوتی ہے سو جس نے کسی ایسے کام پر مواظبت کی جو شارع نے نہیں کیا تو وہ بدعتی ہے (مرقات جلد ۱ صفحہ ۴۱)''

نیز حاشیہ نمبر ۱ میں لکھا ہے کہ:

''کتاب ہٰذا کا صفحہ ۲۸۷ بھی ملاحظہ کیجئے'' اھ ملاحظہ ہو [راہِ سنّت صفحہ ۹۲]

اَقُوْلُ:- یہ عبارت گکھڑوی صاحب کی قطعاً کسی طرح دلیل نہیں کیونکہ:

اوّلاً: وہ حضرت ملا علی القاری کے متعلق خود لکھ رہے ہیں کہ وہ ''یہ نقل کرتے ہیں''، جس کا مفاد یہ ہے کہ یہ ان کا اپنا قول نہیں بلکہ کسی اور کا قول ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کیونکہ گکھڑوی صاحب کے نقل کردہ ان الفاظ سے قبل متصلاً لکھا ہے'' وقیل لایجوز التلفظ بالنیة فانه بدعة'' ملاحظہ ہو [مرقاۃ جلد ا صفحہ ۴۱ سطر نمبر ۲ طبع امدادیہ ملتان]

مگر انہوں نے اسے نقل نہیں کیا تا کہ ان کی ہاتھ کی صفائی پکڑی نہ جا سکے لیکن قدرت نے ان سے ''نقل کرتے ہیں'' کے الفاظ لکھوا کر ان کے اس کرتب کا انہی کے ہاتھوں چوراہے پر بھانڈا پھوڑ کر رکھ دیا ہے۔ فسبحن من بیده ملکوت کل شئی۔

ثانیاً: اس سے قطع نظر انہوں نے اسے ''قیل'' کے الفاظ سے ذکر فرمایا ہے یعنی بصیغۂ تحریض جو اس کے ضعف کی طرف اشارہ ہے۔ پس گکھڑوی صاحب کو ضعیف اقوال مبارک ہوں۔

ثالثاً: اگر اسے علماء موصوف کا قول بھی تسلیم کیا جائے تو بھی وہ گکھڑوی صاحب کی دلیل نہیں کیونکہ وہ ان کے مقرر کردہ معیار دلائل سے ہٹ کر ہے انہیں یاد ہوگا کہ وہ اپنی اسی کتاب (راہِ سنّت) میں متعدد مقامات پر تصریحات کر چکے ہیں کہ ان کی دلیل قرآنی آیات یا حدیث صحیح صریح یا اجماع امت یا قیاس مجتہد ہوگا جب کہ علامہ موصوف ان میں سے کوئی نہیں نہ معلوم گکھڑوی صاحب نے اپنے ہی مقرر کردہ اصول سے اتنی جلدی کیوں انحراف کر لیا ہے؟

رابعاً: علاوہ ازیں زیر بحث عبارت کا تعلق، زبان سے نماز کی نیت کرنے کے مسئلہ سے ہے جب کہ ائمہ احناف کا ایک جمّ غفیر اس کے جائز بلکہ مستحسن بلکہ مستحب ہونے کا قائل ہے جب علامہ صاحب بھی حنفی ہیں پس بر تقدیر تسلیم قولیّت عبارت یہ محض حنفی مسلک کے خلاف ان کی بحث ہوئی جب کہ ایسی بحثیں تو محقق علی الاطلاق امام مجتہد ابن ہمام کی بھی حسب تصریح ائمہ شان معتبر نہیں جیسا کہ امام علامہ شامی وغیرہ نے ردالمحتار اور عقود وغیرہما میں متعدد حوالہ جات سے لکھا ہے پس علامہ کی بحث (جو کہ مجتہد بھی نہیں ہیں) کیونکر معتبر ہو سکتی ہے؟

اقوال ائمہ فقہاء احناف :-

چنانچہ امام شیخ الاسلام برہان الدین علی المرغینانی الحنفی رحمہ اللہ تعالیٰ (صاحب ہدایہ المتوفّٰی ۵۹۳ھ) اس بارے میں فرماتے ہیں:

''اما الذکر باللسان فلامعتبر به ویحسن ذٰلک لاجتماع عزیمته ''یعنی نماز کی نیت کو زبان پر لانا کچھ ضروری نہیں کہ شرط ہو مگر ہے یہ اچھا کام کیونکہ اس سے حضور قلب میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو [ہدایہ مع فتح القدیر جلد ا صفحہ ۲۳۲ باب شروط الصلوٰۃ۔ طبع مصر و پاک نیز حلبی کبیر صفحہ ۲۵۴]

نیز امام علامہ شیخ ابراہیم حلبی حنفی (المتوفّٰی ۹۵۶ھ) رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ عبارت فتح القدیر قال بعض الحفاظ لم یثبت (الیٰ) وھٰذہ بدعۃ (فتح القدیر جلد ا صفحہ ۲۳۲) کے نقل کرنے کے بعد ارقام فرماتے ہیں:

''لٰکن عدم نقل و کونہ بدعۃ لاینام فی کونہ حسنا لقصد اجتماع العزیمۃ علٰی ما اشار الیہ فی الھدایۃ وصرح بہ فی التجنیس ''یعنی اس کا منقول نہ ہونا اور بدعت ہونا اس کے جائز اور مستحسن ہونے کے منافی نہیں کیونکہ اس سے مقصود دل کو حاضر کرنا ہے (جو ایک اچھا کام ہے) صاحبِ ہدایہ نے ہدایہ میں اس کی جانب اشارہ فرمایا اور اپنی کتاب التجنیس میں اس کی تصریح فرمائی ہے۔ ملاحظہ ہو [غنیۃ المستملی المعروف حلبی کبیر صفحہ ۲۵۴ طبع سہیل اکیڈمی لاہور]

نیز گکھڑوی صاحب کی معتمد علیہ کتاب منیۃ المصلّی (راہِ سنّت صفحہ ۹۵) میں ہے:

''والمستحب فی النیۃ ان ینوی بالقلب ویتکلم باللسان وھٰذا ھو المختار یعنی مستحب یہ ہے کہ نمازی دل میں نماز کا قصد کرے اور زبان سے اس کا اظہار کرے اور یہی مختار ہے۔ اھ

اس کے تحت علامہ حلبی فرماتے ہیں:

''وذٰلک لاختلاف الزمان و کثرۃ الشواغل علی القلوب فی مابعد زمن الصحابۃ والتابعین حیّ ذکر نجم الدین الزاھدی فی القنۃ وفی شرح القدوری من عجز عن احضار القلب فی النیۃ یکفیہ اللسان لان التکلیف بقدر الوسع لایکلف اللہ نفساً الا وسعھا ''یعنی مسئلہ ہٰذا ان مسائل میں سے ہے کہ زمانے کے بدلنے سے جن کے احکام بدل جاتے ہیں صحابہ وتابعین کرام کو (عہد رسالت سے قرب کے باعث اس کی ضرورت نہ تھی، ان کے زمانہ کے بعد جب دل ادھر ادھر کے خیالات کی لپیٹ میں آئے تو حضور قلب کے لیے اس کی ضرورت پڑی حتّٰی کہ زاہدی نے اپنی بعض تالیفات میں ذکر کیا کہ اگر نیت کے وقت کسی کو حضور قلب بالکل میسر نہ ہو تو تلفظ بالنیۃ سے اس سے سبک دوشی حاصل ہو جاتی ہے کیونکہ ارشاد

الٰہی ''لایکلف اللہ نفساً الا وسعھا'' کی رُو سے بندہ کے ذمّہ اتنا ہے جتنا وہ کرسکتا ہو [حلبی کبیر صفحہ ۲۵۴ طبع لاہور]

نیز عمدۃ المتاخرین شیخ الاسلام علامہ محمد التمر تاشی الغزی الحنفی (المتوفّٰی ۱۰۰۴ھ) نے فرمایا'' والتلفظ بھا مستحب وقیل سنۃ ''یعنی زبان سے نماز کی نیت کرنا مستحب اور ایک قول کے مطابق سنت ہے اھ [تنویر الابصار جلد ۱ صفحہ ۳۰۶ برہامش ردالمختار طبع مصر و پاک]

اس کے تحت علامہ محمد علاؤالدین الحصکفی (المتوفّٰی ۱۰۸۸ھ) فرماتے ہیں: ''ھوالمختار ''یعنی اس مسئلہ میں مختار قول یہی ہے [درمختار جلد ۱ صفحہ ۳۰۶ علی ہامش الرد]

نیز ''وقیل سنۃ'' کے الفاظ کے تحت لکھتے ہیں: ''یعنی احبہ السلف اوسنۃ علماء نا اذلم ینقل عن المصطفیٰ والا الصحابہ والاالتابعین بل قیل بدعۃ ''یعنی سنت اس معنیٰ میں ہے کہ سلف نے اسے پسند فرمایا یا یہ معنیٰ ہے کہ یہ ہمارے علماء کی سنت ہے سنت نبویہ میں کیونکہ مصطفی ﷺ سے منقول نہیں اور نہ ہی صحابہؓ وتابعین سے منقول ہے بلکہ اس بارے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ بدعت ہے [درمختار جلد ۱ صفحہ ۳۰۶] ____

علّامہ امام ابن عابدین شامی رحمہ اللہ تعالیٰ عبارت درمختار یعنی الخ کے تحت رقم طراز ہیں:

''اشاریہ للاعتراض علی المنصف بان معنی القولین واحد سمی مستحبا باعتبارا نہ احبہ علماء ناوسنۃ باعتبار انہ طریقۃ حسنۃ لھم لاطریقۃ للنبی ﷺ کما حرر فی البحر یعنی اس عبارت میں شارح کا مقصود مصنف کے تلفظ بالنیۃ کے متعلق ''قول (مستحب وسنت) سمجھنے پر اعتراض کرنا اور یہ بتانا ہے کہ اسے مستحب اور سنت کہنے کا ایک ہی مفہوم ہے جو یہ ہے کہ وہ مستحب اس معنیٰ میں ہے کہ ہمارے علماء نے اسے پسند فرمایا ہے اور سنت اس معنیٰ میں ہے کہ یہ ہمارے انہی علماء کا طریقہ حسنہ ہے۔ یہ معنیٰ نہیں کہ یہ نبی ﷺ کا طریقہ ہے جیسا کہ صاحب البحر نے تحریر فرمایا ہے'' اھ۔

اس سے تھوڑا سا پہلے'' وقیل سنۃ'' کے تحت لکھا ہے:

''عزاہ الی التحفۃ والاختیار الیٰ محمد وصرح فی البدائع بانہ لم یذکر محمدوصرح فی البدائع بانہ لم یذکر محمد فی الصلوٰۃ بل فی الحج فحملوا الصلوٰۃ علی الحج الخ

نیز اذلم ینقل کے تحت ارقام فرمایا ہے:

''فی الفتح عن بعض الحفاظ لم یثبت عنه ﷺ من طریق صحیح ولاضعیف انه کان یقول عند الافتتاح اصلی کذا ولا عن احد من الصحابة والتابعین زادفی الحلیة والا عن الائمه الاربع بل المنقول انه ﷺ کان اذا قام الی الصلوٰة کبر''اھ

نیز بل قیل بدعة کے تحت لکھتے ہیں:

''نقله فی الفتح قال فی الحلیةولعل الاشبه انه بدعة حسنة عند قصد العزیمة لان الانسان قدیغلب علیه تفرق خاطره وقد استفاض ظهور العمل به فی کثیر من الاعصار فی عامّة الاعصار فلاجرم انه ذهب فی المبسوط والهدایة والکافی الی انه ان فعله لیجمع عزیمة قلبه محسن فیند فع ماقیل انه یکره''

ان عبارات کا خلاصہ یہ ہے کہ لفظ بالنیة کے مسنون ہونے کی نسبت التحفة اور الاختیار میں امام محمد کی طرف کی گئی ہے جب کہ البدائع میں مصرح ہے کہ امام محمد کا وہ قول نماز کی نیت کے متعلق نہیں بلکہ حج کی نیت کے بارے میں امام ابن الہمام نے فتح القدیر میں بعض حفاظ سے نقل فرمایا ہے کہ زبان سے نماز کی نیت کرنا نبی کریم ﷺ سے ثابت نہیں اور نہ ہی صحابہ وتابعین میں سے کسی سے ثابت ہے اور یہ صحیح حدیث تو کجا کسی ضعیف روایت سے بھی ثابت نہیں۔ الحلیہ میں مزید فرمایا ہے کہ ائمہ اربعہ (امام ابوحنیفہ امام مالک امام شافعی اور امام احمد) میں سے کسی سے ثابت نہیں۔ آپ ﷺ سے اس بارے میں اتنا منقول ہے کہ آپ جب نماز کا ارادہ فرماتے تو تکبیر تحریمہ ارشاد فرماتے۔ فتح القدیر میں یہ نقل کیا ہے کہ یہ بدعت ہے۔ الحلیہ میں فرمایا کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ بدعت حسنہ ہے جب کہ اس سے مقصود دل کا حاضر کرنا ہو کیونکہ انسان پر بعض اوقات ادھر ادھر کے خیالات کی بھر مار ہوتی ہے پس اسے دل کو حاضر کرنے کی ضرورت ہوتی ہے جب کہ بیشتر مقامات پر عرصہ دراز سے اس پر امت کا عمل بھی ہے۔ خصوصیت کے ساتھ المبسوط۔ ہدایہ اور الکافی میں یہ اختیار فرمایا کہ دل کو حاضر لانے کے قصد سے زبان سے نماز کی نیت کرنا مستحسن ہے لہٰذا اس سے اس کے بارے میں کراہت کا قول دفع ہو جاتا ہے اھ ___ ملاحظہ ہو [ردّ المختار جلد ا صفحہ ۳۰۶ طبع مصر وکوئٹہ پاکستان]

اَقُوْلُ:- بلکہ خود علامہ علی القاری نے بھی اس مقام پر اس سلسلہ کی ہدایہ وغیرہ کی عبارات کے مضمون کو نقل فرمایا ہے چنانچہ وہ خود فرماتے ہیں:

''واختلفوا فی التلفظ بمایدل علی النیة بعداتفاقهم ان الجهر بالنیة غیر مشروع سواء کان اماماً اوماموماًاو منفرداً فالا کثرون علی ان الجمع بینهما مستحب لیسهل تعقل معنی النیة واستحضارها قال صاحب الهدایة ویحسن لاجتماع عزیمة (اس کے تھوڑا سا آگے لکھا ہے) وقد یقال نسلم انها بدعة لکنها مستحسنة استجها المشائخ للاسقانة علی استحضار البینة ممن احتاج الیها وهو علیه الصلوٰة والسلام واصحابه لما کانو فی مقام الجمع والحضور لم یکونوا محتاجین الی الاستحضار المذکور اھ

یعنی اس پر سب کا اتفاق ہے کہ نمازی خواہ امام ہو خواہ مقتدی خواہ منفرد اس کے لیے جهر بالنیة مشروع نہیں (یعنی اس کا واضح حکم نہیں ہے) اور زبان سے نماز کی نیت کرنے میں علماء کی دو مختلف رائیں ہیں، اکثر کا مذہب یہ ہے کہ نیت کا مفہوم بآسانی سمجھنے اور اسے حاضر لانے کی غرض سے دل کے قصد اور زبان سے اس کے اظہار دونوں کو اکٹھا کرنا مستحب ہے۔ صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ یہ یکسوئی کے حصول کے لیے اچھا کام ہے۔ بعض کی طرف سے اسے جو بدعت کہا گیا ہے اس کے جواب میں یہ کہا جاتا ہے کہ یہ بدعت ہے لیکن سیّئہ نہیں بلکہ حسنہ ہے کیونکہ مشائخ کرام نے اسے خصوصاً اس شخص کے لیے جسے اس کی ضرورت ہو نیت کے حاضر لانے میں مدد لینے کی غرض سے مستحب قرار دیا ہے جب کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے اصحاب کرام کو اس کی حاجت نہ تھی کیونکہ وہ یکسوئی اور حضور قلب کے اعلیٰ درجہ پر فائز تھے اھ ملاحظہ ہو [مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح جلد ا صفحہ ۴۰ صفحہ ۴۱ طبع مکتبہ امدادیہ ملتان]

خلاصہ یہ کہ جب محققین احناف اور خود علامہ علی القاری کے حسب تصریح ان کی اکثریت تلفظ بالنیۃ کے جواز و استحباب کی قائل ہے اور علامہ موصوف بھی حنفی ہیں تو اس حوالہ سے ان کی نقل کردہ (مبحث فیہ) عبارت خود ان کے خلاف ہے۔

خامساً: بلکہ حنفی کہلانے کے ناطے سے یہ خود گکھڑوی صاحب کے بھی خلاف ہوئی خصوصاً جب کہ ان کے کئی اکابر جیسے مفتی اوّل دیو بند، انبیٹھوی، تھانوی اور مفتی شفیع کراچوی وغیرہم اس کے جائز، درست، مستحسن اور مستحب ہونے کی تصریحیں کر چکے ہیں۔ حوالہ جات پیش نظر عنوان سے پہلے والے عنوان کے تحت دلیل نمبر ۱۶ میں ابھی گزر چکے ہیں۔ تو کیا اس پیش کردہ عبارت کی رو سے گکھڑوی

صاحب اپنے ان اکابر کے بدعتی ہونے کا بھی فتویٰ دیں گے جب کہ وہ ان پر صحیح فٹ بھی آ رہا ہے؟

سادساً: اس سے قطع نظر اس میں جس امر کو استدلال کی بنیاد بنایا گیا ہے وہ ہے ترک فعل کا عدم جواز یا کراہت کو مستلزم ہونا جس کا نہایت درجہ غلط اور خلاف تحقیق ہونا ابھی ہم گزشتہ عنوان کے تحت سترہ دلائل اور بیسیوں حوالہ جات سے ثابت کر آئے ہیں جس پر مزید روشنی بھی پیش کردہ ہماری ان عبارات سے بھی پڑتی ہے جن میں متعدد ائمہ شان فقہاء احناف نے یہ تصریحیں فرمانے کے باوجود کہ زبان سے نماز کی نیت کرنا حضور نبی کریم ﷺ، صحابہ کرام اور تابعین عظام میں سے کسی سے بھی صریحاً ثابت و منقول نہیں اس کے جواز و استحباب کا قول کیا ہے۔ باقی فمن واظب علیٰ فعل الخ سے جواب اگلی عبارت کے تحت آ رہا ہے۔

عبارت اشعۃ اللمعات سے جواب:-

اس سلسلہ کی دوسری دلیل گکھڑوی صاحب نے یہ پیش کی ہے کہ:

''اور اسی موقع پر شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ اتباع ہمچناں کہ در فعل واجب است در ترک نیز مے باید پس آنکہ مواظبت نماید بر فعل آنچہ شارع نکردہ باشد مبتدع بود کذا قال المحدثون'' اتباع جیسے فعل میں واجب ہے اسی طرح ترک میں بھی اتباع ہوگی۔ سو جس نے کسی ایسے کام پر مواظبت کی جو شارع نے نہیں کیا تو وہ بدعتی ہوگا اسی طرح محدّثین کرام نے فرمایا ہے اھ ——

ملاحظہ ہو [راہِ سنّت صفحہ ۹۲ صفحہ ۹۳]

اَقُوْلُ:- یہ بھی گکھڑوی دعویٰ کی کچھ دلیل نہیں کیونکہ اس عبارت کا تعلق بھی مسئلہ تلفظ بالنیۃ سے ہے جس کی دلیل خود گکھڑوی صاحب کے یہ الفاظ بھی ہیں ''اور اسی موقع پر'' الخ۔ یعنی حدیث انما الاعمال بالنیات کے تحت مسئلہ تلفظ بالنیۃ کے متعلق۔ جب کہ حضرت شیخ محقق خود اس کے قائلین میں سے ہیں کیونکہ دنیا جانتی ہے کہ آپ حنفی ہیں جب کہ فقہاء احناف کا مذہب خود انہوں نے اسی اشعۃ اللمعات میں لکھا ہے کہ:

''فقہاء گفتہ اند کہ اگر بزبان نیز گوید بہتر است و مستحب تا زبان با دل موافق و ظاہر بہ باطن مطابق بود و نیز تعقل معنٰی ست و استحضار آں در دل بذکر الفاظ آسان باشد'' یعنی فقہاء کا قول یہ ہے کہ نمازی کے لیے بہتر اور مستحب یہ ہے کہ وہ نیت کو زبان پر بھی لے آئے تا کہ اس کا دل و زبان اور ظاہر و باطن ایک دوسرے کے مطابق و موافق ہو جائے نیز اس سے حضور قلب میں بھی

آسانی ہوتی ہے'' اھ ملاحظہ ہو [اشعۃ اللمعات جلد ۱ صفحہ ۳۳ طبع مکتبہ نوریّہ رضویہ سکھر]

باقی گکھڑوی صاحب کی پیش کردہ عبارت کا مضمون حضرت شیخ محقق کا مذہب نہیں کیونکہ اس میں کوئی ایسا لفظ نہیں جس میں اس کی صراحت ہو۔ علاوہ ازیں اس عبارت کے آخر میں انہوں نے فرمایا کہ'' کذا قال المحدثون'' جسے گکھڑوی صاحب نے بھی نقل کر کے یہ ترجمہ کیا ہے کہ ''اسی طرح محدثین کرام نے فرمایا ہے''۔

نیز عبارت کے آغاز میں لکھا ہے ''ومحدثان گویند'' یعنی آگے بیان کیا گیا قول محدثین کا ہے ملاحظہ ہو (اشعۃ اللمعات جلد ۱ صفحہ ۳۳ طبع مذکور) جسے گکھڑوی صاحب نے نقل نہیں کیا تا کہ ہر ایک ان کی اس چالاکی پر مطلع نہ ہو سکے مگر ع تاڑنے والے قیامت کی نظر رکھتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ خود پیش نظر عبارت کی رو سے محدثین کا قول ہے حضرت شیخ محقق کا نہیں اب یہ بتانا گکھڑوی صاحب کے ذمہ ہے کہ ان محدثین سے مراد کون لوگ ہیں؟ ان کے نام بتائیں تا کہ ان کی علمی حیثیت کو متعین کر کے ان کے اس قول کی صحیح پوزیشن واضح کی جا سکے وہ کوئی مجتہد مطلق یا منتسب تو ہو نہیں سکتے کیونکہ محدّث ہونے کے لیے حدیث کا صحیح طور سے ترجمہ آنا بھی لازم نہیں چہ جائیکہ فقاہت واجتہاد ضروری ہو جب کہ ائمہ اربعہ کے بعد جماعت محدّثین کیا کہیں بھی ان کے پایہ کا مجتہد نہیں ہوا جن بعض نے دعویٰ کیا جیسے امام ابن جریر تو جمہور نے اسے تسلیم نہیں کیا۔ اور اگر وہ غیر مقلد ہوں تو انہیں خود گکھڑوی صاحب بھی حجت نہیں مانتے پس ہم پر وہ کیونکر حجت ہو سکتے ہیں اور اگر وہ مقلدین ہوں جب کہ محدّث ہوں غیر مقلد ہونے کو بھی مستلزم نہیں تو وہ گکھڑوی معیار دلائل سے خارج ہیں پس انہیں دلیل بنا کر کیسے پیش کر سکتے ہیں خصوصاً جب کہ وہ حنفی بھی نہ ہوں۔ جب کہ یک گونہ مجتہد قسم کے ائمہ احناف کی اکثریت تلفظ بالنیۃ کے جواز واستحباب کی قائل ہے پس نہ معلوم دعویٰ حنفیت نیز فقہاء احناف کو ماننے کے ادّعا کے باوجود گکھڑوی صاحب یہاں ان سے کیوں اور کس حکمت کی بناء پر منحرف ہو رہے ہیں اور جس شخص کے نزدیک خلاصہ کیدانی اور مجالس الابرار جیسی بے کار کتابیں بھی وقت ضرورت' آیت وحدیث کا درجہ پا جاتی ہیں یہاں پر مبسوط' کافی' حلبی اور ردّالمحتار وغیرہا جیسی چوٹی کی کتابیں کیوں ساقط الاعتبار قرار پا رہی ہیں ع ناطقہ سربہ گریباں ہے اسے کیا کہیے؟

رہے مبحث فیہ عبارت کے یہ الفاظ'' آنکہ مواظبت نماید بر فعل آنچہ شارع نکردہ باشد مبتدع بود'' اسی طرح عبارت مرقاۃ گزشتہ کی عبارت کا یہی مضمون؟ تو وہ کئی احادیث صحیحہ کے خلاف ہے جیسے صحیحین وغیرہما کی حدیث ''اَحَبُّ الْاَعْمَالِ اِلَی اللّٰہِ اَدْوَمُھَا وَاِنْ قَلَّ ''یعنی اللہ کے ہاں سب سے پسندیدہ عمل وہ

ہے جس پر مداومت ومواظبت کی جائے اگر چہ وہ معمولی سا ہو (اس کے حوالہ جات گزشتہ اوراق میں مفصلاً گزر چکے ہیں) اسی طرح یہ حوالہ بھی بالتفصیل گزر چکا ہے کہ حضرت بلال ﷛ ازخود معین کر کے تحیۃ الوضوء وغیرہ بڑی پابندی کے ساتھ پڑھتے تھے جنہیں ڈانٹ ڈپٹ کرنے کی بجائے جنّت میں ہونے کی بشارت عطا فرمائی گئی۔ پس معاذ اللہ حضرت بلال بھی اس کی زد میں آجائیں گے۔ حدیث قرب بالنوافل بھی اس کی عمدہ مثالوں میں سے ہے (رواہ البخاری وغیرہ)

لہٰذا اگر وہ لوگ واقعی محدّثین ہیں تو ان احادیث کے ہوتے ہوئے وہ ان کے برخلاف نظریہ کیوں قائم کر سکتے ہیں اور کم از کم یہ کہ ان کا یہ نظریہ احادیث سے ٹکرانے کے باعث کیونکر درست ہوسکتا ہے؟ پھر خود گکھڑوی صاحب اور ان کی جماعت بھی پہلے نمبر پر اس کی زد میں آرہے ہیں کیونکہ وہ ایسے بے شمار کام پابندی سے کر رہے ہیں اور ان کے جواز واستحباب کے فتوے بھی دے چکے ہیں جن میں خود ان عبارات میں مذکور مسئلہ تلفظ بالنیۃ بھی شامل ہے جو حضرت اقدس ﷺ سے صریحاً ثابت نہیں جسے پنجگانہ نمازوں نیز نماز عیدین کے بعد پابندی کے ساتھ ہاتھ اٹھا کر اجتماعی دعا وغیرہ جن کی ایک طویل فہرست گزشتہ عنوان کے تحت دی جا چکی ہے جس کے اعادہ کی حاجت نہیں اسے ادھر ہی ملاحظہ کیا جائے (کچھ جوابات وہی ہیں جو عبارت مرقاۃ کے تحت گزرے ہیں)۔

اے چشم شعلہ بار ذرا دیکھنے تو دے
ہوتا ہے جو خراب کہیں تیرا ہی گھر نہ ہو

عبارت مظاہر حق سے جواب:-

گکھڑوی صاحب نے اس سلسلہ کی تیسری دلیل پیش کرتے ہوئے لکھا ہے:

''اور مظاہر حق جلد ا صفحہ ۲۰ میں بعینہٖ یہ مضمون مذکور ہے'' اھ ملاحظہ ہو [راہِ سنّت صفحہ ۹۳ سطر نمبر ۴]

اَقُوْلُ:- مؤلّف مظاہر حق ہمارے ذمّہ دار قسم علماء میں سے نہیں بلکہ اس کا سنّی ہونا بھی محلّ نظر ہے پھر وہ گکھڑوی معیار دلائل سے بھی خارج ہے اس لیے اس کے حوالوں کو ہم پر حجت بنا کر پیش کرنا قطعاً خلاف انصاف ہے اور ہیرا پھیری بھی۔

پھر جب وہ کوئی نئی چیز بھی نہیں بلکہ اس میں بعینہٖ وہی مرقاۃ واشعۃ کی عبارات والا مضمون مذکور ہے تو اس میں بھی بعینہٖ وہی تفصیل ہوئی جو عبارات مرقاۃ واشعۃ اللمعات میں گزری ہے۔ نئے سرے سے کچھ لکھنے

کی حاجت نہیں۔ (مظاہر حق ہمارے سامنے نہیں اس لیے مزید تبصرہ کا حق محفوظ ہے)۔

عبارت مواہب لطیفہ سے جواب:-

اس سلسلہ کی مزید دلیل پیش کرتے ہوئے گکھڑوی صاحب نے لکھا ہے:

''شرح مسند امام ابوحنیفہ میں ہے: والاتباع كما يكون فى الفعل يكون فى الترك فمن واظب على مالم يفعل الشارع صلى الله عليه وسلم فهو مبتدع بشمول قوله صلى الله عليه وسلم من عمل عملا ليس عليه امرنا فهورد '' اتباع جیسے فعل میں ہے اس طرح ترک میں بھی ہے۔ سو جس نے ایسے فعل پر مواظبت کی شارع علیہ السلام نے نہیں کیا تو وہ مبتدع ہوگا کیونکہ اس کو آنحضرت ﷺ کا یہ قول شامل ہے کہ جس نے کوئی ایسا کام کیا جس پر ہمارا ثبوت نہیں تو وہ مردود ہوگا (انتہٰی) [مواہب لطیفہ شرح مسند ابی حنیفہ بحث تلفظ بالنیۃ]

امام علامہ السید جمال الدین المحدّث (المتوفّٰی ھ) فرماتے ہیں: ''تركه صلى الله عليه وسلم سنة كما ان فعله سنة (مواہب لطیفہ بحث مذکور) (الجنہ صفحہ ۴۳) اھ ملاحظہ ہو [راہِ سنّت صفحہ ۹۳]

اَقُوْلُ:- وباللہ التوفیق:-

گکھڑوی صاحب کی پیش کردہ ان عبارات کا ماٴخذ کتاب ’الجنۃ ہے جو ان کے گھر کی کتاب ہے جو انہی کے ایک بزرگ دیوبندی مولوی عبدالغنی شاہ جہانپوری کی وضع کردہ ہے جسے انہوں نے مشہور گستاخانہ دیوبندی عبارات (جن کی تفصیل مصباح سنت جلد ا میں بھی آچکی ہے) کی سرتور حمایت نیز معمولات ونظریات اہل سنت کی پرزور تردید میں لکھا ہے اور اس میں انہوں نے جس تلبیس اور ہیرا پھیری سے کام لیا ہے اس میں وہ عزازیل کو بھی مات کر گئے ہیں۔ اس کے آغاز میں کتاب کی مانگ بڑھانے کی غرض سے مشہور دیوبندی رہنما مفتی کفایۃ اللہ دہلوی صاحب کی تقریظ بھی ثبت ہے نیز اس کا افتتاح ہی امام اہل سنت علامہ الشاہ فضل رسول بدایونی اور امام اہلِ سنت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمہما اللہ تعالیٰ پر نازیبا انداز میں ہٹ سے کیا گیا ہے ملاحظہ ہو صفحہ ا پس یہ بالکل ایسے ہوا جیسے گکھڑوی صاحب کہیں ہم یوں فرماتے ہیں۔ اس سے تو یہ بہتر تھا کہ وہ اپنا ہی نام پیش کر دیتے تا کہ کم از کم ہمیں ان سے حساب لینے میں تو آسانی رہتی۔ اب مرے ہوئے مولوی عبدالغنی سے ہم کیونکر پوچھیں۔ بہر حال گکھڑوی صاحب نے اس کی ذمہ داری قبول کر کے خود کو اس کا جوابدہ قرار دے دیا ہے۔ چنانچہ حاشیہ میں انہوں نے لکھا ہے کہ:

''الجنۃ لاصحاب السنۃ مؤلّفہ مولانا عبدالغنی خان صاحب صدر مدرس مدرسہ عین العلم شاہجہان پور جس پر حضرت مفتی محمد کفایۃ اللہ دہلوی کی بلند پایہ اور گراں قدر تقریظ موجود ہے۔ اس کتاب میں جہاں بھی الجنہ کا حوالہ آئے گا' اس سے یہی کتاب مراد ہوگی۔ بڑی بہترین کتاب ہے اھ ملاحظہ ہو [راہِ سنّت صفحہ ۹۳ حاشیہ ۱]

اَقُولُ:- یہ حوالے ''ڈوبتے کو تنکے کا سہارا'' کا مصداق اور گکھڑوی صاحب کے ''لکیر کے فقیر'' ہونے کا آئینہ دار ہیں۔ یہاں گکھڑوی صاحب کی یہ علمی حالت زار لائق دید ہے کہ ان کی اس ''بڑی بہترین کتاب'' میں لکھا تھا ''مواہب لطیفہ شرح مسند ابی حنیفہ'' تھوڑی سی ترمیم سے گکھڑوی صاحب نے اسے یونہی نقل کر دیا اور اس کی پیروی میں یہ نہ بتایا کہ شارح کون ہے اور اس کا علمی مقام کیا ہے وغیرہ۔ اسی طرح اس میں لکھا تھا ''وصرح السید جمال الدین المحدّث ''۔ گکھڑوی نے اس کو یوں بنا دیا ''امام علامہ السید جمال الدین المحدث'' اور اس کے ساتھ المتوفّٰی ھ کر اسے خالی چھوڑ دیا گویا انہیں یہ بھی پتہ نہیں کہ ان کے امام صاحب کے حالات کیا ہیں یا ان کے حالات ہیں بھی سہی یا نہیں؟ خدا کی شان ہے کہ جو لوگ اپنے اکابر گنگوہی اور انبیٹھوی صاحبان وغیرہم کی اتباع میں احادیث صحیحہ کو بھی خبر واحد کا بہانہ بنا کر ٹال دینے کے خوگر ہوں اپنی باری میں غیر متداول اور بے سند کتابیں اور غیر معروف شخصیات کو بھی حجت قاطعہ اور برہان ساطع کا درجہ دے رہے ہیں اور انہیں ذرا بھر بھی ہچکچاہٹ محسوس نہیں ہو رہی۔ جس سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ بعض مقامات پر گکھڑوی صاحب نقلیں بھی مارتے ہیں۔

سنیے گکھڑوی صاحب کے ایک پیش رَو نے لکھا ہے کہ السید جمال الدین المحدّث کی وفات ۹۳۱ھ/۹۳۲ھ میں ہوئی ملاحظہ ہو [البضاعۃ المرجاۃ لمن یطالع المرقاۃ فی شرح المشکٰوۃ صفحہ ۱۸ طبع ملتان]

اس حوالہ سے وہ خواہ کتنے ہی بڑے اہل علم ہوں گکھڑوی معیار دلائل سے ہٹ کر ہیں۔ پھر ان کی اس عبارت کا تعلق بھی مسئلہ تلفظ بالنیۃ سے ہے جس کا خود گکھڑوی صاحب کو بھی اقرار ہے چنانچہ ان کے لفظ ہیں ''لطیفہ شرح مسند ابی حنیفہ بحث تلفظ بالنیۃ'' نیز دوسری عبارت کے ساتھ لکھا ہے ''مواہب لطیفہ بحث مذکور'' ملاحظہ ہو [راہِ سنّت صفحہ ۹۳]

نیز ان کی اسی بڑی بہترین کتاب الجنہ میں ہے: ''مواہب لطیفہ شرح مسند ابی حنیفہ تلفظ بالنیۃ کی بحث میں ہے'' [صفحہ ۱۴۳ طبع مکتبہ بنوریہ کراچی]

جب کہ ابھی بالتفصیل گزرا ہے کہ ائمہ احناف کی اکثریت اس کے جواز واستحباب کی قائل ہے بلکہ خود گکھڑوی صاحب کے کئی اکابر (انبیٹھوی، تھانوی، مفتی اوّل دیوبند وغیرہم) نے بھی اس کے جائز، مستحسن اور مستحب ہونے کی تصریحیں کی ہیں اور ڈنکے کی چوٹ پر لکھا ہے کہ یہ بدعت شرعیہ نہیں۔ پس یہ عبارتیں نہ صرف یہ کہ گکھڑوی کو غیر مفید ہیں ان کو سراسر مضر بھی ہیں۔

علاوہ ازیں اس میں بھی بنیاد اسی ترک فعل کے عدم جواز کو مستلزم ہونے کو بنایا گیا ہے جس کے غلط اور خلاف تحقیق ہونے پر ہم سترہ دلائل کے ضمن میں بیسیوں حوالے پیش کر آئے ہیں جن میں کئی اکابر گکھڑوی بھی شامل ہیں۔ پس اگر پیش نظر عبارات درست ہیں اور تلفظ بالنیۃ والا مسئلہ حدیث ''من عمل عملا لیس علیہ امرنا فھو ردّ'' کے خلاف ہے تو اس کی زد میں پہلے نمبر پر گکھڑوی صاحب کے وہ اکابر پھر ان کے توسط سے خود گکھڑوی صاحب ہی آئیں گے۔

اس سے قطع نظر یہ عبارتیں خود گکھڑوی موقف کی سراسر نفی ہیں کیونکہ ان میں سے پہلی عبارت میں غیر منقول کی مواظبت یعنی اسے ہمیشہ اور پابندی سے کرنے کو بدعت کہا گیا ہے، اس کے کرنے کو نہیں جس معنیٰ یہ ہوا کہ ترک فعل عدم جواز اور کراہت کی دلیل نہیں جس سے پورا گکھڑوی منصوبہ ہی خاک میں مل جاتا ہے۔ اس عبارت کا یہی مطلب ہونے کے بارے میں مزید دیکھیے گکھڑوی صاحب کی اسی ''بڑی بہترین کتاب'' میں ہے: ''اہل حق تخصیص اور التزام کو منع کرتے ہیں''۔ (صفحہ ۱۵۶)

نیز اس میں سید عالم ﷺ کے لیے لفظ ''شارع'' استعمال کیا گیا ہے جیسا کہ اس کے الفاظ ''الشارع ﷺ'' سے بھی ظاہر ہے نیز خود گکھڑوی صاحب نے اس کا ترجمہ کرتے ہوئے ''شارع علیہ السلام'' کے لفظ لکھے ہیں جب کہ اسی راہِ سنّت صفحہ ۱۲ تا صفحہ سے مترشح ہے کہ وہ آپ ﷺ کو شارع ماننے کے حق میں نہیں ہیں۔

سچ ہے ع اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

مذکورہ عبارات سے غلط نتیجہ اخذ کرنے پر ردّ:-

مذکورہ عبارات سے نتیجہ اخذ کرتے ہوئے گکھڑوی صاحب نے لکھا ہے کہ:

''ان تمام عبارات سے یہ بات بالکل واضح ہوگئی ہے کہ باوجود محرک اور سبب کے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کسی کام کو نہ کرنا ایسا ہی سنت ہے جیسا کہ آپ کا کسی کام کو کرنا سنت ہے اور جو شخص آپ کی اس سنت پر عمل نہیں کرتا وہ محدثین کرام کی تصریح کے مطابق بدعتی ہوگا اور یہی کچھ

ہم کہنا چاہتے ہیں کہ وہ تمام کام جو اہل بدعت کرتے ہیں ان کے دواعی اور محرکات آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وقت بھی موجود تھے مگر آپ نے ان کو ترک کیا ہے اور آپ کا ان کو ترک کرنا سنت ہے اور مخالفت بدعت ہے'' اھ بلفظہٖ ملاحظہ ہو [راہِ سنّت صفحہ ۹۳]

اَقُوْلُ:۔ گکھڑوی صاحب کا مذکورہ عبارات سے اخذ کردہ یہ نتیجہ صحیح نہیں کیونکہ ''محدثین کرام'' ان کے معیار دلائل سے ہٹ کر ہیں۔ پھر ان کی ان عبارات میں محرک اور سبب کی کوئی قید نہیں لہٰذا ''باوجود محرّک اور سبب'' کے الفاظ ان کا خانہ ساز اضافہ اور محدّثین پر سخت افتراء ہیں۔ پھر یہ عبارات خود ان کے خلاف ہیں کیونکہ ان کا تعلق مسئلہ تلفظ بالنیۃ سے ہے جب کہ موصوف کے کئی اکابر نے اس کے جائز مستحسن اور مستحب ہونے اور اس کے بدعت نہ ہونے کی تصریحیں کی ہیں۔ نیز اگر محرک اور سبب والی قید درست ہو تو اس کی زد میں بھی وہ خود ہی آتے ہیں جیسے پنجگانہ نمازوں کے بعد بالالتزام اجتماعی صورت میں ان کے اماموں کا دعائیں کرنا اور مقتدیوں کا آمین آمین کہتے رہنا اور نماز عیدین کے بعد مل کر ہاتھ کھڑے کر کے دعا مانگنا وغیرہ جن کی تفصیل گزشتہ عنوان میں گزر چکی ہے کہ قطعی طور پر پنجگانہ نمازوں اور عیدین کی نمازوں کے بعد دعا کرنے کے محرّکات اور دواعی موجود تھے جو خود وہ نمازیں ہیں مگر بہ ہیئت کذائیہ ان دعا کا خود ان کے بزرگوں کی تصریحات کے مطابق ثبوت نہیں مگر گکھڑوی صاحب اور ان کی جماعت سب کرتے ہیں۔ لہٰذا ہمارے معمولات کو اسی بناء پر ان کا بدعت اور ہمیں اہل بدعت کہنا ان کا ہم پر جھوٹا اور بے بنیاد دعویٰ والزام ہی نہیں خود ان کے بدعتی ہونے کا دستاویزی ثبوت بھی ہے۔ سچ ہے ع

میں الزام ان کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا

جب کہ اس پر بھی تفصیلی بحث گزشتہ اوراق میں متعدد مقامات پر گزر چکی ہے کہ سنت، فعل کا نام ہے عدم فعل کا نہیں۔

سجع فی الدعاء کے حوالہ سے اعتراض کا جواب:۔

اس سلسلہ کی ایک اور دلیل گکھڑوی صاحب نے یہ پیش کی ہے کہ:

''حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ دعا میں سجع سے بچو کیونکہ جناب نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابۂ کرام دعا میں سجع نہیں کیا کرتے تھے۔ (صحیح بخاری جلد۲ صفحہ ۹۳۸) اھ بلفظہٖ ملاحظہ ہو [راہِ سنّت صفحہ ۹۴ سطر نمبر۱، نمبر۲]

تھوڑا سا آگے لکھا ہے کہ :-

''ابن عباس دعا میں سجع کرنے سے صرف اس لیے منع کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ اور آپ کے حضرات صحابہ کرام نے ایسا نہیں کیا اگرچہ دعا اپنے مقام پر ایک بہت بڑی عبادت ہے لیکن بقید سجع محض اس لیے منع ہے کہ آپ سے اور آپ کے صحابۂ کرام سے ایسا ثابت نہیں''۔ اھ بلفظہٖ
[راہِ سنّت صفحہ ۹۴ سطر نمبر ۱۴ تا ۱۶]

اَقُوْلُ:- یہ روایت بھی گکھڑوی دعا کی قطعاً دلیل نہیں کیونکہ :

اوّلاً: اس کی سند میں عکرمہ البربری ہے ملاحظہ ہو (صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۹۳۸ نیز فتح الباری جلد ۱۱ صفحہ ۱۴۳ مع البخاری) جس پر ائمہ شان کا کلام بہت معروف ہے جو کسی خادم رجال پر کسی طرح مخفی نہیں۔

ثانیاً: یہ عدم فعل نہیں بلکہ فعل عدم ہے جن میں زمین و آسمان سے بڑھ کر فرق ہے کیونکہ عدم فعل کا مطلب ہے کسی امر کے متعلق نفیاً اثباتاً کچھ منقول اور مذکور نہ ہونا جب کہ فعل عدم کا مفہوم ہے کسی امر کے متعلق یہ منقول اور مذکور ہونا کہ ایسا نہیں کیا جاتا تھا۔ بالفاظ دیگر اوّل مسکوت عنہ ہوتا ہے اور ثانی منصوص ہوتا ہے جب کہ یہاں پر بحث مسکوت عنہ کے بارے میں ہے منصوص کے متعلق نہیں۔ لہٰذا یہ گکھڑوی صاحب کا خلط مبحث ہے جو اہل علم و دیانت کی شان قطعاً نہیں پس گکھڑوی صاحب کا اسے محض اس بناء پر منع کہنا کہ ''ایسا ثابت نہیں'' قلّت علمی، کم فہمی یا پھر مغالطہ دہی ہے۔

اس کی وجہ عدم فعل نہیں بلکہ تصنع اور بناوٹ ہے جو مطلوب فی الدعاء خشوع و خضوع، انکساری اور فروتنی کے برخلاف ہے کیونکہ سَجعٌ کا مطلب ہے مُوَالَاۃُ الْکَلَامِ عَلٰی رَوِیٍّ وَّاحِدٍ ایسا نثری کلام لانا جس میں ایک ہی طرز کے الفاظ ہوں۔ بالفاظِ دیگر اَلْکَلَامُ الْمُقَفّٰی مِنْ غَیْرِ مُرَاعَاۃِ وَزْنٍ وزن شعر کی رعایت کے بغیر کلام جس قافیہ بندی کی گئی ہو۔ ملاحظہ ہو [فتح الباری جلد ۱۱ صفحہ ۱۴۳ طبع مصر]

ظاہر ہے کہ جب دھیان الفاظ کی بناوٹ پر ہوگا تو توجّہ الی اللہ نہیں ہوگی جب کہ توجہ الی اللہ دعا کا بنیادی عنصر ہے۔ چنانچہ امام حافظ ابن حجر عسقلانی نے پیش نظر روایت کے الفاظ ''وانظر السجع من الدعاء فاجتنبہ'' (مسجّع دعا سے بچ) کے تحت فرمایا:

''ای لاتقصد الیہ ولا تشغل فکرک بہ لما فیہ من التکلف المانع للخشوع المطلوب فی الدعاء'' یعنی اس کا معنیٰ یہ ہے کہ دعاء میں قصداً مسجّع الفاظ کے لانے اور اس پر اپنا دھیان

لگانے سے اجتناب کر کیونکہ یہ تصنّع اور بناوٹ ہے جو مطلوب فی الدعاء خشوع کے منافی ہے“

اھ۔ملاحظہ ہو [فتح الباری جلد ۱۱ صفحہ ۱۴۳]

نیز اسی میں اسی صفحہ پر ہے:

”قال الغزالی المکروہ من السجع ہو المتکلف لانہ لایلائم الضراعة والذلة والافی الا دعیة المأ ثورة کلمات متوازیة لکنہا غیر متکلفة“یعنی حجۃ الاسلام امام غزالی قدس سرّہ نے فرمایا: دعا میں وہ مسجع کلمات مکروہ ہیں جو بہ تکلف ہوں (قدرتی اور اتفاقیہ نہ ہوں) کیونکہ وہی تضرّع اور انکساری سے ہٹ کر ہے (ہر قسم کا سجع مکروہ نہیں) ورنہ تو متعدد مأثور دعاؤں میں مسجع الفاظ وارد ہیں مگر وہ قصد و تکلف کے بغیر صادر شدہ ہیں۔اھ ـــــ

اَقُوْلُ:- امام حجۃ الاسلام نے جن کلمات متوازیہ پر مشتمل ادعیہ ماثورہ کی جانب اشارہ فرمایا ان میں بعض بطور نمونہ حسبِ ذیل ہیں۔

مسجّع دعائیں:-

چنانچہ صحیح بخاری میں ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”کان رسول اللہ ﷺ یتعوذ من جہد البلاء ودرک الشقاد وسوء القضائوشماتہ الاعداد

[جلد ۲ صفحہ ۹۳۹ طبع کراچی]

نیز صحیح حدیث میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ ﷺ کسی غزوہ یا حج یا عمرہ سے واپسی پر یہ لفظ ارشاد فرماتے تھے: اٰئِبُوْنَ تَائِبُوْنَ عَابِدُوْنَ سَاجِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ صَدَقَ اللّٰہُ وَعْدَہٗ وَنَصَرَ عَبْدَہٗ وَھَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَہٗ [مشکوٰۃ صفحہ ۲۱۳ بحوالہ صحیح بخاری و صحیح مسلم]

نیز حدیث شریف میں حضرت ابن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ سے راویت ہے: رسول اللہ ﷺ نے ان الفاظ میں دعا فرمائی: اَللّٰھُمَّ مُنْزِلَ الْکِتَابِ سَرِیْعَ الْحِسَابِ اھْزِمِ الْاَحْزَابَ الخ [صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۹۴۶]

نیز حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ لوگوں سے خطرہ کے موقع پر یہ کلمات ارشاد فرماتے تھے: اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَجْعَلُکَ فِیْ نُحُوْرِھِمْ وَنَعُوْذُ بِکَ مِنْ شُرُوْرِھِمْ [مشکوٰۃ ۲۱۵ بحوالہ مسند احمد، ابوداؤد]

نیز حضرت زید بن ارقم، حضرت عبداللہ بن عمرو اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ

آپ ﷺ دعا میں یہ استعاذہ فرماتے تھے: اللھم انی اعوذ بک من علم لا ینفع ومن قلب لا یخشع ومن نفس لا تشبع ومن دعاء لا یسمع [مشکٰوۃ صفحہ ۲۱۶ صفحہ ۲۱۷ بحوالہ صحیح مسلم ۔مسند احمد۔ابوداؤد۔ابن ماجہ۔ ترمذی۔نسائی]

نیز حضرت ابو ہریرہ سے رسول اللہ ﷺ کی یہ دعا بھی منقول ہے:

''اللھم انی اعوذبک من الشقاق والنفاق وسوء الاخلاق [مشکٰوۃ بحوالہ صفحہ ۲۱۷ بحوالہ ابوداؤد نسائی]

نیز خود حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما (جن کی روایت زیر بحث ہے) سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے یوں دعا فرمائی:

''رَبِّ اجْعَلْنِیْ لَکَ شَاکِراً لَکَ ذَاکِرًا لَکَ رَاھِبًا لَکَ مِطْوَاعًا لَکَ مُخْتَبِتاً اِلَیْکَ اَوَّھًا مُنِیْبًا رَبِّ تَقَبَّلْ تَوْبَتِیْ وَاغْسِلْ حُوْبَتِیْ وَاَجِبْ دَعْوَتِیْ وَثَبِّتْ حُجَّتِیْ ''الخ [مشکٰوۃ صفحہ ۲۱۸ بحوالہ ترمذی ابوداؤد وابن ماجہ]

ثابت ہوا کہ روایت ابن عباس (زیر بحث) کے الفاظ ''لایفعلون الاذلک ''یا''لایفعلون ذلک''سے مقصود محض عدم فعل کو دلیل عدم جواز یا دلیل کراہت بنانا نہیں بلکہ متکلفانہ طور پر اس میں الفاظ کی بھر مار کرنے کی کراہت کا بیان ہے کیونکہ دیگر متعدد احادیث صحیحہ میں سجع فی الدعاء ثابت ہے جو خود حضرت ابن عباس سے بھی مروی ہے۔

نیز اس سے قطع نظر، روایت ہٰذا میں فعل عدم ہے جب کہ بحث عدم فعل اور مسکوت عنہ میں ہے جن میں زمین وآسمان سے بھی زیادہ فرق ہے تفصیل ابھی گزری ہے۔

سجع فی الدعاء کی ممانعت کی ایک اور وجہ:-

بعض علماء نے اس کی ممانعت کی وجہ یہ بتائی ہے کہ اس انداز سے دعا کرنے سے کاہنوں کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے اس سے بھی گکھڑوی صاحب کے نظریّہ (عدم فعل دلیل عدم جواز) کی بہر حال نفی ہوتی ہے۔چنانچہ امام حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ اس بارے میں ارقام فرماتے ہیں:-

''قال الازھری وانما کرھہ صلی اللہ علیہ وسلم لمشاکلتہ کلام الکھنۃ کما فی قصۃ المرأۃ من ھذیل'' [فتح الباری جلد ۱۱ صفحہ ۱۴۳ طبع مصر]

ثالثاً: اس سے قطع نظر، یہ روایت کئی طرح سے ازخود گکھڑوی صاحب کے خلاف ہے کیونکہ:

۱ عدم فعل کے وضع کردہ اپنے اس فلسفہ کے عملاً وہ خود اور ان کی جماعت بھی برخلاف ہیں جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بارہا گزر چکا ہی کہ وہ بہت سے ایسے کام کرتے ہیں جو ان کے حسب اصول منقول اور ثابت نہیں جیسے نماز عیدین کے بعد اجتماعی دعا وغیرہ۔

۲ علاوہ ازیں خود گکھڑوی صاحب کے کئی اکابر نے بزبان شعر دعا کی ہے جب کہ شعر، کلام مسجع سے بڑھ کر مسجع ہوتا ہے کہ اس میں قافیہ کے ساتھ وزن کا بھی قصد کیا جاتا ہے۔ چنانچہ گکھڑوی صاحب کے کبراء گنگوہی، نانوتوی اور تھانوی وغیرہم کے مسلّم پیر و مرشد حاجی امداداللہ صاحب مہاجر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ (جو صحیح العقیدہ سنّی بزرگ تھے) نے مشائخ چشت اہل بہشت رحمہم اللہ کا شجرہ بیان کرتے ہوئے حضرت شیر خدا اکرم اللہ وجہہ کے نام نامی پر یوں دعا کی ہے اور لکھا ہے کہ:- ؎

''دور کر دل سے حجاب جہل و غفلت میرے رب
کھول دے دل میں در علم حقیقت میرے اب
ہادیٔ عالم مشکل کشاء کے واسطے'' اھ

ملاحظہ ہو [ارشاد مرشد مشمولہ کلیات امدادیہ صفحہ ۱۰۳ طبع دارالاشاعت کراچی]

نوٹ:- واضح رہے کہ ان کے یہ الفاظ بعینہٖ، مولوی اشرف علی تھانوی نے اپنے رسالہ ''تعلیم الدین'' میں اور مولوی حسین احمد ٹانڈوی نے اپنے رسالہ ''سلاسل طیبہ'' میں بھی لکھے ہیں۔

۳ علاوہ بریں حضرت ابن عباس کی اس (مبحث فیہ) روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ: حدّث الناس کل جمعة مرّة فان ابیت فمر تین فان اکثرت ثلٰث مرّات ولا تمل الناس ھٰذا القرآن ''یعنی لوگوں کو ہر ہفتہ کے سات دنوں میں صرف ایک بار وعظ و نصیحت اور تقریر کرو۔ کچھ بڑھانا چاہو تو دوبار اور زیادہ سے زیادہ تین بار کرو اور لوگوں کو قرآن سے اکتاہٹ میں مت ڈالو۔ اھ

ملاحظہ ہو [صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۹۳۸ طبع کراچی نیز فتح الباری مع صحیح البخاری جلد ۱۱ صفحہ ۱۴۳ طبع مصر]

گکھڑوی صاحب نے اسے جان بوجھ کر نقل نہیں کیا کیونکہ اس سے ان کی جماعت کے روزانہ کے درس قرآن، درس حدیث اور روزانہ کی بلکہ چوبیس گھنٹوں کی تبلیغیں اور ان کی جماعت والوں کے تبلیغی چلّے وغیرہ اس کی زد میں آ کر ان کی زبان بدعت عظمٰی اور بدعت ظلماء قرار پاتے تھے۔ امام ابن حجر نے روزانہ کی تقریروں

کے خلاف اس مقام پر بخاری کتاب العلم کی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ روایت بھی نقل فرمائی کہ ''کان لنبی صلی اللہ علیہ وسلم یتخولنا بالموعظة کراھة السأمة علینا''یعنی نبی کریم ﷺ ہمیں اکتاہٹ سے بچانے کی غرض سے روز روز خطاب نہیں فرماتے تھے۔ [فتح الباری جلد ا صفحہ ۱۴۳]

مزید حوالہ:-

واضح رہے کہ مبحث فیہ روایت کا مضمون امّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بھی منقول ہے۔ چنانچہ مسند احمد (جلد صفحہ ۲۱۷ طبع مکۃ المکرّمۃ) میں ہے کہ آپ نے مدینہ منورہ کے واعظ ابن ابی السائب کو ہدایات دینے کے ضمن میں یہ بھی فرمایا کہ :اجتنب السجع من الدعاء فان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ کانوا لایفعلون ذلک (وفی روایة) انی عھدت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ وھم لا یفعلون ذٰلک وقص علی الناس فی کل جمعة مرة فان ابیت فثنتین فان ابیت فثلثاً فلا تمل الناس ھٰذا الکتاب اہ ما اردنا (ترجمہ مثل روایت ابن عباس)۔

روایت ابن عمر ''ان رفعکم ایدیکم بدعة'' سے جواب:-

گکھڑوی صاحب نے اس سلسلہ کی مزید دلیل دیتے ہوئے لکھا ہے کہ :

''حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ :''ان رفعکم ایدیکم بدعة مازاد رسول اللہ ﷺ علی ھٰذا یعنی الی الصدر (مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۶۱) تمہارے (اس طرح) ہاتھ اٹھانے بدعت ہیں کیونکہ آنحضرت ﷺ نے سینہ مبارک سے اوپر ہاتھ نہیں اٹھائے'' [راہِ سنّت صفحہ ۹۴]

پھر اس پر حاشیہ[۱] میں لکھا ہے : ''یعنی عمومی دعاؤں میں کیونکہ استسقاء وغیرہ کی مخصوص ادعیہ اس سے مستثنیٰ ہیں دیکھئے مشکوٰۃ جلد ا صفحہ ۱۳۱ وقال متفق علیہ'' ۔اھ [راہِ سنّت صفحہ ۹۴]

تبصرہ کرتے ہوئے مزید لکھا ہے کہ :

''حضرت ابن عمر یہ فرماتے ہیں کہ اگرچہ آنحضرت ﷺ سے دعا میں ہاتھ اٹھانے ثابت ہیں مگر صرف سینہ مبارک تک ہی اور تم لوگ سینہ سے اوپر اٹھا کر آپ کے عمل کے خلاف کرتے ہو لہٰذا یہ فعل بدعت ہے'' ۔اھ [راہِ سنّت صفحہ ۹۴]

اَقُولُ :- اوّلا: یہ روایت ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں ''بشر بن حرب ندبی'' نامی ایک راوی ہے جس پر محدّثین (ائمہ شان) کو سخت کلام ہے چنانچہ امام بخاری نے فرمایا:

''رأیت علی بن المدینی یضعفه''میں نے (اپنے شیخ) امام علی بن المدینی کو دیکھا کہ وہ اسے ضعیف قرار دے رہے تھے۔ نیز فرمایا کان یحییٰ بن سعید لایروی عنه ''امام یحییٰ بن سعید القطعان اس سے روایت نہیں لیتے تھے۔ ابوطالب نے امام احمد سے روایت کی ''لیس بقوی فی الحدیث'' وہ حدیث میں قوی نہیں۔ ابن ابی خیثمہ وغیرہ نے اما یحییٰ بن معین سے روایت کیا کہ'' ضَعِیفٌ'' وہ ضعیف ہے امام محمد بن سعد نے کہا''کان ضعیفا فی الحدیث'' یہ حدیث ضعیف ہے۔ بروایت عجلی امام ابوداؤد نے فرمایا''لیس بشئی'' حدیث میں وہ کچھ بھی نہیں ہے۔ ابواحمد الحاکم نے کہا لیس بالقوی عندہم محدّثین کے ہاں وہ قوی نہیں۔ العجلی نے کہا ضعیف الحدیث وھو صدوق ''فی نفسہٖ صدوق ہے۔ فن حدیث میں ضعیف ہے۔ ابن خراش نے کہا متروک ہے۔ ابن حبان نے کہا ترکه یحییٰ القطان لانفرادہ عن الثقات بمالیس من احادیثهم۔ امام یحییٰ بن سعید القطان نے اسے اس لیے تَرَک فرمایا کہ وہ ثقات کے حوالہ سے ایسی روایات لاتا تھا جوان کی نہیں ہوتی تھیں''۔ اھ ملاحظہ ہو [تہذیب التہذیب جلد ا صفحہ ۳۹۰ صفحہ ۳۹۱، طبع ملتاب نیز نحوہ میزان الاعتدال جلد ا صفحہ ۱۳۱۴ طبع سانگلہ ہل]

اعلام:۔ بعض محدثین سے اس کی ہلکی سی تعدیلات بھی منقول ہیں جیسے لا باس به۔ لیس ھو من یترک حدیثه وغیرہ (کمافی تہذیب التہذیب والمیزان) جن کی حسب اصول ان کڑی تنقیدات وتجریحات کے مقابلہ میں کچھ وقعت نہیں۔ فلیتامل۔

ثانیاً: برتقدیر تسلیم س کی بنیاد عدم فعل پر نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ کے اس سلسلہ کے ایک اور معمول مبارک کی خلاف ورزی ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ آپ ﷺ سے مختلف اوقات میں مختلف انداز میں ہاتھ اٹھا کر دعاء فرمانا ثابت ہے۔ سینہ[1] مبارک تک۔ کندھوں[2] تک اور بالمبالغہ ہاتھ اٹھا کر اس طرح سے ہاتھ مبارک سر اقدس سے بھی اوپر ہوں پس حضرت ابن عمر کا مذکورہ روایت میں ہاتھ اٹھانے کو بدعت قرار دینے کا مطلب صرف یہی ہوسکتا ہے کہ تم نے ایک ہی صورت کو لازم کرلیا ہے جب کہ اس میں آپ ﷺ کے اور طریقے بھی تھے جس سے تم نے آپ کے ان طریقوں کی خلاف ورزی کا ارتکاب کیا ہے لہٰذا تمہارا ایسا کرنا بدعت ہے کہ تم خلاف ورزی والی صورت کو سنّت گردان رہے ہو۔

اَقُولُ:۔ یہ بعینہٖ اہل سنّت کے موقف کی تائید ہے کہ بدعت نام ہے کسی امر کی اصل شرعی حیثیت کو بدل کر اس

تبدیل کردہ صورت کو مطابق شریعت سمجھنے کا۔ وللہ الحمد۔

ہمارے بیان کے بعض دلائل حسب ذیل ہیں:-

''صحیح حدیث میں ہے کہ ایک جہاد کے موقع پر جلیل القدر صحابی حضرت عبید ابو عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زخمی حالت میں وفات پائی اور حالت نزع میں انہوں نے اپنے بھتیجے عظیم المرتبت صحابی حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وصیّت فرمائی کہ سید عالم ﷺ کی خدمت میں جب تمہاری حاضری ہو تو میری طرف سے تم آپ کو عرض کیجیے گا کہ حضور میرے لیے دعا مغفرت فرمائیں۔ چنانچہ انہوں نے جا کر آپ کی خدمت میں یہ عرض کی ''فدعا بماء فتوضاء ثم رفع یدیه ورأیت بیاض ابطیه فقال اللهم اغفر لعبید ابی عامر الخ'' تو آپ نے پانی منگو کر تازہ وضو فرمایا اس کے بعد آپ نے دعا کے لیے اپنے ہاتھ مبارک اس قدر اٹھائے کہ مجھے آپ کی مبارک بغلوں کی چمک اپنی آنکھوں سے نظر آنے لگی پھر آپ نے دعا فرماتے ہوئے بارگاہ ایزدی میں عرض کی اے اللہ عبید ابو عامر کو بخش دے'' الخ ملاحظہ ہو (صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۶۱۹، صفحہ ۹۴۴ وغیرہ۔ حدیث طویل ہے ہم نے اس کا مطلوبہ حصہ نقل کیا ہے)

نیز ایک اور حدیث میں حضرت براء بن عازب ﷺ سے مروی ہے کہ ''کان اذا اصابته شدة فدعا رفع یدیه حتّٰی یریٰ بیاض ابطیة'' یعنی آپ ﷺ کسی سخت پریشانی کے وقت جو دعا فرماتے تھے اس میں ہاتھ اٹھانے کا یہ انداز ہوتا تھا کہ آپ اپنے ہاتھ اس قدر اٹھاتے کہ آپ بغلوں کی چمک نظر آنے لگی تھی۔ ملاحظہ ہو [الجامع الصغیر للسیوطی جلد ۲ صفحہ ۱۰ اور مز علیہ بحرف ''ع'']

علاوہ ازیں امام بخاری نے دعا نے مطلقاً ہاتھ اٹھانے کا باب قائم فرمایا ہے اور اس کے تحت تعلیقاً حضرت ابوموسیٰ کی مذکورہ روایت کے الفاظ بھی لائے ہیں۔ [صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۹۴۴]

نیز لمعات شرح مشکوٰۃ میں زیر بحث روایت کے تحت شیخ محقق رحمہ اللہ ارقام فرماتے ہیں:-

''یعنی رفعکم فوق صدورکم دائما اوفی اکثر الاحوال من غیر تمیز عن الاحوال المذکورة فی الحدیث السابق بدعة لم یفعله رسول اللہ ﷺ بل کان حاله ﷺ مختلفاً تارة فتارة'' یعنی روایت ہٰذا میں دعا میں ہاتھوں کے سینہ سے اوپر اٹھانے کو بدعت کہنے کا مطلب یہ ہے تمہارا ہمیشہ یا اکثر اسی ایک ہی طریقہ سے دعا کرنا بدعت ہے جب کہ آپ ﷺ نے مختلف

اوقات میں مختلف طریقوں سے ہاتھ اٹھا کر دعائیں فرمائی ہیں''۔ ملاحظہ ہو [مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۱۹۶ حاشیہ ۲]

نیز شیخ محقق نے علامہ طیبی کے حوالہ سے لکھا ہے: ''انکار ابن عمر برقوم در غالب احوال ایشان است در دعا و سؤال وفرق نا کردن ایشاں در حالت کہ برائے امرے تا سینہ بردارند وبالائے سینہ تا دوشہا برائے امر دیگر وبالائے دوشہا برائے امر دیگر''، یعنی حضرت ابن عمر کے ان لوگوں کے اس عمل پر انکار کا محمل یہ ہے کہ انہوں نے تمام حالات میں ایک ہی طریقہ سے دعا میں ہاتھوں کے اٹھانے کو معمول بنالیا تھا جب کہ آپ ﷺ سے کئی طریقوں سے ہاتھوں کا اٹھانا ثابت ہے۔ کبھی آپ سینہ مبارک تک اور کبھی کندھوں تک اور کبھی کندھوں سے اوپر ہاتھ اٹھاتے تھے۔ [اشعۃ اللمعات جلد ۲ صفحہ ۶۷۷ طبع نوریہ رضویہ سکھر]

علاوہ ازیں علی القاری نے بھی علامہ طیبی کی یہ توجیہ نقل فرمائی اور فرمایا ''وھٰذا جمع فی غایۃ من الحسن''، یعنی یہ انتہائی اچھی تطبیق ہے۔ [مرقاۃ جلد ۵ صفحہ ۷۴ طبع ملتان]

ثالثاً: اس سے قطع نظر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما زیادہ سے زیادہ اپنی معلومات کی حد تک بیان فرمارہے ہیں کہ انہوں نے آپ ﷺ کو اسی طریقہ سے ہاتھ اٹھاتے دیکھا جب کہ دیگر صحابہ کرام نے دوسرے طریقے بھی دیکھ کر بیان فرمائے جب کہ اصول یہ ہے کہ مثبت، نافی پر مقدم ہوتا ہے جس کی ایک مثال یہ ہے کہ سید عالم ﷺ کے کعبہ مقدسہ کی عمارت میں جا کر نوافل پڑھنے کی متعلق دو قسم کی روایات آئی ہیں بعض میں اس کی نفی پائی جاتی ہے اور بعض میں اس کا اثبات پایا جاتا ہے ان میں ترجیح بالاتفاق اثبات والی روایات کو ہی ہے اور یہ روایتیں صحیح بخاری اور صحیح مسلم وغیرہما میں موجود ہیں۔ امام ابن حجر نے بھی پیش نظر روایت کے بارے میں یہی موقف اختیار کیا ہے۔ چنانچہ علامہ علی قاری علیہ الرحمۃ (اگرچہ ان کے اس جواب پر علامہ طیبی کی توجیہ کو راجح قرار دیتے ہیں جو کچھ مضر نہیں کہ للناس فیما یعشقون مذاھب، تاہم) ان کے حوالہ سے ارقام فرماتے ہیں:

''ان ابن عمر استند فی قولہ مازاد الیٰ علمہٗ فھو ناف وغیرہ اثبت عنہ ﷺ الرافع الیٰ حذو المنکبین تارۃ والیٰ اعلیٰ من ذٰلک اخری والحجۃ للمثبت''، یعنی حضرات ابن عمر اپنے علم کے مطابق دوسری صورتوں کی نفی کررہے ہیں جب کہ دیگر صحابۂ کرام نے اس کا اثبات کرتے ہیں بعض اوقات کندھوں تک اور بعض اوقات کندھوں سے اوپر ہاتھ اٹھانے کا ذکر کیا ہے

جب کہ ترجیح مثبت کو ہوتی ہے''۔ [مرقاۃ جلد۵ صفحہ۴۷ طبع ملتان]

نیز ابن حجر فرماتے ہیں'' ثبت فی کل منهما حتی یری بیاض ابطیة ''۔ نیز منذری کے حوالہ سے لکھا ہے فجانب الاثبات ارجح یعنی دعائیں ابتہال' استسقاء اور غیر استسقاء دونوں میں ثابت اور یہی ارجح ہے۔ [فتح الباری جلد۱۱ صفحہ۱۴۹]

رابعاً: خود حضرت ابن عمر سے اس کے خلاف بھی مروی ہے۔ چنانچہ حافظ صاحب لکھتے ہیں واخرج الطبری من وجهه آخر عنه قال یرفع یدیه حتی یجاوز بهما رأسه یعنی طبری کی ایک روایت میں حضرت ابن عمر سے یہ بھی منقول ہے کہ آپ اپنے ہاتھ اتنے اٹھاتے کہ وہ سر سے اوپر ہو جاتے۔ اھ [فتح الباری جلد۱۱ صفحہ۱۴۷ طبع مصر]

خامساً: اس سے قطع نظر یہ روایت کئی وجوہ سے خود گکھڑوی صاحب اور ان کی جماعت کے خلاف ہے کیونکہ:

۱ وہ اپنی کتاب راہِ سنّت میں متعدد مقامات پر کتاب کے بنیادی نقطہ کے طور پر لکھ چکے ہیں کہ عدم فعل' عدم جواز کی دلیل ہے جب کہ بے شمار کام وہ خود ایسے کر رہے ہیں جو ان کے طور پر کسی طرح ثابت نہیں جیسے پنجگانہ اور عیدین کی نمازوں کے بعد اجتماعی صورت میں یہ ہیئت کذائیہ دعائیں جو کی جماعت کرتی ہے (وقد مرّ مراراً)

۲ بلکہ ان کی واضح اکثریت دعا کرتے وقت سینہ سے اوپر ہی ہاتھ اٹھاتی ہے پس اس کی زد بھی انہی پر ''حق بہ صاحب حق برسید'' کے طور پر پڑتی ہے اور وہ خود ہی اس سے بدعتی قرار پاتے ہیں۔

۳ علاوہ ازیں حدیث خیر القرون کی بحث میں وہ بڑے زور وشور سے لکھ آئے ہیں کہ سنّت وہی ہے جو تین زمانہ والوں نے کیا ہو جن میں ایک تابعین ہیں جب کہ روایت ہذا میں جن لوگوں کے اس عمل کو حضرت ابن عمر بدعت قرار دے رہے ہیں وہ کم از کم' تابعی تھے جس سے ان کے اس دعویٰ کا باطل ہونا ثابت ہوتا ہے۔ بالفاظ دیگر اگر گکھڑوی صاحب کی خیر القرون والی بحث درست ہے تو ان کی پیش کردہ یہ روایت غلط ہوئی اور اگر یہ روایت صحیح ہے تو ان کی خیر القرون والی بحث غلط ہوئی۔ اب جو آسان ہو اسے اختیار فرمالیں۔

من نگویم ایں مکن وآں کن
مصلحت بیں و کار آسان کن

۴ بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ حضرت ابن عمر نے الٹے ہاتھ کرکے دعا کی نمعلوم گکھڑوی صاحب اس کے دلدادہ ہونے کے باوجود سیدھے ہاتھوں کیوں دعا کرتے ہیں چنانچہ حافظ ابن حجر نے امام بخاری کی کتاب الادب المفرد کے حوالہ سے بطریق قاسم بن محمد لکھا ہے:

''رأیت ابن عمر یدعو عند القاص یرفع یدیه حتّٰی یحاذی بهما منکبیه باطنهما مما یلیه وظاهرهما ممایلی وجهه'' [فتح الباری جلد ۱۱ صفحہ ۱۴۷]

بلکہ بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ ان کے نزدیک سرے سے دعا میں ہاتھ اٹھانا ہی مکروہ ہے ملاحظہ ہو فتح الباری جلد ۱۱ صفحہ ۱۴۷۔ قال الطبری وکره رفع الیدین فی الدعاء ابن عمر الخ____ یعنی امام طبری نے فرمایا کہ حضرت ابن عمر کے نزدیک دعا میں ہاتھ اٹھانا مکروہ ہے اھ۔ پس گکھڑوی صاحب کو چاہیے کہ وہ اب سرے سے دعا میں ہاتھ اٹھانے ہی کو چیلنج کریں۔

خلاصہ: یہ کہ روایت ہٰذ کسی طرح سے بھی گکھڑوی موقف سے نہ صرف یہ کہ مطابقت نہیں رکھتی بلکہ کئی مسائل میں کئی وجوہ سے ان کے اور ان کی جماعت کے خلاف بھی ہے۔ نیز ہماری اس تفصیل کی رُو سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ گکھڑوی صاحب کا دعا میں سینہ سے اوپر ہاتھ اٹھانے کو عام حالات سے ہٹ کر صرف استسقاء اور اس جیسی صورتوں سے مخصوص قرار دینا ان کا بے بنیاد دعویٰ ہی نہیں بلکہ کئی احادیث صحیحہ اور نصوص ائمہ شان کے صریحاً خلاف بھی ہے جب کہ حسب تصریح ائمہ شان' خود استسقاء میں ابتہال فی الدعا کا ذکر شاذ اور کم از کم یہ کہ غیر متفق علیہ ہے۔ فافهم۔ چنانچہ امام ابن حجر عسقلانی (روایت انس رضی اللہ عنہ جو استسقاء کے متعلق دو طرح سے منقول ہے بعض طرق میں ''رأیت بیاض ابطیه'' مذکور ہے اور بعض میں اس قید کے بغیر صرف رفع یدیه کے الفاظ ہیں کہ متعلق ارقام فرماتے ہیں:

''وهذا طرف ایضاً من حدیث انس فی الاستسقاء وقد تقدم هناک بهذا السند معلقا ووصله ابو نعیم من روایة ابی زرعة الرازی قال حدثنا الا ویسی به واورد البخاری قصة الاستسقاء مطوله من روایة شریک بن ابی نمر وحده عن انس من طرق فی بعضها ورفع یدیه ولیس فی شئی منها'' حتی رأیت بیاض ابطیه'' لاهذا اه

[فتح الباری جلد ۱۱ صفحہ ۱۴۶ طبع مصر]

روایت عمارہ بن رویبہ کے حوالہ سے اعتراض کا جواب

اس سلسلہ کی مزید دلیل پیش کرتے ہوئے گکھڑوی صاحب نے لکھا ہے کہ:

''حضرت عمارہ بن رویبہ (المتوفّٰی ھ) نے بشر بن مروان کو منبر پر دونوں ہاتھ اٹھائے ہوئے دیکھا تو سخت لہجہ میں یوں ارشاد فرمایا کہ فتح اللہ ھاتین الیدین لقدرأیت رسول اللہ ﷺ مایزید علٰی ان یقول ھکذا بیدہ واشار باصبعہ المسبحۃ ۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں چھوٹے چھوٹے ہاتھوں کا ناس کرے میں نے تو جناب رسول اللہ ﷺ کو اشارہ کی انگلی سے زیادہ ہاتھ اٹھاتے ہوئے نہیں دیکھا'' (اور یہ دونوں ہاتھ اٹھا رہا ہے) [مسلم جلد ۱ صفحہ ۲۸۷] اھ۔

نیز اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

''حضرت عمارہ بن رویبہ، بشر بن مروان کے لیے فتح اللہ الخ کے سنگین الفاظ سے صرف اس لیے بددعا کرتے ہیں کہ آپ کے فعل پر اس نے زیادتی کی ہے جو ہر حالت میں قابل ملامت ہے غور تو کیجیے کہ کس کو اور تغیر ہیئت اور تغیر کیفیت کو بدعت قرار دیتے اور اس سے منع کرتے ہیں۔ اھ ملاحظہ ہو [راہِ سنّت صفحہ ۹۴، ۹۵]

اَقُوْلُ:- یہ حدیث ابوداؤد وغیرہ میں بھی ہے اور یہ بھی گکھڑوی موقف کی قطعاً دلیل اور ہمارے کچھ خلاف نہیں کیونکہ:

اوّلاً: اس کی سند میں حصین بن عبدالرحمٰن السلمی ہے جن کے بارے میں امام نسائی نے فرمایا: ''تغیر'' اس کی قوۃ حافظہ خراب ہوگئی تھی۔ عقیلی وغیرہ نے نَسِیَ کے لفظ سے ذکر کیا۔ نیز ابن حجر نقل فرماتے ہیں وفی آخر عمرہ ساء حفظہ آخری عمر میں ان کی قوت حافظہ بگڑ گئی تھی۔ (تہذیب التہذیب جلد ۲، صفحہ ۳۲۹)۔ تقریب التہذیب میں یوں لکھا ہے: ''تغیر حفظہ فالآخر'' عمر کے آخری حصہ میں ان کا حافظہ متغیر ہوگیا تھا۔ (جلد ۱ صفحہ ۱۸۲ طبع بیروت) ___ نیز ملاحظہ ہو۔ میزان الاعتدال جلد ۱ صفحہ ۵۵۱ صفحہ ۵۵۲۔ مثل تہذیب التہذیب وفیہ ایضاً وذکرہ البخاری فی کتاب الضعفاء وابن عدی والعقیلی) ___

ثانیاً: بعض سلف نے اس سے یہ سمجھا ہے کہ اس سے مراد دعا میں ہاتھوں کا اٹھانا ہے اور حضرت عمارہ نے

اسی پر چوٹ فرمائی ہے لہٰذا دعا میں ہاتھوں کا اٹھانا خلاف سنّت ہے پس گکھڑوی صاحب کو چاہیے کہ وہ اب سیدھا دعا میں ہاتھوں کے اٹھانے کے مسنون ہونے پر بھی ہاتھ صاف کریں خصوصاً جب کہ ان کا پروپیگنڈہ بھی ہے کہ وہ قرآن وحدیث کا وہی معنٰی لیتے ہیں جو سلف نے کیا ہو اور بالخصوص جب کہ اس میں بعض صحابہ کرام بھی شامل ہیں ورنہ وہ اس اسلاف بلکہ صحابۂ کرام کی تغلیط کریں والعیاذ باللہ۔ چنانچہ امام ابن حجر عسقلانی ارقام فرماتے ہیں: ''فقد حکی الطبری عن بعض السلف انه اخذ بظاهره وقال ان السنة ان الداعی یشیر باصبع واحدة (الیٰ)قال الطبری وکره رفع الیدین فی الدعا ابن عمر و جبیر بن مطعم ملخصاً بلفظہٖ ملاحظہ ہو [فتح الباری جلد ۱۱ صفحہ ۱۴۷ طبع مصر]

نوٹ: اعتراض ہٰذا گکھڑوی صاحب کی طرز پر ان کی زبان میں اور ان کے حسب مزاج ہے ورنہ ہمارے نزدیک یہ تحقیق کے معیار پر پورا نہیں۔ فافهم ولاتکن من الغافلین۔

ثالثاً: بعض اس کے جواز کے قائل ہوئے تو کیا وہ بھی بدعتی ہیں۔علامہ نووی نے لکھا ہے وحکی القاضی عن بعض السلف وبعض المالکیة اباحیة لان النبی صلی الله علیه وسلم رفع یدیه فی خطبة الجمعة حین استسقیٰ اھ [شرح مسلم جلد ۱ صفحہ ۲۸۷]

رابعاً: اس سے قطع نظر اور برتقدیر تسلیم صحت روایت اسکا ''عدم فعل'' سے کوئی تعلق نہیں بلکہ یہ تغییر فعل سے متعلق ہے۔ بالفاظ دیگر حضرت عمارہ رضی اللہ عنہ نے بشر کی مذمت فرماتے ہوئے یہ نہیں فرمایا کہ وہ ایسا کام کررہا ہے جو رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا بلکہ وہ یہ فرمارہے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تو دوران خطبہ عام حالات میں شہادت کی انگلی سے اشارہ فرمادیتے تھے اور ہاتھ مبارک صرف استسقاء کی غرض سے عارضی طور پر اٹھاتے تھے اور یہ اپ کے اس عمل کی بجائے' اسے چھوڑ کر بلکہ بدل کر اپنی طرف سے اور اپنا عمل اس کی جگہ پر رکھ رہا ہے یعنی اس سے اس نے سنّت کی تغییر کردی اور پہلے سے موجود امر مسنون کو بدل ڈالا ہے جیسا کہ الفاظ حدیث اور اس کے کیے گئے گکھڑوی ترجمہ سے بھی ظاہر ہے جو بعینہٖ اہل سنّت کا موقف ہے۔ اسی لیے گکھڑوی صاحب نے بھی یہاں پر ازراہ چالاکی (سابقاً دعویٰ کے باوجود) عدم فعل اور غیر ثابت کے الفاظ کی تصریح نہیں کی بلکہ لفظوں کے پردے میں دباتے ہوئے یوں لکھا ہے کہ آپ کے فعل پر اس نے زیادتی کی ہے جب کہ مطلقاً زیادتی بھی منع نہیں بلکہ صرف اس صورت میں منع ہے کہ پہلے سے موجود امر شرعی کا مغیّر ہو۔لہٰذا گکھڑوی

صاحب کا یہاں پر یہ حکم صادر کرنا کہ ''جو ہر حالت میں قابل ملامت ہے'' صحیح نہیں بلکہ ان کا بے بنیاد اور بے دلیل دعویٰ ہے جس کی دلیل پیش کرنا ان کے ذمہ ہے جب کہ گزشتہ عنوان (ترک وعدم فعل، عدم جواز یا کراہت کو مستلزم نہیں) کے تحت دیگر دلائل کے علاوہ خود گکھڑوی صاحب کے متعدد اکابر سے یہ بھی باحوالہ گزر چکا ہے کہ امر مسنون پر اضافہ ہر صورت میں ممنوع نہیں مثلاً پنجگانہ نمازوں کے بعد دعائیں کرنا احادیث میں مصرّح ہے مگر اس طرح سے مانگنا کہ سب نے ہاتھ اٹھائے ہوئے ہوں امام دعا کرے اور مقتدی آمین آمین کہیں یہ اس پر اضافہ ہے۔ اسی طرح درود شریف کے جو الفاظ حدیث میں آ گئے ہیں وہ مسنون ہیں ان کے علاوہ ازخود اپنے الفاظ میں درود شریف پڑھنا گکھڑوی اصول کے مطابق اضافہ ہے۔ یونہی درود شریف کے الفاظ میں نماز کے اندر خواہ باہر سید عالم ﷺ کے اسم گرامی کے ساتھ سیدنا کے الفاظ کا بڑھانا یقیناً اصل پر اضافہ ہے مگر اس کے باوجود گکھڑوی صاحب کے ان اکابر نے اس سب کو جائز، مستحسن اور مستحب قرار دیا ہے اسی طرح خطبہ تو ثابت ہے مگر جمعہ کی تقریر ثابت نہیں مگر سب دیوبندی اس پر عمل پیرا ہیں۔ بناء بریں گکھڑوی صاحب کی پیش کردہ اس حدیث اور ان کے اکابر کے ان فتوؤں میں سے ہر ایک دوسرے کی زد میں ضرور آئے گا۔ اب یہ گکھڑوی صاحب کی مرضی پر منحصر ہے کہ اپنے ان اکابر کو بدعتی کہیں یا پیش کردہ اس روایت کی تغلیط کریں۔ (حوالہ جات کی تفصیل متعلقہ صفحات پر گزشتہ سطور میں دیکھیں)

مزید سنیئے، نورالایضاح اور اس کی شرح مراقی الفلاح میں ہے: ''ویأتی بـه مرة'' یعنی تکبیر تشریق ایک بار کہے۔ اس کے تحت امام علامہ سید طحطاوی ارقام فرماتے ہیں:

''وما زاد فهو مستحب قاله البدر العيني في شرح التحفة واقره في الدر وفي الحموي عن القراحصاري، الايتان به مرتين خلاف السنة وفي مجمع الانهر ان زاد فقد خالف السنة اھ ولعل محله ماذا اتى به على انه سنة واما اذا اتى به على انه ذكر مطلق فلا ويحرر'' یعنی علامہ بدرالدین عینی نے شرح التحفہ میں فرمایا اور الدر میں اسے برقرار رکھا کہ ایک بار سے زیادہ کہنا مستحب ہے۔ حموی میں قراحصاری کے حوالہ سے ہے کہ ایک بار سے زیادہ کہنا خلاف سنت ہے۔ اور مجمع الانہر میں بھی ہے کہ ایک بار پر اضافہ کیا تو مخالف سنّت ہوگا۔ (طحطاوی فرماتے ہیں) خلاف سنّت اس وقت ہے کہ جب ایک بار سے زائد کو

سنت سمجھ کر کہے لیکن اگر مطلق ذکر کے پیش نظر جائز سمجھ کر کہے (یعنی اس کی اصل کو نہ بدلے) تو خلافِ سنّت نہیں والبحر رالیہ اھ ملاحظہ ہو [حاشیہ الطحطاوی علی مراقی الفلاح شرح نور الایضاح صفحہ۲۴۴ طبع نور محمد کراچی]

(هٰذا وللتفصيل مقام اٰخر)

خامساً: اس سب سے قطع نظر اس کے مرتکب خود گکھڑوی صاحب اور ان کی جماعت کے لوگ ہیں کیونکہ وہ جمعہ کی تقریروں میں منبروں پر بیٹھ کر دوران تقریر جوش میں آ کر ہاتھوں سے عجیب عجیب طرح کے اشارہ کرتے اور بعض تو ہاتھوں کو خوب اوپر لے جا کر نیچے میز وغیرہ پر بڑے زور سے مارتے اور طرح طرح کی ایکٹنگ کرتے ہیں جو بشر بن مروان کے ''چھوٹے چھوٹے ہاتھوں'' کی حرکت سے کئی گنا بڑھ کر ہے کیونکہ روایت کے انداز سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ دوران خطبہ رسول اللہ ﷺ کے انگلی مبارک سے اشارہ کرنے سے مقصود وہ اشارہ ہے جو بولنے والا بولنے کے دوران کرتا ہے۔ لہٰذا بشر کے ہاتھوں کے اٹھانے سے مراد بھی دعا کے لیے ہاتھ اٹھانا نہیں بلکہ دوران خطاب جوش میں آ کر دونوں ہاتھوں کو ہلانا اور اوپر لے جا کر نیچے مارنا ہے جیسا کہ دور حاضر کے خطباء کا انداز ہے۔ آپ ﷺ کے دوران خطاب انگلی مبارک سے اشارہ کرنے کا ذکر صحیحین وغیرہما کی کئی احادیث میں موجود ہے جو کسی خادم حدیث پر مخفی نہیں۔ سچ ہے ع

میں الزام ان کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا فلیتأمّل

لانه قد اخرج احمد بسند جيّد عن غضيف بن الحارث قال بعث الّى عبدالملك بن مروان فقال انا قد جمعنا الناس على رفع الا يدى على المنبر يوم الجمعة وعلى القصص بعد الصبح والعصر فقال اما انهما امثل بدعكم عندى ولست بمجيبكم الى شئى منهم لان النبى صلى الله عليه وسلم قال ما احدث قوم بدعة الارفع من السنة مثلها فتمسك بسنة خير من احداث بدعة انتهىٰ (فتح الباری جلد۱۳ صفحہ۲۶۷ کتاب الاعتصام باب الاقتداء)

عبارت غنیۂ بدائع اور ہدایہ سے مغالطہ کا ردّ:-

گکھڑوی صاحب نے اپنے موقف کی مزید دلیل دیتے ہوئے لکھا ہے کہ :-

''علامہ سدید الدین کاشغری الحنفی (المتوفّٰی فی حدود ۷۰۰ھ) لکھتے ہیں کہ والزیادۃ علی ثمان رکعات لیلاً وعلٰی اربع رکعات نہاراً مکروہ بالاجماع 'رات کے وقت آٹھ رکعات سے زیادہ اور دن کے وقت چار رکعات سے زیادہ ایک سلام کے ساتھ نفلی نماز پڑھنا آئمہ احناف کے اجماع سے مکروہ ہے (منیۃ المصلی صفحہ ۱۰۲)

اور نہر الفائق میں اس کی تصریح ہے کہ مکروہ تحریمی ہے۔ حضرات فقہاء احناف نے اس کی دلیل یہ پیش کی ہے: بعدم ورود الاثر ۔ اس لیے مکروہ ہے کہ اس کے لیے کوئی اثر اور دلیل موجود نہیں ہے اور ملک العلماء علامہ علاء الدین ابوبکر ابن مسعود الکاسانی الحنفی (التوفّٰی ۵۸۷ھ) بعض فقہاء کرام سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یکرہ لان الزیادۃ علٰی ھذا لم تروعن رسول اللہ ﷺ الخ (البدائع والصنائع جلد ا صفحہ ۲۹۵) یعنی یہ اس لیے مکروہ ہے کہ آنخضرت ﷺ سے زیادہ مروی نہیں ہے۔ اور صاحب ہدایہ لکھتے ہیں کہ :ودلیل الکراھۃ انہ علیہ السلام لم یزد علٰی ذٰلک ولولا الکراھۃ لزاد تعلیماً للجواز کراھت کی دلیل یہ ہے کہ آپ سے زیادت منقول نہیں اگر کراہت نہ ہوتی تو آپ تعلیم جواز کے لیے زیادہ بھی کر دیتے۔ (ہدایہ جلد ا صفحہ ۱۲۷) اھ

بلفظہٖ ملاحظہ ہو [راہِ سنّت صفحہ ۹۵]

اَقُوْلُ:- یہ عبارات بھی گکھڑوی موقف کی ہرگز دلیل نہیں ہیں بلکہ ان سے انہوں نے صریح دھوکہ کھایا یا عمداً مغالطہ دیا ہے جو سخت قابل مذمت ہے۔ تفصیل حسبِ ذیل ہے: فاقولُ

اوّلا: پیش نظر عبارات کو کماحقہٗ، علٰی وجہ البصیرۃ اور صحیح معنوں میں سمجھنے کے لیے سب سے پہلے ان کے اصل پس منظر کو سمجھنا اور یہ ذہن نشین کرنا ضروری ہے کہ فقہ کے دور تدوین میں اور زمانہ تنقیح میں نفلی نماز کے متعلق ائمہ فقہ وعلماء اسلام میں ایک بحث رونما ہوئی کہ نماز نفل کی ایک سلام کے ساتھ زیادہ سے زیادہ کتنی رکعات پڑھی جاسکتی ہیں اور اس کی حدّ جواز کیا ہے۔ نیز اس میں افضل اور غیر افضل کی مقدار کیا ہے نیز یہ کہ اس میں دن رات کے نفل کا حکم برابر ہے' اس میں کچھ فرق ہے؟ پس اس سلسلہ میں ائمہ کی تحقیقات مختلف ہوئیں، بعض نے فرمایا دن ہو یا رات' نفلی نماز کی ایک سلام سے صرف دو ہی رکعات

پڑھی جاسکتی ہیں اس سے زیادہ نہیں۔اس کی حدّ اباحت وافضلیت یہی ہے (چار رکعتی سنتیں اس سے مستثنیٰ ہیں) اور یہ امام مالک اور امام شافعی اور بعض دیگر ائمّہ کا قول ہے رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین۔

جب کہ امام اعظم ابوحنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد اور بعض دیگر ائمّہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا اس بارے میں اجتہادی فیصلہ یہ ہے کہ دن میں ایک سلام سے زیادہ سے زیادہ چار رکعات درست ہیں اور اس سے زیادہ بیک سلام پڑھنا مکروہ ہے اور رات میں زیادہ سے زیادہ آٹھ رکعات پڑھی جاسکتی ہیں اور ان پر زیادت مکروہ ہے اور یہ زیادت حسبِ تصریح علامہ عمر بن نجیم صاحب النہر الفائق وغیرہ مکروہ تحریمی ہے۔

پھر دن کے نوافل کے بارے میں ہمارے ائمّہ ثلٰثہ رحمہم اللہ کے نزدیک بالاتفاق افضل چار رکعات ہیں۔البتہ رات کے نفل کے بارے میں امام اعظم کے نزدیک افضل یہ ہے کہ دن کے نوافل کی طرح ایک سلام سے چار رکعت ہوں جب کہ صاحبین کے نزدیک دو رکعات افضل ہیں۔رحمہم اللہ اجمعین۔

پھر اس کے بعد مشائخ احناف رحمہم اللہ علیہم میں رات میں بیک سلام آٹھ سے زائد بلاکراہت جواز اور عدم جواز میں تحقیق کا اختلاف رونپذیر ہوا تو بعض اس کے بلاکراہت جواز کی طرف گئے جیسے امام شمس الائمّہ سرخسی، صاحب خلاصہ وغیرہ نے اسی کو صحیح قرار دیا۔اور کچھ نے اسے مکروہ کہا۔صاحب بدائع وغیرہ نے اسی کی تصحیح فرمائی اور اسی کو اکثر مشائخ کا مختار بتایا۔

اس اختلاف کی وجہ، مسئلہ ہٰذا کے بارے میں وارد روایات ائمّہ کے اصول اجتہاد کا مختلف ہونا ہے۔ مسئلہ ہٰذا کی بعض شقیں منصوص اور بعض مجتہد فیہ ہیں جیسے رات دن کی بیک سلام پڑھی جانے والی چار رکعتی سنتوں کا عام نفلی نماز کے کے لیے مقیس علیہ ہونے کی صالح ہونا نیز آٹھ رکعات نماز تہجّد کا بیک سلام ہونا وغیرہ۔

اس سب کے حوالہ جات کے لیے ملاحظہ ہو [کتاب الصلوٰۃ باب النوافل از: تنویر الابصار والدرّ المختار ورد المحتار جلد ۱ صفحہ ۴۹۹ صفحہ ۵۰۰ طبع مصر و پاکستان۔نور الایضاح مع مراقی الفلاح وحاشیہ الطحطاوی صفحہ ۳۱۹ طبع نور محمد کراچی۔منیۃ المصلّی وحلبی کبیر صفحہ ۳۹۱ طبع لاہور نیز حلیۃ المصلّی۔ہدایہ جلد ۱ صفحہ ۱۲۷ طبع کراچی جلد ۱ مع فتح القدیر صفحہ ۳۸۹ طبع بیروت۔فتح القدیر شرح ہدایہ جلد ۱ صفحہ ۳۸۹ صفحہ ۳۹۰۔عنایہ شرح ہدایہ جلد ۱ صفحہ ۳۹۰ طبع بیروت۔بنایہ شرح ہدایہ جلد ۳ صفحہ ۵۶ طبع ملتان۔البحر الرائق جلد ۱ صفحہ ۵۳ طبع کوئٹہ۔بدائع الصنائع جلد ۱ صفحہ ۲۹۵ طبع کوئٹہ۔نیز بدایۃ المجتہد لابن رشد المالکی جلد ۱ صفحہ ۱۵۰ طبع فاران اکیڈمی لاہور۔ففی ردّ المحتار یکرہ

ای اتفاقاً کما فی منیة المصلی ای من ائمتنا الثلثه نعم وقع الاحناف بین المشائخ المتأخرین فی الزیادة علی الثمانیة لیلاً فقال بعضهم لایکرہ والیه ذهب شمس الائمة السرخسی وصححة فی الخلاصة وصحح فی البدائع الکراهة. قال وعلیه عامة المشائخ وتمامه فی الحلیة والبحر۔اھ]

ضروری وضاحت:-

واضح رہے کہ بدایہ متن ہدایہ کی عبارت جو دراصل مختصر القدوری کی عبارت ہے (جو یہ ہے: ونوافل النهار ان شاء صلّی بتسلیمة رکعتین وان شاء اربعاً وتکرہ الزیادہ علی ذٰلک فامانافلة اللیل قال ابوحنیفة ان صلّی ثمان رکعات بتسلیمة جاز وتکرہ الزیادة علی ذٰلک وقالا لایزید علی رکعتین بتسلیمة) مشکلات سے ہے کیونکہ اس کے آخری حصّہ وقالا لایزید الخ سے ظاہر ہوتا ہے کہ صاحبین اس میں امام اعظم سے شاید الگ ہیں جو صحیح نہیں کیونکہ رات دن کے نوافل کے بارے میں نفس جواز کے حوالہ سے بالاتفاق صاحبین کا مذہب بھی بعینہ وہی ہے جو امام اعظم کا ہے، صرف رات کے نوافل کی افضل صورت کے حوالہ سے وہ امام سے مختلف ہوکر دو کے اور امام اعظم بمقابلہ آٹھ، چار کی افضلیت کے قائل ہیں۔

چنانچہ منیۃ المصلّی میں چار اور آٹھ سے زیادت کے بارے میں لکھا ہے ''مکروهة بالاجماع'' اس کے تحت غنیۃ میں ہے: من علمائنا علی ماذکرہ فی کتاب الصلوٰة (حلبی کبیر مع منیہ صفحہ ۳۹۱) نیز اس مضمون کی عبارت الدر المختار کے تحت ردّ المحتار میں لکھا ہے: ای اتفاقاً کما فی منیة المصلی ای من ائمتنا الثلثة (جلد ا صفحہ ۵۰۰ طبع مصر و پاکستان)

البحر الرائق میں ہے: وفی منیةالمصلّی ان الزیادة المذکورة مکروهة بالاجماع ای باجماع ابی حنیفة وصاحبیه (جلد ا صفحہ ۵۳ طبع کوئٹہ)

نیز وجہ تصعب عبارت قدوری یہ بھی ہے کہ ائمہ ثلثہ کے اتفاق کے باوجود مشائخ (امام السرخسی واتباعه) نے اس سے اختلاف کیا ہے پس انہیں یا تو یہ اتفاق نہ پہنچا یا اس کی نسبت ان سے صحیح نہیں یا پھر وہ معتبر فی الباب درجۂ اجتہاد کے حامل ہیں۔ صاحب البحر نے ائمہ ثلثہ کا اتفاق نقل کرنے کے بعد لکھا ہے ''وبه یضعف قول السرخی''۔ لیکن اس کے فوراً بعد لکھا ہے ''وصحح فی الخلاصة ماذهب الیه السرخسی و یشهدله ما فی صحیح مسلم''۔ (جلد ا صفحہ ۵۳)

نیز محقق علی الاطلاق نے روایت مسلم کے نقل فرمانے کے بعد ارقام فرمایا: فبهٰذا یترشح ما صححه

السرخسی الخ (فتح القدیر جلد ۱ صفحہ ۳۹۰)

نیز شیخ الاسلام عینی نے عبارت ہدایہ لم یزد علیٰ ذٰلک کے تحت فرمایا (بعد ان نقل تلک الراویۃ) ''ان ھٰذا الحدیث خلاف ماقالہ المضعف من قولہ لم یزد علیٰ ذٰلک'' (بنایہ شرح ہدایہ جلد ۳ صفحہ ۵۶)

اقول فلیفھم ولیحرر:- نیز ہدایہ جلد ۱ صفحہ ۱۲۷ میں ہے وفی الجامع الصغیر لم یذکر الثمانی اھ وھٰذا امر ثالث فی العبارۃ۔

ثم اقول:- عبارت قدوری میں جھول ہونے کی وضاحت کے لیے مزید ملاحظہ ہو (فتح القدیر شرح ہدایہ، بنایہ شرح ہدایہ، عنایہ شرح ہدایہ وغیرہا کتاب الصلوٰۃ باب النوافل)

اقول عبارۃ الفتح:- لاخلاف بینھم فی اباحۃ الثمان بتسلیمۃ لیلاً وکراھۃ الزیادۃ علیھا (الیٰ) وھو غیر مقید بقول احدالثلثہ. بل تصحیح للواقع من مذھبھم اھ (جلد ۱ صفحہ ۳۸۹)

آمدیم برسر مطلب!

اس تفصیل کو ذہن نشین کر لینے کے بعد اب آیئے مسئلہ زیر بحث شق کی طرف۔

گکھڑوی صاحب کی پیش کردہ عبارات ان کے موقف کی قطعاً دلیل نہیں کیونکہ بحث اس میں ہے کہ بقول گکھڑوی صاحب جو اس امر مسکوت عنہ اور غیر منقول ہو اس کا ذکر کرنا درست نہیں جب کہ بیک سلام چار یا آٹھ رکعات نفل کے پڑھنے کا مسئلہ مکسوت عنہ اور غیر منقول نہیں بلکہ منصوص اور منقول ہے جس کی ایک مختصر دلیل یہ ہے کہ اس میں ائمہ کی بنیاد اس سلسلہ کی احادیث پر ہے۔ چنانچہ علامہ ابن رُشد مالکی (متوفّٰی ۵۹۵ھ) خاص اسی مسئلہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

''والسبب فی اختلافھم اختلاف الآثار الواردۃ فی ھٰذا الباب ''یعنی اس مسئلہ میں ائمہ کے اختلاف کا سبب یہ ہے کہ مسئلہ ہٰذا کے بارے میں وارد احادیث کا مختلف ہونا ہے (بدایہ المجتھد ونھایۃ المقتصد جلد ۱ صفحہ ۱۵۰ طبع فاران اکیڈمی لاہور) اور ہمارے ائمہ کے نزدیک منع زیادت کا مفہوم یہ ہے کہ نصوص (واردہ فی ہٰذا الباب) میں چار آٹھ اسم عدد ہیں جو از قبیل خاص ہے جیسا کہ اصول الشاشی وغیرہ میں ''خاص'' کی بحث میں '' ثلٰثۃ قروء '' کی مثال حوالہ سے مصرّح ہے۔ جب کہ خاص کا حکم یہ ہے کہ اس میں کمی بیشی جائز نہیں لہٰذا چار اور آٹھ پر اضافہ درست نہ ہوا پھر کراہت تحریمیہ دو طرح سے ثابت ہوتی ہے یا تو یہ کہ معتبر فی الباب نہی ثالث ہو۔ یا پھر واجب کی خلاف ورزی ہو (کمافی ردّالمحتار وغیرہ)۔ مبحث فیہ میں نہی کا صیغہ ثابت نہیں۔

پس واجب کی خلاف ورزی والی صورت ہی متعین ہوئی جس کی دلیل یہ ہے آپ ﷺ نے دن میں چار سے زائد اور رات میں آٹھ سے زائد نوافل بیک سلام کبھی نہیں پڑھے (چار بیک سلام کی ایک دلیل چار رکعت سنت ہے جو منصوص ہے اور آٹھ کی دلیل آٹھ رکعات تہجد ہے جس میں آٹھ کا بیک سلام ہونا امر اجتہادی ہے اس لیے امام اعظم نے رات میں آٹھ بیک سلام کے جواز کا قول کرنے کے باوجود اس کے مقابلہ میں افضل چار ہی کو فرمایا)۔

بناء بریں چار اور آٹھ سے زیادہ کرنے کا مطلب اس کو بدلنا ہوگا کیونکہ عدد خاص ہوتا ہے جس میں کمی بیشی جائز نہیں۔ بالفاظ دیگر آپ ﷺ نے چار اور آٹھ کے عدد سے رکعات کی تحدید فرمادی جس پر اضافہ کا مطلب اس حد اور پابندی کو توڑنا ہے اور اسی کو بدعت کہتے ہیں جو بعینہٖ اہل سنت کا موقف ہے جو ہم پہلے بارہا واضح کر چکے ہیں کہ جس امر کی شرعاً حد بندی کر دی گئی ہو اس سے بڑھا کر اس کو کرنا اس کو بدلنے کے مترادف اور بدعت ہے۔ نیز خود گکھڑوی کے حوالہ جات سے بھی واضح کیا جا چکا ہے کہ ہر اضافہ مطلقاً ممنوع نہیں۔

پس چار اور آٹھ سے زائد کو مکروہ کہنا اس وجہ سے نہیں کہ اس کے بارے میں کچھ منقول اور کچھ وارد نہیں جیسا کہ گکھڑوی صاحب نے سمجھا یا عمداً مغالطہ دہی سے کام لیا ہے بلکہ اس وجہ سے ہے کہ اس سے امر منصوص محدود و مخصوص بدرجۂ وجوب کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔ لہٰذا ثم یرد، لم یزد اور لعدم ورود النص علیہ وغیرھا الفاظ کا یہی مطلب ہے کہ اس حد کے بعد مزید کچھ وارد نہیں جو اس حد کو ختم کرے جب کہ اس کا اختیار ہمیں نہیں حد بندی فرمانے والے حضرات شارع ہی کو ہے علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

پس جن مشائخ نے اس سے زائد کو جائز کہا ہے انہیں ضرور اس کے جواز کی کوئی دلیل ملی تھی جس کی تفصیل امام ابن الہمام کی فتح القدیر، شیخ الاسلام عینی کی بنایہ اور امام ابن نجیم المصری کی البحر الرائق وغیرہا میں دیکھی جا سکتی ہے۔ رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین۔

منع زیادت کا جو مفہوم ہم نے بیان کیا ہے ائمہ شان کی کئی عبارات میں تصریحاً تلویحاً مذکور ہے جس کے متعلق یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ گکھڑوی صاحب نے اسے دیکھا نہیں ہوگا۔ اب یہی کہنا پڑے گا کہ انہوں نے محض تلبیس، چالاکی اور ہیرا پھیری سے کام لیتے ہوئے محض من مانے جملوں کے نقل کرنے پر اکتفاء کرتے ہوئے اس سے عمداً صرف نظر کی ہے۔ فیاللعجب ولضیعة العلم والادب۔

چنانچہ ملک العلماء کاسانی حنفی (متوفّٰی ۵۸۷ھ) پھر علامہ ابن نجیم اس بارے میں ارقام فرماتے ہیں:-

''والاصل فی ذٰلک ان النوافل شرعت تبعاً للفرائض والتبع لایخالف الاصل فلوزیدت علی الاربع فی النہار لخالفت الفرائض وھٰذا ھوالقیاس فی اللیل الّا ان الزیادۃ علی الاربع الی الثمان اوالی الست عرفناہ بالنص ''یعنی مسئلہ ہٰذا میں اصل یہ ہے کہ نوافل، فرائض کے تابع ہوکر مشروع ہیں جب کہ تابع، اصل کے برخلاف نہیں ہوسکتا پس اگر دن کے نوافل بیک سلام چار سے زیادہ پڑھے جائیں تو یہ چار رکعتی فرضوں کے مخالف ہوجائیں گے۔رات کے نوافل کے بارے میں بھی قیاس کا تقاضا یہی تھا کہ بیک سلام چار سے زائد نہ پڑھے جائیں لیکن چار سے زائد چھ یا آٹھ کے متعلق نص وارد ہوئی ہے (اس لیے ہم نص کے پابند ہیں) (بدائع الصنائع جلد ا صفحہ ۲۹۵ طبع کوئٹہ نیز البحر الرائق جلد ا صفحہ ۵۳ طبع کوئٹہ)۔

نیز امام محقق علی الاطلاق عبارت ہدایہ ''ودلیل الکراھۃ انہ علیہ السلام لم یزد علی ذٰلک '' کے تحت فرماتے ہیں: ''یعنی والاصل فی ذٰلک التوقیف'' مطلب یہ ہے کہ مسئلہ ہٰذا ازروئے اصل، توقیفی ہے (قیاسی نہیں لہٰذا جو نص میں وارد ہوا ہم اسی کے پابند ہیں)۔ملاحظہ ہو [فتح القدیر جلد ا صفحہ ۳۹۰ طبع بیروت]

نیز حاشیہ الطحاوی صفحہ ۳۱۹ میں ہے ''باتفاق الروایات لانہ لم یروانہ صلی اللہ علیہ وسلم زاد علی ذٰلک الخ۔ نیز حلبی کبیر صفحہ ۳۹۱ میں ہے: ''ان منتھی تھجدہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ثمان رکعات واقلہ رکعتان (الی) وکان یفعل ذٰلک کلہ بتسلیمۃ واحدۃ (الی)وبھٰذا لیدل علی کراھۃ الزیادۃ قال فی الھدایۃ'' الخ۔

نیز علامہ شامی علیہ الرحمۃ عبارت الدرالمختار لانہ لم یرد کے تحت رقم طراز ہیں:

''ای لم یرد عنہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ زاد علی ذٰلک والاصل فیہ التوقیف کمافی فتح القدیر ای فما لم یوقف علی دلیل المشروعیۃ لایحل فعلہ بل یکرہ اتفاقاً الخ۔

یعنی درمختار کی اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ ان مقررہ رکعات سے زائد پڑھنا آپ ﷺ سے ثابت نہیں جب کہ اس میں اصل، توقیف ہے جیسا کہ فتح القدیر میں ہے اور توقیف کا مطلب یہ ہے کہ جس مقررہ امر کے بارے میں مزید نص وارد نہ ہو۔ ہمارے ائمہ کے نزدیک اس کا کرنا بالاتفاق درست نہیں بلکہ مکروہ ہے اھ ماادرنا ملاحظہ ہو [ردالمختار جلد ا صفحہ ۵۰۰ طبع مصروپاک]

اَقُوْلُ:۔یہ عبارات ما نحن فیہ کی واضح دلیل ہیں جو کچھ محتاج بیان نہیں۔اس کی مزید دلیل وہ

عبارات بھی ہیں جن میں قائلین زیادت بلاکراہت کے قول کی توجیہ میں وجہ جواز اس امر کو بنایا گیا ہے کہ انہوں نے اس لیے جواز کا قول فرمایا ہے کہ ان کے نزدیک بیک سلام آٹھ کی حدّ ثابت نہیں بلکہ بعض مرفوع روایات ایسی انہیں ملی ہیں جن میں زیادہ علی الثمان مذکور ہے۔

چنانچہ محقق علی الاطلاق اس سلسلہ کی روایت کے نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

فبهذا يرجح ماصححه السرخسی لكنه يقتضی عدم القعود فيها اصلاً الابعد الثامنة وكلهم علىٰ وجوب العقده علىٰ رأس الركعتين من النقل مطلقاً'' (فتح القدیر جلد اصفحہ ۳۹۰)

نیز علامہ عینی لکھتے ہیں: ''ان هٰذا الحديث خلاف ماقاله المصنف من قوله لم يزد علىٰ ذٰلک'' (بنایہ شرح ہدایہ جلد ۳ صفحہ ۵۶)

نیز علامہ ابن نجیم رقم طراز ہیں: ''وصحح فی الخلاصة ماذهب اليه السرخسی ويشهد له ما فی صحيح مسلم'' (البحر الرائق جلد ا صفحہ ۵۳)

ثانیاً: بیان بالا کے ضمن میں یہ امر بھی واضح ہو گیا ہے کہ مسئلہ ہٰذا مشائخ حنفیہ مختلف فیہ ہے بعض ائمہ اس کے جواز کے بھی قائل ہیں پس اگر ہماری بیان کردہ اس تشریح کو ملحوظ نہ رکھا جائے تو وہ ائمہ جنہوں نے آٹھ رکعات نفل بیک سلام کو جائز قرار دیا ہے' گکھڑوی صاحب کے طور پر وہ معاذ اللہ بدعتی قرار پائیں گے حنفی کہلانے کے ناطے سے جس کا سارا وبال خود گکھڑوی صاحب پر پڑے گا۔ چنانچہ امام علامہ حلبی رحمہ اللہ تعالیٰ منیہ سے حکم کراہت کے نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''واختاره القدوری وفخر الاسلام وقال السروحی وفی المبسوط يعنی شمس الائمة السرخسی قال ولم يذكر كراهة الزيادة علىٰ ثمان ركعات بالليل والاصح انها لاتكره لما فيها من وصل العبادة وهوافضل انتهىٰ'' (غنیۃ المستملی صفحہ ۳۹۱)

نیز عنایہ شرح ہدایہ میں ہے:

''وهٰذا اختيار القدوری وفخر الاسلام وقال شمس الائمة الاصح انه لاتكره الزياده علىٰ ثمان ركعات'' اھ (جلد ا صفحہ ۳۹۰ علیٰ ہامش فتح القدیر الہدایۃ)

نیز ملک العلماء فرماتے ہیں:

''واختلف المشائخ فی الزيادة بتسليمة واحدة قال بعضهم يكره لان الزيادة علىٰ

هذا لم تروعن رسول الله ﷺ وقال بعضهم لایکره والیه ذهب الشیخ الامام الزاهد السرخسی رحمه الله قال لان فیه وصل العبادة بالعبادة فلایکره''(بدائع جلد۱صفحہ۲۹۵)

البحرالرائق میں ہے:

''واختلف المشائخ فی الزیادة علی الثمان بتسلیمة واحده مع اختلاف التصحیح وصحح الامام السرخسی عدم الکراهة معللا بان فیه وصل العبادة بالعبادة وهو افضل ورده فی البدائع بانه لیشکل بالزیادة علی الاربع فی النهار قال والصحیح انه یکره لانه لم یروعن النبی ﷺ انتهٰی (الیٰ) وصحح فی الخلاصة ماذهب الیه السرخسی ولیشهد له مافی صحیح مسلم'' (جلد۱صفحہ۵۳)

علامہ بدرالدین عینی فرماتے ہیں:

''وهو اختیار القدوری وفخرالاسلام وقال شمس الائمة لایکره وفی النهایة والاصح انه لایکره لان فیه وصلاً للعبادة بالعبادة وذٰلک افضل''اھ(بنایہ شرح ہدایہ جلد۳صفحہ۵۶)

مراقی الفلاح شرح نورالایضاح میں ہے:

''لانه صلی الله علیه وسلم لم یزد علیه وهٰذا اختیار کثیرالمشائخ وفی المعراج والاصح انه لایکره لما فیه من وصل العبادة وکذا صحیح السرخسی عدم کراهة الزیادة علیه'' اھ(صفحہ۳۱۹مع حاشیہ الطحطاوی)

ردالمحتار کی اس سلسلہ کی یہ عبارت ابھی چند سطور پہلے گزری ہے جس کے اعادہ کی حاجت نہیں۔ نیز فتح القدیر کی عبارت فبهٰذا یترجح ما صححه السرخسی الخ بھی ابھی گزر چکی ہے۔

نیز حاشیۃ الطحطاوی صفحہ۳۱۹ میں ہے کہ''کذا قالوا''اھ جب کہ قالوا کا لفظ بیان اختلاف کے لیے ہوتا ہے کما لایخفی علیٰ احد من خدام الفقه۔

ان سب عبارات سے یہ امر روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ لم یرد 'لم یزد' لعدم ورود النص کی تصریحات کے باوجود ائمہ احناف کا ایک جمّ غفیر اس بات کا قائل ہے کہ رات میں بیک سلام آٹھ رکعات سے زیادہ پڑھنا بھی بلاکراہت جائز اور درست ہے جو اس امر کی دلیل ہے کہ کم ازکم علماء کے اس طبقہ کے نزدیک گکھڑوی صاحب کا یہ استدلال بالکل بےؔس اور بےکار قسم کی چیز ہے یا پھر گکھڑوی صاحب کا بدعت

والا حملہ ان پر بھی ہوگا جب کہ ان علماء میں حضرت امام شمس الائمہ سرخسی رحمہ اللہ تعالیٰ جیسی ہستی بھی ہیں جن کے مؤیدین میں صاحب خلاصہ اور صاحب فتح القدیر جیسے ائمہ شان بھی ہیں۔

ع ببیں تفاوت کہ راہ از کجاست تا بہ کجا

ثالثاً: علاوہ ازیں گکھڑوی صاحب کی پیش کردہ عبارات انہیں اس لیے بھی مفید نہیں ہیں کہ ان میں حکم بدعت نہیں لگایا گیا ہے بلکہ ان میں کراہت کا حکم مذکور ہے جیسا کہ ان میں "مکروہ" یکرہ اور الکراہۃ کے الفاظ سے ظاہر ہے اور گکھڑوی صاحب کے ان الفاظ سے بھی کہ "مکروہ ہے" اور "کراہت کی یہ دلیل ہے" وغیرہا۔ جب کہ وہ خود نہ صرف یہ کہ بدعت اور مکروہ کا دو الگ چیزیں ہونا صراحت کے ساتھ لکھ چکے ہیں بلکہ ان کو ایک سمجھنے کو اصولی مغالطہ بھی قرار دے چکے ہیں۔ ملاحظہ ہو [راہِ سنّت صفحہ ۹۰ تا ۹۲]

رابعاً: پھر بھی نہ مانیں تو گکھڑوی صاحب اپنے اس بیان کی روشنی میں بقلم خود پکے بدعتی قرار پا چکے ہیں کیونکہ ان عبارات کا مفاد انہوں نے خود یہ ظاہر کیا ہے کہ غیر منقول پر عمل بدعتِ سیئہ ہے جب کہ وہ اور ان کی جماعت ایسے بے شمار امور پر عمل پیرا ہیں جو ان کے طور پر منقول نہیں جیسے پنجگانہ اور عیدین کی نمازوں کے بعد بصورت موجودہ اجتماعی شکل میں امام اور مقتدیوں کا اکٹھے مل کر معروف طریقہ سے دعا مانگنا وغیرہ جن کی ایک طویل فہرست گزشتہ صفحات میں ہم پیش کر آئے ہیں اسے ادھر ملاحظہ کیا جائے ____

گکھڑوی جہالت:-

ائمہ نے "لعدم ورود النص" کے لفظ ارشاد فرمائے (کما فی بنایہ شرح الھدایۃ وغیرہ وقد مرّ)۔ جب کہ گکھڑوی صاحب نے اسے "لعدوم ورود الاثر" بنا دیا ہے جب کہ نص اور اثر مترادف بھی نہیں جو مغالطہ اور کم از کم جہالت ہے۔

علاوہ ازیں اگرچہ عبارت بدائع وغیرہ سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ عدم کراہت زیادۃ کا تعلق عند الامام السرخسی دن رات دونوں کی نوافل سے ہے لیکن متعدد ائمہ شان فقہاء کی تصریحات کے مطابق اس کا تعلق صرف رات کے نوافل سے ہے، دن کے نوافل پر زیادت ان کے نزدیک بھی مکروہ ہے جب کہ گکھڑوی صاحب نے کراہت کا تعلق دونوں سے سمجھ لیا ہے جس سے ان کے علم کی اصل پوزیشن اور محقق ہونے کی صحیح حقیقت کھل کر سامنے آ جاتی ہے۔ اس کے بعض حوالہ جات حسبِ ذیل ہیں جن سے بر تقدیر تسلیم عبارت

بدائع کا مبنی بر تسامح ہونا بھی واضح ہوتا ہے۔ چنانچہ محقق علی الاطلاق رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:-

''قال السرخسی الاصح انه لاتکره الزیادة علی الثمان ایضاً الخ [فتح القدیر جلد ۱ صفحہ ۳۸۹ نیز ہدایہ جلد ۱ صفحہ ۱۲۷ حاشیہ نمبر ۵ بحوالہ فتح القدیر]

نیز شرح العنایہ میں ہے: وقال شمس الائمه الاصح انه لا تکره الزیاده علیٰ ثمان رکعات الخ [جلد ۱ صفحہ ۳۹۰ برہامش فتح القدیر]

محقق حلبی نے فرمایا:

''وقال السروحی وفی المبسوط یعنی شمس الائمة السرخسی قال ولم یذکر کراهة الزیادة علیٰ ثمان رکعات باللیل والاصح انها لاتکره'' الخ (غنیۃ صفحہ ۳۹۱)

علامہ ابن نجیم رقم طراز ہیں:

''واختلف المشائخ فی الزیادة علی الثمان بتسلیمة واحدة'' الخ (البحر الرائق جلد ۱ صفحہ ۵۳)

نیز شرح الاسلام علامہ عینی نے زیادۃ علی الاربع اور زیادۃ علی الثمان کا علیحدہ علیحدہ حکم بیان فرماتے ہوئے شرح ہدایہ میں ارقام فرمایا:

''وتکره الزیادة علیٰ ذٰلک)علیٰ اربع رکعات بتسلیمة فی نافلة النهار لعدم ورود النص علیه (الیٰ) وتکره الزیادة علیٰ ذٰلک) علیٰ ثمان رکعات بتسلیمة وهواختیار القدوری وفخرالاسلام وقال شمس الائمه لایکره وفی النهایة والاصحانه لایکره الخ (بنایہ جلد ۳ صفحہ ۵۶)

نیز اسی میں صفحہ ۵۷ پر ہے:

''وقال شمس الائمه انه لایکره الزیادة علیٰ ثمان رکعات'' الخ

نیز علامہ شامی قدس سرّہ السامی لکھتے ہیں:

''نعم وقع الاختلاف بین المشائخ المتأخرین فی الزیادة علیٰ الثمانیة لیلاً فقال بعضهم لایکره والیه ذهب شمس الائمه السرخسی وصححه فی الخلاصة'' الخ (ردالمحتار جلد ۱ صفحہ ۵۰۰)

اَقُولُ:- ان عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ اختلاف صرف آٹھ رکعات بیک سلام پر زیادت سے متعلق ہے

ولا غیر۔ علاوہ ازیں اس کی مزید دلیل یہ بھی ہے کہ جس روایت کی بنیاد پر یہ اختلاف رونما ہوا اسکا تعلق رات کی نوافل سے ہے۔ بعض حوالہ جات حسب ذیل ہیں:

چنانچہ غنیۃ شرح منیہ میں ہے:

''ثم ظاهر كلامه فى المبسوط ان منتهٰى تهجده عليه الصلوٰة والسلام ثمان ركعات واقله ركعتان (الٰى) وبهٰذا يستدل علٰى كراهة الزيادة'' الخ (صفحہ ۳۹۱)

فتح القدیر میں نو رکعات بیک سلام کی روایت کے ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ:

''فبهٰذا يترجح ماصححه السرخسى لكنه يقتضى عدم القعود فيها اصلاً الا بعد الثامنة وكلمتهم علٰى وجوب القعدة علٰى رأس الركعتين مطلقاً'' (جلد ۱ صفحہ ۳۹۰)

اَقُوْلُ:- علامہ شامی نے منحۃ الخالق میں اسے خصائص سے یا پھر منسوخ قرار دیا ہے فافہم۔ نیز علامہ عینی اس روایت کے ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''ان هٰذا الحديث خلاف ماقاله المصنف من قوله لم يزد علٰى ذٰلک'' (بنایہ شرح ہدایہ جلد ۳ صفحہ ۵۷)

نیز البحر الرائق میں مذکورہ روایت کے حوالہ سے قول سرخسی کے متعلق لکھا ہے:

''وصحح فى الخلاصة ماذهب اليه السرخسى وليشهد له مافى صحيح مسلم'' (جلد ۱ صفحہ ۵۳)

ان تصریحات کی رو سے معلوم ہوا کہ گکھڑوی صاحب کا مبحث فیہ اختلاف کو دن رات دونوں نوافل سے متعلق کر دینا خلاف حقیقت اور از حد غلط ہے۔ جس سے ان کی جہالت کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے؟

مزید جہالت:-

گکھڑوی صاحب نے بدائع کا پورا نام اس طرح لکھا ہے ''البدائع والصنائع'' ملاحظہ ہو راہِ سنّت صفحہ ۹۵ جب کہ صحیح اس طرح ہے ''بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع'' جس کی وضاحت خود ملک العلماء نے دیباچہ میں فرما دی اور اس کا مفہوم بھی بیان فرمایا ہے جب کہ گکھڑوی صاحب کے ذکر کردہ نام کا معنٰی بھی درست نہیں۔ لگتا ہے کہ کتاب انہوں نے دیکھی نہیں ہو گی فافہم۔

بعض دیگر فقہی عبارات سے جواب:-

اس سلسلہ کی مزید دلیل پیش کرتے ہوئے گکھڑوی صاحب نے لکھا ہے:

فتاویٰ کبیری، درمختار، فتاویٰ عجیب، فتاویٰ ابراہیم شاہی اور کنز العباد شرح اوراد میں ہے کہ:

''یکره الدعا عند ختم القرآن فی شهر رمضان وعند ختم القرآن بجماعة لان هذا لم ینقل عن النبی ا ولا عن الصحابة ؓ''، رمضان میں ختم قرآن کے وقت دعا کرنا اور اسی طرح ختم قرآن کے وقت مل کر دعا کرنا مکروہ ہے اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام سے ایسا کرنا منقول نہیں ہے۔ (بحوالہ الجنہ صفحہ ۱۴۲)

دیکھا آپ نے کہ حضرات فقہاء کرام نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام کے عدم فعل کو ایک مستقل قاعدہ اور ضابطہ سمجھ کر متعدد مقامات میں اس سے استدلال کیا ہے۔اھ بلفظہٖ ملاحظ ہو [راہِ سنّت صفحہ ۹۵]

اَقُوْلُ:- (۱) گکھڑوی صاحب کی ان محوّلہ کتب میں کوئی بھی ان کے مقررہ معیار کے مطابق نہیں بلکہ اکثر غیر متداول اور غیر معروف ہیں جن کا علمی دنیا میں کوئی نام پتہ تک نہیں۔ کس قدر ظلم ہے کہ جو شخص صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی صحیح احادیث تک کو غیر معیاری کہہ کر رد کر دیتا ہو وہ اپنی باری میں اس سب کو رکھ رہا اور ''فتاویٰ عجیب''، جیسی عجیب وغریب کتابوں کو بھی حجت اور سند بنا کر پیش کر رہا ہے جن کے نہ تو مصنفین کا حال معلوم کرنے کی ضرورت ہے اور نہ ہی قائلین کی کچھ خبر ہے اور وہ محض ''آواز آندی اے'' کی مصداق ہیں۔ اور محض اتنا لکھ دینے سے کام چل گیا اور اتمام حجت ہوگئی کہ ''بحوالہ الجنہ صفحہ ۱۴۲'' جو خود ان کے ان جیسے ایک دیوبندی عالم مولوی عبدالغنی خان شاہ جہان پوری کی وضع کردہ ہے جس پر مکمل تبصرہ پہلے گزر چکا ہے۔ صحیح صفحہ ۱۴۵ ہے صفحہ ۱۴۲ نہیں۔ پھر بعینہٖ اسی طرح لکھ دینے سے، جس طرح ''الجنہ'' میں لکھا ہوا، پتہ چلتا ہے کہ گکھڑوی صاحب نے یہ کتابیں خود نہیں دیکھیں بلکہ صاحب الجنہ کی تقلید کی ہے جس سے ان کے علمی یتم اور حالت زار کی نشاندہی ہو جاتی ہے۔ اسی کو کہا جاتا ہے ''الفریق یتشبث بکل حشیش''، یعنی ڈوبتے کو تنکے کا سہارا۔ پھر درمختار میں یہ عبارت تھی تو نکال کر کیوں نہیں دیا تاکہ اس کی استنادی حیثیت متعین کی جا سکتی۔ ان کتابوں کے نام لکھ ایک ہی عبارت کے متعلق یہ کہنا کہ ان میں ہے نہایت مضحکہ خیز ہے جس کا یہ مطلب بنتا ہے کہ ان کے مؤلفین نے اجلاس میں جمع ہو کر متفقہ قرارداد منظور کر کے ایک ہی عبارت کو اپنی اپنی کتاب میں رکھنے کا فیصلہ کیا تھا پھر نہ

معلوم وہ ایک ہی زمانہ کے تھے یا پھر عالم برزخ میں جمع ہو کر اس کی منظوری دی ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

(۲) مدّاح اہل دیوبند مولوی عبدالاوّل جونپوری نے لکھا ہے کہ درمختار، کنز العباد اور فتاویٰ شاہی بوجہ اختصار وعدم اعتبار ان کتب میں سے ہیں جن سے فتویٰ دینا ناجائز اور ممنوع ہے (مفید المفتی جلد ا صفحہ ۹۱، ۹۴، ۹۵، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۷ جلد ۲ صفحہ ۹۹ طبع مکتبہ عثمانیہ کوئٹہ)

(۳) علاوہ ازیں ان میں کوئی صحیح معیاری دلیل اور ثبوت بھی نہیں دیا گیا ہے۔

(۴) اور جو نام کی دلیل پیش کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ ''لان ہذا لم ینقل عن النبی ﷺ ولا عن الصحابۃ'' اس لیے کہ آنحضرت ﷺ اور حضرات صحابہ کرام سے ایسا کرنا منقول نہیں'' جو بالکل لیس بشئی اور بے کار سی بات ہے غلط ہونا ہم سترہ دلائل سے، بیسیوں حوالہ جات اور فریقین کی کتب سے ثابت کر آئے ہیں۔

(۵) علاوہ ازیں اس ''مستقل قاعدہ اور ضابطہ'' کو گکھڑوی صاحب کے کئی اکابر عملاً رد کر چکے اور بہت سے امور کو نبی کریم ﷺ اور صحابہ وتابعین سے غیر منقول مان لینے کے باوجود ان کے جائز، درست مستحسن اور مستحب قرار دیا ہے جیسے نماز میں درود شریف میں سید عالم ﷺ کے نامِ نامی کے ساتھ سَیِّدِنَا کے الفاظ کا اضافہ، زبان سے نماز کی نیت اور عیدین کی نمازوں کے بعد موجودہ طریقہ کے مطابق ہاتھ اٹھا کر اجتماعی دعاء وغیرہا جن کی مکمل باحوالہ تفصیل کچھ پہلے گزر چکی ہے اعادہ کی حاجت نہیں اسے ادھر ہی ملاحظہ کیا جائے۔

(۶) علاوہ ازیں گکھڑوی صاحب نے صاحب الجُنّۃ سے مل کر ''کنز العباد'' نامی کتاب سے استناد کر کے اپنے پاؤں پر بسولہ مارا ہے کیونکہ امام الفقہاء علامہ شامی رحمہ اللہ نے اسی کے حوالے سے سید عالم ﷺ کا اسم گرامی سن کر آنکھوں پر انگوٹھے رکھ کر صلی اللہ علیک یارسول اللہ اور قرۃ عینی بک یارسول اللہ وغیرہ کہنے کو مستحب لکھا اور فرمایا ہے کہ آپ ﷺ ایسا کرنے والے (اہل ایمان) کو جنت میں خود لے جائیں گے چنانچہ ان کے لفظ ہیں:

''یستحب ان یقال عند سماع الاولیٰ من الشھادۃ صلی اللہ علیک یا رسول اللہ وعند الثانیۃ منھا قرت عینی بک یا رسول اللہ ثم یقول اللھم متعنی بالسمع والبصر بعد وضع ظفری الابھامین علی العینین فانہ علیہ السلام یکون قائداً لہ الی الجنۃ کذا فی کنز العباد'' اھ ما اردنا (ردالمحتار جلد ا صفحہ ۲۹۳ طبع مصر وپاک)

بعینہ یہی عبارت گکھڑوی صاحب کے پیش رو مولوی عزیز الرحمٰن عثمانی مفتیِ اوّل مدرسہ دیو بند نے بھی نقل کی اوراس سے استناد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''استحباب تقبیل ابھامین'' (یعنی انگوٹھے چومنے کے مستحب ہونے)'' کی دلیل شامی کی یہ عبارت ہے''، جس میں کذافی کنزالعباد کے الفاظ بھی نقل کیے ہیں۔ ملاحظہ ہو [فتاویٰ دیو بند جلد۲ صفحہ ۱۰۷ سؤال نمبر ۱۴۵ طبع ملتان]

نیز گکھڑوی صاحب کے ایک اور مقتداء مولوی عبدالشکور کاکوروی نے بھی کنزالعباد وغیرہ کے حوالہ سے خلاصہ ترجمہ کے ساتھ شامی کی یہ عبارت استناداً نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''اذان سننے والے کو مستحب ہے کہ پہلی مرتبہ اشھد ان محمدارسول اللہ سنےتو یہ بھی کہے صلی اللہ علیک یا رسول اللہ اور جب دوسری مرتبہ سنے تو اپنے دونوں ہاتھ کے انگوٹھوں کے ناخنوں کو آنکھ پر رکھ کر کہے قُرَّۃُ عَیْنِیْ بِکَ یَا رَسُوْلَ اللہ الخ۔'' ملاحظہ ہو [علم الفقہ صفحہ ۱۵۹ اذان واقامت کے احکام، مسئلہ نمبر ۱۱ طبع دارالاشاعت کراچی]

مفتی محمد شفیع صاحب جو گکھڑوی صاحب کے بعض کتب کے مقرظین میں سے اوران کے پیشوا ہیں، نے اس کتاب کے متعلق لکھا ہے کہ ''اس کے مستند اور معتبر ہونے کے لیے تو خود حضرت مصنف کا اسم گرامی کافی ضمانت ہے جو اپنے علم وفضل اور خدمات کی بناء پر محتاج تعارف نہیں''۔ (علم الفقہ صفحہ ۳ طبع مذکور)

سچ ہے ؎

دل کے پھپھولے جل اٹھے سینے کے داغ سے
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

(۷) ختم قرآن کا موقع، ان مواقع میں سے ہے جن میں دعاء قبول ہوتی ہے جیسا کہ حدیث شریف میں یہ مضمون وارد ہے عند کل ختمۃ دعوۃ مستجابۃ نیز صحابۂ کرام کا یہ معمول بھی اس کی دلیل ہے کہ وہ جب تلاوت اختتام کو پہنچاتے تو اہل وعیال کو جمع کر کے ختم کرتے وغیرہ جس کی تائید خود گکھڑوی صاحب کے بعض اکابر سے بھی ثابت ہے (وسیّئاتی)۔ نیز احادیثِ صحیحہ کثیرہ میں اجتماعی نیکیوں کے بھی فضائل وارد ہیں ولا یخفی علی احد من اھل العلم۔ ظاہر ہے کہ رمضان المبارک میں ختم قرآن والی (اہل ایمان کی) تقریبات بھی اس میں شامل بلکہ بطریق اولیٰ داخل ہیں کیونکہ ماہ مقدس اوراس کا آخری عشرہ اخیرہ مواقع جانب اجابت سے ہیں۔ لہٰذا اس موقع کی دعاء کو گکھڑوی صاحب کا اس سے خارج کرنا ان کی بلا

دلیل تقیید و تخصیص ہے جو خود ان کی متعدد تصریحات کے مطابق بدعت عظمیٰ اور بدعت ظلماء ہے کما صرّح بہ فی ''راہِ سنّت باب چہارم'' وغیرہ ـــــ سچ ہے ع میں الزام ان کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا

(۸) گکھڑوی صاحب پھر بھی نہ مانیں تو اپنی تربیت گاہ مدرسہ دیوبند کے پہلے مفتی اور اپنے بہت بڑے پیشوا مفتی عزیز الرحمٰن ہی کی سن لیں جنہوں نے نہ صرف رمضان شریف کی ختم قرآن کی تقریب بلکہ نماز تراویح کی ہر چار رکعت کے بعد دعا مانگنے کو جائز، درست اور مستحب لکھا اور اس کے برخلاف کی تغلیط کی ہے۔ پس اگر نمبرا فتاویٰ کبیری، نمبر۲ درمختار، نمبر۳ فتاویٰ عجیب، نمبر۴ فتاویٰ ابراہیم شاہی اور نمبر۵ کنز العباد نیز نمبر۶ الجنہ میں یہ عبارت ہے اور ان کا یہ فتویٰ صحیح اور عدم فعل کا مستلزم عدم جواز ہونا ''مستقل قاعدہ اور ضابطہ'' ہے تو اس کی زد میں ان کے یہ بزرگ اور ان کے توسط سے وہ خود بھی آئیں گے یا نہیں؟ اگر کہیں ہاں تو لکھ دیں، کہیں نہیں تو کیوں؟

چنانچہ ایک شخص نے ان سے سؤال کیا کہ ''ہر چوتھی تراویح کے بعد دعا مانگنی جائز ہے کہ مسنون''؟ تو اس کے جواب میں انہوں نے لکھا:

''تراویح کی ہر چار رکعت کے بعد دعا مانگنا تسبیح و تہلیل و درود شریف پڑھنا جائز اور مستحب ہے جو کچھ کرے بہتر ہے'' الخ ملاحظہ ہو [فتاویٰ دیوبند جلد۴ صفحہ ۲۷۱ سؤال نمبر ۱۸۱۶ طبع ملتان]

نیز اسی میں صفحہ ۲۷۹ پر سؤال نمبر ۱۸۳۵ بابت ہاتھ اٹھا کر دعا کے جواب میں لکھا ہے:

''تراویح کے ہر ایک ترویحہ میں تسبیح و تہلیل وغیرہ ادعیہ ماثورہ کا پڑھنا منقول ہے اور ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا صرف بعد ختم جملہ تراویح یعنی بست رکعت معمول ہے۔ پس ایسا ہی کرنا چاہیے کما ورد ما راٰہ المؤمنون حسنا فھو عند اللہ حسن'' اھ بلفظہ۔

نیز اسی میں ہے کہ خاص اجتماعی دعاء تقریب ختم قرآن کے حوالہ سے اس کے خلاف فقہی عبارات کے متعلق کسی نے ان سے پوچھا:

''سؤال (۱۸۱۴) فتاویٰ ہندیہ میں ہے کہ تراویح میں اور ختم قرآن کے وقت دعاء مکروہ ہے''۔

''سؤال (۱۸۱۵-۲) جماعت کے ساتھ قرآن ختم ہونے کے وقت دعا مکروہ ہے اس واسطے کے اس طرح دعا کرنا رسول اللہ ﷺ سے منقول نہیں۔ یہ دونوں مسائل صحیح ہیں یا نہیں'' الخ۔

تو اس کا جواب دیتے ہوئے انہوں نے لکھا ہے کہ:

''صحیح یہ ہے کہ ختم قرآن کے بعد اور ہمیشہ نماز تراویح کے بعد دعاء مسنون و مستحب ہے اور حدیث میں ہے کہ یہ وقت اجابت دعاء کا ہے اس لیے معمول ہمارے اکابر کا اور مشائخ کا دعاء بعد التراویح وبعد الختم ہے'' اھ بلفظہٖ ملاحظہ ہو [فتاویٰ دیو بند جلد ۴ صفحہ ۲۷۰ صفحہ ۲۷۱ طبع ملتان]

(۹) علاوہ ازیں دنیا جانتی ہے کہ گکھڑوی صاحب کی جماعت والوں کی مساجد میں بھی نہایت تزک واحتشام اور انتظام اور اہتمام اور تداعی کے ساتھ رمضان المبارک میں ختم قرآن کی تقریبات ہوتی ہیں جن کے لیے اشتہارات بھی شائع کیے جاتے ہیں اور اعلان بھی ہوتے ہیں اور چندے بھی کیے جاتے ہیں اور آخر میں مٹھائیاں بھی تقسیم کی جاتی ہیں وغیرہ وغیرہ۔ پس اگر ان کے پیش کردہ حوالے صحیح اور مستقل قاعدہ و ضابطہ ہیں تو بدعتی ہوئے تو گکھڑوی صاحب کے اپنے ہی ہوئے۔ اس کے باوجود بلاوجہ ہمیں ہی اور وہ بھی ہمارے اصولوں کے خلاف محض اپنے خودساختہ مستقل قاعدوں اور ضابطوں کو حوالے بنا کر کوسنا گکھڑوی کے ہاں نمعلوم دنیا کی کس عدالت کا فیصلہ ہے ؎

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہوجاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

(۱۰) فتاویٰ عالمگیری جلد ۵ صفحہ ۳۱۸ طبع کوئٹہ میں ہے: الدعاء عند ختم القرآن فی شھر رمضان مکروہ لکن ھذا شیئی لا یفتیٰ بہٖ کذا فی خزانۃ الفتاویٰ اھ یعنی ماہ رمضان میں ختم قرآن کے موقع پر دعا کے مکروہ ہونے کا قول بالکل لائق فتویٰ نہیں۔

ہدایہ کی ایک عبارت سے مغالطہ کا جواب:-

اس سلسلہ کی مزید دلیل پیش کرتے ہوئے گکھڑوی صاحب نے لکھا ہے کہ:

''مزید چند حوالہ جات اور سن لیجیے: الامام المحقق المدقق علی بن ابی بکر الحنفی صاحب ہدایہ (المتوفیٰ ۵۹۳ھ) لکھتے ہیں کہ ویکرہ ان یتنفل بعد طلوع الفجر باکثرہ من رکعتی ~~الفجر~~ لانہ علیہ السلام لم یزد علیھما مع حرصہ علی الصلوٰۃ طلوع فجر کے بعد فجر کی دوسنتوں کے علاوہ کوئی زائد (نفلی) نماز پڑھنا مکروہ ہے اس لیے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے باوجود نماز پر حریص ہونے کے اس سے زیادہ نماز نہیں پڑھی'' (ہدایہ جلد ا صفحہ ۷۰) ___

آپ نے ملاحظہ فرمایا کیا کہ شیخ الاسلام نے آنخضرت ﷺ کے عدم فعل کو کراہت کی دلیل بنایا ہے حالانکہ اس

موقع پر نفلی نماز کے ترک کرنے پر کوئی صریح نہی موجود نہیں ہے اور باوجود اس کے حضرات فقہاء احناف کے وکیل صاحب ہدایہ اس کو برا اور مکروہ کہتے ہیں اس لیے کہ آنحضرت ﷺ سے یہ ثابت نہیں نہ اس لیے کہ آپ نے اس سے منع فرمایا ہے اھ بلفظہٖ ملاحظہ ہو [راہِ سنّت صفحہ ۹۵،۹۶]

اَقُولُ:- اوّلا: گکھڑوی صاحب کا یہ کہنا کہ اس کی ممانعت موجود نہیں ہے از حد ان کی قلتِ علمی یا پھر عمداً دھوکہ دہی ہے اس کی ممانعت کی بکثرت قولی و فعلی احادیث موجود ہیں نیز ائمّہ شان کی اس سلسلہ میں تصریحات بھی موجود ہیں اور ہمارے فقہاء وغیرہم صراحت کے ساتھ لکھ چکے ہیں کہ اس کے مکروہ ہونے کی ایک وجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ سے اس کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔ بعض حوالہ جات حسبِ ذیل ہیں:

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: لا صلوٰۃ بعد طلوع الفجر الا رکعتین ''یعنی صبح صادق کے طلوع ہونے کے بعد سوائے نماز کے فجر کی دو سنتوں کے کوئی نفلی نماز درست نہیں اھ ملاحظہ ہو [سنن دار قطنی جلد ا صفحہ ۲۴۶ صفحہ ۴۱۹ کتاب الصلوٰۃ طبع نشر السنّہ لاہور]

نیز حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں طلوع صبح صادق کے بعد نوافل پڑھتے دیکھ کر فرمایا: ''لیبلغ شاھد کم غائبکم ان لا صلوٰۃ بعد الفجر الاسجدتین'' (ایک اور روایت میں ہے'') ''لا تصلوا بعد الفجر الاسجدتین''یعنی تم میں جو موجود ہیں اور میرے ارشاد کو سن رہے ہیں وہ اپنے ان دینی بھائیوں کو پہنچا دیں جو موجود نہیں اور میرے اس ارشاد کو نہیں سن رہے کہ طلوع صبح صادق کے بعد دو رکعت سنّت فجر کے سوا کوئی نفل جائز نہیں لہٰذا ان دو رکعتوں کے علاوہ کوئی اور نفل مت پڑھو اھ ملاحظہ ہو [سنن ابی داؤد جلد ا صفحہ ۱۸۱ طبع کراچی۔ دار قطنی جلد ا صفحہ ۴۱۹ طبع لاہور نیز ترمذی جلد ا صفحہ ۵۶ مختصراً]

علاوہ ازیں حضرت سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے (رمضان المبارک میں) ارشاد فرمایا: لایمنعن احد کم او احدا منکم اذان بلال من سحورہ فانہ یؤذن او ینادی بلیل لیرجع قائمکم ولینبہ نائمکم'' (وفی روایۃ ''یوقظ'' بدل ''ینبہ'') یعنی بلال جب (صبح کے قریب) اذان دیتے ہیں تو رات کا کچھ حصہ باقی ہوتا ہے لہٰذا اس کے بعد (عبداللہ بن امّ مکتوم کی اذان تک) کوئی سحری کرے تو کر سکتا ہے اور ان سے یہ اذان اس لیے دلائی جاتی ہے تاکہ جو سو رہے ہوں وہ سحری (وغیرہ) کے لیے جاگ جائیں اور جو نفل پڑھنے میں مصروف ہوں وہ سحری کے لیے لوٹ آئیں۔ ملاحظہ ہو [صحیح بخاری جلد ا صفحہ ۸۷ طبع کراچی۔

[صحیح مسلم جلد۱صفحہ۳۵۰طبع کراچی۔سنن ابی داؤد جلد۱صفحہ۳۲۰طبع کراچی۔سنن نسائی جلد۱صفحہ۳۰۵طبع کراچی۔ جامع ترمذی جلد۱صفحہ۲۸مختصراً حیث قال وفی الباب عن...... عبداللہ بن مسعود اھ واللفظ للامام البخاری]

محدّث احناف امام جلیل علامہ جمال الدین زیلعی حنفی (متوفّٰی ۷۶۲ھ) اس حدیث سے استناد نیز وجہ استدلال کا بیان فرماتے ہوئے ''الامام'' کے حوالہ سے ارقام فرماتے ہیں:

''ومما استدل به علٰی ذالک حدیث ابن مسعود عن النبی ﷺ لا یمنعکم اذان بلال فانه یؤذن بلیل حتی یرجع قائمکم ویوقظ نائمکم اخرجه البخاری ومسلم قال فلو کان التنفل بعدالصبح مباحاً لم یکن لقوله حتی یرجع قائمکم ''یعنی طلوع صبح صادق کے بعد نوافل کے ناجائز ہونے کی ایک دلیل بخاری ومسلم کی وہ متفق علیہ حدیث بھی ہے جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے ارشادفرمایا ہے لا یمنعکم اذان بلال الخ اگرصبح صادق کے بعد نفلی نماز جائز ہوتی تو آپ ﷺ کا ارشاد حتی یرجع قائمکم (تاکہ جونفل پڑھنے میں مصروف ہولوٹ آئے) کا کوئی معنٰی نہ ہوتا (یعنی جب اسے صبح صادق کے بعد بھی نفل جائز تھے تو اسے لوٹانے کا کیا معنٰی ؟سعیدی) اھ ملاحظہ ہو [نصب الرایہ جلد۱صفحہ۳۳۰طبع لاہور نیز التعلیق الحسن صفحہ۲۲۴مؤلّفہ علامہ نیموی ممدوح صدر دیوبندانورکشمیری (آثارالسنن صفحہ۳۵۰تا۳۵۲)]

نیز امام حافظ ابن حجر عسقلانی نے فرمایا:

''فانه یدل علٰی منع التنفل بعدالفجر ولو کان مباحاً لم یکن لقوله لیرجع قائمکم معنی ''یعنی حضرت ابن مسعود کی یہ حدیث طلوع صبح صادق کے بعد نفلی نماز کے ممنوع ہونے کی دلیل ہے اگرصبح صادق کے بعد نفلی نماز رواہوتی تو آپ ﷺ کے ارشاد''لیرجع قائمکم'' کا کچھ فائدہ نہ ہوتا'' ھ ملاحظہ ہو [التعلیق الحسن صفحہ۲۲۴بحوالہ الدرایة فی تخریج احادیث الھدایہ طبع ملتان]

نیز پیشوائے غیر مقلدیہ مولوی امیر یمانی نے لکھا ہے:

''قد استدل به من یری کراهة النفل بعد طلوع الفجر ''یعنی طلوع صبح صادق کے بعد نفلی نماز کے مکروہ ہونے کے قائلین نے اس حدیث کو اپنے موقف کے دلیل کے طور پر پیش کیا ہے''

اھ ملاحظہ ہو [التعلیق الحسن صفحہ۲۲۴ بحوالہ سبل السلام شرح بلوغ المرام]

اَقُوْلُ:- الفاظ حدیث لا صلوٰۃ الخ' لا تصلّوا نیز اس کے لیے یہ اہتمام کہ لیبلغ شاھد کم الخ نیز حدیث لیرجع قائمکم اوران کے ساتھ ائمہ شان کی تصریحات لو کان التنفل بعد الصبح مباحاً اور''یدل علٰی منع التنفل بعدالفجر'' وغیرہا اس امر کی روشن دلیل ہیں کہ سید عالم ﷺ کا اس سے منع فرمانا ثابت اور اس پر آپ کی''صریح نہی'' موجود ہے نیز یہ کہ صاحب ہدایہ (وغیرہ فقہاء) کا اسے مکروہ قرار دینا غیر منقول ہونے یا عدم فعل کی بناء پر ہرگز نہیں بلکہ قطعی طور پر اس کے متعلق نہی کے ورود کی بناء پر ہے۔ لہٰذا گکھڑوی صاحب کا یہ کہنا کہ''اس موقع پر نفلی نماز کے ترک کرنے پر کوئی صریح نہی موجود نہیں ہے'' از حد غلط اور جہالت یا پھر عمداً کذب بیانی اور ہیرا پھیری ہے ورنہ ممنوع کیا وہی ہوتا ہے جس پر نہی وارد نہ ہوئی کیا لَا تُصَلُّوْا (طلوع صبح صادق کے بعد سوائے سنّت فجر کے کوئی نفل مت پڑھو) نہی کا صیغہ نہیں؟ اور آخر''صریح نہی'' ہوتی کیا ہے؟

مزید سنیے: البحر الرائق (جس سے گکھڑوی صاحب نے راہِ سنّت وغیرہ میں بکثرت حوالے دیے ہیں) میں امام ابن نجیم رحمہ اللہ تعالیٰ اس بارے میں ارقام فرماتے ہیں:

> ''لما رواہ احمد وابوداؤد لاصلوٰۃ بعد الصبح الا رکعتین وفی روایۃ الطبرانی اذا طلع الفجر فلا تصلوا الا رکعتین'' یعنی طلوع صبح صادق کے بعد عام نوافل پڑھنے کے مکروہ ہونے کی دلیل مسند احمد اور سنن ابی داؤد کی یہ حدیث ہے:''لا صلوٰۃ بعد الصبح الا رکعتین'' اور طبرانی کی روایت میں یہ لفظ ہیں''اذا طلع الفجر فلا تصلوا الا رکعتین اھ ملاحظہ ہو [جلد ا صفحہ ۲۵۳ طبع کوئٹہ] ____

نیز حلبی کبیر (جس سے گکھڑوی صاحب نے استناداً متعدد حوالہ جات پیش کیے ہیں) میں امام ابراہیم حلبی نے اس کی توجیہ میں حدیث ابن عمر لا صلوٰۃ بعدالفجر الاسجدتین کو بھی پیش فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو [صفحہ ۲۳۹ طبع سہیل اکیڈمی لاہور بحوالہ ابوداؤد' ترمذی]

نیز محقق علی الاطلاق امام ابن ہمام نے بھی اس سے استدلال فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو [فتح القدیر جلد ا صفحہ ۲۰۸ طبع بیروت]

علاوہ ازیں علامہ زیلعی حنفی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ہماری پیش کردہ ان احادیث کو نفل بعد طلوع الفجر کی کراہت کے ثبوت ہونے کے طور پر پیش فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو [نصب الرایہ جلد ا صفحہ ۳۲۸ تا صفحہ ۳۳۰ بحوالہ

مؤطا مالک، بخاری، مسلم، مسند احمد، نسائی، سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن دارقطنی طبرانی الاوسط اور سنن دارمی نیز حاشیہ میں ہے کہ حدیث عبدالرزاق جلد۳ صفحہ ۵۳ نمبر ۴۷۶۰ میں بھی ہے]

نیز امام ابوالاخلاص حسن الوفائی الشرنبلالی الحنفی اس بارے میں رقم طراز ہیں:

''لقوله صلی الله علیه وسلم لیبلغ شاهد کم غائبکم الا لا صلوٰة بعد الصبح الارکعتین''
یعنی بعد طلوع فجر، نماز فجر کے فرض سے پہلے نفلی نماز کے مکروہ ہونے کی دلیل آپ ﷺ کا یہ ارشاد (بھی) ہے: لیبلغ شاهد کم غائبکم الخ ___ ملاحظہ ہو [مراقی الفلاح شرح نورالایضاح صفحہ ۱۵۱ طبع نور محمد کراچی]

ثانیا: اس سے قطع نظر صاحب ہدایہ کے اس استدلال کی بنیاد رسول اللہ ﷺ کی احادیث طیبہ ہیں جن میں صراحت کے ساتھ مذکور ہے کہ آپ ﷺ طلوع صبح صادق کے بعد اور فجر کے فرضوں سے پہلے سنّت فجر کے سوا کوئی نفل نہیں پڑھتے تھے۔ پس ان کا یہ استدلال عدم فعل سے نہیں بلکہ فعل عدم سے ہے جب کہ اس کی وضاحت ہم پہلے کر آئے ہیں کہ عدم فعل کا مطلب ہے کسی امر کا غیر منقول اور مسکوت عنہ ہونا اور فعل عدم کا مطلب ہے کسی امر کے بارے میں اس وضاحت کا آجانا کہ اس کو نہیں کیا جاتا تھا۔ ظاہر ہے ان میں زمین و آسمان کا سا فرق ہے کیونکہ اوّل عموماً کم از کم مباح کے درجہ میں آتا ہے اور ثانی کے بارے میں اگر ثابت ہو جائے کہ اس کا نہ کرنا یا ترک کرنا اسے پسند کرنے کی بناء پر تھا تو وہ ممنوع اور مکروہ ہوگا کیونکہ بہت سے کام آپ ﷺ نے ایسے بھی چھوڑے ہیں جن کا کرنا آپ کو پسند تھا ملاحظہ ہو صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۵۷ صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۲۴۸، مؤطا مالک صفحہ ۳۶، ابوداؤد جلد ۱ صفحہ ۱۸۳۔ اس کی باحوالہ تفصیل پہلے بھی گزر چکی ہے۔

بالفاظ دیگر بحث غیر منقول اور مسکوت عنہ کے حکم کے بارے میں ہے جب کہ گکھڑوی صاحب لا رہے ہیں منقول، مصرّح اور مذکور کو جوان کا صریح مغالطہ ہے۔

پس ان کا اسے معمولات اہل سنّت مثلاً دعا بعد نماز جنازہ اور صلاۃ وسلام عندالاذان بالجہر کے خلاف دلیل بنا کر پیش کرنا درست نہیں کیونکہ وہ بر تقدیر تسلیم مسکوت عنہ اور غیر منقول کے قبیل سے ہیں اور اگر انہوں نے شوق پورا کرنا ہی ہے تو اس میں انہیں تب کامیابی حاصل ہوگی کہ جب وہ ایسی صحیح صریح حدیث لائیں جس میں یہ مذکور ہو کہ مثلاً آپ ﷺ یا ان کے طور پر صحابۂ کرام یا تابعین عظام نماز جنازہ کے بعد دعاء

نہیں مانگتے تھے لاغیر اس کے بغیر ان کی تقریب، تام نہیں۔

لہٰذا صاحب ہدایہ کی یہ عبارت فعل عدم، ذکر عدم اور صراحت نفی سے استدلال کی بناء پر ہے جیسا کہ ان کے الفاظ ''لانہ علیہ السلام لم یزد علیھا'' سے ظاہر ہے کہ آپ علیہ السلام سے اس کا نہ کرنا ثابت ہے۔ یہ نہیں کہ اس کہ کرنا کہیں مذکور نہیں۔ اسی لیے انہوں نے یہاں لَمْ یُنْقَلْ عَنْهُ کے الفاظ نہیں لکھے کہ اس لیے مکروہ ہے کہ آپ علیہ السلام سے منقول نہیں۔

باقی یہ سؤال رہ جاتا تھا کہ آپ ﷺ کا اس موقع پر نفل نہ پڑھنا اسے ناپسند سمجھنے کی بناء پر تھا تو اس کی دلیل کیا ہے؟ تو اس کا جواب دیتے ہوئے انہوں نے ارقام فرمایا: ''مع حرصه علیه الصلٰوة والسلام'' یعنی نوافل کو بہت پسند فرمانے اور ان سے انتہائی لگن ہونے کے باوجود آپ کا اس موقع پر انہیں چھوڑ دینا اسے ناپسند فرمانے کی دلیل ہے۔ بلفظ دیگر آپ ﷺ نے اس موقع پر نفلی نماز کو ناپسند کرتے ہوئے چھوڑا ہے اس لیے سنّت فجر کے علاوہ ہمہ قسم نوافل مکروہ ہیں کہ سنّت فجر کا اس سے استثناء ثابت ہے۔ وللہ الحمد۔ لیجیے اب ملاحظہ ہوں اس سلسلہ کی بعض احادث نیز ہمارے اس بیان کی تائید میں تصریحات علماء وفقہاء اسلام رحمہم اللہ الملک المنعام بحرمة سیّد الرسل الکرام علیہ وعلیہم وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام الیٰ یوم القیام:

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر الفاروق رضی اللہ عنہما نے حضرت ام المؤمنین حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا کہ انہوں نے فرمایا:

''کان رسول اللہ ﷺ اذا طلع الفجر لایصلی الا رکعتین خفیفتین''، یعنی رسول اللہ ﷺ طلوع فجر کے بعد فجر کی دو سنتوں کے علاوہ کوئی نفلی نماز نہیں پڑھتے تھے اور ان میں بہت تخفیف سے کام لیتے تھے''۔ ملاحظہ ہو [صحیح مسلم جلد ا صفحہ ۲۵۰ کتاب الصلوٰۃ المسافرین۔ نسائی جلد ا صفحہ ۹۷ کلاںطبع کراچی۔ نیز صحیح بخاری جلد ا صفحہ ۱۵۷ ابلفظ: کان یصلی رکعتین خفیفتین بعد ما یطلع الفجر]

علامہ زیلعی حنفی نے بھی مسئلہ ہٰذا کے لیے حدیث ہٰذا سے استدلال فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو: [نصب الرایہ جلد ا صفحہ ۳۲۸ بحوالہ صحیح بخاری صحیح مسلم جامع ترمذی سنن نسائی، سنن ابن ماجہ اور صحیح ابن حبان ولفظہ: کان اذا طلع الفجر لایصلی الا رکعتی الفجر عن ابن عمر عن ام المؤمنین حفصه رضی الله عنهم]

علامہ حلبی نے بھی اسے مسئلہ ہٰذا کی دلیل کے طور پر پیش کیا ہے۔ (حلبی کبیر صفحہ ۲۳۹ طبع لاہور)

محقق علی الاطلاق امام ابن الہمام رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اسے مسئلہ ہٰذا میں پیش کیا ہے (فتح القدیر جلد ا صفحہ ۲۰۸)
نیز امام اکمل الدین بابرتی حنفی رحمۃ اللہ علیہ عبارت ہدایہ (مبحث فیہا) کے تحت لکھا ہے: ''یعنی ان الترک مع الحرص علیٰ احراز فضیلۃ النفل دلیل الکراھۃ''معنٰی یہ ہیں کہ فضیلت نفل کے حاصل کرنے کے سخت شوق کے باوجود آپ ﷺ کا اس موقع پر نفل نہ پڑھنا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ نے اس موقع پر اسے پسند نہیں فرمایا اھ ملاحظہ ہو [عنایہ جلد ا صفحہ ۳۲۸ برہامش فتح القدیر طبع بیروت۔ نیز ہدایہ اولین صفحہ ۰ ۷ طبع اسلام آباد حاشیہ نمبر ۱۱ بحوالہ عنایہ۔ نیز التعلیق الحسن صفحہ ۲۲۴ بحوالہ بنایہ عن العنایہ)۔
شیخ الاسلام امام علامہ بدرالدین محمود عینی حنفی قدس سرّہ العزیز ہدایہ کی پیش نظر عبارت کے شرح میں ارقام فرماتے ہیں:
''ای مع حرص النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام علی الصلاۃ النافلۃ . قال الاترازی ولو لم یکرہ لفعل . قلت ھٰذا مبنی علیٰ معرفۃ الحدیث الذی فیہ عدم زیادۃ النبی ﷺ علیٰ رکعتی الفجر وکذا قال الاکمل ان الترک مع حرصہ صلی اللہ علیہ وسلم علیٰ احراز فضیلۃ النفل دلیل الکراھۃ وقد ذکرنا فیما مضٰی من حدیث مسلم الذی رواہ عن ابن عمر عن حفصۃ رضی اللہ عنہم قالت کان رسول اللہ ﷺ اذا طلع الفجر لایصلی الا رکعتین خفیفتین وھٰذا یدل علیٰ انہ صلی اللہ علیہ وسلم ما کان یزید علیٰ رکعتی الفجر مع حرصہ علیٰ احراز فضیلۃ النفل''یعنی ہدایہ کی اس عبارت کے الفاظ ''حرصہ''میں ہ ضمیر کا مرجع نبی کریم ﷺ ہیں اور معنٰی یہ ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نفلی نماز کو اس سے سخت محبت کے باوجود چھوڑ دیا۔ علامہ اترازی نے فرمایا اگر آپ ﷺ نے اسے ناپسند نہ سمجھا ہوتا تو ضرور کرتے۔ (علامہ عینی فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں کہ اس کا صحیح معنٰی میں سمجھنا اس خدیث کے جاننے پر موقوف ہے جس میں یہ مذکور ہے کہ آپ ﷺ نے اس موقع پر سنّت فجر سے زیادہ کچھ نہیں پڑھا اور وہ صحیح مسلم کی حدیث ہے جسے گزشتہ صفحات میں بھی ہم لکھ آئے ہیں جسے امام مسلم نے حضرت ابن عمر سے اور انہوں نے ام المؤمنین حضرت حفصہ (رضی اللہ عنہم) سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ طلوع فجر کے بعد سنّت فجر کی تخفیف کے ساتھ دو رکعات کے علاوہ کچھ نفل نہیں پڑھتے تھے جو اس میں صریح ہے کہ آپ ﷺ

نے نفلی نماز سے انتہائی لگن کے باوجود دو رکعت سنت فجر کے علاوہ اس موقع پر کوئی اور نفلی نماز نہیں پڑھی جو اس کی دلیل ہے کہ آپ نے اسے اس موقع پر ناپسند فرمایا۔ امام اکمل الدین بابرتی کا بھی اس بارے میں موقف یہی ہے کہ شدت پسند کے باوجود ترک دلیل کراہت ہے اھ

ملاحظہ ہو [بنایہ شرح ہدایہ جلد۲ صفحہ۳۷ طبع ملتان]

اَقُوْلُ:- ہمارے فقہاء کے اس ارشاد کا محمل یہ ہے کہ آپ ﷺ کا وہ ترک بغرض تشریع بھی نہ ہو لحدیث ام المؤمنین عائشة الصدیقه رضی الله تعالیٰ عنها الذی رواه البخاری (جلد۱ صفحہ ۱۵۷، ۱۵۲) ومسلم (جلد۱ صفحہ ۲۴۸) وابوداؤد (جلد۱ صفحہ ۱۸۳) ومالک (موطا مالک صفحہ ۳۶) وغیرہم من الائمۃ رحمہم اللہ اجمعین'' قَالَتْ اِنْ کَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ لَیَدَعُ الْعَمَلَ وَهُوَ یُحِبُّ اَنْ یَّعْمَلَ بِهٖ خَشْیَةَ اَنْ یَّعْمَلَ بِهِ النَّاسُ فَیُفْرَضَ عَلَیْهِمْ ''یعنی رسول اللہ ﷺ بعض ایسے اعمال جن کا کرنا آپ کو محبوب ہوتا اس لیے چھوڑ دیتے تھے کہ کہیں لوگ انہیں نہ کرنے لگ جائیں پھر وہ ان پر فرض کر دیے جائیں۔ اھ واللفظ للاوّل۔ فافهم۔

فائدہ: سنت فجر کو خفیفاً ادا کرنے کی ایک وجہ بعض فقہاء نے یہ بیان فرمائی ہے کہ ولیکون جمیع الوقت مشغولاً بالفرض حکماً ولذا تخفف قرأة سنة الفجر اھ [حاشیہ الطحطاوی علی مراقی الفلاح صفحہ۱۵۱ طبع نور محمد کراچی]

خلاصہ یہ ہے کہ مانحن فیه کو صاحب ہدایہ کا مکروہ کہنا فعل عدم اور ذکر عدم کی بناء پر ہے' عدم فعل کی بناء پر نہیں نیز اس کی ممانعت بھی ثابت ہے اور اس میں صریح نہی کے ساتھ ساتھ علماء وائمۂ شان کی تصریحات بھی موجود ہیں۔ لہٰذا گکھڑوی صاحب کا یہ کہنا کہ ''شیخ الاسلام (صاحب ہدایہ) نے عدم فعل کی بناء پر اسے مکروہ کہا ہے نیز یہ کہ اس پر صریح نہی موجود نہیں ہے'' قطعاً خلاف واقعہ ہے۔

پھر یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ یہ احادیث اور حوالہ جات انہوں نے پڑھے نہیں تھے۔ لہٰذا یہ متعین ہو گیا کہ انہوں نے یہاں غیر صادق طریقہ اختیار کرتے ہوئے غیر دیانت داری سے کام لیا ہے۔

ثالثاً: مانحن فیه میں کراہت کا قول خصوصیت کے ساتھ ائمہ احناف کا ہے اگرچہ صحیح محقق اور مدلّل یہی ہے تاہم بعض اسلاف عدم کراہت کے بھی قائل ہیں۔ پس اگر گکھڑوی موقف درست ہو تو وہ اسلاف' اس کی زد میں آ کر معاذ اللہ بدعتی قرار پائیں گے جو درست نہیں۔ لہٰذا یہ بھی گکھڑوی موقف کے غلط ہونے کی دلیل ہے۔

اس امر پر علامہ زیلعی کی اس عبارت سے بھی روشنی پڑتی ہے:
''قال الشیخ : واستدل من اجاز التنفل باکثر من رکعتی الفجر بما اخرجه ابوداؤد
من حدیث عمرو بن عبسة قال الخ۔ ملاحظہ ہو [نصب الرایہ جلد ا صفحہ ۳۳۰ طبع لاہور]
رابعاً: گکھڑوی صاحب پھر بھی نہ مانیں اور اسی پر ڈٹے رہیں کہ ہدایہ کی یہ عبارت عدم فعل کے ناجائز اور بدعت ہونے کو مستلزم ہونے کی ہی دلیل ہے تو وہ اس سے قطعی طور پر بقلم خود پکے بدعتی قرار پائے ہیں کیونکہ ان کے کئی اکابر نے ایسے کئی امور کے جائز، مستحسن اور مستحب ہونے کی تصریحات کی ہیں جنہیں غیر منقول بھی انہوں نے خود کہا ہے جیسے عیدین کی نمازوں کے بعد مروّجہ اجتماعی دعا وغیرہ جن کی مکمل با حوالہ تفصیل گزشتہ صفحات میں گزر چکی ہے۔
نیز اس سلسلہ کے دیگر بے شمار دلائل کا جواب بھی ان کے ذمہ ہے جیسے ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ ارشاد کہ ماسبح رسول الله ﷺ سبحة الضحى قط وانی لاسبحها یعنی رسول اللہ ﷺ نے چاشت بالکل کبھی نہیں پڑھی اس کے باوجود میں اسے روٹین کے ساتھ ضرور پڑھتی ہوں (صحیح بخاری جلد ا صفحہ ۱۵۲، ۱۵۷ وغیرہ) اس سب کی با حوالہ تفصیلات بھی گزر چکی ہیں۔

ہدایہ کی ایک اور عبارت سے مغالطہ کا ردّ:-

اپنے موقف کی ایک اور دلیل پیش کرتے ہوئے گکھڑوی صاحب نے لکھا ہے کہ: ''ایک دوسرے موقع پر صاحبِ ہدایہ یوں لکھتے ہیں: ولیس فی الکسوف خطبة لانه لم ینقل'' صلٰوۃ کسوف میں خطبہ نہیں کیونکہ خطبہ منقول نہیں ہے۔ (ہدایہ جلد ا صفحہ ۱۵۶)
دیکھئے صاحب ہدایہ عدم نقل کو دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ یہ نہیں فرماتے کہ آنحضرت ﷺ نے منع کیا ہے، اس لیے یہ ممنوع اور منہی عنہ ہے۔ اھ ملاحظہ ہو [راہِ سنّت صفحہ ۹۶]
اَقُولُ:- یہ بھی گکھڑوی موقف کی کچھ دلیل نہیں جو انہیں کچھ مفید یا ہمیں کچھ مضر ہو کیونکہ:
اوّلاً: گکھڑوی صاحب کے طے کردہ معیار دلائل سے خارج ہے انہوں نے راہِ سنّت کا پورا ایک باب صرف اسی کے لیے وقف کیا ہے جس کی وضاحت متعدد بار کی جا چکی ہے کہ ان کی دلیل چار چیزوں میں سے کوئی ایک ہوگی یعنی قرآن، حدیث صحیح صریح، اجماع اور قیاس مجتہد (جو حنفی کہلانے کے ناطے سے قول امام اعظم ہی بنتا ہے) جب کہ ان کی پیش کردہ عبارت ان چار میں سے کوئی ایک بھی

نہیں پس جو چیز خود ان کے لیے حجت نہیں وہ اسے دوسروں پر کس طرح حجت بنا کر پیش کر رہے ہیں اور یہ دنیا کی کس عدالت کا فیصلہ ہے جب کہ صاحب ہدایہ جس درجہ کے فقیہ ہیں اور اس حوالہ سے ان کا جو منصب ہے، مسئلہ ہٰذا کا اس سے بھی تعلق نہیں۔

ثانیاً: صاحب ہدایہ قدّس سرّہ انتہائی مصفّا قلب، روشن دماغ، بلند پایہ محقق نہایت درجہ مدقّق ہیں ان کے کلام میں عموماً بہت گہرائی ہوتی ہے جسے سمجھنا ہر کہ ومہ کا کام نہیں ہوتا بلکہ اسے غوّاص قسم کے علماء ہی سمجھ سکتے ہیں جن کے سامنے مسئلہ کا پورا نشیب وفراز ہو۔ نیز تدقیق کا ملکہ بھی حاصل ہو۔ اس مقام پر ان کے الفاظ لَمْ یُنْقَلْ بھی اسی قبیل سے ہیں جو اپنے ظاہر پر ہرگز نہیں بلکہ ان کا ایک خاص مفہوم ہے اگر انہیں ان کے ظاہر پر رکھا جائے تو معنٰی یہ ہوگا کہ نماز کسوف کے موقع پر خطبہ دینا آپ ﷺ سے منقول نہیں جس کا مفاد یہ ہوگا کہ یہ مسکوت عنہ ہے جو صحیح نہیں کیونکہ احادیث صحیحہ کثیرہ سے صریحاً ثابت ہے کہ حضرت ﷺ نے نماز کسوف کے بعد خطبہ ارشاد فرمایا تھا چنانچہ امّ المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے حضور رسول کریم ﷺ نے نماز کسوف پڑھائی۔ پس آپ کھڑے ہوئے ''فصعد المنبر فخطب الناس فحمدالله واثنیٰ علیه بما هواهله ثم قال هما آیتان من آیات الله لا یخسفان لموت احد ولا لحیاته فاذارأیتموها فافزعوا الی الصلوٰة'' پس آپ نے منبر اقدس پر جلوہ گر ہو کر لوگوں کو خطبہ ارشاد فرمایا تو آپ نے اللہ کے شایان شان اس کی حمد وثنا بیان فرمانے کے بعد فرمایا: سورج گرہن ہو یا چاند گرہن، یہ تو اللہ کی قدرت کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں جو نہ تو کسی کی وفات کی وجہ سے ظاہر ہوتی ہیں اور نہ کسی کی زندگی کے باعث نمودار ہوتی ہیں پس جب یہ تمہارے سامنے رونما ہوں تو گھبرا کر اس موقع کی نماز پڑھو اھ۔ ملاحظہ ہو [صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۴۲ صفحہ ۱۴۳۔ صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۲۹۵ صفحہ ۲۹۶۔ نیز نصب الرایہ جلد ۲ صفحہ ۲۴۴ وغیرہ بحوالہ احمد، نسائی، صحیح ابن حبان وغیرہا]

نیز امیر المؤمنین فی فنّ الحدیث امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور دیگر ائمّۂ شان نے اس کے لیے مستقل عنوانات قائم کیے ہیں۔ امام بخاری کے لفظ ہیں:

''باب خطبة الامام فی الکسوف وقالت عائشة واسماء خطب النبی ﷺ'' یعنی اس امر کا بیان کہ بادشاہ اسلام نماز کسوف کے موقع پر خطبہ دے گا اور حضرت امّ المؤمنین عائشہ اور ان کی

بہن حضرت اسماء نے فرمایا کہ کسوف کے موقع پر نبی ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا تھا۔ ملاحظہ ہو [صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۴۲ طبع کراچی]

عقل باور نہیں کر سکتی اور یہ ہرگز گمان نہیں کیا جا سکتا کہ صاحب ہدایہ جیسے محقق اور نہایت درجہ وسیع النظر اور زبردست علامہ سے یہ حدیثیں مخفی رہ گئی ہوں۔ ضرور ان کے ان الفاظ کا خاص مفہوم اور صحیح محمل نظر ہے اور لامحالہ یہ اپنے ظاہر پر نہیں اور مؤوّل ہیں کیونکہ انہیں ان کے ظاہر پر رکھا جائے تو ان احادیث صحیحہ کثیرہ کا انکار لازم آتا ہے جس کی وضاحت ہمارے کئی علماء فرما چکے ہیں۔ چنانچہ علامہ اکمل الدین بابرتی (متوفّی ۷۸۶ھ) نے شرح ہدایہ میں لکھا تھا ولنا انه لم ینقل الخ۔ ہماری ایک دلیل یہ ہے کہ اس موقع پر خطبہ پڑھنا منقول نہیں ہوا۔ (عنایہ جلد ۲ صفحہ ۵۷)

اس کے تحت علامہ سعدی چلپی آفندی حنفی (متوفّٰی ۹۴۵ھ) نے ارقام فرمایا:

''اقول کیف لم ینقل وقداخرج الستة عنها'' یعنی میں کہتا ہوں یہ کیسے منقول نہیں ہے جب کہ ائمہ ستّہ (بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ) نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اسے روایت کیا ہے۔ (چلپی علی شرح العنایہ جلد ۲ صفحہ ۵۷ طبع بیروت)

نیز علامہ زیلعی حنفی (متوفّٰی ھ) نے ہدایہ کے زیر بحث الفاظ ''لم ینقل'' کے تحت لکھا ہے: قلت هذ غلط ففی الصحیحین الخ یعنی میں کہتا ہوں کہ عبارت ہٰذا (اپنے ظاہر کے حوالہ سے) غلط ہے کیونکہ خطبہ کسوف ثابت ہے جیسا کہ صحیحین (بخاری و مسلم وغیرہما) میں ہے (اس کے بعد انہوں نے متعلقہ احادیث نقل فرمائی ہیں) ملاحظہ ہو [نصب الرایہ جلد ۲ صفحہ ۲۴۳]۔

نیز علامہ عینی (متوفّٰی ھ) عبارت ہٰذا کے تحت رقم طراز ہیں:

''وھذا غیر صحیح لماروی البخاری و مسلم'' یعنی یہ دعویٰ کہ کسوف کے موقع پر خطبہ منقول نہیں، غیر صحیح ہے جس کی دلیل صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی احادیث ہیں۔ اھ ملاحظہ ہو [بنایہ جلد ۳ صفحہ ۴۰۴ طبع ملتان]

علامہ موصوف نے صرف اسی پر بس نہیں کیا بلکہ عبارت ہٰذا کے ظاہری معنٰی کے قائلین کی اس سلسلہ کی ایک ایک شق کا بھرپور طریقہ سے رد بھی کیا ہے پوری عبارت کا نقل کرنا باعث طوالت ہے اس لیے دلچسپی رکھنے والے حضرات اسے ان کی اس کتاب میں ملاحظہ فرمائیں۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو [بنایہ شرح ہدایہ جلد ۳

صفحہ۴۰۶ تا صفحہ۴۰۸ طبع ملتان]

بلکہ بعض احناف تو خطبۂ کسوف کی مشروعیت کے قائل بھی ہو گئے تھے۔ چنانچہ تنویرالابصار اور اس کی شرح الدرالمختار میں ہے:

''والخطب ثمان بل عشر''

علامہ شامی اس کے تحت لکھتے ہیں:

''ای بناء علی القول بان الکسوف خطبة عندنا وعلٰی قولهما بان للاستسقاء خطبة'' (ردالمختار مع الدرالمختار وتنویرالابصار جلد۱ صفحہ۶۱۷)۔ نیز درمختار میں اسی صفحہ پر ہے: وینبغی ان تکون خطبة الکسوف وختم القران کذلک اھ۔

نیز علامہ شمس الدین قہستانی (متوفّٰی ۹۵۵ھ) پھر علامہ شامی علیہما الرحمۃ لکھتے ہیں:

''ولا یخطب عندنا فیها بلا خلاف کما فی التحفة ونحوه المحیط والکافی والهدایة وشروحها لکن فی النظم یخطب بعد الصلٰوة بالاتفاق ونحوه فی الخلاصة وقاضی خان''۔ [ردّالمختار جلد۱ صفحہ۶۲۲ جامع الرموز جلد۱ صفحہ۲۱۷ طبع کراچی]۔

علامہ شامی جامع الرموز کی اس عبارت کے تحت مزید لکھتے ہیں:

''وعلی الثانی یبتنی مامر فی باب العید من عدّ الخطب عشرا لکن المشهور الاوّل وهوالذی فی المتون والشروح'' اھ [جلد۱ صفحہ۶۲۲]

عبارت ہدایہ کا صحیح محمل:۔

فقیر کے نزدیک حدیث ہٰذا کے الفاظ ''خطب الناس'' میں خطبہ سے مراد تقریر اور خطاب ہے اس طرح کا خطبہ نہیں جو مثلاً جمعہ یا عیدین کے لیے ہوتا ہے جیسا کہ بے شمار مواقع پر ہنگامی صورتوں میں آپ ﷺ نے خطابات فرمائے (ولایخفی علیٰ احد من خدّام هذا العلم الشریف) جس کی ایک دلیل یہ ہے کہ کسی بھی حدیث میں یہ نہیں ہے کہ آپ ﷺ نے اس موقع پر دو خطبے ارشاد فرمائے جیسا کہ نمازوں کے خطبے ہوتے ہیں (ومن ادّعی فعلیه البیان بالبرهان)۔ علاوہ ازیں اس حدیث کے بعض طرق میں اس خطاب اور تقریر مبارک کا پس منظر بھی مذکور ہے کہ آپ ﷺ کے صاحبزادہ، شہزادہ حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ السلام کی وفات کے دن ہی سورج کو گرہن لگ گیا تو کچھ لوگوں نے کہا یہ سورج گرہن ان کی وفات کے باعث ہوا ہے

اس کی تردید کی غرض سے آپ ﷺ نے منبر اقدس پر جلوہ گر ہو کہ یہ خطاب فرمایا اور اس کی وضاحت فرمائی کیونکہ غلط باتوں کی تردید کرنا آپ کے منصب کا حصہ تھا پس یہ کوئی نماز کسوف کا خطبہ نہیں تھا کہ اس کے جواز کے لیے شرط یا کم از کم اس کی تکمیل کے لیے مسنون و مشروع ہو۔ چنانچہ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

''انکسفت الشمس علیٰ عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم مات ابراھیم ابنہ فقال الناس انما انکسفت لموت ابراھیم فقال یایھا الناس انما الشمس والقمر اٰیتان من اٰیات اللہ وانھما لا ینکسفان لموت احد من الناس فاذا رأیتم شیئا من ذٰلک فصلّوا حتی تنجلی''یعنی رسول اللہ ﷺ کے عہد اقدس میں آپ کے فرزند ارجمند حضرت ابراہیم کی وفات کے موقع پر سورج کو گرہن لگ گیا تو لوگوں نے کہا یہ سورج گرہن محض حضرت ابراہیم کی وفات کی وجہ سے ہے تو آپ ﷺ نے خطاب فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: اے لوگو! سورج چاند محض قدرت الٰہیہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں انہیں کسی شخص کی وفات کی وجہ سے گرہن نہیں لگتا۔ لہٰذا جب تم ایسی بات دیکھو تو نماز پڑھو۔ اھ ملاحظہ ہو [نصب الرایہ جلد۲ صفحہ ۲۳۹ بحوالہ صحیح مسلم کتاب الکسوف وقال مختصر۔ طبع لاہور]

بلکہ اس کے بعض طرق میں ہے کہ آپ ﷺ نے خود بھی لوگوں کی اس بات کا حوالہ دیا پھر اس کی وضاحت فرمائی۔ چنانچہ ایک طویل حدیث میں ہے کہ آپ نے اس موقع پر حمد و ثناء الٰہی وغیرہ کے بیان کے بعد ارشاد فرمایا:

''اما بعد فان رجالا یزعمون ان کسوف ھٰذہ الشمس وکسوف ھٰذا القمر وزوال ھٰذہ النجوم عن مطالعھا لموت رجال عظماء من اھل الارض وانھم قد کذبوا ولکنھا اٰیات من اٰیات اللہ یعتبر بھا عبادہ فینظر من یحدث لہ منھم توبۃ الخ۔ یعنی کچھ اشخاص یہ کہہ رہے ہیں کہ سورج گرہن ہو یا چاند گرہن یا ستاروں کا ٹوٹنا' یہ اہل زمین سے کسی بڑی شخصیت کے اس دنیا سے اٹھ جانے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ ان کا یہ کہنا غلط ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ امور اللہ تعالیٰ کی قدرت کے نشانات سے ہیں جنہیں ظاہر کر کے اللہ اپنے بندوں کی آزمائش فرماتا ہے کہ انہیں دیکھ کر کون اس کے حضور تائب ہوتا (اور کون لاپرواہی کرتا) ہے اھ۔ مااردنا ملاحظہ ہو [نصب الرایہ جلد۲ صفحہ ۲۴۵ بحوالہ مسند احمد عن سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ]

علاوہ ازیں صحیحین کے حوالہ سے آپ ﷺ کے منقولہ الفاظ مبارکہ (ثم قال هما اٰيتان من اٰيات الله لا يخسفان لموت احد و لا لحياته الخ) بھی اس پس منظر کی جانب واضح اشارہ کرتے ہیں۔

اس تفصیل کی روشنی میں عبارت ہدایہ کے الفاظ ''لانه لم ينقل'' کا واضح مطلب یہ ہوا کہ آپ ﷺ نے اس موقع پر نماز کسوف کے لیے مشروع و مسنون بنانے کی غرض سے خطبہ نہیں دیا پس یہ عبارت بھی فعل عدم اور ذکر عدم کے متعلق ہوئی نہ کہ عدم فعل کے بارے میں جیسا کہ گکھڑوی صاحب نے سمجھ لیا ہے جس سے ان کی فقہی پوزیشن بھی واضح ہو جاتی ہے۔ ہماری اس موقع کی تائید ائمہ محققین احناف کی حسبِ ذیل نقول سے بھی ہوتی ہے۔

چنانچہ محقق علی الاطلاق امام ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ ہدایہ کی اس عبارت کے تحت لکھتے ہیں: ''اى بطريق قصد الشرعية بل لدفع وهم من توهم انه لموت ابراهيم ﷺ فهو نسب عرض وانقضىٰ''۔ (فتح القدیر جلد۲ صفحہ ۵۷ طبع بیروت)

امام ابن نجیم مصری حنفی فرماتے ہیں:

''فانما كان للرد علىٰ من قال انها كسفت لموته لا لانها مشروعة له و لذا خطب بعد الانجلاء و لو كانت سنة له لخطب قبله كالصلاة و الدعاء''۔ (البحر الرائق جلد۲ صفحہ ۱۶۷ نیز ردّ المحتار جلد ا صفحہ ۶۲۲ بحوالہ البحر)۔

نیز علامہ اکمل الدین بابرتی حنفی فرماتے ہیں:

''وان صح فتأويله انه عليه السلام خطب لان الناس يقولون انها كسفت لموت ابراهيم فاراد ان يرد عليهم''اھ [شرح العنایہ جلد۲ صفحہ ۵۷]

سعدی چلپی حنفی لکھتے ہیں:

''اقول لا لشرعية الخطبة اھ (سعدی علیٰ شرح العنایہ جلد۲ صفحہ ۵۷)

ملک العلماء کاسانی حنفی لکھتے ہیں:

''او لانه احتاج الى الخطبة ردًا لقول الناس انما كسفت الشمس لموت ابراهيم لا للصلاة''اھ [بدائع الصنائع جلد ا صفحہ ۲۸۲]

علامہ حلبی حنفی شافعیہ کی دلیل کا جواب دیتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں:

''قلنا لم ینقل عنه علیه الصلوٰة والسلام انه خطب خطبتین علی الهیئة المعهودة وانما فعل ذٰلک لردهم عن قولهم ان الشمس کسفت لموت ابراهیم بن رسول ﷺ''اھ [غنیة المستملی المعروف حلبی کبیر صفحہ ۴۲۷ طبع لاہور]

علامہ عینی فرماتے ہیں:

''ولم ینقل عنه علیه الصلوٰة والسلام انه خطب خطبتین فلیس علیهما دلیل ولا القیاس''

(بنایہ جلد ۳ صفحہ ۲۰۴)

علامہ جمال الدین زیلعی حنفی رقم طراز ہیں:

''واجاب الاصحاب عن ذٰلک کله بانه علیه الصلوٰة والسلام لم یقصد الخطبة وانما قال ذٰلک دفعاً لقول من قال ان الشمس انکسفت لموت ابراهیم واخباراً بمارٰاہُ من الجنة والنار الخ [نصب الرایہ جلد ۲ صفحہ ۲۴۳ طبع نوریہ رضویہ لاہور]

ان تمام عبارات کا خلاصہ ترجمہ:-

یہ ہے کہ صحیحین وغیرہما کی احادیث کے الفاظ فخطب الناس وغیرہا کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آپ ﷺ نے نماز کسوف کے لیے مشروع ومسنون فرمانے کی غرض سے کوئی خطبہ ارشاد فرمایا تھا بلکہ اس سے خطاب فرمانا مراد ہے اور وہ بھی بنیادی طور پر ایک عارضی اور وقتی سبب کے باعث محض اس امر کی وضاحت کے لیے تھا کہ یہ سورج گرہن آپ کے شہزادہ کی وفات کی وجہ سے نہیں ہوا جب کہ لوگ ان کی وفات کو اس کا سبب ہونا بیان کر رہے تھے جس کی ایک دلیل یہ ہے کہ ان احادیث سے یہ بھی واضح ہے کہ آپ ﷺ نے ایک خطبہ دیا تھا' دو کی علیحدہ سے بھی کوئی دلیل نہیں جب کہ نماز کے خطبے دو ہوتے ہیں جیسے عیدین اور جمعہ کی نمازوں کے خطبات۔ جب کہ اسے خطبات جمعہ وعیدین پر قیاس بھی نہیں کیا جا سکتا (ولایخفٰی علٰی لبیب)۔ یہی وجہ ہے کہ یہ خطاب آپ نے سورج گرہن کے دوران فرمانے کی بجائے اس کے کھل جانے کے بعد فرمایا تھا جس میں آپ نے اس موقع پر اپنے کیے گئے جنت وجہنّم کے مشاہدہ کا ذکر فرمایا۔

ثالثاً: اس سے قطع نظر اس موقع پر خطبہ کے مشروع ومسنون للصلاۃ ہونے کے بعض علماء احناف سمیت بعض ائمہ مجتہدین جیسے امام شافعی وغیرہ بھی قائل ہیں تو گکھڑوی صاحب کے اس موقف کو درست مان لینے کی صورت میں یہ حضرات بدعتی قرار پا جائیں گے جو ظاہر ہے کسی طرح درست نہیں پس یہ

بھی گنگھڑوی استدلال کے غلط اور بے جا ہونے کی دلیل ہے۔ اس سلسلہ کی کچھ عبارات (تنویر الابصار، درمختار، قہستانی اور ردّالمحتار کے حوالہ سے) ابھی گزری ہیں، مزید سنیے:

علامہ ابن رشد مالکی نے لکھا ہے:

''واختلفوا ایضاً هل من شرطها الخطبة بعدالصلاة؟ فذهب الشافعی الیٰ ان ذٰلک من شرطها''یعنی ائمہ دین کا اس میں اختلاف ہے کہ نماز کسوف کے لیے خطبہ بھی شرط ہے یا نہیں؟ تو امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ شرط ہے اھ ملاحظہ ہو [بدایۃ المجتہد جلد ۱ صفحہ ۱۵۵ طبع ملتان فاران اکیڈمی لاہور]

اسی کی مانند بنایہ شرح ہدایہ جلد ۳ صفحہ ۴۰۳، صفحہ ۴۰۴ طبع ملتان میں بھی ہے (نحوہ)۔

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں:

''واختلف العلماء فی الخطبة لصلوٰة الکسوف فقال الشافعی واسحٰق وابن جریر وفقهاءِ اصحاب الحدیث یستحب بعدها خطبتان وقال مالک وابو حنیفة لایستحب ذٰلک''۔یعنی نماز کسوف کے لیے خطبہ کے مشروع ہونے میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ امام شافعی، اسحٰق، ابن جریر اور ماہرین فن حدیث اس کے مشروع اور امام مالک اور امام ابوحنیفہ اس کے غیر مشروع ہونے کے قائل ہیں (شرح مسلم جلد ۱ صفحہ ۲۹۵)۔

اَقُوْلُ:- امام احمد کے بارے میں دو روایتیں ہیں۔ غیر مشروع ہونے کے قائل ہونے کا ذکر حلبی کبیر، ردّالمحتار اور نصب الرایہ وغیرہا میں۔ جب کہ مشروع ہونے کے قائل ہونے کا بیان بنایہ شرح ہدایہ وغیرہا میں دیکھا جا سکتا ہے جو سب کے صلوٰۃ بالکسوف کے باب میں ہے۔ کفایہ شرح ہدایہ (جلد ۲ صفحہ ۵۷ علیٰ ہامش فتح القدیر) میں ہے: فان الشافعی رحمه الله یروی حدیث الخطبة فی کسوف الشمس اھ۔

عنایہ شرح ہدایہ (جلد ۲ صفحہ ۵۷) میں ہے: وقال الشافعی فی کسوف الشمس یخطب بعدالصلوٰة خطبتین کما فی العیدین اھ۔

بدائع الصنائع (جلد ۱ صفحہ ۲۸۲) میں ہے: وقال الشافعی یخطب خطبتین اھ۔

حلبی کبیر (صفحہ ۴۲۶) میں ہے: وعند الشافعی تسن خطبتان بعدالصلوٰة اھ۔

فتاویٰ عالم گیری (جلد ۱ صفحہ ۱۵۳) میں المحیط کے حوالہ سے ہے''وھٰذا مذھبنا''اھ۔

بدائع الصنائع (جلد ا صفحہ ۲۸۲) میں ہے: ولا خطبة فیها عندنا ۔اھ
نورالایضاح اوراس کی شرح مراقی الفلاح (صفحہ ۴۴۷) میں ہے: ولاخطبة باجماع اصحابنااھ۔
حلبی کبیر (صفحہ ۴۲۶) میں ہے: لا خطبة فیها عندنا ۔اھ
جامع الرموز (جلد ا صفحہ ۲۱۷) پھر ردّالمحتار (جلد ا صفحہ ۶۲۲) میں ہے: ولا یخطب عندنا بلا خلاف ۔اھ

ان سب عبارات کا مفہوم یہ ہے کہ مسئلہ ہٰذا مختلف فیہا بین العلماء ہے تو کیا گکھڑوی صاحب اپنے اس استدلال کی رو سے امام شافعی اورامام ابن جریر رحمہما اللہ جیسے ائمّہ کو بدعتی کہیں گے؟

رابعاً: اس کا مزید جواب وہی ہے جو بارہا گزرا ہے کہ گکھڑوی صاحب اگراپنے اس موقف میں سچے ہیں تو وہ ان اکابر کو بھی بدعتی کہیں جنہوں نے بے شمار امور کو غیر منقول لکھ اور مان لینے کے ساتھ ان کے جائز، مستحسن اور مستحب ومسنون ہونے کی تصریحات کی ہیں جیسے بصورت موجودہ اجتماعی شکل میں عیدین کی نمازوں کے بعد والی دعا وغیرہ جن کی مکمل باحوالہ تفصیل کچھ پہلے گزر چکی ہے —— خدارراانصاف۔

ہدایہ کی ایک اورعبارت سے مغالطہ کا ردّ:-

اپنے مدّعا کے اثبات کی ایک اوردلیل پیش کرتے ہوئے گکھڑوی صاحب نے لکھا ہے کہ:
اورایک مقام پر لکھتے ہیں کہ: ولا یتنفل فی المصلّٰی قبل صلٰوة العیدلان النبی ﷺلم یفعل ذٰلک حرصه علی الصلٰوة ثم قیل الکراهة فی المصلّٰی خاصة وقیل فیه وفی غیره عامّه لانه صلی الله علیه وسلم لم یفعلة ''اورعیدگاہ میں نمازعید سے پہلے نمازنہ پڑھی جائے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے باوجود نماز پر حریص ہونے کے ایسا نہیں کیا۔ پھراس میں اختلاف ہے کہ یہ کراہت عیدگاہ کے ساتھ خاص ہے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ عیدگاہ اورغیرعیدگاہ دونوں میں کراہت ہوگی کیونکہ آنحضرت ﷺ نے عیدگاہ وغیرعیدگاہ دونوں میں نمازنہیں پڑھی۔
(ہدایہ جلد ا صفحہ ۱۵۳)

آپ نے ملاحظہ کیا کہ صاحب ہدایہ نے آنحضرت ﷺ کے عدم فعل کو حجت اوردلیل کے طور پر پیش کیا ہے حالانکہ صریح نہی اس پر پیش کرنا ایک دشوار امر ہے کہ آپ نے عیدگاہ میں یاعید کے دن کسی دوسری جگہ نفل

پڑھنے سے علی الخصوص منع کیا ہے۔ مؤلف انوار ساطعہ اور مفتی احمد یار خان صاحب کے نزدیک اس فعل کو اور مکروہ نہیں ہونا چاہیے اس لیے کہ آنحضرت ﷺ کی نہی اس پر موجود نہیں ہے۔ اھ بلفظہٖ ملاحظہ ہو [راہِ سنّت صفحہ ۹۶ صفحہ ۹۷]

اَقُوْلُ:- یہ عبارت بھی گکھڑوی صاحب کے دعویٰ کی دلیل نہیں کیونکہ:

(جواب نمبر ۱) اوّلاً:-

اس میں بھی وہی فعل عدم ہے عدم فعل نہیں جب کہ ان دونوں میں زمین و آسمان کا سا فرق ہے جس کی تفصیل خصوصیت کے ساتھ ابھی طلوعِ فجر کے بعد نوافل کے حکم کی بحث میں گزری ہے۔ فعل عدم کی دلیل خود اس عبارت کے یہ الفاظ بھی ہیں **لم یفعل ذلک، لم یفعلہ**۔ جب کہ آپ علیہ السلام کے اس کے نہ کرنے کے ناپسند فرمانے کی بناء پر ہونے کی دلیل اس کے الفاظ ''**مع حرصہ علی الصلوٰۃ**'' ہیں تو معنیٰ یہ ہوگا کہ اس موقع پر نوافل پڑھنا مکروہ ہے کیونکہ آپ ﷺ نے انہیں ناپسند فرماتے ہوئے ترک فرمایا ہے جب کہ ہم متعدد بار وضاحت کر آئے ہیں کہ آپ ﷺ کا کسی امر کو نہ کرنا اور چھوڑنا اگر ناپسندیدگی کی بناء پر ہو تو یہ اس کے مکروہ ہونے کی دلیل ہوگا، محض عدم فعل کراہت کو مستلزم نہیں جب کہ زیرِ بحث امر بھی یہی ہے اور گکھڑوی صاحب نے ثابت بھی اسی کو کرنا تھا جو تا حال ان کا منہ تک رہا ہے۔

معمولاتِ اہلِ سنت کے متعلق بھی وہ کوئی ایسی دلیل پیش کر کے دکھائیں تو انہیں شاباش دی جائے جس میں صراحت کے ساتھ مذکور ہو کہ مثلاً نمازِ جنازہ کے بعد آپ ﷺ دعا نہیں فرماتے تھے یا اہلِ خیر القرون اذان سے پہلے یا بعد صلوٰۃ و سلام نہیں پڑھتے تھے اور وہ بھی اس لیے کہ اسے آپ ﷺ نے ناپسند فرمایا تھا جو قطعاً ان کے بس کا روگ نہیں۔

بالفاظِ دیگر بحث مسکوت عنہ کے متعلق ہے جب کہ گکھڑوی صاحب نے دلیل دی ہے اس کی جس کی نفی مصرّح و منصوص ہے جو خارج از بحث ہے۔ باقی ممانعت کے لیے صریح نہی کا ہونا کچھ ضروری نہیں اور نہ ہی انوار ساطعہ کے مؤلّف جلیل علامہ عبدالسمیع رام پوری (مرید و خلیفہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی) اور حضرت مفتی احمد یار خان نعیمی علیہما الرحمۃ اس کے قائل ہیں جس کا دعویٰ تو گکھڑوی صاحب نے کر دیا ہے مگر اس کا کوئی ثبوت تا حال پیش نہیں کر پائے۔ اس پر تفصیلی بحث گزشتہ صفحات میں گزر چکی ہے۔

مأخذ مسئلہ:

عبارت ہٰذا کے الفاظ ''لم یفعل ذٰلک'' اور لم یفعله کا مأخذ ائمہ ستہ وغیرہم کی صحیح احادیث ہیں بطور نمونہ بعض حسب ذیل ہیں:-

چنانچہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا:

''خطبنا النبی ﷺ یوم النحر فقال ان اوّل مانبدأ به فی یومنا هٰذا ان نصلّی ثم نرجع فننحر فمن فعل ذٰلک فقد اصاب سنتنا ومن ذبح قبل ان یصلی فانما هو لحم عجله لاهله لیس من النسک فی شئی الخ یعنی قربانی کے دن، نبی ﷺ نے ہمیں خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا ہم نے آج اپنے اس دن میں جو کام سب سے پہلے کریں گے وہ یہ ہے کہ ہم نماز عید پڑھیں پھر واپس آتے ہی قربانی کریں گے تو جس نے ایسا کیا اس نے ہمارے طریقہ کو پالیا اور جس نے ہمارے نماز عید پڑھنے سے پہلے قربانی کر لی تو وہ قربانی نہیں وہ تو محض گوشت ہے جو اس نے جلد بازی کرتے ہوئے اپنے گھر والوں کے لیے تیار کیا۔ الخ ملاحظہ ہو [صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۳۲ طبع کراچی]

علاوہ ازیں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

''ان النبی ﷺ خرج یوم الفطر فصلّی رکعتین لم یصل قبلها ولا بعدها وفی روایة خرجت مع النبی یوم فطر او اضحٰی وفی لفظ خرج یوم اضحٰی اوفطر'' یعنی نبی کریم ﷺ عید الفطر یا عید قربانی کے لیے عید گاہ کو تشریف لے گئے میں بھی ہمراہ تھا پس آپ نے دو رکعت نماز عید (لوگوں کے ساتھ) پڑھی جب کہ اس سے پہلے، اسی طرح اس کے بعد آپ نے کوئی نفل نہ پڑھے۔ اھ ملاحظہ ہو [صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۳۱ صفحہ ۱۳۳ طبع کراچی۔ صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۲۹۱ طبع کراچی]

قبل عید کراہت نفل کی اصل وجہ:-

علماء وائمہ شان نے اس مقام پر آپ ﷺ کے صرف نہ کرنے کو دلیل کراہت نہیں بنایا بلکہ آپ کے اس کو ناپسند فرمانے کو اس کی دلیل قرار دیا ہے۔ بعض نقول ملاحظہ ہوں۔

چنانچہ مشہور شارح حدیث علامہ نووی شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

''فیہ انہ لا سنة لصلوٰة العید قبلها ولابعد ها (الی)وقال الشافعی وجماعة من السلف لاکراھة فی الصلوٰة قبلها ولا بعدها (الی)ولا حجة فی الحدیث لمن کرهها لانه لایلزم من ترک الصلوٰة کراهتها والاصل ان لا منع حتی یثبت ''یعنی اس حدیث سے واضح ہے کہ نمازِ عید سے پہلے اور بعد اس کی کوئی سنت نماز نہیں ہے۔ امام شافعی اور دیگر سلف کے ایک گروہ کا نظریہ یہ ہے کہ اس کے باوجود نمازِ عید سے پہلے اور اس کے بعد نفلی نماز پڑھنے میں کوئی کراہت نہیں جب کہ حدیث ہٰذا قائلین کی کچھ دلیل ہیں کیونکہ (اس میں زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے نفلی نماز نہیں پڑھی جب کہ) نفلی نماز کا نہ پڑھنا اس کو لازم نہیں کہ آپ نے اسے ناپسند فرمایا ہو جب کہ اصل اور قاعدہ یہ ہے کہ ممانعت کے ثبوت کے بغیر کوئی چیز ممنوع نہیں اھ ملاحظہ ہو [نووی شرح مسلم جلد ۱ صفحہ ۲۹۱ طبع کراچی]

منح الغفار شرح تنویر الابصار میں علامہ تمرتاشی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پیش نظر حدیث ابن عباس کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ:

''اقول وهٰکذا استدل به الشراح علی الکراهة وعندی فی کونه مفیدا للمدعی نظر لان غایة مافیه ان ابن عباس حکیٰ انه علیه الصلوٰة والسلام خرج فصلّی بهم العید ولم یصل الخ. وهٰذا لا یقتضی ان ترک ذٰلک کان عادة له وبمثل هٰذا لاتثبت الکراهة اذالابدلها من دلیل خاص کما ذکره صاحب البحر اھ [ردالمحتار جلد ۱ صفحہ ۶۱۴]

علامہ شامی قدس سرّہ السامی اس پر ارقام فرماتے ہیں:

''قلت لکن ذکره العلامة نوح افندی ان وجه الاستدلال ماذکروه فی کراهة التنفل بعد طلوع الفجر باکثر من رکعتیه من انه صلی الله علیه وسلم کان حریصاً علی الصلاة فعدم فعله یدل علی الکراهة اذالولا هالفعله بیانا للجواز اه. قلت هٰذا مسلم فیما اذا تکرر منه ذٰلک اما عدم الفعل مرة فلا. ولیس فی حدیث ابن عباس المارّ مایفید التکرار فافهم اھ [ردالمحتار جلد ۱ صفحہ ۶۱۴]

دونوں عبارتوں کا خلاصہ یہ ہے (کہ علامہ تمرتاشی فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں کہ شارحین حدیث نے اس حدیث سے نمازِ عید سے قبل اور بعد نفلی نماز کے مکروہ ہونے کا استدلال کیا ہے مگر میرے نزدیک اس حدیث

کے اس امر کی دلیل ہونے میں کلام ہے (یہ استدلال محلِ نظر ہے) کیونکہ زیادہ سے زیادہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت ابن عباس کے حسب بیان آپ ﷺ نے عید گاہ میں تشریف لے جا کر لوگوں کو نماز عید پڑھائی اور اس سے پہلے اور بعد کوئی نفل نہ پڑھا (یعنی ایک آدھ بار ایسا ہوا) جس سے آپ کا ہمیشہ ایسا کرنا لازم نہیں آتا جب کہ ایک آدھ بار ایسا کرنے سے کراہت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ کراہت کے ثبوت کے لیے علیحدہ سے دلیل خاص درکار ہوتی ہے جیسا کہ اسے صاحب البحر الرائق نے ذکر فرمایا ہے۔

(علامہ شامی فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں کہ (اس کی کراہت دلیل خاص موجود ہے جسے) علامہ نوح آفندی نے ذکر فرمایا ہے کہ اس مقام پر وجہ استدلال وہی ہے جو طلوع فجر کے بعد دو رکعت سنّت فجر سے زیادہ نفل کے مکروہ ہونے کی وضاحت میں علماء نے بیان فرمائی ہے اور وہ یہ کہ آپ ﷺ نے نفلی نماز سے انتہائی لگن کے باوجود اسے ترک فرمایا ہے پس آپ کا ایسا ترک اور عدم فعل، کراہت کی دلیل ہے کیونکہ اگر اسے ناپسند نہ فرمایا ہوتا تو کم از کم بیان جواز کے لیے ضرور کرتے۔

(علامہ شامی فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں کہ وہ ترک اور عدم فعل، کراہت کی دلیل ہوتا ہے جو بالتکرار اور بار بار ہو۔ ایک آدھ بار کا ترک، کراہت کی دلیل نہیں جب کہ حضرت ابن عباس کی اس روایت میں اس کے بالتکرار ہونے کا کوئی ثبوت نہیں۔ پس خوب سمجھ لو۔ اھ

مزید تصریحات:-

مزید سنیے: امام شمس الائمہ سرخسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس کے مکروہ ہونے کی وجہ بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

(ولا صلٰوۃ قبل صلٰوۃ العید) "فان النبی ﷺ لم یتطوع قبل العید مع حرصہ علی الصلٰوۃ"
یعنی نماز عید سے قبل کوئی نفل نہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ نے نفلی نماز سے انتہائی لگن کے باوجود نماز عید سے قبل کوئی نفل نہیں پڑھے اھ ملاحظہ ہو [مبسوط جلد ۱ صفحہ ۱۵۷ طبع بیروت]

نیز شیخ الاسلام علامہ عینی رقم طراز ہیں:

"(لانہ علیہ الصلٰوۃ والسلام لم یفعل ذٰلک مع حرصہ علی الصلاۃ) ای لان النبی ﷺ لم یصل قبل العید مع حرصہ علی فعل الصلٰوۃ"۔

کچھ آگے لکھا ہے:

''(لم یفعله)ای لم یفعل الصلاۃ ای لم یصل فی المصلّٰی قبل صلوٰۃ العید ولا بعد ھا وعدم الفعل دلیل الکراھۃ ''یعنی ہدایہ کی ان عبارات کا مطلب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے نماز کے شدّت شوق کے باوجود نہ تو اس سے پہلے کوئی نفل پڑھے نہ بعد میں پڑھے جو اس امر کی دلیل ہے کہ آپ نے اس مقام پر نفل پڑھنے کو ناپسند فرمایا''۔اھ ملاحظہ ہو [بنایہ شرح ہدایہ جلد۳ صفحہ۳۶۰ صفحہ ۳۶۱ طبع ملتان]

نیز علامہ سید طحطاوی رحمہ اللہ تعالیٰ مراقی الفلاح شرح نورالایضاح کے حاشیہ میں فرماتے ہیں:

''ای مع حرصہ علی النوافل فلولاالکراھۃ لفعل ''نوافل کے شدت شوق کے باوجود آپ ﷺ کا اس موقع پر نفل نہ پڑھنا اس کی کراہت کی دلیل ہے۔اگر آپ نے اسے ناپسند نہ فرمایا ہوتا تو ضرور پڑھتے۔اھ ملاحظہ ہو [حاشیہ الطحطاوی صفحہ ۴۳۶ طبع کراچی]

ایک تازہ دلیل:

حسب مقام کلام علماء خصوصاً فقہا احناف سے اس کی مزید تازہ دلیل یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے مسجد میں نمازعید کے پڑھنے کا کوئی ثبوت نہیں۔اس کے باوجود انہوں نے اس کے جواز کا فتوٰی دیا ہے جو درجنوں متعلقہ کتب میں موجود ہے جن کا احصاء ممکن ہے نہ مقصود۔محض تکمیل عنوان کی غرض سے اس سلسلہ کی ایک عبارت حسب ذیل ہے:

چنانچہ ملک العلماء کاسانی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس بارے میں لکھتے ہیں:

''یستحب للامام اذا خرج الی الجبانۃ لصلاۃ العیدان یخلف رجلاً یصلی باصحاب العلل فی المصر صلاۃ العید لما روی عن علی رضی اللہ عنہ انہ لما قدم الکوفۃ استخلف اباموسی الاشعری لیصلی بالضعفۃ صلاۃ العید فی المسجد وخرج الی الجبانۃ مع خمیس شیخا یمشی ویمشون ولان فی ھٰذا اعانۃ للضعفۃ علٰی احراز الثواب فکان حسنا وان لم یفعل لاباس بذٰلک لانہ لم ینقل ذٰلک عن رسول اللہ ﷺ ولا عن الخلفاء الراشدین سوی علی رضی اللہ عنہ ولانہ لا صلوٰۃ علی الضعفۃ ولکن لو خلف کان افضل لما بینا اھ۔یعنی اسلامی سربراہ مملکت کے لیے مستحب یہ ہے کہ جب وہ نماز عید کے لیے آبادی سے باہر صحراء کو نکلے تو شہر میں کسی کو وہ مقرر کر کے جائے جو معذوروں اور مجبوروں کو (جو باہر نہیں

جا سکتے) نماز عید پڑھائے کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں یونہی مروی ہے کہ آپ کوفہ میں قیام کے دوران جب نماز عید پڑھانے کے لیے آبادی سے باہر تشریف لے گئے تھے تو آپ شہری مسجد میں کمزور قسم کے لوگوں کو نماز عید پڑھانے کے لیے حضرت ابوموسیٰ اشعری کو مقرر فرما گئے تھے اور خود پچاس معمر قسم کے لوگوں کو ساتھ لے کر آبادی سے باہر پیدل تشریف لے گئے۔ اس کے مستحب ہونے کی ایک دلیل یہ ہے کہ اس میں ثواب حاصل کرنے میں ضعیفوں کی اعانت ہے تو یہ ایک مستحسن امر ہوا۔ اور اگر کسی کو اس کے لیے مقرر کر کے نہ جائے تو بھی اس میں کچھ مضائقہ نہیں کیونکہ ایسا کرنا رسول اللہ ﷺ سے منقول نہیں اور نہ خلفاء راشدین سے سوائے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کسی سے ثابت ہے، ضروری نہ ہونے کی ایک وجہ یہ ہے کہ ضعیفوں (معذوروں اور مجبوروں) پر نماز عید ہے ہی نہیں لیکن ہماری بیان کردہ تفصیل کی روشنی میں کسی کو مقرر کر کے جانا، مقرر نہ کر کے جانے سے بدرجہا بہتر ہے۔ اھ ملاحظہ ہو [بدائع الصنائع جلد۱ صفحہ ۲۸۰ طبع کوئٹہ]

علامہ شامی رقمطراز ہیں:

''ان صلاۃ العیدین فی موضعین جائزۃ بالا تفاق'' (شامی جلد۱ صفحہ ۶۱۳) تنویر اور درّ میں ہے:

''والخروج الیھا ای الجبانۃ لصلوٰۃ العید سنۃ وان وسعھم المسجد الجامع ھو الصحیح'' (جلد۱ صفحہ ۶۱۲)

علاوہ ازیں اس کی ایک مثال تثویب بھی ہے: ردالمحتار (جلد۱ صفحہ ۲۸۶ صفحہ ۲۸۷) میں بحوالہ العنایۃ مرقوم ہے: احدث المتأخرین التثویب بین الاذان والاقامۃ علی حسب ما تعارفوہ فی جمیع الصلوات سوی المغرب مع ابقاء الاول یعنی الأصل وھو تثویب الفجر وماراٰہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن اھ۔ اسی طرح دیگر متعدد کتب فقہ میں بھی ہے۔ مکمل تفصیل کے لیے حضرت مفتیٔ اعظم ہند ابن اعلیٰ حضرت رحمہما اللہ کے رسالہ مبارکہ القول العجیب کا مطالعہ بہتر ہے۔

علاوہ ازیں خود گکھڑوی جماعت کے اکثر لوگ عیدین کی نمازیں مساجد میں پڑھتے پڑھاتے ہیں جن میں ان کے علماء و عوام سب شامل ہیں اکثر یہ کام کرتے ہیں اور دوسرے ان کی ہاں میں ہاں ملاتے ہیں۔ پس فعلاً و رضاءً سب اس پر متفق ہوئے پس وہ اپنے نظریہ (ترک و عدم فعل مستلزم کراہت و عدم جواز ہے) کو

عملاً ردّ کر چکے ہیں جب کہ ان کے بزرگوں کا فتویٰ اس کے خلاف ہے۔

گکھڑوی جماعت کا اپنے بزرگوں سے تصادم:-

چنانچہ مدرسہ دیوبند کے مفتی اوّل مولوی عزیز الرحمٰن عثمانی دیوبندی نے لکھا ہے:

''خروج الی المصلّٰی برائے نماز عیدین سنت مؤکدہ ہے .... تو نماز عیدین کے لیے یہ عیدگاہ شہر سے باہر بنانا اور اس میں نماز عیدین جاری کرنا بے شبہ احیاء سنت نبویہ ہے۔ علٰی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیمات۔اھ ملاحظہ ہو [عزیز الفتاویٰ مکمل صفحہ ۳۰۶ طبع دارالاشاعت کراچی]

(جواب نمبر۲) ثانیاً:

اس سے قطع نظر گکھڑوی صاحب کے طور پر اس کی صریح نہی بھی ثابت ہے کیونکہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے اس کا منع ثابت ہے جن میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں جب کہ وہ خود لکھ چکے ہیں کہ ''حضرات صحابہ کرام بھی معیار حق ہیں'' (راہ سنت صفحہ ۳۶)۔اور خصوصیت کے ساتھ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایک مشکل عنوان کے تحت تصریح کر چکے ہیں ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان پر اس درجہ اعتماد تھا کہ آپ نے ارشاد فرمایا: جس چیز کو تمہارے لیے ابن مسعود پسند کرے میں بھی تمہارے لیے اس چیز کو پسند کرتا ہوں اور اس پر راضی ہوں (مستدرک جلد ۳ صفحہ ۳۱۹ صحیح) اور نیز ارشاد فرمایا کہ جس چیز کو تمہارے لیے عبداللہ بن مسعود پسند نہ کرے میں بھی اس چیز کو تمہارے لیے پسند نہیں کرتا۔ (الاستیعاب جلد ۱ صفحہ ۳۵۹)۔ امام نووی لکھتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود حضرات خلفاء راشدین سے بھی کتاب اللہ کے بڑے عالم ہیں (شرح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۹۳)

آپ نے ملاحظہ کر لیا کہ حضرات صحابہ کرام میں درجہ اوّل کے مفسر جن کو جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کلی اعتماد حاصل ہے (الیٰ) جب ان کو یہ فعل پسند نہیں تو سابق روایت کے پیش نظر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہ فعل ہرگز پسند نہیں۔ اب جس کا جی چاہے ان کی پیروی کرے یا کسی اور کی ع
نبی اپنا اپنا، امام اپنا اپنا''۔اھ بلفظہٖ [راہِ سنّت صفحہ ۱۳۰]

اب ملاحظہ ہو صحابۂ کرام کے بارے میں اس سلسلہ کے بعض حوالہ جات:

چنانچہ حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ نے فرمایا:

''لیس من السنة الصلوٰة قبل خروج الامام یوم العید'' یعنی عید کے دن خروج امام سے قبل کوئی نفل مسنون نہیں (آثار السنن صفحہ ۳۱۷ بحوالہ طبرانی۔ قال النیموی اسنادہ صحیح)

حضرت ابن سیرین سے روایت ہے:

''ان ابن مسعود وحذیفة رضی الله عنهما کا نا ینهیان الناس او قال یجلسان من یربانه یصلی قبل خروج الام''، یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت حذیفہ عید کے دن نگرانی فرماتے اور جسے نماز عید سے قبل نفل پڑھتا دیکھتے تو اسے اس سے منع فرماتے (آثار السنن صفحہ ۳۱۷ بحوالہ طبرانی۔ قال النیموی اسناده مرسل قوی)

امام شمس الائمہ سرخسی حنفی رحمہ اللہ تعالیٰ ارقام فرماتے ہیں:

''ولیس قبل العیدین صلوٰة لما روینا عن علی رضی اللہ عنہ انه کره ذٰلک لمن راٰه یفعله'' یعنی نماز عیدین سے قبل کوئی نفل نہیں جس کی دلیل یہ روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کچھ لوگوں کو اس موقع پر نفل پڑھتے دیکھ کر ناپسند فرمایا (مبسوط جلد ۲ صفحہ ۴۰ طبع بیروت)

شیخ الاسلام علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''وعن علی وابن مسعود جابر وابن ابی اوفٰی رضی الله عنهم انهم کانوا لایرونها قبلها ولا بعدها''، یعنی حضرت علی، حضرت ابن مسعود، حضرت جابر اور حضرت ابن ابی اوفٰی رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ وہ نماز عید سے پہلے اسی طرح اس کے بعد نفل کو ناپسند فرماتے تھے (بنایہ شرح ہدایہ جلد ۳ صفحہ ۳۵۹ طبع ملتان)۔

نیز علامہ اکمل الدین بابرتی حنفی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''وقد ورد النهی والانکار فی ذلک عن الصحابة کثیراً روی عن ابن مسعود وحذیفة قاما فنهیا الناس عن الصلوٰة قبل الامام یوم الفطر وروی ان علیا خرج الی المصلّٰی'' الخ یعنی مسئلہ ہذا میں حضرات صحابہ کرام سے بکثرت ممانعت اور انکار وارد ہے۔ چنانچہ حضرت ابن مسعود اور حضرت حذیفہ کے متعلق مروی ہے کہ انہوں نے عید الفطر کے دن نماز عید سے پہلے لوگوں کو نفل پڑھنے سے بالاہتمام روکا۔ اور اس قسم کی روایت حضرت علی کے بارے میں بھی ہے۔اھ ملاحظہ ہو [شرح العنایہ جلد ۲ صفحہ ۴۲ بر ہامش فتح القدیر طبع بیروت]

ان عبارات میں ''لیس من السنة''، ''کانا ینهیان ''قد ورد النبی عن الصحابة اور فنهیا الناس وغیرہا کے الفاظ، نہی صریح کی خود حسب اصول گکھڑوی روشن دلیل ہیں۔ جن سے ان کا یہ کہنا کہ ''صریح نہی''

کرنا ایک دشوار امر ہے''۔ نیز آنحضرت ﷺ کی نہی اس امر پر موجود نہیں بے بنیاد قرار پاتا اور ان کی یہ دشواری دفع ہو جاتی ہے۔

(جواب نمبر۳) ثالثاً:

ہمارے فقہاء رحمہم اللہ کی اس بارے میں تصریحات موجود ہیں کہ یہ حکم عوام کے لیے نہیں پس انہیں اس سے منع نہ کیا جائے کیونکہ عوام کی اکثریت' عبادت سے غافل ہے۔ پس یہ سجدے ان سے غنیمت ہیں اور روکنے کا نقصان یہ ہوگا کہ وہ سرے سے اس سے محروم ہو جائیں گے۔ خصوصاً جب کہ یہ نہی تنزیہی سے تحریمی نہیں کہ اس میں شدت اختیار کی جائے اور اقتدار بھی ہمارے ہاتھ میں نہیں ومن لم یعرف احوال الناس فھو جاھل لیس باھل اللفتویٰ۔

چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے بارے میں منقولہ روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ نے قبل عید نفل پڑھنے کو ناپسند تو فرمایا لیکن خود اس سے لوگوں کو منع نہ فرمایا آپ سے عرض کی گئی ''ام تمنعه یا امیر المؤمنین فقال اخاف ان ادخل تحت الوعید قال اللہ تعالیٰ ارأیت الذی ینھی عبدا اذا صلّی'' یا امیر المؤمنین! آپ خود اس سے منع کیوں نہیں فرماتے؟ فرمایا: مجھے ڈر لگتا کہ کہیں نماز سے منع کر کے آیت کریمہ ''ارأیت الذی ینھی عبدا اذا صلّی'' کی وعید کے تحت نہ آ جاؤں۔ [درمختار جلد ۱ صفحہ ۶۱۴ علیہ ہامش ردالمختار طبع کوئٹہ۔ (وغیرہ) نیز مبسوط سرخسی جلد ۱ صفحہ ۱۵۷]

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ اس کے تحت فرماتے ہیں کہ:

''وظاھر ھٰذا الاثر تقرر الکراھة عندھم فی المصلّی وانھا تنزیھیّة ولالما اقرہ اذ لایجوز لاقرار علی المنکر''، یعنی روایت ہٰذا کی رو سے عیدگاہ میں نفل کا مکروہ ہونا ہمارے فقہاء کے ہاں مسلّم ہے نیز اس سے یہ بھی ظاہر ہے کہ اس کراہت سے مراد تنزیہی ہے ورنہ حضرت علی اس سے خاموشی اختیار نہ فرماتے کیونکہ برائی کو برقرار رکھنا جائز نہیں اھ [ردالمختار جلد ۱ صفحہ ۶۱۴ طبع کوئٹہ]

نیز گکھڑوی صاحب کے پیشرو کشمیری صاحب نے اس بحث میں اپنا عندیہ واضح کرتے ہوئے لکھا ہے:

''واما علی فنظرہ اوسع منه''، یعنی بعض اصحاب کرام نے لوگوں کو اس سے منع فرمایا لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی نظر ان سے وسیع ہے۔ اھ [فیض الباری جلد ۲ صفحہ ۳۷۲]

علاوہ ازیں البحر الرائق میں ہے:

''وھٰذا کلہ انما ھو بحسب حال الانسان واما العوام فلا یمنعون من تکبیر قبلھا. قال ابو جعفر لاینبغی ان یمنع العامة من ذٰلک لقلة رغبتھم فی الخیرات اہ وکذا التنفل قبلھا. قال فی التجنیس سئل شمس الائمة الحلوانی ان کسالی العوام یصلون الفجر عند طلوع الشمس افنزجرھم عن ذٰلک قال لا لانھم اذا منعوا عن ذٰلک ترکوھا اصلاً واداء ھا مع تجویز اھل الحدیث لھا اولیٰ من ترکھا اصلاً'' یعنی اس سبب میں حکم ہر شخص کے حسب حال ہے، عوام اگر نماز عید الفطر سے قبل تکبیر کہیں تو انہیں نہ روکا جائے۔ ابو جعفر نے فرمایا! عوام کو اس سے روکنا مناسب نہیں کیونکہ نیکیوں میں انہیں رغبت پہلے ہی کم ہے۔ یونہی قبل عید نوافل سے بھی عوام کو منع نہ کیا جائے۔ التجنیس میں فرمایا کہ شمس الائمہ حلوانی سے سؤال کیا گیا کہ سست عوام نماز فجر، طلوع آفتاب کے وقت پڑھتے ہیں تو کیا ہم انہیں اس سے منع کریں اور ڈانٹ پلائیں؟ فرمایا: نہ! کیونکہ جب انہیں اس سے روکا جائے گا تو اسے بالکلیہ چھوڑ دیں گے جب کہ اس کو بالکلیہ چھوڑ دینے سے پڑھ لینا بہتر ہے۔ خصوصاً جب کہ محدثین اس کے جواز کے قائل ہیں اھ۔ ملاحظہ ہو [البحر الرائق جلد۲ صفحہ۱۶۰ طبع کوئٹہ]

درمختار میں البحر کے حوالہ سے ہے:

''وھٰذا للخواص اما العوام فلا یمنعون من تکبیر ولاتنفل اصلا لقلة رغبتھم فی الخیرات''، یعنی یہ حکم (کراہت) خواص کے لیے ہے۔ رہے عوام؟ تو انہیں (عید الفطر سے قبل) تکبیر اور (عیدین سے قبل) نفل پڑھنے سے بالکل منع نہ کیا جائے کیونکہ انہیں نیکیوں میں پہلے ہی رغبت کم ہے''۔اھ [جلد۱ صفحہ۶۱۴ طبع کوئٹہ]

علامہ شامی اس کے تحت فرماتے ہیں:

(قولہ اصلاً) ای لاسرّا ولاجھراً فی التکبیر ولا قبل الصلوٰة بمسجد اوبیت اوبعد ھا بمسجد فی التنفل ط۔ اقول وظاھر کلام البحر انہ زاد التنفل بحثامنہ واستشھدلہ بمافی االتجنیس عن الحلوانی الخ یعنی ''اصلاً'' کے لفظ کا مفاد یہ ہے کہ عوام تکبیر آہستہ کہیں یا باآواز بلند، قبل عید، نفل مسجد میں پڑھیں یا گھر میں یا بعد از عید مسجد میں پڑھیں بہر صورت انہیں

اس سے منع نہیں کیا جائے گا۔ صاحب بحر نے نفل پڑھنے کا حکم اس میں از راہ بحث شامل کیا اور اس کے لیے بحوالہ التجنیس، شمس الائمہ حلوانی کے قول سے استشہاد فرمایا ہے۔ اھ ملاحظہ ہو [جلد ۲ صفحہ ۱۶۴ طبع کوئٹہ]

پس جب یہ حکم عوام کے لیے نہیں اور اس میں زیادہ سے زیادہ کراہت تنزیہیہ ہے تو نمعلوم گکھڑوی صاحب کو اس کے خلاف پر اصرار کیوں ہے خصوصاً جب کہ اس میں ان کے مقتدا کشمیری صاحب بھی ان کے ساتھ نہیں؟

(جواب نمبر ۴) رابعاً:

علاوہ ازیں عند المحققین یہ کراہت بعد عید صرف عید گاہ اور مسجد میں نفل پڑھنے سے متعلق ہے گھر میں نہیں اور عند البعض قبل نماز بھی گھر میں نفل پڑھنے میں کوئی کراہت نہیں کیونکہ گھر میں بعد از عید نفل پڑھنا خود رسول اللہ ﷺ سے منقول ہے۔ بناء بریں الفاظِ حدیث ولا بعد ہا کا عید گاہ سے خاص ہونا متعین ہو گیا۔

نیز عند البعض اس حدیث (جس میں لم یصل قبلها و لا بعدها وارد ہے) کا مطلب یہ ہے کہ جیسے مثلاً نماز ظہر کے فرض سے پہلے اور بعد سنتین ہیں اس قسم کی سنتیں نہ تو نماز عید سے پہلے ہیں اور نہ ہی بعد ہیں پس اس صورت میں روزمرہ کے باقی نوافل اپنی اپنی جگہ برقرار ہیں ہاں البتہ بعض روایات میں صحابۂ کرام سے ممانعت کے وارد ہونے کے باعث عید گاہ میں نماز عید کے احترام کے پیش نظران سے احتیاط برتی جائے۔ جب کہ بعض دیگر کے نزدیک نماز عید کی اہمیت کے پیش اس سے پہلے اور بعد نوافل نہیں ہیں۔ اس سلسلہ کے الفاظ حدیث نیز کلمات علماء پر نظر رکھنے والے پر اس میں سے کچھ بھی مخفی نہیں۔ بعض حوالہ جات حسب ذیل ہیں۔

چنانچہ حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا:

''کان رسول اللہ ﷺ لا یصلی قبل العید شیئا فاذا رجع الی منزله صلّی رکعتین''یعنی رسول اللہ ﷺ نماز عید سے قبل، نفل، بالکل نہیں پڑھتے تھے پھر جب اپنے کاشانۂ اقدس میں واپس ہوتے تو دو رکعت نفل ادا فرماتے اھ ملاحظہ ہو [نصب الرایہ جلد ۲ صفحہ ۲۱۹ بحوالہ ابن ماجہ الاقامہ باب نمبر ۱۶۰ حدیث ۱۲۹۳ نیز حاشیہ مسند احمد جلد ۳ صفحہ ۲۶-۴۰۔ نیز مستدرک حاکم جلد ۱ صفحہ ۲۹۷۔ نیز فتح القدیر جلد ۲ صفحہ ۴۲ طبع بیروت بحوالہ سنن ابن ماجہ نیز آثار السنن صفحہ ۳۱۶ حدیث نمبر ۱۰۰۴ بحوالہ ابن ماجہ وقال النیموی واسنادہ حسن]

امام محقق علی الاطلاق اس سلسلہ کی احادیث نفی کے نقل کرنے سے پہلے اور بعد بطور عطر تحقیق ارقام فرماتے ہیں:

''وعامة المشائخ علٰی کراھة التنفل قبلھا فی المصلّٰی والبیت وبعد ھا فی المصلّٰی خاصة لما فی الکتب الستة (الیٰ) وھٰذا النفی بعدالصلاة محمول علیه فی المصلی لما روی ابن ماجه الخ یعنی اکثر مشائخ (احناف) کےنزدیک نمازعیدین سے پہلےنفل پڑھناعیدگاہ اورگھر دونوں میں اورنمازعیدین کے بعدصرف عیدگاہ میں مکروہ ہےجس کی دلیل کتب ستّہ کی حدیثیں ہیں (الیٰ) اوران میں بعدنمازنفل کی جونفی ہےعیدگاہ میں پڑھنے سے متعلق ہےجس کی دلیل سنن ابن ماجہ کی حدیث ہےالخ ـــــ ملاحظہ ہو [فتح القدیرجلد۲صفحہ۴۲ طبع بیروت]

شیخ الاسلام عینی فرماتے ہیں:

''وقال ابوبکر الرازی معناه لیس قبلھا صلٰوة مسنونة لا انھا تکره ''یعنی احادیث نفی کا معنٰی حسب بیان امام ابوبکرالرازی یہ ہے کہ نمازعید سے قبل کوئی سنت نمازنہیں۔ یہ مطلب نہیں کہ اس سے پہلےنمازنفل مکروہ ہے'' ملاحظہ ہو[بنایہ شرح ہدایہ جلد۳صفحہ۳۵۹طبع ملتان]

نیز علامہ نووی کی یہ عبارت پہلے (بحوالہ شرح مسلم جلد۱صفحہ۲۹۱) گزرچکی ہے کہ''فیه انه لا سنة لصلٰوة العید قبلھا ولا بعدھا'' اھ

نیز علامہ ابن رُشد مالکی نے لکھا ہے:

''وفیه قول ثالث وھوان یتنفل بعدھا ولا یتنفل قبلھا وقال به الثوری والاوزاعی و ابوحنیفة وھو مروی ایضاً عن ابن مسعود ''یعنی مسئلہ ہٰذاکےمتعلق تیسرا قول یہ ہے کہ نمازعید کے بعدنفل پڑھے جاسکتے ہیں پہلےنہیں اور یہ امام سفیان ثوری' امام اوزاعی اورامام ابوحنیفہ رحمہم اللہ تعالیٰ کاقول ہے نیز یہ حضرت ابن مسعود ﷛ سے بھی مروی ہے''۔ ملاحظہ ہو [بدایۃ المجتہد جلد۱صفحہ۱۶۰طبع فاران اکیڈمی لاہور]

اسی طرح گکھڑوی صاحب کے بزرگ مفتی محمد شفیع دیوبندی نے فتاویٰ دیوبندجلد۲صفحہ۴۰۷طبع دارالاشاعت کراچی میں بحوالہ شامی وغیرہ نیزان کے دیگر بزرگوں مفتی عزیزالرحمٰن صاحب وغیرہ نے اپنی کئی کتابوں میں لکھاہے بلکہ جو عبارت خود گکھڑوی صاحب نے پیش کی ہے اس سے بھی اس کا اشارہ ملتا ہے مگر منقح قول سے انہوں نے عمداً صرف نظر کیا ہے تاکہ ان کے طے کردہ فارمولے میں کوئی فرق نہ آنے پائے یا پھر یہ ان کی لاعلمی کانتیجہ ہے۔

فـان كـنـت تـعـلـم فـتـلـك مـصـيـبـة
وان كـنـت لا تـعـلـم فالمصيبة اعظم

(جواب نمبر۵) خامساً:

علاوہ ازیں بہت سے اسلاف جن میں بعض ائمہ احناف بھی شامل ہیں، نے قبل عید اسی طرح بعد عید نوافل کو بلا کراہت درست قرار دیا ہے۔ پس گکھڑوی صاحب کے اس بدعی موقف کو مان لینے کی صورت میں ان کا بدعت کا فتویٰ کم از کم ان حضرات پر تو ضرور آئے گا جب کہ اس کا وبال بھی خود گکھڑوی صاحب ہی پر پڑے گا کیونکہ وہ بھی ان حضرات کو ائمہ اسلام سمجھتے ہیں۔ بعض حوالہ جات ملاحظہ ہوں:

علامہ عینی کے حوالہ سے امام ابوبکر رازی کا قول ابھی گزرا ہے کہ معناہ لیس قبلها صلوٰة مسنونة لا انها تكره ''اھ

نیز علامہ نووی کی یہ عبارت بھی ابھی گزری ہے کہ ''فيه انه لاسنة لصلوٰة العيد قبلها ولا بعدها ''اھ

شمس الائمہ سرخسی ارقام فرماتے ہیں: '' وكان محمد بن مقابل الرازى يقول انما يكره ذٰلك فى المصلّى لكيلا يشبه على الناس فامافى بيته فلابأس بان يتطوع بعد طلوع الشمس '' (مبسوط جلد ا صفحہ ۱۵۷ طبع بیروت)

جامع الرموز میں علامہ قہستانی لکھتے ہیں: ''وقال ابن مقاتل لاتكره فى بيته اوناحية المسجد كما فى المضمرات ولا يكره مطلقاً عند بعضهم '' (جلد ا صفحہ ۲۷۲)

بنایہ شرح ہدایہ میں علامہ عینی لکھتے ہیں: ''وكان محمد بن مقاتل الرازى يقول لابأس بصلاة الضحىٰ قبل الخروج الى المصلّى ''اھ (جلد ۳ صفحہ ۳۵۹)

فتاویٰ قاضی خاں میں ہے: ''فان تطوع فى بيته قبل الخروج الى المصلّى اختلفوا فيه قال بعضهم يكره '' (جلد ا صفحہ ۸۹ طبع کوئٹہ)

خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے: ''ولا يتطوع قبل صلوٰة العيد ويتطوع بعدها (الىٰ) فان تطوع قبل خروجه الى المصلىٰ فى بيته قال بعضهم لابأس به ''اھ (جلد ا صفحہ ۲۱۴)۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: ''وقال انس والحسن وعروۃ والشافعی یصلی قبلها وبعدها وعن الشافعی فی غیر الامام وبه قال علقمة والاسود مجاهد والثوری والنخعی والاوزاعی وابن ابی لیلٰی''اھ ملاحظہ ہو [بنایہ شرح ہدایہ جلد ۴ صفحہ ۳۵۹]

نیز علامہ نووی ارقام فرماتے ہیں: ''وقال الشافعی وجماعة من السلف لاکراهة فی الصلوٰة قبلها ولا بعدها''اھ [شرح مسلم جلد ا صفحہ ۲۹۱ طبع کراچی]

(جواب نمبر ۶) سادساً:

گکھڑوی صاحب پھر بھی نہ مانیں تو ایک تو وہ اپنے بزرگوں مفتی عزیز الرحمٰن صاحب مفتی اوّل دیوبند اور مفتی شفیع دیوبندی صاحب کو بدعتی کہیں جنہوں نے ہدایہ کی اس عبارت میں لم یفعله کی تصریح کے باوجود بعد عید نفل پڑھنے کی گنجائش نکالی ہے۔

دوسرے، غیر منقول کے مطلقاً کراہت یا عدم جواز کو مستلزم نہ ہونے کے ہمارے پیش کردہ سترہ دلائل کے ضمن میں دیے گئے بیسیوں حوالہ جات کا تسلی بخش جواب بھی دیں جن میں ان کے متعدّد اکابر کی اس سلسلہ کی تصریحات بھی شامل ہیں خصوصیات کے ساتھ وہ اپنے حکیم الامت تھانوی صاحب کی اس عبارت کا جواب دیں اور اس مقام پر اپنے اصول سے روگردانی کرنا بھی مت بھولیں۔

وھی ھٰذہٖ:-

''بعد نماز عیدین کے (یا بعد خطبہ کے) دعا مانگنا گو نبی ﷺ اور ان کے صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین رضی اللہ عنہم سے منقول نہیں مگر چونکہ ہر نماز کے بعد دعا مانگنا مسنون ہے اس لیے بعد نماز عیدین بھی دعا مانگنا مسنون ہوگا'' ملاحظہ ہو [بہشتی زیور صفحہ ۷۹۳ طبع دار الاشاعت کراچی]

اَقُوْلُ:- گکھڑوی اصول کے مطابق یہ دعا قطعاً بدعت ہونی چاہیے کیونکہ وہ قرون ثلثہ میں سے کسی سے بھی ان کے حکیم الامت کے حسب اقرار ثابت نہیں۔ پھر بھی صرف جائز ہی نہیں مسنون بھی ہے۔ گکھڑوی صاحب اس کی صحیح توجیہ پیش کرنے کے ساتھ اس میں اور معمولات اہل سنت مثلاً دعا بعد نماز جنازہ میں واضح فرق بھی بیان کریں اور اگر ایسا نہ کرسکیں اور وہ ہرگز ایسا نہیں کرسکیں گے تو وہ اپنے اصول کو بدلیں ان کی مرضی اپنے حکیم الامت سمیت خود اپنے بدعتی ہونے کا اقرار کریں ان کی مرضی ؂

من نہ گویم ایں مکن و آں کن
مصلحت بین و کار آساں کن

عبارت کبیری کے حوالہ سے اعتراض کا جواب:-

اس سلسلہ کی مزید دلیل پیش کرتے ہوئے گکھڑوی صاحب نے لکھا ہے کہ :-

''علامہ ابراہیم حلبی الحنفی (المتوفّٰی ۹۵۶ھ) نے صلوٰۃ رغائب (جو رجب میں پڑھی جاتی ہے) وغیرہ کے بدعت اور مکروہ ہونے کی دلیل پیش کی ہے: ''ان الصحابة والتابعين ومن بعدهم من الائمة المجتهدين لم ينقل عنهم کہ حضرات صحابۂ کرام اور تابعین اور بعد کے آئمہ مجتہدین سے یہ منقول نہیں ہے (کبیری صفحہ ۴۳۳) اھ بلفظہٖ ملاحظہ ہو [راہِ سنّت صفحہ ۹۷]

اَقُوْلُ:- یہ عبارت بھی گکھڑوی صاحب کے لیے کچھ مفید مدّعا نہیں کیونکہ

(جواب نمبر۱) اوّلاً:

علماء و صلحاء کے ایک جم غفیر نے (جن میں بعض وہ بھی ہیں کہ جن کی علمیت، فقاہت اور ثقاہت خود گکھڑوی صاحب کو بھی مسلّم ہے) صلوٰۃ رغائب کو درست قرار دیا ہے۔ گکھڑوی صاحب کے موقف کو درست تسلیم کر لینے کی صورت میں وہ سب بدعتی قرار پائیں گے جو بہر صورت گکھڑوی صاحب ہی کے بدعتی ہونے پر منتج ہوگا۔ اس سلسلہ کے بعض حوالہ جات حسب ذیل ہیں:

چنانچہ خود گکھڑوی صاحب نے جس کتاب (کبیری) کا یہ حوالہ دیا ہے، اسی کے اگلے صفحہ (صفحہ ۴۳۴) پر بعض کا اس کے جواز کا قائل ہونا بھی مذکور ہے والـلفظ ''ولا تغتر بذكر هما في كتاب قوة القلوب والاحياء''، جس کا مفاد یہ ہے کہ امام اجل شیخ العلماء والعرفاء امام ابوطالب مکّی اور حجۃ الاسلام امام غزالی رحمہما اللہ تعالیٰ اس کے جواز کے قائل تھے۔ حجۃ الاسلام کے لفظ ہیں ''فَهٰذِهٖ صَلٰوةٌ مُسْتَحَبَّةٌ'' یعنی یہ نماز (صلوٰۃ رغائب) مستحب (کار ثواب اور لائق عمل چیز) ہے۔ اھ ملاحظہ ہو [احیاء العلوم صفحہ ۴۲۲ برہامش اتحاف السادۃ المتقین جلد ۳ طبع دار الفکر بیروت]

اس کے تحت علامہ زبیدی حنفی لکھتے ہیں: ''استحبها اهل الصلاح اسے صالحین نے بہت پسندیدہ قرار دیا ہے۔ (اتحاف جلد ۳ صفحہ ۴۲۲ طبع مذکور)

علامہ حصکفی حاشیہ البحر الرائق سے استناداً نقل فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

''وکذا صلوٰة رغائب وبرأة وقدر لان علیا رضی الله عنه رأى رجلا یصلی بعدالعید فقیل اما تمنعه یاامیر المؤمنین فقال اخاف ان ادخل تحت الوعید قال الله تعالیٰ ارأیت ینهٰی عبداً اذا صلّی''۔ یعنی نمازِ عید سے پہلے یا بعد نوافل کی طرح صلوٰۃ رغائب، صلوٰۃ لیلۃ البراۃ اور صلوٰۃ لیلۃ القدر سے بھی عوام کو منع نہ کیا جائے کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق مروی ہے کہ آپ نے نمازِ عید کے بعد ایک شخص کو نوافل پڑھتے دیکھا آپ سے عرض کی گئی کہ جناب اسے منع کیوں نہیں فرماتے؟ فرمایا مجھے ڈر لگتا ہے کہ کہیں آیت کریمہ ارأیت الذی ینهٰی عبداً اذا صلّی کی وعید میں نہ آ جاؤں۔ (درمختار جلد ا صفحہ ۶۱۴ طبع کوئٹہ)

امام المحدثین شیخ محقق حضرت شاہ عبدالحق محدّث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ علماء مانعین کی صلوٰۃ رغائب وغیرہا کے متعلق سخت تردیدی کلمات کے نقل فرمانے کے بعد ان کے اس رویہ پر اظہار افسوس و تعجب ظاہر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''وعجبا منهم ان یبالغوا فی هٰذا الباب هٰذه المبالغة ویکفیهم ان یقولوا لم یصح ذٰلک عندنا (الیٰ) فما نحن فیه اولیٰ بذلک لنسبة الی المشائخ العظام والعلماء الکرام قدس الله اسرارهم هٰذا وقد ذکر صاحب جامع الاصول فی کتابه حدیثا من کتاب ازین مع ان موضوع ذٰلک الکتاب لجمع احادیث الکتب الستة المسماة بالصاح الست واذالم یجد" فی هٰذه الکتب حدیثا فی ذٰلک اورده من کتاب اٰخر استیفاءً و تکمیلاً وقالع عن انس (الیٰ) وقد وقع فی کتاب بهجة الاسرار ذکر لیلة الرغائب فی ذکر سیدنا وشیخنا القطب الربانی والغوث الصمدانی الشیخ محی الدین عبدالقادر الحسنی الجیلانی قدس سرّه قال اجتمع المشائخ وکانت لیلة الرغائب الخ۔

یعنی اس بارے میں ان کا اس شدّت سے انکار و تقبیح سخت تعجب خیز ہے۔ انہیں اتنا بھی کافی تھا کہ وہ صرف یہ کہہ دیتے کہ یہ ہمارے نزدیک صحیح ثابت نہیں) تعجب تو علامہ نووی پر ہے جو ائمہ سے ادب رکھنے اور تعصب سے پیش نہ آنے کا التزام رکھتے ہیں) جب کہ صلوٰۃ رغائب کے قائلین و فاعلین بھی علماء کرام اور مشائخ عظام ہیں جو بہت ادب کے لائق ہیں۔ صاحب جامع الاصول (جن کی اس کتاب کا موضوع اگرچہ کتب ستہ کی

احادیث ہیں) نے جب صلوٰۃ رغائب کے بارے میں صحاح ستّہ میں حدیث نہ پائی تو تکمیل عنوان کی غرض سے وہ اسے محدّث رزین کے حوالہ سے لائے ہیں (اور آخر میں اتنا کہا ہے "والحدیث مطعون فیه" کہ اس حدیث پر کلام ہے۔ پس ان حضرات کو بھی سخت کلمات کے استعمال کرنے کی بجائے یہی طریقہ اپنانا چاہیے تھا)۔ اور کتاب مستطاب بہجۃ الاسرار میں سیّدنا وشیخنا قطب ربانی غوث صمدانی شیخ محی الدین عبدالقادر حسنی جیلانی قدس سرّہ کے تذکرہ میں لیلۃ الرغائب کا ذکر آیا ہے۔ شروع واقعہ میں مذکور ہے کہ مشائخ جمع تھے اور لیلۃ الرغائب تھی۔ الخ (ملخصاً) ملاحظہ ہو [ماثبت من السنة صفحہ ۲۴۶ صفحہ ۲۴۸ ادارہ نعیمیہ رضویہ لاہور]

نوٹ:- واضح رہے کہ پورے برّصغیر میں سب سے پہلے علم حدیث لے کر آنے والے اور اس کی تدریس کا سلسلہ جاری فرمانے والے حضرت شیخ محقق رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ اس حوالہ سے وہ گکھڑوی جماعت کے علماء کے بھی کسی نہ کسی طرح سے شیخ اور استاذ ہیں۔ اسی نسبت سے (دیوبندی حضرات نے بھی ممدوح کی محولہ بالا کتاب کا اردو ترجمہ کر کے اسے "مؤمن کے ماہ وسال" کے عنوان سے شائع کیا ہے پس یہ کتاب اور اس کے یہ مندرجات گکھڑوی صاحب پر حجت ہیں۔

حجۃ الاسلام اور احیاء العلوم کی توثیق از اکابر دیوبند:-

اس بارے میں اور کچھ بھی نہ ہوتا تو صرف حجۃ الاسلام غزالی کا حوالہ بھی گکھڑوی پر کافی حجت تھا کیونکہ ان کے اکابر نے امام غزالی اور ان کی کتاب احیاء العلوم کی توثیق کرتے ہوئے انہیں مقبول بارگاہ رسالت مآب علیہ السلام قرار دیا بلکہ ان کی اس قدر عظمت قرار دی ہے کہ عالم ارواح میں رسول اللہ ﷺ کی طرف سے انہیں آپ کی امت کے انتہائی عظیم اور ضرب المثل عالم کے طور پر پیش کیا گیا۔

چنانچہ گکھڑوی صاحب کے حکیم الامت تھانوی صاحب، حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی (جن کے ہاتھ پر تھانوی صاحب موصوف نیز گنگوہی صاحب اور نانوتوی صاحب وغیرہم علماء دیوبند نے بیعت کی اور انہیں اپنا پیرو مرشد قرار دیا تھا) کے بارے میں لکھا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

"منقول ہے کہ شب معراج کو جب آنحضرت ﷺ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقی ہوئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے استفسار کیا فرمایا کہ علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل جو آپ نے کہا، کیسے صحیح ہوسکتا ہے۔ حضرت حجۃ الاسلام امام غزالی حاضر ہوئے اور سلام باضافہ الفاظ برکاتہ ومغفرتہ وغیرہ عرض کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ کیا طوالت بزرگوں کے سامنے کرتے ہو؟ آپ (امام غزالی) نے عرض کیا کہ آپ

سے حق تعالیٰ نے صرف اس قدر پوچھا وما تلک بیمینک یموسیٰ تو آپ نے کیوں جواب میں اتنا طول دیا کہ ھی عصای اتوکاء علیھا واھش بھا علی غنمی ولی فیھا ماٰرب اخریٰ؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ادّب یاغزالی۔

فرمایا کہ حنبلی کے نزدیک جمعرات کے دن کتاب احیاء تبرّکاً ہوتی تھی جب ختم ہوئی تبرّکاً دودھ لایا گیا اور بعد دعا کے کچھ حالات مصنف کے بیان کیے گئے۔ طریق نذر و نیاز قدیم زمانہ سے جاری ہے۔ اس زمانے میں لوگ انکار کرتے ہیں۔ ایک بزرگ نے خواب میں دیکھا کہ آنحضرت ﷺ تشریف رکھتے ہیں اور ایک کتاب پڑھی جاتی ہے جس کو حضور کمال توجہ سے سن رہے ہیں۔ دریافت فرمایا کہ یہ کون کتاب ہے؟ کہا گیا احیاء العلوم حجۃ الاسلام امام غزالیؒ کی ہے یہ لقب عطیۂ حضرت ﷺ ہے'' اھ بلفظہٖ ملاحظہ ہو [شمائم امدادیہ صفحہ ۷۰ صفحہ ۷۱ طبع مدنی کتب خانہ بیرون بوہڑ گیٹ ملتان]

(جواب نمبر۲) ثانیاً:

اس سے قطع نظر یہ عبارت علامہ حلبی کا اپنا قول نہیں بلکہ یہ بعض دیگر کے اقوال سے ہے۔ جس کی دلیل یہ ہے کہ اس میں بحسب ظاہر مسکوت عنہ کے مکروہ اور ناجائز ہونے کو مستلزم ہونے کی بات کی گئی ہے جو خالص حنفی طرزِ استدلال کے مطابق نہیں بلکہ اس سے ہٹ کر ہے۔ علاوہ ازیں اس کے لکھنے سے کئی سطور پہلے علامہ حلبی نے شروع بحث میں یہ لفظ لکھے ہیں: وقد ذکروا الکراھتھا وجوھاً یعنی علماء نے اس کے مکروہ ہونے کی کئی وجہیں بیان کی ہیں۔ ملاحظہ ہو [حلبی کبیر صفحہ ۴۳۳ طبع لاہور نیز اتحاف السادۃ المتقین جلد ۳ صفحہ ۴۲۴ طبع بیروت بحوالہ حلبی کبیر] جس کا مفاد جمع اقوال ہے اپنا مختار بیان کرنا نہیں۔ اس سلسلہ میں ان کے مختار کی وضاحت جواب نمبر۳ میں آرہی ہے۔ گنگوہی صاحب کی نقل کردہ عبارت کے شروع میں ''ومنھا'' کے لفظ ہیں (کبیری صفحہ ۴۳۳ سطر نمبر) جسے انہوں اُڑا دیا جس سے پڑھنے والے کو دھوکا لگتا ہے کہ یہ شاید ان کا اپنا عندیہ اور اپنی توجیہ ہے جو درست نہیں۔ فویل لھم مما کتبت ایدیھم ____

(جواب نمبر۳) ثالثاً:

اس سے قطع نظر بر تقدیر تسلیم صحت نسبت عبارت صاحب کبیری رحمہ اللہ کے صلوٰۃ رغائب کو مکروہ اور بدعت کہنے کی وجہ محض غیر منقول ہونا نہیں بنیادی طور پر دو وجہیں ہیں۔ ایک یہ کہ اس کی بیناد جس روایت پر

ہے وہ موضوع اور من گھڑت ہے۔ دوسری یہ کہ اسے بالتداعی جماعت کے ساتھ اداء کیا جاتا ہے اور یہ دونوں باتیں دیگر کتب کے علاوہ خود اسی کبیری میں اسی مقام پر موجود ہیں۔ چنانچہ شروع بحث میں لکھا ہے:

''واعلم ان النفل بالجماعة علٰى سبيل التداعى مكروه علٰى ماتقدم ماعدا التراويح و صلٰوة الكسوف والاستسقاء فعلم ان كلا من صلٰوة الرغائب ليلة اوّل جمعة من رجب و صلٰوة ليلة البراء ة ليلة النصف من شعبان و صلٰوة القدر ليلة السابع والعشرين من رمضان بالجماعة بدعة مكروهة (الٰى)وعن هٰذا كره الاقتداء فى صلٰوة الرغائب وصلٰوة البراء وليلة القدر (الٰى) لاقامة امر مكروه وهو اداء النفل بالجماعة علٰى سبل التداعى (الٰى)لان حديث صلٰوة الرغائب والبراء ة قد حكم عليهما الائمة بالوضع (الٰى) قال ابو حاتم محمد بن حبان (الٰى) وحديث انس فيها موضوع (الٰى) وقال ابوالفرج بن الجوزى وابوبكر الطرطوشى صلٰوة الرغائب موضوعة علٰى رسول الله ﷺ وكذب عليه اھ بلفظہٖ ملخّصاً [کبیری صفحہ۴۳۳ صفحہ۴۳۴ طبع لاہور]

نیز تداعی کی تعریف انہوں نے اس طرح کی ہے:

''بان يجتمع جمع كثير فوق فوق الثلٰثة حتى لواقتدىٰ به واحد اور اثنان لايكره وفى الثلٰثة اختلاف المشائخ وفى الاربعة يكره اتفاقاً ذكره فى الكافى وغيره''
(کبیری صفحہ ۴۰۸)

خلاصۂ ترجمہ یہ کہ نماز تراویح' نماز کسوف اور نماز استسقاء کے علاوہ کسی بھی نفلی نماز کی جماعت مکروہ ہے جب کہ تداعی سے ہو جس کا مطلب یہ ہے کہ امام کے علاوہ تین سے زیادہ مقتدی ہوں ایک یا دو ہوں تو مکروہ نہیں تین ہوں تو اس میں ائمہ کا اختلاف ہے جب کہ چار ہوں تو بالاتفاق مکروہ ہے جس کی تفصیل ''کافی'' وغیرہ میں ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ صلوۃ رغائب جو رجب کی پہلی شب جمعہ کو لوگ تداعی سے جماعت کے ساتھ پڑھتے ہیں اسی طرح شعبان کی پندرہویں شب (شب براءۃ) میں اور رمضان المبارک کی ستائیسویں شب (شب قدر) میں نماز شب براءت اور نماز قدر کے نام سے نفلی نمازیں تداعی سے جماعت کر کے پڑھی جاتی ہیں مکروہ اور بدعت ہیں۔ ائمۂ شان صلٰوۃ رغائب اور صلٰوۃ لیلۃ البراءۃ کے موضوع ہونے کا حکم لگایا ہے۔ ابن حبان نے کہا حدیث انس (بابت صلوۃ رغائب) موضوع ہے۔ ابن جوزی اور ابوبکر طرطوشی نے کہا صلوۃ الرغائب

من گھڑت چیز ہے۔رسول اللہ ﷺ سے اس کی نسبت کرنا آپ سے جھوٹ کو منسوب کرنا ہے'' اھ___

اَقُولُ:- اس تفصیل کی رو سے بر تقدیر تسلیم عبارت کبیری کے الفاظ لم ینقل مفہوماً فعل عدم کے بیان پر مشتمل ہیں عدم فعل پر نہیں اور بارہا گزر چکا ہے کہ عدم فعل کا مطلب کسی امر کا مسکوت عنہ ہونا ہے اور فعل عدم کا مطلب کسی امر کے بارے میں صریحاً نفی کا وارد ہونا ہے جیسا کہ خطبہ کسوف کے متعلق عبارت ہدایہ کے الفاظ فعل عدم کے مفہوم میں ہیں جس کی مکمل باحوالہ اور مدلّل تفصیل گزر چکی ہے۔ فعل عدم سنت صریحہ کی خلاف ورزی سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ ما نحن فیہ کی دلیل یہ ہے کہ عام نوافل کی جماعت بالتداعی کے لیے ہمارے فقہاء کرام نے ''خلاف المتوارث'' کے الفاظ بھی استعمال کیے ہیں۔ (ردالمحتار جلد ۱ صفحہ ۵۲۴ طبع کوئٹہ) جب کہ مُتَوَارَث سنت صریحیہ کے مفہوم میں ہے تو متوارث کی خلاف ورزی کرنا اور اسے چھوڑنا سنت صریحیہ کو چھوڑنا اور اس کو بدلنا ہے اور اسی کا نام بدعت ہے۔ (وقد مرّ مراراً) لہٰذا عبارت کبیری کے الفاظ لَمْ یُنْقَلْ کا مفہوم ہوگا کہ نماز تراویح وغیرہ کے علاوہ عام نوافل کی جماعت تداعی سے نہیں ہوتی تھی جب کہ ایسا کرنا ناپسند کرنے کی بناء پر تھا کہ وہ حضرات نیکی پر حریص تھے اور حرص کے باوجود نہ کرنا ناپسندیدگی کی دلیل ہوتا ہے اس پر بھی بحث ابھی کچھ پہلے گزری ہے۔

نیز ان علماء کے طور پر جب اس کی بنیاد ایک غیر ثابت اور من گھڑت روایت پر ہے اور پڑھنے والے اسے ثابت اور مسنون سمجھ کر پڑھتے ہیں تو یہ بھی اس کی اصل شرعی حیثیت کو بدلنا ہوا جو کہ کم از کم مباح ہے جب کہ اسی کا نام بدعت ہے۔

الغرض بفرض تسلیم یہ عبارت گکھڑوی نظریّہ کی نہیں سنّی موقف ہی کی مؤیّد ہے۔ والحمد علیٰ ذٰلک___

علامہ حلبی کے متعلق ہماری پیش کردہ اس توجیہ کے درست ہونے کی ایک دلیل امام علامہ سید مرتضیٰ زبیدی حنفی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ عبارت بھی ہے:

''واقتفاھم فی ذٰلک العلامۃ البرھان الحلبی شارح المنیۃ من اصحابنا المتاخرین فنقل ان التنفل بالجماعۃ اذا کان علیٰ سبیل التداعی مکروہ ماعداالتراویح و الکسوفین والاستسقاء ورتب علیٰ ذٰلک ان صلاۃ الرغائب لیلۃ اوّل جمعۃ من رجب بالجماعۃ بدعۃ مکروھۃ'' یعنی ہمارے فقہاء متاخرین میں سے علامہ برہان حلبی

شارح منیۃ المصلّی نے مسئلہ ہٰذا میں نووی وغیرہ علماء کی پیروی کرتے ہوئے صلوٰۃ الرغائب کو موضوع قرار دیا ہے اور اس کے مکروہ ہونے کی بنیاد اس امر کو بنایا ہے کہ عام نوافل میں جماعت بالتداعی مکروہ ہے جب کہ نماز رغائب میں جماعت بالتداعی پائی جاتی ہے پس وہ مکروہ ہوئی اھ۔

ملاحظہ ہو [اتحاف السادۃ المتقین بشرح احیاء علوم الدین جلد۳ صفحہ۴۲۲ طبع بیروت]

(جواب نمبر۴) رابعاً:

اس سے قطع نظر ''غیر منقول کے کراہت وعدم جواز کو مستلزم ہونے'' کا نظریہ محض سطحی قسم کا اور علم و تحقیق کے معیار سے ہٹ کر اور قطعاً ساقط الاعتبار ہے جس کی وضاحت ہم گزشتہ صفحات میں سترہ دلائل کے ضمن میں بیسیوں ٹھوس حوالہ جات سے کر چکے ہیں جو علامہ حلبی جیسے محقق مدقق فقیہ کا عندیہ ہر گز نہیں ہوسکتا۔ اسی لیے ہمارے صدیوں پہلے دوٹوک الفاظ میں اس استدلال کی تغلیط وتردید فرما چکے ہیں۔ چنانچہ علامہ حلبی نے ''وقد ذکروا لکراھتھا وجوھاً'' کہہ کر اس کی جو وجوہات نقل فرمائی ہیں ان کے متعلق علامہ سید محمد مرتضٰی زبیدی حنفی رحمہ اللہ تعالیٰ ارقام فرماتے ہیں:

''وھو کلام حسن وان کان فی بعض ما اوردہ من الوجوہ محل نظر وتأمّل'' یعنی مجموعی حیثیت سے یہ اچھی کاوش ہے مگر ان کی بیان کردہ کچھ وجوہ پر کلام اور اعتراض ہے''۔

(اتحاف جلد۳ صفحہ۴۲۴)

اس کے بعد انہوں نے ایک ایک کر کے ان وجوہ کا جواب دیا ہے جن کا مکمل نقل کرنا باعث طوالت ہے صرف زیر بحث عبارت سے متعلق ان کے ارقام فرمودہ جواب کی نقل پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔ فرماتے ہیں ''وقولہ ان الصحابۃ والتابعین ومن بعدھم لم ینقل عنھم انھم صلوھا فاعلم لایلزم من عدم فعلھم لھا علی الطریقۃ المعھودۃ کراھتھا او عدم ورودھا ثم ھی من التطوعات من شاء صلاھا ومن شاء ترکھا'' یعنی ان کا یہ کہنا کہ صحابہ، تابعین اور ان کے بعد کے حضرات سے نماز رغائب کا پڑھنا منقول نہیں (جو اس کے مکروہ اور بدعت ہونے کی دلیل ہے)؟ تو تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ صحابہ وتابعین اور ان کے بعد کے حضرات کے کسی امر کو بصورت موجودہ وہیئت کذائیہ عمل میں نہ لانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ مکروہ ہو یا اس کا وجود ہی نہ ہو۔ علاوہ ازیں یہ ایک نفلی نماز ہے جس کے پڑھنے نہ پڑھنے کا اختیار ہے تو صحابہ وتابعین وغیرہم کا اسے نہ پڑھنا اس اختیار کی بناء پر ہونا بھی عین ممکن ہے۔ (اتحاف جلد۳ صفحہ۴۲۵ طبع مذکور)

معلوم ہوا کہ گکھڑوی صاحب کی پیش کردہ عبارت کو ہمارے فقہاء صدیوں پہلے رد فرما چکے ہیں جو لامحالہ اس کی بنیاد پر کیے گئے ان کے استدلال اور ان کے موقف کے مردود (اور واجب الرد) ہونے کی دلیل ہے ۔

لطیفہ:۔ گکھڑوی صاحب کی محولہ کتاب میں صلوٰۃ الرغائب کو سن ۴۰۰ ہجری کے بعد کی پیداوار لکھا ہے (صفحہ ۴۳۴)۔ علامہ زبیدی فرماتے ہیں کہ ''فابو طالب المکی قد نوہ بشانھا فی قوت القلوب و وفاتہ سنۃ ۳۸۳'' یعنی امام ابوطالب مکی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی اہمیت کو اپنی کتاب قوۃ القلوب میں تحریر فرمایا ہے جن کی وفات ۳۸۳ھ میں ہوئی۔ (اتحاف جلد۳ صفحہ ۴۲۵)

یعنی نمعلوم انہوں نے اپنی وفات کے سولہ سترہ برس بعد آ کر اس کو ایجاد کیا ہوگا؟ (باقی انہوں نے جو یہ الفاظ لکھے ہیں و کانہ یرید شھرۃ امرھا عملاً ؟ تو یہ ان کی عالی ظرفی ہے۔ فافھم)

(جواب نمبر۵) خامساً:

اس سے قطع نظر اس کی زد میں بھی گکھڑوی صاحب خود اور ان کی ''مقدس جماعت'' کے اراکین ہی آئیں گے کیونکہ ان کے مردتو مردرہے، جگہ جگہ ان کی عورتیں بھی صلوٰۃ التسبیح باجماعت منعقد کرتی ہیں۔ بے شمار غیر منقول امور کے جائز، مستحب بلکہ مسنون ہونے کی گکھڑوی صاحب کے اکابر کی تصریحات اس پر مستزاد ہیں جن کے جوابات ان کے ذمہ ہمارا واجب الاداء قرض ہیں ۔

دل کے پھپھولے جل گئے سینے کے داغ سے
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

''الواقعات'' کے حوالہ سے اعتراض کا جواب:۔

اس سلسلہ کی ایک اور دلیل پیش کرتے ہوئے گکھڑوی صاحب نے لکھا ہے:

''مشہور حنفی امام احمد بن محمد جو احد الفقہاء الکبار تھے (المتوفّٰی ۴۴۶ھ) ایک مسئلہ کی تحقیق میں یوں ارقام فرماتے ہیں: لانھا بدعۃ لم تنقل عن الصحابۃ و التابعین ''یہ بدعت ہے حضرات صحابۂ کرام اور تابعین سے منقول نہیں ہے (الواقعات) اھ ملاحظہ ہو [راہِ سنّت صفحہ ۹۷]

اَقُوْلُ:۔ یہ بھی گکھڑوی صاحب کو کچھ مفید اور ہمیں کچھ مضر نہیں کیونکہ

اوّلاً: احمد بن المعروف ناطفی احد الفقہاء الکبار سہی مگر وہ گکھڑوی صاحب کے طے کردہ معیار دلائل

سے ہٹ کر ہونے کے باعث ان کے حسب اصول کچھ حجت نہیں کیونکہ نہ قرآن کی آیت ہیں نہ ناطقی حدیث نبوی کا نام ہے نہ اجماع امت کا اور نہ ہی وہ مجتہد ہیں بلکہ مجتہد منتسب بھی نہیں اور شاید مجتہد فی المسائل بھی نہ ہوں۔

جب دلائل اربعہ میں سے کوئی دلیل بھی اس عبارت میں مذکور نہیں جو محتاج بیان نہیں اور ''لا نها بدعة'' کے الفاظ بھی دلیل نہیں کہ لفظ بدعت 'سیئہ اور مذمومہ ہونے کو قطعاً مستلزم نہیں۔ پھر اگر وہ تقسیم بدعت کے قائل نہ ہوں اور ان کے نزدیک بدعت سے مراد سیئہ ہی ہوتی ہو تو اس میں مسئلہ کا ذکر نہیں ہے تاکہ اس کی حقیقت کو دیکھا جا سکے گکھڑوی صاحب نے بھی اسے مبہم رکھا ہے پس ان کی نقل تام نہ ہوئی جو ناقل خصوصاً مدعی کی بنیادی ذمہ داری ہوتی ہے بلکہ بریکٹ میں صرف الواقعات کے لفظ لکھ دینے اور نشان صفحہ وغیرہ نہ دینے اور سیاق وسباق کے واضح نہ کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ گکھڑوی صاحب نے براہ راست یہ کتاب خود نہیں دیکھی بلکہ انہوں نے کہیں سے نقل لگائی ہے اور وہ بھی ادھوری اور ان لفظوں کو دیکھ کر خوشی سے (اور خوش فہمی سے) پھولنے لگے ہیں اس لیے کہ ان کی مکمل وضاحت پر باقی تبصرہ کا حق محفوظ ہے۔

علاوہ ازیں ''لم تنقل'' کے الفاظ بھی کچھ دلیل نہیں ہیں جسے ہم دلائل شرعیہ نیز گکھڑوی صاحب کے مسلمات سے ثابت کر آئے ہیں اعادہ کی حاجت نہیں۔ پھر وہ ان کے خلاف بھی ہیں کیونکہ ان میں صحابہ اور تابعین سے ان کے حسب نقل 'غیر منقول ہونے کو بدعت کہا گیا ہے جب کہ گکھڑوی صاحب اتباع تابعین کو بھی اس کا حصہ گردانتے ہیں جیسا کہ ان کی تصریحات اس پر شاہد عدل ہیں نیز قرون ثلثہ کے الفاظ بھی اس کی دلیل ہیں۔ گکھڑوی صاحب پھر بھی نہ مانیں تو ان کے بزرگوں نے جو نماز کی نیت باللسان' نماز میں درود شریف میں سیّدنا کے الفاظ اور عیدین کی نمازوں کے بعد دعاء بطریق مروّج وغیرہ کو غیر منقول ماننے کے باوجود جو جائز مستحب بلکہ مسنون تک کہا ہے جس کی باحوالہ مکمل تفصیل گزر چکی ہے ''الواقعات'' کھول کر ان کی بھی صفائی پیش کریں یا حکم بیان کریں۔

المحیط اور علمگیری کی عبارت سے اعتراض کا جواب:-

اس سلسلہ کی مزید اور آخری دلیل پیش کرتے ہوئے موصوف نے لکھا ہے:

''فقہ حنفی کی مستند ترین کتاب محیط اور فتاویٰ عالمگیری سے کون مسلمان ناواقف ہوگا؟ ان میں

صراحت سے یہ لکھا ہے: قراءة الكافرون الى الآخر مع الجمع مكروهة لانها بدعة لم ينقل ذلك عن الصحابة والتابعين ''سورۂ کافرون کا آخر تک بالجمع پڑھنا مکروہ ہے۔اس لیے کہ وہ بدعت ہے حضرات صحابہ کرام اور تابعین سے منقول نہیں ہے۔ (عالمگیری باب الکراہت جلد۴ صفحہ ۲۶۴) اھ ملاحظہ ہو [راہِ سنّت صفحہ ۹۷]

اَقُوْلُ:- مگر افسوس کہ یہ مستندترین کتابیں گکھڑوی صاحب کے مقرر کردہ معیار دلائل سے خارج ہیں۔بار بار وضاحت کی جا چکی ہے کہ انہوں نے سب سے پہلے یہ طے کیا ہے کہ ان کی دلیل قرآن ہوگا یا حدیث یا اجماع یا قیاس مجتہد وہ خود انصاف کریں کہ محیط اور عالمگیری کی یہ عبارت کیا ان چاروں میں سے کوئی ہے جب کہ لِاَنَّهَا الخ کہہ کر اس کی جو وجہ بیان کی گئی ہے نہ صرف یہ کہ وہ دلیل نہیں بلکہ خلاف دلائل بھی ہے جیسا کہ سترہ دلائل کے ضمن میں بیسیوں حوالہ جات سے گزر چکا ہے کہ محض غیر منقول ہونا کراہت یا بدعت سیّئہ ہونے کو مستلزم نہیں۔ پھر اس میں لفظ بدعة واقع ہے جس کا سیّئہ ہونا بھی ضروری نہیں۔ گکھڑوی صاحب کے حکیم الامۃ وغیرہ کے حسب تصریح بعض بدعات' مندوب اور مستحب بھی ہوتی ہیں (کما مر عن بوادر النوادر صفحہ ۷۷۷ وغیرہ)۔

پھر اس میں رسول اللہ اور اتباع تابعین سے منقول نہ ہونے کا کوئی ذکر نہیں جو خود گکھڑوی صاحب کے بھی خلاف ہے ورنہ کیا ان کے نزدیک بدعت وہی ہوگی جو صرف صحابہ اور تابعین سے منقول نہ ہو اور یہ تعریف کس معتبر عالم نے کی ہے پھر اس میں سورۃ قلیا سے آخر تک ''بالجمع'' پڑھنے کو بدعت اور مکرو کہا ہے تو کیا دوسری سورتیں یا آیتیں بالجمع پڑھنا سنت ہے جب کہ فقہی عبارات سے مفہوم مخالف بھی معتبر ہوتا ہے؟ اس میں یہ بھی واضح نہیں کہ یہ کس کا قول اور اس کا قائل کون ہے؟

علاوہ ازیں اسی عالمگیری میں اسی عبارت سے بالکل متصلاً پہلے لکھا ہے کہ فرض نماز کے بعد حاضرین جماعت کامل کر پریشانیوں کے ازالہ کی غرض سے آہستہ یا بلند آواز سے سورۂ فاتحہ کا ورد کرنا عندالبعض مکروہ ہے۔لیکن امام قاضی بدیع الدین کے فتویٰ کے مطابق ''لاتکرہ'' مکروہ نہیں جب کہ امام قاضی جلال الدین نے اس میں تفصیل فرمائی کہ اگر اس نماز کے بعد سنتیں ہوں تو ''تکرہ والافلا'' مکروہ ہے ورنہ نہیں۔ (جلد۵ صفحہ ۳۱۷ بحوالہ فتاویٰ تتارخانیہ طبع کوئٹہ)۔

تو اگر منقول نہ ہونا مکروہ اور بدعت ہونے کی دلیل ہے تو فاتحہ کا ''مع الجمع'' پڑھنا کیوں مکروہ اور

بدعت نہیں؟ منقول ہے تو نقل پیش کی جائے جس میں مع الجمع یا بالجمع پڑھنے کی قید کی تصریح بھی ساتھ ہو ورنہ محض غیر منقول والے فارمولے پر قائم رہتے ہوئے کم از کم ان دونوں میں وجہ فرق ہی مع الدلیل الصحیح بیان کریں۔

فقیر کے نزدیک اس میں قائلین کراہت کے اس قول کا فلسفہ یہ ہے کہ مل بیٹھ کر قرآن پڑھنے کی صورت میں خصوصاً جب کہ باآواز بلند ہو اللہ تعالیٰ کے حکم اور واذا قرئ القران فاستعموا لہ وانصتوا کی خلاف ورزی لازم آئے گی۔ سورۂ فاتحہ کے چونکہ دو پہلو ہیں ایک قراءۃ اور تلاوت والا اور دوسرا دعا اور ثناء والا۔ اس لیے دعاء وثناء کے پہلو کو مدّ نظر رکھتے ہوئے مل کر پڑھنے کی صورت میں حکم قرآنی کی خلاف ورزی لازم نہیں آئے گی اسی طرح بالکل آہستہ اس طرح سے کہ ایک دوسرے کی آواز کسی کو سنائی نہ دے، پڑھنے کی صورت میں بھی یہ خلاف ورزی لازم نہیں آئے گی۔ اس لیے فاتحہ اور دوسری سورتوں کے حکم میں فرق فرمایا۔ فاتحہ کے بارے میں جو تکرہ اور لا تکرہ کے دو حکم ہیں ان کا بھی یہی محمل ہے کہ آواز بالکل نہ پہنچ رہی ہو یا بہ نیت ثناء و دعاء ہو تو لا تکرہ۔ اگر چہ باآواز بلند بھی ہو اور بہ نیت قراءۃ ہو تو اگر آواز ایک دوسرے تک پہنچ رہی ہو تو تُکرَہُ۔

یہی تفصیل قلیا سے آخر تک کی سورتوں میں آئے گی کہ وہ قراءۃ کی حیثیت سے تو ہیں ہی کہ ان کے دو پہلو نہیں۔ پس اگر اتنی آواز سے پڑھی جائیں کہ ایک دوسرے تک آواز پہنچے تو تُکرَہ۔ کہ اس صورت میں حکم قرآن کی خلاف ورزی ہوگی۔ آواز نہ پہنچے تو لا تُکرَہ کہ خلاف ورزی کی شکل نہ رہی۔

بناء بریں لم ینقل کا مفہوم یہ ہوگا کہ آیت مطلق ہے نیز اگر چہ وہ نماز کے متعلق ہے مگر حسب قاعدہ العبرۃ لعموم الالفاظ لا لخصوص السبب، نماز سے باہر کی تلاوت کو بھی یہ حکم شامل ہے کہ جب کہ اس میں تخصیص وتقسیم کے لیے دلیل درکار ہے جو کم از کم مشہور اور مستفیض ہو کہ حسب اصول احناف قیاس بلکہ خبر واحد سے بھی آیت میں تخصیص وتقیید روا نہیں اور ایسی کوئی دلیل منقول ہے نہیں جو صحابہ سے منقول ہو سکتی ہے یا پھر تابعین سے۔ پس فاستمعوا لہ وانصتوا کے حکم کے پیش نظر تفصیل بالا کے مطابق حکم کراہت آئے گا۔

اس کی وجہ، اجتماع کو بھی نہیں بنایا جا سکتا کیونکہ تلاوت وتدریس قرآن کے لیے مسلمانوں کا مل بیٹھنا بذات خود شرعاً محبوب ومطلوب ہے۔ جس میں یہ سورتیں قطعاً شامل ہیں جس کے خلاف دلیل قائم نہیں۔ صحیح حدیث میں ہے ارشاد فرمایا:

''ما اجتمع قوم فی بیت من بیوت اللہ یتلون کتاب اللہ ویتدارسونہ بینھم الانزلت

علیهم السکینة وغشیتهم الرحمة وحفتهم الملئکة وذکرهم الله فیمن عنده الحدیث رواه مسلم عن ابی هریرة اس پر یہ عنوان قائم کیا گیا ہے: باب فضل الاجتماع علی تلاوة القرآن وعلی الذکر"۔ ملاحظہ ہو [صحیح بخاری جلد۲ صفحہ ۳۴۵ کتاب الذکر والدعاء والتوبۃ والاستغفار۔ طبع کراچی]

اس سے قطع نظر اس کی زد میں بھی بہر حال پہلے نمبر پر خود گکھڑوی صاحب اور ان کے اکابر یا پھر ان کے پیچھے چلنے والے لوگ ہی آئیں گے کیونکہ گکھڑوی صاحب کی پیش کردہ اس عبارت کے مزعومہ معنٰی کے برعکس خود ان کے ایک مسلّم بزرگ اپنا عندیہ جاری کر چکے ہیں۔

چنانچہ گکھڑوی صاحب کے اکابر (گنگوہی، نانوتوی اور تھانوی وغیرہم) کے مسلّم پیر ومرشد اور پیشوا (بذات خود صحیح العقیدہ سنّی بزرگ) حضرت حاجی امداداللہ صاحب مہاجر مکی چشتی صابری رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ فیصلہ ہفت مسئلہ میں (مسئلہ نمبر۳ کے ضمن میں) ہے:

"رہا یہ شبہ کہ وہاں پکار کر سب قرآن شریف پڑھتے ہیں اور آیت فاستمعوا له وانصتوا کی مخالفت ہوتی ہے؟ سو اوّلاً تو علماء نے لکھا ہے کہ خارج نماز کے یہ امر استحباب کے لیے ہے۔ ترک مستحبات پر اتنا شور وغل، نامناسب ہے ورنہ لوگوں کا مکاتب میں پڑھنا ممنوع ہوگا۔ دوسرے اگر کسی کو یہی تحقیق ہو کہ یہ وجوب عام ہے تو اصل کرنے سے یہ بہتر ہے کہ امر تعلیم کر دیا جائے، یہی جواب ہے سوم میں قرآن پکار کر پڑھنے کا"۔ اھ ملاحظہ ہو [فیصلہ ہفت مسئلہ مشمولہ کلیات امدادیہ صفحہ ۸۳ طبع دارالاشاعت کراچی]

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم
کہ ہر چہ بہ من کرد آشنا کرد

ٹُرکی بہ ٹُرکی تبادلۂ خیال:-

بفضلہ تعالیٰ یہاں تک گکھڑوی صاحب کے حسبِ زعم ان کے پیش کردہ لاینحل قسم کے دلائل کے ٹھوس جوابات مکمل ہوئے۔ اس کے بعد موصوف نے ان عبارات کے حوالہ سے جو اظہار خیال کیا ہے اس کا بھی ترکی بہ ترکی جواب پڑھ لیں اور یہ تبادلۂ خیال قَوْلُہٗ اور اَقُوْلُ کے زیر عنوان آئے گا جو حسبِ ذیل ہے:

قَوْلُہٗ:۔ "آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کوئی صحیح روایت نہیں پیش کی جا سکتی جس سے یہ ثابت ہو کہ صلاۃ

رغائب پر آپ کی نہی موجود ہے اور سورۂ کافرون کو آخر تک بالجمع پڑھنے سے آپ نے منع فرمایا ہے لیکن حضرات فقہاء احناف اس کو مکروہ بھی کہتے ہیں اور بدعت بھی۔ اور دلیل صرف اتنی ہی پیش کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ اور حضرات صحابہ کرام وتابعین سے منقول نہیں ہے اگر چہ ان پر صریح نہی بھی موجود نہیں ہے''۔

اھ بلفظہٖ [راہِ سنّت صفحہ ۹۷، صفحہ ۹۸]

اَقُولُ:۔ اس اعتراض کی بنیاد اس الزام پر ہے کہ علماء اہل سنت کسی امر کی ممانعت کے لیے بہر صورت نہی صریح کے ورود کے قائل نہیں جس کا غلط ہونا ہم بحث کے آغاز میں واضح کر آئے ہیں۔ پس جب بنیاد ہی نہ رہی تو اس کے سہارے قائم کی گئی دیوار لامحالہ خود بخود گر گئی۔ گکھڑوی صاحب نے اپنے ان الفاظ سے اسی پرانی بحث کو دہرا دیا ہے کوئی نئی بات نہیں کی اس لیے کہ ہم بھی اپنے جواب کا اعادہ کرنے کی بجائے اپنے اسی جواب کی طرف متوجہ کرنا کافی سمجھتے ہیں۔ اتنا ذہن میں مزید تازہ کر لیں کہ امام اہل سنت اعلیٰ حضرات رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ آج سے کم وبیش ایک سو تیس برس پہلے (۱۳۰۱ھ میں) ثبوت ممانعت کے لیے صرف نہی صریح کے ضروری ہونے کے الزام کی تردید فرماتے ہوئے لکھ چکے ہیں کہ ممانعت ثابت نہیں ہوگی'' جب تک اس خاص سے نہی نہ آئی ہو جب تک اس خاص میں کوئی حرج شرعی نہ ہو'' الخ (منیر العینین فی حکم تقبیل الابہامین صفحہ ۱۹۷، ۱۹۸ طبع لاہور)۔

باقی صلوٰۃ رغائب نیز بالجمع سورتوں کا پڑھنا ممنوع ہے یا نہیں نیز ان عبارات کا کیا مطلب اور یہاں عدم نقل کا صحیح محمل کیا ہے؟ اس سب کی وضاحت کی جا چکی ہے۔ فقہاء نے محض عدم نقل کو کراہت یا بدعت ہونے کی دلیل بنایا ہو ایسا نہیں ہے۔ گزشتہ سطور کو دوبارہ پڑھیں ـــــ

قَوْلُہٗ:۔ مولوی عبدالسمیع صاحب وغیرہ کے خود ساختہ اور خود تراشیدہ قاعدہ کی رو سے ان اشیاء کو بدعت اور مکروہ نہیں ہونا چاہیے کیونکہ ان میں صریح نہی موجود نہیں ہے۔ (راہِ سنّت ص ۹۸)

اَقُولُ:۔ یہ بھی اسی سابقہ تقریر کا تھوڑی سے تبدیلیٔ الفاظ سے اعادہ ہے جس کا جواب ہو چکا ہے جس میں انتہائی ٹھوس اور ناقابل تردید دلائل سے ثابت کر دیا گیا ہے کہ غیر منقول اور مسکوت عنہ ہونا کراہت یا عدم جواز کو مستلزم نہیں پس قاعدہ حضرت مولانا عبدالسمیع صاحب کا خود ساختہ اور خود تراشیدہ نہیں بلکہ بے اصل اور بے بنیاد موقف گکھڑوی صاحب ہی کا ہے۔ نیز یہ کہ حضرت موصوف کی کتاب لاجواب انوارِ ساطعہ ان کے سابقہ پیر بھائیوں اور حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کے برگشتہ مریدوں (گنگوہی، نانوتوی اور تھانوی

صاحب وغیرہم) پر قیامت تک کے لیے حجت قاہرہ ہے۔ مگر برا ہو تعصب اور عناد کا کہ گکھڑوی صاحب و امثالہٗ گنگوہی صاحب کا نام لیتے ہوئے ان کی تعریف وتلقیب میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیتے ہیں لیکن حضرت علامہ عبدالسمیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کو روکھے سوکھے انداز میں صرف ''مولوی'' کے لفظ سے اور وہ بھی بدل ناخواستہ یاد کرتے ہیں جب کہ حضرت حاجی امداداللہ صاحب کے صحیح، معتمد علیہ ان کے علوم و معارف، عقائد ونظریات اور تعلیمات کے وارث وامین بھی حضرت موصوف ہیں جیسا کہ انوارِ ساطعہ اور تقدیس الوکیل وغیرہما سے خوب ظاہر ہے۔ لہٰذا حقائق کو مسخ کرتے ہوئے گکھڑوی صاحب کے اپنی ہی کہے جانے پر یہی کہا سکتا ہے کہ ع جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے۔

قَوْلُہٗ:۔ ''دیکھئے اب مفتی احمد یار خاں صاحب وغیرہ ان حضرات فقہاء احناف کی بات تسلیم کرتے ہوئے اپنے حنفی ہونے کا ثبوت دیتے ہیں یا صرف اسی پر عمل پیرا ہوتے ہیں کہ ہاتھی کے دانت کھانے کے اور، دکھانے کے اور''۔ (راہِ سنّت صفحہ ۹۸)

اَقُوْلُ:۔ ہم نے دلائل سے ثابت کر دیا ہے کہ ''تمام حضرات فقہاء احناف'' تو کجا کوئی ایک بھی ایسا معتبر حنفی فقیہہ نہیں جس کی (ان پیش کردہ عبارات میں سے) کوئی عبارت گکھڑوی دعویٰ کی دلیل ہو پس اب پتہ چلے گا کہ اب گکھڑوی صاحب جب کہ قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھے ہیں، اپنی کی گئی اس ہیرا پھیری سے تائب ہوتے یا پھر ''دیگراں رانصیحت وخود میاں فضیحت'' کا مصداق ٹھہرتے ہیں۔

قَوْلُہٗ:۔ ان عبارات میں حضرات صحابۂ کرام اور تابعین کا خصوصیت سے حضرات فقہاء احناف نے ذکر کیا ہے کہ چونکہ یہ کام حضرات صحابۂ کرام اور تابعین سے منقول نہیں لہٰذا بدعت ہے، مفتی صاحب کو اپنی عبارت دیکھ کر ''بدعت وہ کام ہے جو حضور علیہ السلام کے بعد پیدا ہو، اس میں صحابۂ کرام اور تابعین کا ذکر نہیں (جاء الحق صفحہ ۲۱۵) حق کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ خدا توفیق دے''۔ اھ (راہِ سنّت صفحہ ۹۸)۔

اَقُوْلُ:۔ گکھڑوی صاحب الفاظ بدل کر بار بار اپنی ایک ہی بات کو دہرائے جا رہے ہیں جن کا جواب بار بار دیا جا چکا ہے اور ان کے صحیح محامل عرض کر دیے گئے ہیں۔ باقی حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت بالکل بجا اور عین صواب ہے کیونکہ شریعت سید عالم ﷺ کی ہے اور شارع آپ کی ذات بابرکات ہے۔ صحابۂ و تابعین عظام آپ کے امتی اور آپ کی تعلیمات کے پابند ہیں۔ قرب بارگاہ وعہد رسالت علیٰ صاحبہا السلام کی برکت سے اس امت کا ممتاز طبقہ ہیں خصوصاً صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم مطلقاً عدول فی الروایۃ ہیں۔ جو ان سے ثابت ہو

اس کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس میں انہوں نے معاذ اللہ ناحق کوشی سے کام لیا ہوگا مگر اس کے باوجود اس پر بھی کوئی صحیح معیاری شرعی دلیل قائم نہیں جس میں یہ مذکور ہو کہ سنت وہی ہے جو حضرات صحابہ وتابعین نے کیا اور بدعت وہی ہے جو انہوں نے نہ کیا ہو جیسا کہ گکھڑوی صاحب کا دعویٰ ہے کیونکہ مسکوت عنہ خود رسول اللہ ﷺ کا ہو تو وہ بھی مستلزم کراہت نہیں کسی صحابی یا تابعی کا مسکوت عنہ کا مستلزم کراہت ہونا کیونکر درست ہو سکتا ہے۔ نیز طبقہ تابعین جرح سے بالاتر نہیں پس اس کا کرنا نہ کرنا علی الاطلاق دلیل شرع کیونکر ہو سکتا ہے۔ اس سب کی تفصیل ''مصباح سنّت'' جلد دوم میں کر دی گئی ہے اسے وہاں دیکھیں جو لائق مطالعہ ہے ___

علاوہ ازیں حضرت مفتی صاحب کے متعلق گکھڑوی صاحب جن الفاظ کو ان کی عبارت کہہ رہے ہیں وہ ان کے اپنے لفظ نہیں بلکہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ اور اشعۃ اللمعات کی عبارات کا ترجمہ ہیں۔ پس گکھڑوی صاحب کو یہ شکایت حضرت ملا علی قاری اور حضرت شیخ محقق سے کرنی چاہیے تھی جن کو اپنا پیشوا ماننے کے انہوں نے بڑے بڑے دعوے کیے ہیں۔ لہٰذا اصل قائلین کی بجائے گکھڑوی صاحب کا حضرت مفتی صاحب کو ہی ذمہ دار ٹھہرا دینا گکھڑوی صاحب کی تلبیس اور جواب سے عجز کی دلیل ہے جس سے ان کو چند لمحات کو غنیمت سمجھتے ہوئے تائب ہو جانا چاہیے۔ پس ان کے اپنے لفظوں میں انہیں ''خدا توفیق دے'' ___

قَوْلُہٗ:- ''مرقاۃ اور اشعۃ اللمعات وغیرہ میں سنۃ الخلفاء الراشدین اور ما انا علیہ واصحابی اور خیر القرون کی حدیثیں بھی بغور دیکھ لیں کہ کیا حضرات صحابۂ کرام اور تابعین کی بات کو تسلیم کرنا سنت ہے یا بدعت؟ فیصلہ انہی پر ہے۔

حق بات جانتے ہیں مگر مانتے نہیں
ضد ہے جناب شیخ تقدس مآب میں''

[راہِ سنّت صفحہ ۹۸]

اَقُوْلُ:- ان سب کے صحیح محامل کا بیان نیز ان کے حوالے سے دیے گئے تمام گکھڑوی مغالطات کا رد بلیغ مصباح سنت جلد دوم میں اور مفتاح سنت جلد اوّل بجواب ایضاح سنت جلد اوّل میں کر دیا گیا ہے۔ اس کے باوجود ان کا وہی ایک ہی رٹ لگائے جانا اور اپنی ہی کہے جانا ہٹ دھرمی نہیں تو اور کیا ہے؟ سمجھ جاؤ کہ اب بھی سمجھ جانے کا وقت ہے۔

ہٹ چھوڑیے اب برسر انصاف آئیے !
انکار ہی رہے گا میری جان کب تلک

''بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ کی تحقیق:-

یہ راہِ سنّت کے اس باب (باب دوم) کا آخری عنوان ہے جس کے الفاظ سے تو یوں لگتا ہے کہ گکھڑوی صاحب نے اس کے تحت وزنی قسم کے دلائل کا انبار لگا کر کوئی اہم معرکہ سر کیا ہوگا لیکن معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے کیونکہ وہ الفاظ کی تبدیلی سے تقریباً وہی امور دوبارہ لائے ہیں جو پہلے گزر چکے ہیں اور جن کے تفصیلی جوابات ہم دے چکے ہیں جیسے بدعت کی تعریف اور اس میں قرون ثلٰثہ نیز محرک اور سبب کی قید اور اس سب کی مجالس الابرار نامی کتاب پر بنیاد رکھنا وغیرہ۔ اور اس سلسلہ کی انہوں نے جو کچھ نئی عبارتیں وغیرہ پیش کی ہیں ان میں وہ نہایت بری طرح سے پھنس کر رہ گئے ہیں۔ بناء بریں اس کے جواب میں اصولی طور پر اگر چہ ہمارے یہی الفاظ کافی ہیں اور مزید کچھ لکھنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ تاہم ترکی بہ ترکی جواب اور بالاستعیاب رد بلیغ کے تقاضوں کے مطابق چند لفظ ہدیۂ قارئین کیے جاتے ہیں جو حاضر ہیں:

قَوْلُہٗ:- نہایت مناسب اور ضرور معلوم ہوتا ہے کہ بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ کی قدرے وضاحت کر دی جائے تا کہ کسی کوتاہ فہم اور ابلہ فریب کو اس سے غلط فہمی پیدا نہ ہو اور اگر ہو چکی ہے تو بشرط انصاف زائل ہو جائے''۔ (راہِ سنّت صفحہ ۹۸)

اَقُوْلُ:- ابھی کھل جائے گا کہ کوتاہ فہم اور ابلہ فریب کون اور غلط فہمی یا بد فہمی کا شکار کون ہے۔ انصاف کہ جس کی دوسروں کو تلقین کی ہے خود بھی کریں ورنہ دیگراں را نصیحت خود میاں فضیحت'' والا معاملہ ہوگا۔

گکھڑوی تقسیم و تعریف بدعت:-

بدعت کی تقسیم و تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''بدعت کی دو قسمیں ہیں لغوی بدعت اور شرعی بدعت۔ لغوی بدعت ہر اس نو ایجاد کا نام ہے جو آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد پیدا ہوئی ہو عام اس سے کہ وہ عبادت ہو یا عادت اور اس کی پانچ قسمیں ہیں۔ واجب، مندوب، حرام، مکروہ، مباح۔ اور شرعی بدعت وہ ہے جو قرونِ ثلٰثہ کے بعد پیدا ہوئی ہو اور اس پر قولاً فعلاً، صراحۃً کسی طرح بھی شارع کی طرف سے اجازت موجود نہ ہو یہی وہ بدعت ہے جس کو بدعت ضلالہ اور بدعت قبیحہ اور سیئہ سے تعبیر کیا جاتا ہے''۔ (راہِ

سنّت صفحہ ۹۸'۹۹)

الجواب:-

اس انداز سے یہ گکھڑوی صاحب کی خانہ ساز' ایجاد بندہ اور من گھڑت قسم کی تعریف و تقسیم ہے۔ غلط ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ یہ منقطی منوال سے ہٹ کر ہے (وسیئاتی مافیه)۔ علاوہ ازیں واجب' مندوب' حرام' مکروہ اور مباح یہ سب احکام شرع ہیں جسے لغت سے وابستہ کر دیا گیا ہے۔ نیز ابھی نو سطور پہلے وہ حضرت مفتی احمد یار خان علیہ الرحمۃ والرضوان کی اس عبارت کی سخت تر دید و تغلیط کر آئے ہیں کہ ''بدعت وہ کام ہے جو حضور علیہ السلام کے بعد پیدا ہو'' اور یہ لکھ آئے ہیں کہ ''مفتی صاحب کو اپنی یہ عبارت دیکھ کر حق کی طرف رجوع کرنا چاہیے'' جب کہ اب وہ خود وہی لفظ لکھ رہے ہیں۔ پھر شرعی بدعت کی جو تعریف انہوں نے لکھی ہے کہ ''جو قرون ثلٰثہ کے بعد پیدا ہوئی ہو'' صراحت کے ساتھ اس کی کوئی شرعی دلیل نہ وہ پیش کر پائے ہیں اور نہ ہی پیش کر سکتے ہیں۔ بے شک طبع آزمائی کر کے دیکھ لیں۔ ہمیں گوی وہمیں میداں۔ دیدہ باید۔

علاوہ ازیں گزشتہ صفحات اسی طرح آئندہ صفحات میں بھی انہوں نے جس بات پر زیادہ زور دیا ہے وہ یہ ہے کہ جس امر کا بہ ہیئت کذائیہ بعینہٖ اور صریح ثبوت نہ ہو وہ بدعت ہوگا۔ یہاں انہوں نے صراحۃً کے ساتھ اشارۃً کہہ کر اسے صاف اڑا دیا ہے جس کا نتیجہ صاف ہے کہ اسی ایک لفظ سے ان کی پوری راہِ سنّت اڑ گئی اور ان کا سارا منصوبہ خاک میں مل گیا ہے ع اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

علاوہ ازیں انہوں نے یہاں پر سید عالم ﷺ کے حق میں لفظ شارع بھی استعمال کیا ہے جب کہ باب اوّل میں وہ اس پر ناراض آتے ہیں ع ناطقہ سر بہ گریباں ہے اسے کیا کہیے؟ بہر حال ان کا یہ کہنا کہ ''یہی وہ بدعت ہے جس کو بدعت ضلالہ اور بدعت قبیحہ اور بدعت سیّہ سے تعبیر کیا جاتا ہے'' ان کا ایک ایسا بے بنیاد دعویٰ ہے جو دلیل کے لیے تا حال ان کا منہ تک رہا ہے۔

گکھڑوی صاحب کی مایۂ ناز دلیل:-

گکھڑوی صاحب نے اس کی جو مایۂ ناز دلیل پیش کی ہے' وہ بھی پڑھ لیجیے۔ فرماتے ہیں:

''اور علماء نے اس کی تصریح کی ہے ملاحظہ ہو: ان البدعة علٰی قسمین بدعة لغوية وبدعة شرعية فالاوّل هو المحدث مطلقاً عادة كانت اوعبادة وهى التى يقسمونها الى الاقسام الخمسة. والثانى وهو مازيد علٰى ما شرع من حيث الطاعة بعدانقراض

الازمنة الثلثة بغير اذن من الشارع لاقولاً ولا فعلاً ولا صريحاً ولا اشارة وهی المراد بالبدعة المحکوم علیها بالضلالة ''بدعت کی دو قسمیں۔ایک لغوی بدعت اور دوسری شرعی بدعت۔لغوی بدعت ہرنوایجاد کا نام ہے جوعبادت یا عادت' اوراسی بدعت کی پانچ قسمیں کی جاتی ہیں۔اور دوسری وہ بدعت ہے جو طاعت کی مد میں کسی مشروع امر پر زیادت (یا کمی) کی جائے مگر ہوقرون ثلاثہ کے ختم ہونے کے بعد اور یہ زیادتی شارع کے اذن سے نہ ہو' نہ اس پر شارع کا قول موجود ہو اور نہ فعل نہ صراحت اور نہ اشارہ' اور بدعت ضلالۃ سے یہی مراد ہے (ترویح الجنان صفحہ والجنہ صفحہ ۱۶۱) اھ بلفظہٖ ملاحظہ ہو [راہِ سنّت صفحہ ۹۹]

الجواب:-

گکھڑوی صاحب کے الفاظ ''علماء نے اس کی تصریح کی ہے'' سے ظاہر ہے کہ ان کے پاس ان کے علماء کی اس تصریح کے بغیر کوئی دلیل نہیں ہے۔ ہوتی تو وہ اسے لاتے' کیونکہ معرض بیان میں سکوت' دلیل عجز ہوتا ہے۔ پھر ان کا یہ دہرا معیار انتہائی تعجب خیز ہے کہ اپنے خصوم سے صریح آیات وصحیح صریح احادیث سے کم پر راضی نہیں ہوتے مگر اپنی باری میں صرف اتنے سے کام چل گیا ہے کہ ''علماء نے تصریح کی ہے'' پھر اس کی بھی کچھ حاجت نہیں کہ وہ علماء ہیں کون' ان کا علمی مرتبہ ومقام کیا ہے؟ بلکہ یہ بھی معلوم کرنے کی ضرورت نہیں کہ وہ کہاں کے باسی تھے اور ان کا عقیدہ ومذہب کیا ہے؟ نیز اس کے لیے کسی معتبر کتاب کی بھی ضرورت نہیں' صرف ہوائی حوالے بھی کافی ہیں۔ ہم اہل علم حضرات سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ گکھڑوی صاحب کی اس چستی کا ان سے حساب لیں۔ گکھڑوی صاحب کے ایک پیش رو مولوی عبدالغنی خاں شاہجہان پوری دیوبندی نے امام اہل سنّت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ کو خصوصیت کے ساتھ نشانہ بناتے ہوئے اپنے اکابر کی ناحق حمایت میں ''الجنّۃ لاہل السنّۃ'' کے نام سے ایک کتاب وضع کی جس پر مفتی کفایۃ اللہ دہلوی دیوبندی کی خصوصی تقریظ موجود ہے جس کا گکھڑوی صاحب خود بھی اقرار کر آئے اور اسے ''بڑی بہترین کتاب'' لکھ آئے ہیں (راہِ سنّت صفحہ ۹۳) جس کی کچھ تفصیل پہلے گزر چکی ہے' اس میں لکھا تھا ''ترویح الجنان میں ہے'' اس کے بعد گکھڑوی صاحب کی نقل کردہ عربی عبارت لکھی ہے۔ بس گکھڑوی صاحب کی عید ہوگئی۔ عبدالغنی صاحب موصوف کی تقلید میں پہلی فرصت میں انہوں نے اسے راہِ سنّت میں بھرتی کر دیا۔ یہ کتاب (ترویح الجنان) کس کی تالیف ہے' کس فن کی ہے اس کا معنیٰ کیا ہے۔ انہیں اس کا کوئی پتہ نہیں کیونکہ ان کے

پیش رَو کو اس کی کچھ خبر نہیں۔ چنانچہ انہوں نے ترویح الجنان لکھ کر آگے ''صفحہ ۔ '' کا نشان دیا ہے یعنی صفحہ۔ مگر صفحہ نمبر نہیں لکھا جو اس بات کی چغلی بن گیا کہ انہوں نے اس کتاب کو دیکھا چھوا نہیں اور ''البجنۃ صفحہ ۱۶۱ لکھ کر اس کے مؤلف کو ظاہر کیے بغیر پھرتی سے آگے نکل گئے تاکہ بے چارے عوام کالانعام عربی عبارت کے بعد یہ نام پڑھ کر اسے کوئی صحیفہ آسمانی سمجھیں اور فوراً کلمہ پڑھ لیں۔ اس طرح سے بآسانی ان کی مطلب برآری ہو سکے۔ **ولاحول ولاقوة الا بالله العلى العظيم۔**

پھر جو اس کا مضمون عبارت ہے اس کے بھی کیا کہنے، ماشاءاللہ وہ بھی اپنا جواب نہیں رکھتا کہ صرف اسی کو سامنے رکھ لیا جائے تو راہِ سنّت کے منصوبہ کو خاک میں ملانے کے لیے وہی کافی ہے۔ سنیے اور سر دھنیے۔

چنانچہ اس میں بدعت کی پانچ قسمیں جن کا تعلق احکام شرع سے ہے، لغت کے حوالے کر دی گئی ہیں۔ نیز مازید علی الشرع کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ بدعت شرعیہ صرف اضافہ سے ہوتی ہے ہوش آیا تو اس کمی کو گکھڑوی صاحب نے بریکٹ میں (یا کمی) کے لفظ لکھ کر حسبِ عادت پورا کر دیا یا عادت پوری کر دی۔ پس اگر عبارت غلط تھی تو اسے حجت بنا کر کیوں پیش کیا اور صحیح تھی تو اس میں الفاظ کیوں ملائے؟

اور یہ زیادتی شارع کے اذن سے نہ ہو'' کہہ کر آپ ﷺ کے لفظ شارع استعمال کر کے اس کے متعلق باب اوّل والے اپنی منفی رویہ کی نفی کر دی۔ نیز قرونِ ثلثہ کے بعد اذن شارع سے کہہ کر زمانہ کے حاکم اور بدعت شرعیہ کے مقید بالزمان نہ ہونے کی صراحت کر دی۔ بالفاظ دیگر مان لیا کہ تین قرون کے بعد بھی نیکی کی نئی صورتیں ممکن ہیں اس سے اپنی ساری محنت پر پانی پھیر دیا۔ نیز وہ خود لکھ چکے ہیں کہ تین قرون کا سن اختتام ۲۲۰ھ ہے جب کہ اس کے بعد کے بہت سے نئے امور کو وہ بطور نیکی کرتے ہیں پس وہ بقلم خود بدعتی قرار پائے جیسے موجودہ صورت کے مدارس جن کو وہ خود دینی کہتے ہیں نیز ان میں پڑھائے جانے والے مقررہ مدت کے مقررہ نصاب، ان میں منعقد کیے جانے والے تفسیر اور حدیث نیز صرف ونحو وغیرہ کے دورے۔ سیرت کانفرنسیں، اور ختم بخاری وغیرہا جن کی کچھ تفصیل گزشتہ صفحات میں گزر چکی ہے۔

اس سب سے قطع نظر گکھڑوی صاحب کی اس نقل کردہ ٹھوس عبارت میں (جس کے متعلق اس کے نقل کرنے سے پہلے گکھڑوی صاحب نے لکھا ہے کہ علماء نے اس کی تصریح کی ہے) کوئی دلیل بھی مذکور نہیں کہ مَنْ قَالَ کی بجائے مَا قَالَ کے فلسفے کو اپنایا جائے کہ یہ نہ دیکھو کہ کون کہہ رہا ہے بلکہ یہ دیکھو کہ کیا کہہ رہا ہے ـــــ

خلاصہ یہ کہ موصوف کی پیش کردہ یہ عبارت ان کی مؤید دلیل ہونے کی بجائے ان کے خلاف دلیل ہے ع جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے۔

بعض دیگر حوالہ جات سے جواب:-

اجمالی طور پر اس سلسلہ کے بعض دیگر حوالہ جات دیتے ہوئے لکھا ہے:

''بدعت حسنہ اور قبیحہ کی مزید بحث کے لیے ارشاد الساری جلد۳ صفحہ ۳۴۴، عمدۃ القاری جلد۵ صفحہ ۳۵۶ نووی شرح مسلم جلد ا صفحہ ۲۸۵ اور مدخل جلد۲ صفحہ ۲۵۷ وغیرہ کتابوں کی مراجعت کریں''۔

اھ ملاحظہ ہو [راہِ سنّت صفحہ ۹۹]

اَقُولُ:- ''رجوع کریں'' کی بجائے ''مراجعت کریں'' کے الفاظ گکھڑوی صاحب کی لاجواب علمیت کو داد پیش کرنے کی دعوت دے رہے ہیں۔ سب کہو سبحان اللہ۔

جب کہ ان کی محولہ بالا کتب میں سے کسی ایک میں بھی ان کے دعویٰ کے مطابق یہ ہرگز نہیں ہے کہ بدعت ضلالت اور بدعت قبیحہ وہ ہے جو قرونِ ثلٰثہ کے ختم ہو جانے کے بعد ہوئی سنت وہی ہے جو قرون ثلٰثہ سے ثابت ہو پس ان کتب کے متعلق ان کا یہ بیان کذب یا تلبیس پر مبنی ہے۔

محولہ کتب کی عبارات میں مذکور مضمون کا حاصل صرف اتنا ہے کہ لغوی طور پر تو بدعت کا اطلاق ہر نئے امر پر ہوتا ہے عام ازیں کہ وہ جو حسن ہو یا قبیح۔ جب کہ شرعی حوالہ سے اس کا اطلاق صرف اسی نئے امر پر ہوتا ہے جو قبیح ہو یا شرع میں اس کی اصل نہ ہو ان میں سے کسی میں یہ بالکل نہیں ہے کہ شرعی طور پر قبیح بدعت وہی ہوتی ہے جو قرون ثلٰثہ کے بعد ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ملا صاحب موصوف نے ان کتب کی عبارات کے نقل کرنے کی بجائے محض ان کا نام لینے پر اکتفا کیا ہے تا کہ وہ عوام کو یہ مغالطہ دے سکیں کہ ان کا مضمون بھی وہی ہے جو ان کے پیش رو (صاحب الجنّہ) کی وضع کردہ کتاب ''ترویح الجنان'' کا ہے نیز کتاب فلانی، جلد فلاں، صفحہ فلانہ کی رٹ سے جہلاء کو وہ صریح دھوکہ دے سکیں اور لفظ گول مول لکھے کہ ''مزید بحث کے لیے ارشاد الساری ......وغیرہ کتابوں کی مراجعت کریں''، تا کہ کسی کے مؤاخذہ پر وہ اپنا دامن بچاتے ہوئے یہ بہانہ بھی بنا سکیں کہ انہوں نے تو ''مزید بحث کی بات کی تھی'، یہ تھوڑا کہا تھا کہ ان میں ''ترویح الجنان'' والا مضمون ہے۔

ولا حول ولا قوة الا باللہ العلی العظیم۔

عبارات ارشادالساری:-

چنانچہ ارشادالساری میں ہے:

''والبدعة كل شئی عمل علىٰ غير مثال سابق وفی الشرع احداث ما لم يكن علىٰ عهد رسول الله ﷺ فان كان له اصل يدل عليه الشرع فليس ببدعة قال امامنا الشافعی رحمه الله البدعة بدعتان محمودة ومذمومة فما وافق السنة فهو محمود وماخالفها فهو مذموم اخرجه ابو نعيم بمعناه من طريق ابراهيم بن الجنيد عن الشافعی وعندالبيهقی فی مناقب الشافعی انه قال المحدثات ضربان ما احدث مخالفاً كتاباً اوسنة اواثرا اواجماعاً فهٰذه بدعة الضلالة وما احدث من الخير لايخاف شيئا من ذٰلك فهٰذه محدثة غير مذمومة''۔

یعنی ازروئے لغت، بدعت بنائی گئی ہر اس چیز کو کہا جاتا ہے جو کسی سابق نمونہ کے بغیر ہو اور شرعاً ایسے امر کے ایجاد کرنے کا نام ہے جو کسی طرح سے بھی رسول اللہ ﷺ کے عہد پاک میں نہ ہو پس اگر اس کی اصل شریعت مطہرہ کی کسی دلیل سے ثابت ہو تو وہ قبیح بدعت نہ ہوگی۔ ہمارے امام الشافعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ بدعتیں دو قسم کی ہیں: (۱) بدعت محمودہ اور (۲) بدعت مذمومہ۔ محمودہ وہ ہے جو سنت کے برخلاف نہ ہو۔ اور مذمومہ وہ ہے جو اس کے برخلاف ہو۔ اسے امام ابونعیم نے روایت بالمعنیٰ کے طور پر بہ طریق ابراہیم ابن الجنید عن الشافعی روایت کیا ہے جب کہ امام بیہقی کے ہاں مناقب شافعی میں اس طرح ہے کہ آپ نے فرمایا: محدثات (نئی ایجاد کردہ چیزیں) دو قسم ہیں۔ ایک وہ جو قرآن یا حدیث یا اثر یا اجماع کے خلاف ہوں اور یہ بدعت ضلالت ہے۔ اور دوسری ہر وہ نیکی جو ہو تو بعد کی ایجاد مگر ان (قرآن، حدیث، اثر اور اجماع) میں سے کسی کے کچھ خلاف نہ ہو ایسی ایجاد مذموم نہیں۔ اھ ملاحظہ ہو [جلد ۱۰ صفحہ ۳۰۲ کتاب الاعتصام طبع دارالفکر بیروت]

عمدۃ القاری کی عبارت:-

نیز عمدۃ القاری میں ہے:

''والمراد به ما احدث وليس له اصل فی الشرع وسمی فی عرف الشرع بدعة وماكان له اصل يدل

علیہ الشرع فلیس ببدعة ''یعنی اس حدیث میں ''محدثات'' سے مراد ہر وہ نیا ایجاد کردہ امر ہے جس کی، شرع میں کوئی اصل موجود نہ ہو۔ عرف شرع میں اسی کو بدعت کہا جاتا ہے۔ اور جس نئے ایجاد کردہ امر کی اصل شریعت مطہرہ کی کسی دلیل سے ثابت ہو تو وہ بدعت شرعیہ نہ ہوگا۔ اھ

ملاحظہ ہو [جزء۲۵ صفحہ ۲۷ کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ طبع کوئٹہ]

نووی شرح مسلم کی عبارت:-

علامہ نووی رحمۃ اللہ نے تو نووی شرح مسلم میں سرے سے بدعت کی لغوی اور شرعی تقسیم کو لیا ہی نہیں بلکہ انہوں نے اس کو سیدھا پانچ اقسام پر منقسم کر کے حدیث کل بدعۃ ضلالۃ کو عام مخصوص عنہ البعض قرار دیا اور اس کی تخصیص کی ایک دلیل کے طور پر نماز تراویح کے متعلق حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے ارشاد ''نعمت البدعة ہٰذہٖ'' کو پیش کیا۔ پوری عبارت یہ ہے:

''(قوله صلى الله عليه وسلم وكل بدعة ضلالة)هذا عام مخصوص والمراد غالب البدع قال اهل اللغة هى كل شئى علٰى غير مثال سابق قال العلماء البدعة خمسة اقسام واجبة ومندوبة ومحرمة ومكروهة مباحة فمن الواجبة نظم ادلة المتكلمين للرد على الملاحدة والمبتدعين وشبه ذٰلك ومن المندوبة تصنيف كتب العلم وبناء المدارس والربط وغير ذٰلك ومن المباح التبسط فى الوان الاطعمة وغير ذٰلك والحرام والمكروه ظاهران وقد اوضحت المسئلة بادلتها المبسوطة فى تهذيب الاسماء واللغات فاذا عرف ماذكرته علم ان الحديث من العام المخصوص وكذا ماشبهه من الاحاديث الواردة ويؤيدما قلناه قول عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فى التراويح نعمت البدعة ولا يمنع من كون الحديث عاما مخصوصاً قوله كل بدعة مؤكدا بكل بل يدخله التخصيص مع ذٰلك كقوله تعالى تدمر كل شئى'' اھ۔

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ''کل بدعة ضلالة'' ایسا عامّ ہے جس کا اپنے عموم پر نہ ہونا ثابت ہے۔ لہٰذا یہ کلیہ نہیں بلکہ اکثریہ ہے اور مفہوم یہ ہے کہ عموماً بدعت، ضلالت ہوتی ہے۔ اہل لغت کے مطابق بدعت سے مراد ہر وہ نیا امر ہے جو کسی مثال سابق اور پہلے سے موجود نمونہ سے ہٹ کر عمل میں لایا گیا ہو۔ اہل شرع کے مطابق بدت کی پانچ قسمیں ہیں بدعت [1] واجبہ (وہ نیا کام

جس کا کرنا واجب ہو) جیسے علماء کلام کا بے دینوں اور مبتدعین کے رد کے لیے دلائل کا مرتب کرنا وغیرہ۔ بدعت ۲ مندوبہ (وہ نیا کام جس کا کرنا مستحب ہو) جیسے علمی کتب کی تصنیف وتالیف، دینی مدارس اور جہادی مراکز کی تعمیر وغیرہ۔ بدعت ۳ مباحہ (وہ نیا کام جس کا کرنا صرف جائز ہو) جیسے قسم وقسم کے کھانے وغیرہ۔ بدعت ۴ محرمہ (وہ نیا کام جس کا کرنا حرام ہو) اور بدعت مکروہہ (وہ نیا کام جس کا کرنا مکروہ ہو) جو واضح ہیں جن کی مثال کی ضرورت نہیں۔

میں نے مسئلہ بدعت کو مفصّل دلائل کے ساتھ اپنی کتاب تہذیب الاسماء واللغات میں کھول کر بیان کر دیا ہے۔ اس بیان سے معلوم ہوا کہ پیش نظر حدیث اسی طرح اس مضمون کی دیگر احادیث بھی عام مخصوص کے قبیل سے ہیں اور ہمارے اس موقف کی تائید حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے قول سے بھی ہوتی ہے جو آپ نے باجماعت تراویح کے بارے میں فرمایا تھا کہ "نعمت البدعة" یہ بہت اچھی بدعت ہے۔

باقی "کل بدعة" کے الفاظ میں لفظ کل بھی حدیث کے عامّ مخصوص ہونے سے مانع نہیں کیونکہ لفظ کل کے ہوتے ہوئے بھی تخصیص کا واقع ہونا درست ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد "تدمر کل شئ" (کہ اس میں سیاق وسباق کے قرینہ کی رو سے روئے زمین کی ہر چیز کی بجائے ایک مخصوص علاقہ کی چیزیں مراد ہیں) اھ ملاحظہ ہو [نووی شرح مسلم جلد اصفحہ ۲۸۵ کتاب الجمعۃ طبع قدیمی کتب خانہ کراچی]

مدخل کی عبارت:-

"مدخل" سر دست دستیاب نہیں اس لیے اس کے حوالہ سے کلام کا حق محفوظ ہے۔

عبارت کے فتح الباری سے مغالطہ کا ردّ:-

موصوف نے بدعت سیّئہ کے متعلق اپنے (زیر بحث) موقف کی تائید میں مزید دلیل پیش کرتے ہوئے لکھا ہے:

"حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ والتحقیق انها ان كانت مما تندرج تحت مستحسن فی الشرع فهی حسنة وان كانت مما تندرج تحت مستقبح فی الشرع فهی مستقبحة والا فهی من قسم المباح وقد تنقسم الى الاحكام الخمسة۔ تحقیق یہ کہ اگر بدعت شریعت کی کسی پسندیدہ دلیل کے تحت داخل ہے تو وہ بدعت حسنہ ہوگی اور اگر وہ شریعت کی کسی غیر پسندیدہ دلیل کے تحت داخل ہے تو وہ بدعتِ قبیح ہوگی ورنہ مباح ہوگی اور بدعت پانچ احکام

کی طرف منقسم ہے (فتح الباری جلد ۴ صفحہ ۲۱۹)۔ اسی کے قریب قریب عبارت علامہ عینی کی ہے۔ ملاحظہ ہو عمدۃ القاری جلد ۵ صفحہ ۱۳۵۶ھ بلفظہٖ ملاحظہ ہو [راہِ سنّت صفحہ ۹۹]

اَقُوْلُ:- عبارت ہٰذا کو گکھڑوی صاحب نے خوش فہمی سے اپنے موقف کی مؤید سمجھ لیا ہے جو صحیح نہیں کیونکہ اس میں یہ ہرگز نہیں ہے کہ بدعت سیّئہ وہ ہے جو قرون ثلٰثہ سے ثابت نہ ہو بلکہ سنّی موقف کی مؤید ہے کیونکہ اس میں واضح طور پر عموم سے استدلال کرتے ہوئے یہ کہا گیا ہے کہ نیا کام اگر استحباب کی شرعی عمومی دلیل کے تحت آئے گا تو اچھا ہوگا اور اگر ممانعت کی شرعی عمومی دلیل کے تحت آئے گا تو برا ہوگا ورنہ مباح ہوگا جو بعینہٖ سنّی طرز استدلال ہے کیونکہ یہاں مباح کا مسکوت عنہ کے معنٰی میں ہونا متعین ہے جب کہ گکھڑوی صاحب مسکوت عنہ کو درجۂ اباحت میں رکھنے کی بجائے درجہ بدعت ممنوعہ کی مد میں رکھنے کے قائل ہیں۔

علاوہ ازیں حافظ صاحب علیہ الرحمۃ نے بھی علامہ نووی کی طرح بدعت کو لغویہ اور شرعیہ پر منقسم کرنے کی بجائے اسے سیدھا پانچ قسموں پر تقسیم فرمایا ہے اس سے بھی گکھڑوی طرزِ عمل پر واضح زد پڑتی ہے (وقد مرّ بیانہ تحت عبارۃ النووی المذکورۃ قریباً)۔

ہمارے اس بیان کی واضح تائید حافظ صاحب کی اس سلسلہ کی اس مفصل عبارت سے بھی ہوتی ہے کہ:

''والمحدثات بفتح الدال جمع محدثۃ والمراد بھا ما احدث ولیس لہ اصل فی الشرع ویسمّٰی فی عرف الشرع بدعۃ وماکان لہ اصل یدل علیہ الشرع فلیس ببدعۃ فالبدعۃ فی عرف الشرع مذمومۃ بخلاف اللغۃ فان کل شئی احدث علٰی غیر مثال یسمی بدعۃ سواء کان محمودا اومذموماً وکذا القول فی المحدثۃ وفی الامر المحدث الذی ورد فی حدیث عائشۃ من احدث فی امرنا ھٰذا مالیس منہ فھو رد (الٰی) قال الشافعی البدعۃ بدعتان محمودۃ ومذمومۃ فما وافق السنۃ فھو محمود وما خالفھا فھو مذموم اخرجہ ابونعیم بمعناہ من طریق ابراھیم ابن الجنید عن الشافعی وجاء عن الشافعی ایضاً ما اخرجہ البیھقی فی مناقبۃ قال المحدثات ضربان ما احدث یخالف کتاباً اوسنۃً او اثراً او اجماعاً فھٰذہ بدعۃ الضلال وما احدث من الخیر لا یخالف شیئا من ذٰلک فھٰذہ محدثۃ غیر مذمومۃ(الٰی) والمراد بقولہ کل بدعۃ ضلالۃ مااحدث ولا دلیل لہ من الشرع بطریق خاص ولا عام (الٰی)

وقال ابن عبدالسلام فی اواخر القواعد البدعة خمسة اقسام فالواجبة کالاشتغال بالنحو الذی یفهم به کلام الله ورسوله لان حفظ الشریعة واجب ولایتأتی الابذلک فیکون من مقدمة الواجب وکذا شرح الغریب وتدوین اصول الفقه والتوصل الی تمییز الصحیح والسقیم . والمحرمة مارتبه من خالف السنة من القدریة والمرجئة والمشبهة. والمندوبة کل احسان لم یعهد عینه فی العهد النبوی کالاجتماع عن التراویح وبناء المدارس والربط والکلام فی التصوف المحمود و عقد مجالس المناظرة ان ارید بذلک وجه الله. والمباحة کالمصافحة عقب صلاة الصبح والعصر، والتوسع فی المتلذات من اکل وشرب وملبس ومسکن وقدیکون بعض ذلک مکروها اوخلاف الاولیٰ والله اعلم اھ بلفظہٖ ملخصاً

یعنی حدیث میں مذکور لفظ محدثات (دال کی زبر سے) مُحْدَثَۃٌ کی جمع ہے اوراس سے مراد وہ نیا ایجاد کردہ امر ہے جس کی اصل، شرع میں نہ پائی جاتی ہو اوراسی کو عرف شرع میں بدعت کہا جاتا ہے۔اور جس نئے ایجاد کردہ امر کی اصل، شریعت سے کسی طرح ثابت ہو وہ بدعت شرعیہ نہیں کیونکہ عرف شرع میں بدعت کا اطلاق محض اسی نئے امر پر ہوتا ہے جو مذموم ہو جب کہ ازروئے لغت ہراس نئے امر پر بدعت کا اطلاق ہوتا ہے جو پہلے سے موجود کسی مثال کو پیش نظر رکھے بغیر ایجاد کیا گیا ہو عام ازیں کہ وہ اچھا ہو یا برا۔حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت ''من احدث فی امرنا ھذا مالیس منه فهورد '' کے ضمن میں مذکورامر محدث اور محدثة کے بارے میں بھی یہی تفصیل ہے۔امام شافعی کا ارشاد ہے بدعتیں دوقسم ہیں بدعت محمودہ کہ جوسنت کے موافق ہو۔اور بدعت مذمومہ کہ جواس کے برخلاف ہو(اخرجه ابونعیم بمعناه من طریق ابراهیم ابن الجنید عن الشافعی)۔امام بیہقی کی کتاب مناقب شافعی میں امام شافعی کا یہ قول ان الفاظ سے آیا ہے کہ نئی ایجادات کی دوقسمیں ہیں نمبر ا جوقرآن یا سنت یا اثر یا اجماع کے خلاف ہو۔نمبر۲ وہ ایجاد کردہ نیکی جوان میں سے کسی کے کچھ خلاف نہ ہو اوّل بدعت ضلالت اور مذموم ہے جب کہ قسم ثانی مذموم نہیں۔

اورحدیث ''کل بدعة ضلالة ''میں بدعت سے مراد ہر وہ نئی ایجاد ہے جس کی شریعت مطہرہ

سے کوئی دلیل نہ ہواور یہاں دلیل سے مراد یہ ہے کہ خصوصی دلیل بھی نہ ہواور عمومی دلیل بھی نہ ہو۔ اور علامہ ابن عبدالسلام نے اپنی کتاب القواعد کے آخر میں فرمایا ہے کہ بدعت کی پانچ قسمیں ہیں: (واجبہ۱۔ محرمہ۲۔ مندوبہ۳۔ مباحہ۴۔ مکروہہ۵ یا خلاا اولیٰ)۔ بدعت واجبہ جیسے قرآن و حدیث کو سمجھنے کے لیے علم نحو کا پڑھنا کیونکہ (قرآن وسنت شریعت کی بنیاد ہیں جب کہ شریعت کی حفاظت کرنا واجب ہے اور وہ علم نحو کے بغیر ممکن نہیں۔ پس یہ مقدمۃ الواجب واجبۃ کے قبیل سے ہوا (کہ جس پر واجب کی ادائیگی موقوف ہو وہ بھی واجب ہوتا ہے)۔ اسی طرح مشکل اور نادر الفاظ کی تشریح اور اصول فقہ کی تدوین نیز صحیح اور غیر صحیح میں فرق کرنے کے قواعد بھی اس قسم سے ہیں۔

بدعتِ محرمہ جیسے مخالفین سنت قدریہ، مرجۂ اور مشبہہ وغیرہم کے خلاف سنت ایجاد کردہ نظریات۔

بدعتِ مندوبہ جیسے ہر وہ نیکی جو بعینہٖ اور بہ ہیئت کذائیہ عہد نبوی صلی اللہ علیٰ صاحبہٖ وسلم میں نہ تھی جیسے نماز تراویح کے لیے بصورت موجود اجتماع اور مدارس و جہادی مراکز تعمیر، نیز تصوف خالص کے مسائل اور اظہار حق کے لیے مجالس مناظرہ کا منعقد کرنا۔

بدعتِ مباحہ جیسے نماز فجر اور نماز عصر کے بعد نمازیوں کا ایک دوسرے سے ہاتھ ملانا (مصافحہ کرنا) اور اشیاء خورونوش وغیرہا اسباب راحت نیز ملبوسات اور رہن سہن میں فراخی کا اپنانا جب کہ بعض بدعات مکروہ اور خلافِ اولیٰ بھی ہوتی ہیں واللہ اعلم اھ۔ ملاحظہ ہو [فتح الباری جلد ۱۳ صفحہ ۲۶۷ صفحہ ۲۶۸ کتاب الاعتصام طبع دارالدیان للتراث مصر]

اَقُوْلُ:۔ علامہ عینی کی جس عبارت کی طرف گکھڑوی صاحب نے اشارہ کیا ہے وہ ابھی چند سطور پہلے مکمل اور مفصل طور پر گزر چکی ہے اور یہ بھی وہیں پر واضح کیا جا چکا ہے کہ وہ بھی گکھڑوی صاحب کے کسی طرح مفید مطلب نہیں بلکہ ان کے سراسر برخلاف ہے اعادہ کی حاجت نہیں —— فلتلاحظ تیک ھناک ——

گکھڑوی صاحب کی انوکھی علمیّت:۔

گکھڑوی صاحب نے فتح الباری کی عبارت کے الفاظ مستحسن فی الشرع اور مستقبح فی الشرع کا ترجمہ کرتے ہوئے پسندیدہ اور غیر پسندیدہ ہونا مدلول کی بجائے دلیل کی صفت بنا دیا ہے جیسا کہ ان کے الفاظ ''شریعت کی کسی پسندیدہ اور غیر پسندیدہ دلیل'' سے ظاہر ع جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

جب کہ اس کے فوراً بعد ہی اس کا دلیل کی بجائے مدلول کی صفت ہونا بھی انہوں نے ایک عبارت کے ذریعہ بیان کر کے خود ہی اپنی تردید کر گئے ہیں ع اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے
ملاحظہ فرمایئے:

مستحسن و مستقبح فی الشرع کا گھڑوی معنیٰ :-

لکھتے ہیں کہ:

اب اس بات پر غور کرنا باقی رہ جاتا ہے کہ مستحسن فی الشرع کیا ہے اور مستقبح فی الشرع کیا ہے۔ حضرت امام شافعی (المتوفّٰی ۲۰۴ھ) فرماتے ہیں کہ ''البدعة بدعتان بدعة خالف کتابا اوسنة اواجماعاً اور اثرا عن بعض اصحاب رسول الله ﷺ فھٰذہ بدعة ضلالة. وبدعة لم تخالف شیئا من ذٰلک فھٰذہ قد تکون حسنة لقول عمر نعمت البدعة ھٰذہ ۔بدعت کی دو قسمیں ہیں ایک وہ بدعت ہے جو کتاب یا سنت یا اجماع یا کسی صحابی کے اثر کے مخالف ہو ایسی بدعت گمراہی ہے۔ اور دوسری بدعت وہ ہے جو ان میں سے کسی ایک کے مخالف نہ ہو۔ تو ایسی بدعت کبھی اچھی ہوتی ہے جیسے کہ حضرت عمر نے فرمایا۔ یہ کیا ہی اچھی نو ایجاد اور بدعت ہے (موافقہ۔صریح المعقول الصحیح المنقول لابن تیمیہ علٰی منہاج السنہ جلد۲ صفحہ ۱۲۸)

اھ بلفظہٖ ملاحظہ ہو [راہِ سنّت صفحہ ۹۹ صفحہ ۱۰۰]

اَقُوْلُ:- بہت خوب، سبحان اللہ اور کیا کہنے صاحب موصوف کے! قول ابن حجر کا جو ۸۵۲ھ میں فوت ہوئے اور اس کے شارح امام شافعی جو خود موصوف کے حسب تصریح ''متوفیٰ ۲۰۴ھ ہیں، جو گویا قائل سے کم وبیش ساڑھے چھ سو برس پہلے اس کے قول کی شرح لکھ گئے۔ پھر یہ بھی لائق صد تحسین کہ قائل مقلد ٹائپ کے اور اس کے قول کے شارح امام مجتہد مطلق۔ نیز یہ بھی قابل داد کہ قول امام شافعی رحمہ اللہ کے مأخذ کے طور پر حنبلیت سے کھلا انحراف کر کے غیر مقلدیت کا بیج بونے والے ابن تیمیہ کی کتاب کا حوالہ، اور اس میں بھی اس کی کوئی سند پیش نہیں کی گئی بلکہ اس میں بھی قطع وبرید اور خانہ ساز اضافے کیے گئے اور من مانے الفاظ بھرتی کیے گئے ہیں۔ چنانچہ امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قول کے مکمل الفاظ بحوالہ ابونعیم وبیہقی ارشاد الساری جلد ۱۰ صفحہ ۳۰۲ اور فتح الباری جلد ۱۳ صفحہ ۲۶۷ ابھی گزرے ہیں، ان میں اور ابن تیمیہ صاحب کے پیش کیے گئے الفاظ میں زمین وآسمان کا سا فرق ہے۔ ان میں ''او اثرا'' کے لفظ مذکور ہیں جب کہ ابن تیمیہ نے اس کے بعد ''عن بعض

اصحاب رسول اللہ ﷺ" کے لفظ بڑھائے ہیں جب کہ ان دونوں میں فرق ہے کہ اوّل کا مطلب یہ ہے کہ اس کے مقابلہ میں بھی کوئی "اثر" نہ ہو۔اور دوم اختلاف کو ظاہر کرتا ہے جس سے اس قول کی رو سے آپس میں روایت کا اختلاف کرنے کی صورت میں معاذ اللہ ثم معاذ اللہ بدعتی قرار پاتے جب کہ اختلاف صحابہ رضی اللہ عنہم کی صورت میں خود امام شافعی کے مذہب کا لائحہ عمل یہ ہے کہ قرآن وسنت اور حدیہ کہ اکابر صحابہ کے فتویٰ سے اشبہ کی جانب رجوع کیا جائے۔ چنانچہ ابوعلی الکرابیسی صاحب الشافعی (رحمہما اللہ) کے حوالہ سے لکھا ہے:

"فان اختلفوا فما وجده اشبه بالقرآن ثم بالسنة ثم بفتوی اکابر الصحابة عمل به"

(فتح الباری جلد ۱۳ صفحہ ۱۵۲ کتاب الاحکام طبع مصر)

نیز ارشاد الساری اور فتح الباری میں ابونعیم اور بیہقی کے حوالہ سے امام شافعی کے اس قول کے حوالہ سے لکھا تھا:

"وماا حدث من الخیر لایخالف شیئا من ذٰلک فهذه محدثة غیر مذمومة" جب کہ ابن تیمیہ نے اسے یوں بیان کیا ہے "فهذه قد تکون حسنة"۔دونوں میں فرق روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ اللهم الاان یقال ان المراد من غیر المذمومة ماهواعم من المستحبة والمباحة وان یکون مراد ابن تیمیه من "حسنة" المستحبة لکنه توجیه بمالایرضٰی به قائله لان ابن تیمیه ومتبعیه لایرضون بکون المسکوتات عنها مباحة فضلاً عن کونها مستحبة بل یقولون انها بدعات شنیعة سیّئة مذمومة غیر محمودة وان قائلها مبتدعون۔ فالی الله المشتکٰی۔والله سبحانه المستعان علٰی ما یصفون۔

نوٹ:- گکھڑوی صاحب نے موافقہ صریح المعقول کی مذکورہ عبارت کے لیے اس کے "جلد۲ صفحہ ۱۲۸" کا حوالہ دیا ہے جب کہ جزء نمبر۱ جلد ۱ صفحہ ۱۴۸ ہے جو "دار الفکر بیروت کی مطبوعہ ہے۔ پس اگر یہ اختلاف طباعت یا غلط تصحیح کتابت نہیں تو ان کی بہت بڑی چوک ہے

گکھڑوی رٹ کی ایک بار پھر درگت:-

گکھڑوی صاحب نے اپنے موقف کے نام نہاد دلائل کے پیش کر لینے کے بعد اس مقام پر تھوڑی سی الفاظ کی تبدیلی سے تقریباً دو صفحے ان باتوں کے دہرانے پر صرف کیے ہیں جن کے جوابات گزشتہ صفحات میں متعدد بار ہو چکے ہیں جیسے داعیۂ سبب اور محرک کے ہونے کے باوجود نہ کرنے کا دلیل بدعت ہونا نیز اس کے مأخذ کے طور پر مجالس الابرار نامی کتاب کو لانا اور ابن رجب وغیرہ کی عبارات سے مغالطہ وغیرہ۔ ان

سب پر تفصیلی بحثیں مصباح سنت جلد دوم میں اور اس جلد (سوم) میں بھی گزشتہ صفحات میں گزر چکی ہیں۔ اعادہ کی حاجت نہیں انہیں ادھر ہی ملاحظہ کیا جائے البتہ اس کے ضمن میں جو بعض نئے قسم کے جملے یا نئی عبارتیں آ گئی ہیں ان سے جوابات حسب ذیل ہیں:

قَوْلُہٗ:- ''اور جو ان میں سے کسی دلیل میں داخل ہو تو وہ کبھی اچھا ہوگا۔ جس پر ثواب ملے گا اور کبھی صرف مباح ہوگا جس پر نہ ثواب ہوگا نہ عقاب''۔ (راہِ سنّت صفحہ ۱۰۰)

اَقُوْلُ:- آپ کی یہ عبارت کئی طرح سے آپ کے خلاف ہے جو مذہبی خودکشی کی بدترین مثال ہے کیونکہ دلیل میں داخل ہو'' کا مطلب عموم سے استدلال ہے جس کے آپ قائل نہیں پھر آپ اسے اچھا بھی کہہ گئے اور ''جس پر ثواب ملے گا'' بھی لکھ گئے جو آپ کے لیے مزید عذاب ہے کیونکہ آپ کے نزدیک بعینہ اور بہ ہیئت کذائیہ ثبوت ضروری ہوتا ہے جب وہ ہے نہیں تو اس پر ثواب کیونکر ملے گا؟ نیز مسکوت عنہ آپ کے نزدیک مطلقاً بدعت ہے 'کما مر تفصیلہ' جب کہ یہاں آپ اسے ''مباح'' قرار دے رہے ہیں اور یہ حکم بھی ساتھ لگا رہے ہیں کہ اس پر ثواب نہ ہونے کے ساتھ عقاب بھی نہ ہوگا جب کہ بدعت کے متعلق آپ بار ہا یہ لکھ چکے ہیں کہ کل بدعة ضلالة و کل ضلالة فی النار۔ پس آپ کے ان دو بیانوں میں سے ایک تو ضرور فی النار ہوگا جس کا وبال دونوں طرف سے بہر صورت آپ پر پڑے گا۔

قَوْلُہٗ:- ''باقی غیر مجتہد کا اجتہاد خصوصاً اس زمانہ میں ہرگز کسی بدعت کو حسنہ نہیں قرار دے سکتا''۔ (راہِ سنّت صفحہ ۱۰۰)

اَقُوْلُ:- جلد دوم میں اس پر مفصل بحث گزر چکی ہے کہ عموم و اطلاق نصوص سے استدلال کے لیے اجتہاد قطعاً شرط نہیں نیز یہ بحث بھی گزر چکی ہے کہ کون سے مسئلہ میں کس درجہ کے اجتہاد کی ضرورت پڑتی ہے۔ نیز یہ کہ یہ عبارت خود گکھڑوی صاحب کے بھی خلاف ہے کیونکہ بے شمار جدید مسائل دور حاضر میں بھی پائے جاتے ہیں جیسے انجکشن سے روزہ کے ٹوٹنے نہ ٹوٹنے کا مسئلہ وغیرہ جب کہ باقرار خود وہ کیا اس دور میں کوئی بھی مجتہد نہیں ہے جب کہ وہ اور ان کی جماعت اس جیسے مسائل کا حل پیش کر رہے ہیں اور باقاعدہ مجالس علمیہ کے نام سے اس کی کمیٹیاں بھی بنا رکھی ہیں۔ نیز بے شمار غیر ثابت اور امور متروکہ کو مستحب بھی انہوں نے قرار دے رکھا ہے جیسے عیدین کی نمازوں کے بعد موجودہ صورت کی اجتماعی دعائیں وغیرہ۔ خلاصہ یہ کہ گکھڑوی صاحب کی یہ تقریر خود ان کے اپنے خلاف ہے۔

قَوْلُہٗ:- چنانکہ حضرات فقہاء کرام نے اس کی تصریح کی ہے:

''در نصاب الفقہ مے آرند ہر آنچہ بدعت حسنہ مجتہداں قرار دادہ اند ہماں صحیح است واگر کسے دریں زمانہ چیزے بدعت حسنہ قرار دہد خلاف است زیرا کہ در مصفّی میگوید کہ کل بدعۃ ضلالۃ فی زماننا'' (انتہٰی (فتاویٰ جامع الروایات والجنہ صفحہ ۶۰) یعنی نصاب الفقہ میں ہے کہ بدعت حسنہ وہ ہے جس کو حضرات مجتہدین نے بدعت حسنہ قرار دیا ہو اور اگر کوئی شخص اس زمانہ میں کسی چیز کو بدعت حسنہ قرار دے گا تو وہ حق کے خلاف ہے۔ مصفّی میں ہے کہ ہمارے زمانہ میں ہر بدعت گمراہی ہے۔

اس عبارت سے صراحت کے ساتھ یہ بات واضح ہو گئی کہ بدعۃ حسنہ صرف وہی ہو گی جس میں حضرات مجتہدین کا اجتہاد کارفرما ہو گا اور اجتہاد و قیاس صرف ان احکام اور مسائل میں ہی ہو سکتا ہے جو غیر منصوص ہوں اور ان کے دواعی اور اسباب آنحضرت ﷺ اور خیر القرون میں موجود نہ ہوں بلکہ بعد کو ظہور پذیر ہوئے ہوں۔ اس نئی تہذیب کے زمانہ میں جو شخص بدعت کو حسنہ قرار دیتا ہے اس کا قول سراسر باطل اور مردود ہے اور ایسی چیز کے بارے میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ ؎

اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں
نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے

اھ بلفظہٖ ملاحظہ ہو [راہِ سنّت صفحہ ۱۰۰، صفحہ ۱۰۱]

اَقُوْلُ:- گکھڑوی صاحب کی اس پوری تقریر دلپذیر کی بنیاد مذکورہ بالا فارسی عبارت پر ہے جب کہ وہ خود ساختہ اور کم از کم یہ کہ غیر معیاری اور خود گکھڑوی صاحب کے اپنے طے کردہ دلائل کے معیار سے ہٹ کر ہے۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ یہ عبارت سب سے پہلے گکھڑوی صاحب کے ایک دیوبندی پیش رَو مولوی عبدالغنی خاں شاہجہان پوری نے اپنی کتاب الجنہ میں فتاویٰ جامع الروایات کے حوالہ سے لکھی ہے اور اس میں نصاب الفقہ کا حوالہ دیا گیا پھر نصاب الفقہ کی بنیاد مصفّٰی پر رکھی گئی۔ رہا یہ کہ یہ کتابیں کہاں ہیں ان کے مؤلفین کون اور کس درجہ کے علماء ہیں؟ اس کا پتہ عبدالغنی صاحب کو خواب میں بھی نہیں چل سکا۔ گکھڑوی صاحب بے چارے تو ان کی بعد کی چیز ہیں۔ مگر چالاکی سے والجنہ صفحہ ۶۰ لکھ کر تأثر یہ دیا ہے کہ جیسے یہ کتابیں انہوں نے خود پڑھی ہی نہیں بلکہ چھپوائی بھی ہوں۔ پھر ان کے حوالہ سے بھی یہ لکھا ہے کہ ''مے آرند'' لاتے ہیں اور بیان کرتے

ہیں''۔کون؟ یہ نہ پوچھیں۔بس اس حوالہ کی حیثیت ''آواز آندی اے'' سے زیادہ نہیں۔پھر مصنّف کا یہ جبروتی حکم بھی لائق داد ہے کہ ''ہمارے زمانہ میں ہر بدعت گمراہی ہے''۔یعنی یہ کوئی نیا حکم اترا ہے جو پہلے نہیں تھا ولا حول ولاقوۃ الا باللہ۔پھر عملی طور پر گکھڑوی صاحب اوران کی جماعت بھی اس دوسرے معیار پر پوری نہیں اترتی ورنہ وہ بتائیں کہ نماعیدین کے بعدوالی اجتماعی دعاجواس عبارت کی رو سے بدعت ہے' وہ کیونکر مستحب بن گئی اور کس مجتہد نے اسے حسنہ قرار دیا ہے؟ خدارا انصاف۔لہٰذا قول سراسر باطل اور مردود ان کا اپنا ہوا اور انڈے بھی گندے انہی کی اپنی تہذیب کے نکلے۔اب وہ انہیں ''اٹھا کر باہر گلی میں پھینکیں نہ پھینکیں ان کی مرضی۔سچ ہے ع ہم الزام ان کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا۔

عبارت مکتوبات سے مغالطہ کا ردّ:-

گکھڑوی صاحب لکھتے ہیں:

اور یہی وہ بدعت ہے جس کے متعلق حضرت مجدد الف ثانی (وغیرہ) فرماتے ہیں کہ چیزے کہ مردود باشد حسن از کجا پیدا کند (مکتوبات حصہ سوم صفحہ ۲۷) یعنی جو چیز مردود ہے وہ حسن اور خوبی کہاں سے پیدا کرے گی؟ (راہِ سنّت صفحہ ۱۰۱)

اَقُولُ:- بر تقدیر تسلیم عبارت ہٰذا بدعت سیئہ کے متعلق ہے جیسا کہ لفظ مردود سے بھی ظاہر ہے۔جس کے مردود ہونے کے اہل سنت بفضلہٖ تعالیٰ قطعاً قائل ہیں۔پس اسے گکھڑوی صاحب کا ہمارے خلاف سمجھنا ان کا مذموم اقدام ہے۔جس کی جتنی مذمت کی جائے اتنی کم ہے۔

حضرت مفتی صاحب کے چیلنج کے جواب سے گکھڑوی عجز:-

حکیم الامت حضرت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے دنیائے وہابیت کو عام چیلنج دیتے ہوئے لکھا تھا کہ:

''اپنے رب کے بھروسہ پر کہتے ہیں کہ دنیا کا کوئی دیوبندی' کوئی غیر مقلد اور کوئی شرک و بدعت کی رٹ لگانے والا ان چار چیزوں (بدعت' شرک' دین اور عبادت) کی ایسی تعریف نہیں کرسکتا جس سے اس کا مذہب بچ جاوے۔آج بھی ہر دیوبندی اور ہر غیر مقلد کو اعلان عام ہے کہ ان کی ایسی صحیح تعریف کرو جس سے محفل میلاد حرام ہو اور رسالہ قاسم اور پرچہ اہل حدیث حلال' اور اولیاء اللہ سے مدد مانگنا شرک ہو اور پولیس وغیرہ سے استمداد عین اسلام۔اور کہے دیتے ہیں کہ

انشاء اللہ یہ تعریفیں نہ ہوسکی ہیں نہ ہوسکیں گی۔لہٰذا چاہیے کہ اپنے اس بے اصولے مذہب سے
توبہ کریں اور اہل سنت و جماعت میں داخل ہوں۔اللہ الموفق'' اھ(جاءالحق صفحہ ۲۲۴)

جس کا جواب حسب پیش گوئی حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمۃ گکھڑوی صاحب سے نہ بننا تھا نہ بن سکا۔البتہ خانہ پری کرتے ہوئے اور اپنی قوم کو خوش کرنے کی غرض سے ادھر ادھر کی ہانکی اور قطع و برید وغیرہ کے کئی کرتب دکھا کر منہ چڑاتے ہوئے آگے نکل گئے۔

چنانچہ پہلے ''مفتی احمد یار خان صاحب کی تعلّی'' کا عنوان قائم کرکے ایک متین اور سنجیدہ مطالبہ کو آیا گیا کرنے کی غرض سے اسے ''تعلّی'' قرار دیا(صفحہ ۱۰۱) پھر یہ جھوٹ بولا کہ ''مفتی احمد یار خان صاحب نے تمام بدعات سیئہ کو بدعات حسنہ قرار دے کر'' حالانکہ حضرت مفتی صاحب نے کسی بھی بدعت سیّئہ کو بدعت حسنہ قرار نہیں دیا جھوٹ ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ انہوں نے اپنے اس بے بنیاد دعویٰ کی کوئی دلیل پیش نہی کی۔ (راہِ سنّت صفحہ ۱۰۱)

پھر ملمع سازی سے کام لیتے ہوئے آپ کے متعلق لکھا ہے کہ ''مرقات اور اشعۃ اللمعات کی مجمل عبارتوں سے دلائل پیش کرکے'' (صفحہ ۱۰۱) حالانکہ وہ عبارات اپنے مفہوم میں واضح ہیں پھر انہیں یہ شکایت حضرت مفتی صاحب کی بجائے صاحب مرقات اور صاحب اشعۃ اللمعات سے کرنی چاہیے تھی کیونکہ حضرت مفتی صاحب کی اس میں حیثیت محض ناقل کی ہے۔

پھر حقیقت کا چہرہ مسخ کرتے ہوئے ان کے بارے میں لکھا کہ ''یہ مورچہ ایسا فتح کیا کہ فاتحانہ بلکہ حاکمانہ رنگ میں یوں فرماتے ہیں''۔ (راہِ سنّت صفحہ ۱۰۱) جب کہ یہ سب مبنی بر حقیقت ہے کیونکہ اپنی اس عبارت کے شروع میں حضرت مفتی صاحب نے یہ لفظ فرمائے تھے ''اپنے رب کے بھروسہ پر کہتے ہیں'' کما مرّ۔ جو تحدیث نعمت کو ظاہر کرتے ہیں مگر گکھڑوی صاحب نے ''یوں فرماتے ہیں'' لکھنے کے بعد چھوٹتے ہی آپ کے یہ لفظ نقل کیے کہ دنیا کا کوئی دیوبندی الخ (راہِ سنّت صفحہ ۱۰۱) اور ان کلمات تحدیث نعمت کو صاف اڑا گئے۔پھر عافیت اس میں سمجھی کہ آپ کا مطالبہ پورا نقل نہیں کیا چنانچہ حضرت مفتی صاحب نے تو یہ پوچھا کہ ایسی صحیح تعریف کرو جس سے محفل میلاد حرام ہو اور رسالہ قاسم اور پرچہ اہل حدیث حلال''۔جس سے مقصود ظاہر ہے یہ تھا کہ دیوبندی اپنی کردہ تعریف کی لپیٹ میں آنے سے خود کو بچا کر دکھائیں مگر گکھڑوی صاحب نے اس عبارت کو ''محفل میلاد حرام ہو'' کے لفظوں تک نقل کرکے یہ ظاہر کیا کہ مطالبہ صرف محفل میلاد کو غلط

ثابت کرنے کا ہے۔ ملاحظہ ہو (راہِ سنّت صفحہ ۱۰۱)

پھر لگ گئے بزعم خویش اسی کو ثابت کرنے میں اور اس کی بھی جو دلیل پیش کی ہے وہ بھی خود ان کی باب جنت والی بولی میں ''کھودا پہاڑ نکلا چوہا''۔ اقول' اور وہ بھی مرا ہوا کی مصداق ہے۔ چنانچہ اس کی دلیل انہوں نے اسی محرّک اور سبب کو بنایا ہے جو بار ہا ماریں کھا کھا کر مردہ ہو چکی ہے۔ پھر جو کام انہیں خود کو کرنا تھا اور جس کا اثبات خود ان کے ذمّہ تھا' اسے حضرت مفتی صاحب پر ڈالتے ہوئے سلب منصب کرتے ہوئے یہ پوچھنا شروع کر دیا کہ ''مفتی صاحب ہی بتائیں کہ خیر القرون میں میلاد کس نے منائی؟ فیصلہ انہی پر ہے''۔ (راہِ سنّت صفحہ ۱۰۲)

بہت خوب مطالبہ تم سے تھا اور ''بتائیں مفتی صاحب'' ''اور فیصلہ انہی پر ہے''۔ بھلے مانس یہی تو تم نے دلیل سے ثابت کرنا تھا کہ خیر القرون جو نہ کریں وہ بدعت ہے جو ثبوت کے لیے تاحال تمہارا منہ تک رہا ہے۔ میلاد کس نے منایا تھا کی بجائے گکھڑوی صاحب کی کس نے منائی بھی لائق داد ہے۔

پھر حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمۃ اپنی اس کتاب جاء الحق میں ''بحث نمبر ۹ محفل میلاد شریف کے بیان میں'' کا عنوان قائم فرما کر اس پر مفصّل بحث بھی فرما چکے ہیں جس میں دیگر دلائل کے پیش کرنے کے بعد اتمام حجت کے طور پر یہ بھی لکھ چکے ہیں کہ :-

> ''مخالفین کے پیر و مرشد حاجی امداد اللہ صاحب نے فیصلہ ہفت مسئلہ میں محفل میلاد شریف کو جائز اور باعث برکت فرمایا۔ چنانچہ وہ اس کے صفحہ ۸ پر فرماتے ہیں کہ ''مشرب فقیر کا یہ ہے کہ محفل مولود شریف میں شریک ہوتا ہوں بلکہ ذریعہ برکات سمجھ کر ہر سال منعقد کرتا ہوں اور قیام میں لطف ولذّت پاتا ہوں''۔ عجیب بات ہے کہ پیر صاحب تو مولود شریف کو ذریعہ برکات سمجھ کر خود ہر سال کریں اور مریدین مخلصین کا عقیدہ ہو کہ شرک و کفر کی محفل ہے میلاد نہ معلوم کہ اب پیر صاحب پر کیا فتویٰ لگے گا؟ اھ___ ملاحظہ ہو [جاء الحق جلد ا صفحہ ۲۳۸ طبع نعیمی کتب خانہ گجرات]

جس کا مفاد یہ ہے کہ محفل میلاد اگر درست ہو تو گکھڑوی صاحب کا اسے بدعت کہنا نیز اگر بدعت ہو (کما زعم) تو ان کے پیر و مرشد کا اسے باعث رحمت اور ذریعہ برکات قرار دینا بدعت ہوا۔ نتیجہ واضح ہے کہ اس سے گکھڑوی صاحب اور ان کے اکابر بہر صورت بدعتی قرار پائے مگر اس کے باوجود وہ یہاں آنکھوں میں

آنکھیں ڈال کر لکھتے ہیں کہ ''جس سے بخوبی واضح ہوگیا کہ اکابرین علماء دیو بند کے کسی کام کو بدعت کے ساتھ دور کی نسبت بھی نہیں ہے''۔ (راہِ سنّت صفحہ ۱۰۲) ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

جب کہ ہمارے اس بیان سے روز روشن کی طرح عیاں ہوگیا کہ علماء دیو بند اور بدعت کا آپس میں انتہائی قریبی رشتہ ہی نہیں، چولی دامن کا ساتھ ہے اور وہ ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں جس کی سب سے ٹھوس دلیل ان کے وہ مبتدعانہ عقائد ونظریات بھی ہیں جن کی شرع میں کوئی اصل نہیں پائی جاتی جو ان کے عقائد کی کتب تقویۃ الایمان، صراطِ مستقیم، براہینِ قاطعہ، فتاویٰ رشیدیہ، تحذیر الناس اور حفظ الایمان وغیرہا میں حشرات الارض کی طرح پھیلے ہوئے ہیں جن کی کچھ تفصیل مصباح سنّت جلد اوّل میں بھی گزر چکی ہے جس کے ہوتے ہوئے گکھڑوی صاحب اور ان کے اکابر کے اہل تنقیص ہونے کے ساتھ ساتھ اہل بدعت ہونے میں کچھ شبہ باقی نہیں رہتا۔ یہاں موصوف کا یہ کہنا کہ شرک اور عبادت وغیرہ کی تعریف راقم الحروف کے رسالہ گلدستہ توحید وغیرہ میں ملاحظہ کیجیے۔ (صفحہ ۱۰۲) کچھ مفید نہیں کیونکہ اس میں بھی انہوں نے مغالطہ دہی سے کام لیا ہے جیسے راہِ سنّت میں بدعت کی تعریف میں مکمل وضاحت کے لیے شیر اسلام علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب مدّظلہم کی کتاب گلشن توحید و رسالت دیکھیے جو گلدستہ توحید کا مکمل مفصل مسکت اور مسقط جواب ہے۔

الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے:۔

آگے فرماتے ہیں:

''اور اپنی خاص محفل میں تو خوب تعلّی کا اظہار کیجیے مگر میدان میں تعلّی کا کوئی کام نہیں۔ آخر ہم بھی منہ میں زبان رکھتے ہیں اور بقول شیخ مصلح الدین سعدی (المتوفّٰی ۶۹۱ ھ)

ہر بیشہ گماں مبر کہ خالی ست
شاید کہ پلنگ خفتہ باشد

اَقُوْلُ:۔ تعلیوں سے کام خود گکھڑوی صاحب نے لیا ہے حضرت مفتی صاحب نے نہیں جیسا کہ سطور بالا سے واضح ہے۔ پس ان کا یہ کلام ''الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے'' کے قبیل سے ہے مگر جب وہ منہ میں زبان رکھتے ہیں تو جو کچھ بولتے جائیں، اس پر کوئی کیا پابندی لگا سکتا ہے؟

باقی حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کے اس قول مبارک کا مصداق وہ ہرگز نہیں ہیں کیونکہ انہوں نے

شاید لکھا ہے جس میں دونوں احتمال ہوتے ہیں یہاں منفی صورت میں ہونا ہی متعین ہے کہ انہوں نے شیروں جیسا والا کوئی کام کر کے نہیں دکھایا۔ پس وہ اپنی خاص محفل میں اسے بے شک خوب گائیں مگر بحث میں تو گانے کی بجائے دلائل ہی کام آتے ہیں۔ ع جلا کر راکھ نہ کر دوں تو داغ نام نہیں۔

اقراری شکست فاش:-

گکھڑوی صاحب کی پوری راہِ سنّت کا لبّ لباب یہ ہے کہ جب تک کسی امر کی ہیئتِ کذائیہ ثابت نہ ہو یعنی بعینہٖ اور ہو بہو صریح ثبوت نہ ہو تو اسے بدعت کہا جائے گا مگر خدا کے کرنے سے انہوں نے اس بحث کو اس کی نفی پر ہی ختم کیا ہے چنانچہ انہوں نے واضح طور پر مانا ہے کہ بدعتِ حسنہ سنّت کی دوسری تعبیر ہے جس سے انہوں نے ہیئتِ کذائیہ کا بدعت نہ ہونا مان لیا ہے۔ بدعت حسنہ کا مصداق ہیئتِ کذائیہ ہی ہے۔

''فائدہ'' کا عنوان دے کر لکھتے ہیں:

''یہ تحقیق ان حضرات کے نظریہ کے مطابق ہے جو بدعت کی تقسیم کے قائل ہیں اور جو حضرات اس تقسیم کے قائل نہیں (مثلاً حضرت مجدد الف ثانی وغیرہ) تو وہ بدعت حسنہ کو سنت میں داخل کرتے ہیں۔ اس لحاظ سے نزاع، صرف لفظی ہوگا جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔ چنانچہ مولوی عبدالسمیع صاحب لکھتے ہیں: یہ کہ (جو) بدعت تقسیم نہیں کرتے وہ بدعت حسنہ کو سنّت میں داخل کرتے ہیں پس بدعت حسنہ کا لفظ وہی کہے گا جو قائل تقسیم بدعت کا قائل ہوگا۔ اور جو تقسیم کا قائل نہ ہوگا وہ بدعت حسنہ کو سنّت کہے گا''۔ (انوار ساطعہ صفحہ ۴۵) اھ ملاحظہ ہو [راہِ سنّت صفحہ ۱۰۲]

اَقُولُ:- بعینہٖ یہی بات گکھڑوی صاحب کے پیش رَو مولوی عبدالغنی شاہجہان پوری نے اپنی کتاب الجُنّہ میں بھی لکھی ہے اور اس بارے میں موصوف کے امام بلکہ یکے از بانیان مذہب گنگوہی صاحب نے تو کمال کر دیا ہے کہ وہ بدعت حسنہ کو سنت میں داخل ہی نہیں بلکہ سنت کا دوسرا نام قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ ان کے لفظ ہیں: بدعت کوئی حسنہ نہیں اور جس کو بدعت حسنہ کہتے ہیں وہ سنت ہی ہے مگر یہ اصطلاح کا فرق ہے۔ مطلب سب کا واحد ہے۔ اھ بلفظہٖ ملاحظہ ہو [فتاویٰ رشیدیہ صفحہ ۱۲۷ طبع محمد علی کراچی]

اس مقام پر گکھڑوی صاحب کا اسے نزاع لفظی کہنا اور مزید حضرت حاجی امداداللہ صاحب مہاجر مکی کے افکار کے محافظ وامین اور ان کے مرید وخلیفہ حضرت علامہ عبدالسمیع رام پوری امدادی رحمہ اللہ تعالیٰ مؤلف انوارِ ساطعہ کا حوالہ یہاں لانا اس میں اصولی طور پر فریقین کے متفق ہونے کی جانب واضح اشارہ کرتا ہے۔

بہر حال اس سے ہم خصوصیت کے ساتھ باب ہفتم کے جواب میں ان شاء اللہ تعالیٰ شانہٗ بھرپور استفادہ کریں گے۔فقط۔

ھٰذا واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علٰی سیّد المرسلین سیّدنا ومولانا وحبیبنا محمد وعلٰی اٰلہٖ وصحبہٖ وتبعہ وعلینا معھم اجمعین الٰی یوم الدین وقد تمّ بھٰذا المجلد الثالث من ھٰذا الکتاب ویلیہ المجلّد الرابع واوّلہ الجواب عن الباب الثالث و قد وقع الفراغ عن ھٰذا فی مؤرخۃ ۸ شعبان المعظم ۱۴۲٦ھ موافقاً ۱۲ ستمبر ۲۰۰۵ء بیوم الاثنین فی وقت بعد الضحٰی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یا اللہ جل جلالہ — یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ

البرہان القاطع

فی الرّد

علی المنہاج الواضح

المعروف بہ

مِصْبَاحِ سُنّت

بجواب

راہِ سنّت

(حصہ چہارم)

☆

جس میں مولوی سرفراز خان صفدر گکھڑوی کی کتاب راہِ سنّت کا مکمل ردِّ بلیغ کر کے کلیہ بدعت وغیرہا میں ان کی بے شمار علمی ٹھوکروں کی نشاندہی کی گئی ہے اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ اہل سنّت و جماعت پر اُن کا بدعتی ہونے کا الزام ان کا محض بلا دلیل دعویٰ ہے۔ جس کے ثابت کرنے میں وہ کلی طور پر ناکام رہے ہیں نیز یہ کہ اس کے اصل ملزم وہ خود ہی ہیں اس کے علاوہ دیگر بیسوں علمی مباحث بھی اس میں آ گئے ہیں جو مطالعہ سے تعلق رکھتے ہیں

☆

﴿ از قلم ﴾

محقّقِ وقت، مناظر اہلِ سنّت

حضرت علامہ مولانا مفتی محمد عبد المجید خان سعیدی رضوی

صدر مدرّس و مہتمم دار العلوم جامعہ سعیدیہ و جامعہ غوثِ اعظم رحیم یار خان

——ooOoo——

ناشر ○ قادریہ پبلشرز کراچی — کاظمی کتب خانہ رحیم یار خان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست حصہ ہٰذا

باب سوم کا محاسبہ

بابِ ہٰذا سے گکھڑوی غرض نیزان کی زیادتی:

اس باب کا مکمل عنوان خود گکھڑوی صاحب کے لفظوں میں اس طرح ہے:

''باب سوم بدعات کے جواز پر جو دلائل پیش کئے جاتے ہیں ان پر ایک نظر'' اھ بلفظہٖ۔ ملاحظہ ہو [راہِ سنّت صفحہ۱۰۳]

اقول: اس سے ان کا جو مقصود ہے وہ ان کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ وہ یہاں مسئلہ بدعت کے متعلق سنّی موقف کے بعض دلائل کا جواب دینا چاہتے ہیں۔ باقی پیش نظر عنوان میں ''بدعات کے جواز'' کے لفظوں سے انہوں نے عوام کو اہل سنت کے بارے میں جو بدعاتِ سیئہ مذمومہ کو جائز قرار دینے کا تأثر دینے کی کوشش کی ہے وہ ان کی سراسر ہی زیادتی ہے جس میں وہ قطعاً حق بجانب نہیں ہیں کیونکہ ہمارے ذمہ دار قسم کے علماء میں سے کسی ایک نے بھی آج تک کسی ایک بھی بدعت سیئہ مذمومہ کے جواز کا قول نہیں کیا جس میں ان کے غیر صادق ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ بھی ہے کہ وہ اپنے اس دعویٰ کی کوئی صحیح معیاری دلیل کے پیش کرنے سے سخت عاجز و ناکام رہے ہیں اور آئندہ بھی انشاء اللہ اس میں وہ عاجز و ناکام ہی رہیں گے' بیشک مزید طبع آزمائی کر کے دیکھ لیں۔ ہمیں گوی وہمیں مبداں۔ دیدہ باید۔ ہاں اگر یہاں ''بدعات'' سے مراد ان کی بدعات مزعومہ ہوں تو یہ کسی حد تک لائق تسلیم بلکہ یہی درست ہے کیونکہ انہوں نے معمولات اہل سنت کو محض اپنے زعم اور خود ساختہ' وضعی اور من گھڑت اصول ہی سے بدعات شرعیہ قرار دیا ہے جس کی مکمل مع مالہٗ وما علیہ تفاصیل ہماری اس کتاب کی اس سے پہلے کی جلدوں میں گزر چکی ہیں بلکہ نہایت ٹھوس اور ناقابل تردید قسم کے دلائل سے یہ بھی ثابت کیا جا چکا ہے کہ حقیقت میں بدعات سیئہ شنیعہ کے مرتکب اور اس کے ملزم خیز سے خود مابدولت گکھڑوی صاحب ہی ہیں۔ پس یہاں ان کا یہ واویلا بھی مثل سابق محض اپنے جرم کو چھپانے کی

غرض سے ہے جو چور مچائے شور کے قبیل سے ہے۔

موصوف کے الفاظ ''جو دلائل پیش کئے جاتے ہیں ان پر ایک نظر'' کے بارے میں عرض ہے کہ ان کی ''وہ ایک نظر'' درست نہیں ہے اور انہوں نے صحیح نظر سے کام نہیں لیا۔ یقین نہ آ رہا ہو تو اگلی سطور میں مذکور تفصیل کا بغور مطالعہ فرمائیں (واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل) ____

بعض آیات سے استدلال کی تغلیط کی تردید

اس کے بعد گکھڑوی صاحب نے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سنی موقف کی تائید میں بعض آیات قرآنیہ سے کئے گئے استدلال کی تغلیط کرتے ہوئے یوں گوہر افشانی کی ہے:

''دیگر اہل سنت حضرات عموماً اور مفتی احمد یار خان صاحب خصوصاً لا تسئلوا عن اشیاء (الآیۃ) اور قل لا اجد فیما اوحی الیّ محرما (الآیۃ) نقل کر کے لکھتے ہیں نیز فرماتا ہے قل ماحرم (اصل میں مَنْ حَرَّمَ ہے) زینۃ اللہ التی اخرج لعبادہ والطیبات من الرزق (الآیۃ) ان آیات سے معلوم ہوا کہ حرمت کی دلیل نہ ملنا حلال ہونے کی دلیل ہے نہ کہ حرام ہونے کی۔ یہ حضرات اس سے حرمت ثابت کرتے ہیں الخ'' (جاء الحق صفحہ ۲۱۹)

ان آیات سے بدعات کے جواز پر تو ہرگز ثبوت نہیں پیش کیا جا سکتا جیسا کہ ظاہر ہے مگر مرکزی نقطہ ان آیات سے اباحت کا سمجھا گیا ہے جو قطعاً غلط ہے۔ اھ بلفظہ ملاحظہ ہو (راہ سنت صفحہ ۱۰۳) ____

الجواب:

گکھڑوی صاحب نے جاء الحق سے نقل کردہ حوالے کے لئے اس کا ''صفحہ ۲۱۹'' لکھا ہے جب کہ صحیح صفحہ ۲۲۹ صفحہ ۲۳۰ ہے، جو غلط کتابت نہ ہو تو ان کی واقعی چوک ہے۔ علاوہ ازیں انہوں نے جاء الحق کی عبارت ادھوری نقل کی ہے۔ پوری عبارت تقریباً چھبیس سطور میں پھیلی ہوئی ہے جب کہ نقل کردہ کی چار سطریں بھی نہیں ہیں۔ پھر انہوں نے صرف آیات کا ذکر کیا ہے اور وہ بھی تین کا جب کہ حضرت مفتی صاحب نے پانچ آیات ایک حدیث نیز ردالمحتار کی ایک عبارت بھی پیش فرمائی ہے۔

نیز مفتی حضرت صاحب نے ان آیات وغیرہا سے اپنا موقف نیز وجہ استدلال کو مفصل لکھا ہے

جب کہ گکھڑوی صاحب نے اسے مکمل نقل نہیں کیا اور جواب کے لئے دلائل کو چھوا تک بھی نہیں صرف اس کی خالی تغلیط پر اکتفاء کیا ہے جو مخالف طرز کا خاصہ اور ان کے عجز کی دلیل ہے۔

پھر یہ جھوٹا تاثر بھی انہوں نے عوام کو ایک بار پھر دیا ہے کہ اہل سنت' بدعات شرعیہ کو بہ زور جائز گردانتے ہیں والعیاذ باللہ۔ جس کا جواب ہم ابھی سطور بالا میں دے آئے ہیں اس کے اعادہ کی حاجت نہیں۔

رہا ان کا ان آیات سے اباحت کے اثبات کے متعلق یہ کہنا کہ وہ ''قطعاً غلط ہے''؟ تو وہ بذات خود نہایت درجہ غلط ہے کیونکہ ان سے حضرت مفتی صاحب نے جو استدلال فرمایا ہے وہ ان کے سیاق وسباق' پس منظر اور ان کے مضامین سے ظاہر ہے جس کے لیے کسی مفسر کے قول کی بھی حاجت نہیں کہ ''عیاں راچہ بیاں'' دلچسپی رکھنے والے حضرات قرآن شریف کھول کر بنظر غائر جاء الحق سے اس کا تقابل کر کے بآسانی سمجھ سکتے ہیں جب کہ ایک ایک کی علیحدہ تفصیل طوالت کا باعث بھی ہے (واضح رہے کہ اس مقام پر ائمہ تفسیر کے اقوال کے پیش کرنے کی گنجائش ہے)۔

چنانچہ تفسیر کبیر میں امام رازی نے کلوا واشربوا کی تفسیر میں نیز امام بیضاوی نے قل من حرم زینۃ اللہ کے تحت اور دیگر ائمہ تفسیر نے بھی متعدد مقامات پر اس حقیقت پر خوب خوب روشنی ڈالی ہے۔ اہل ذوق حضرت کتب تفسیر میں ان مقامات کا خود مطالعہ فرما سکتے ہیں۔

علاوہ ازیں جس قاعدہ کے تحت حضرت مفتی صاحب نے یہ استدلال فرمایا ہے وہ خود گکھڑوی صاحب کے کئی مسلّم اکابر و بزرگان کے ہاں بھی مسلّم ہے جس کی باحوالہ تفصیل عنقریب آرہی ہے بلکہ خصوصیت کے ساتھ ان آیات سے اس استدلال میں بھی حضرت مفتی صاحب متفرد نہیں ہیں ان کا بعینہ یہی مفہوم گکھڑوی صاحب کے بعض مسلم علماء واکابر نے بھی لکھا ہے بطور نمونہ بعض نقول پیش خدمت ہیں۔

تفسیر ''واحل لکم'' ازمولوی شبیر عثمانی:

چنانچہ گکھڑوی صاحب اور ان کی جماعت کے شیخ الاسلام مولوی شبیر احمد عثمانی دیوبندی نے حضرت مفتی صاحب کی پیش کردہ سورۂ النساء کی آیت نمبر ۲۴ کے الفاظ واحل لکم ماوراء ذٰلکم کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''یعنی جن عورتوں کی حرمت بیان ہو چکی ان کے سوا سب حلال ہیں'' اھ بلفظہ ملاحظہ ہو [تفسیر عثمانی پ۵ صفحہ ۱۰۵ حاشیہ طبع دار التصنیف کراچی نمبر۳]

تفسیر لا تسئلوا از عثمانی صاحب:

نیز سورۂ مائدہ کی آیت نمبر۱۰۲ کے الفاظ (یایھا الذین آمنوا لاتسئلوا عن اشیاء الخ جو حضرت مفتی صاحب نے پیش فرمائے ہیں) کے تحت عثمانی صاحب موصوف نے لکھا ہے کہ:

''ان آیات میں تنبیہ فرمادی کو جو چیزیں شارع نے تصریحاً بیان نہیں فرمائیں ان کے متعلق فضول اور دور از کار سوالات مت کیا کرو جس طرح تحلیل وتحریم کے سلسلہ میں شارع کا بیان موجب ہدایت وبصیرت ہے' اس کا سکوت بھی ذریعۂ زحمت وسہولت ہے۔ خدا نے جس چیز کو کمالِ حکمت وعدل سے حلال یا حرام کردیا وہ حلال یا حرام ہوگئی اور جس سے سکوت کیا اس میں گنجائش اور توسیع رہی۔ مجتہدین کو اجتہاد کا موقع ملا' عمل کرنے والے اس کے فعل وترک میں آزاد رہے۔ اب اگر ایسی چیزوں کی نسبت خواہ مخواہ کھود کرید اور بحث وسؤال کا دروازہ کھولا جائے گا بحالیکہ قرآن شریف نازل ہو رہا ہے اور تشریع کا باب مفتوح ہے تو بہت ممکن ہے کہ سؤالات کے جوابات میں بعض ایسے احکام نازل ہوجائیں جن کے بعد تمہاری یہ آزادی اور گنجائش اجتہاد باقی نہ رہے'' (الی ان رقم) حدیث شریف میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے لوگو خدا نے تم پر حج فرض کیا ہے' ایک شخص بول اٹھا کیا ہر سال یارسول اللہ؟ فرمایا اگر میں (ہاں) کہہ دیتا تو ہر سال واجب ہو جاتا پھر تم ادا نہ کر سکتے۔ جس چیز میں میں تم کو ''آزاد'' چھوڑ دوں تم بھی مجھ کو چھوڑ دو۔ ایک حدیث میں فرمایا کہ مسلمانوں میں وہ شخص بڑا مجرم ہے جس کے سؤالات کی بدولت ایسی چیز حرام کی گئی جو حرام نہ تھی (الیٰ) ہم لاتسئلوا عن اشیاء میں اشیاء کو عام رکھتے ہیں جو واقعات واحکام دونوں کو شامل ہے اور تسؤکم میں بھی جو برا لگنے کے معنی پر مشتمل ہے تعمیم رکھی جائے حاصل یہ ہوگا کہ نہ احکام کے باب میں فضول سؤالات کیا کرو اور نہ واقعات کے سلسلہ میں کیونکہ ممکن ہے جو جواب آئے وہ تم کو ناگوار ہو (الیٰ) اسی سے بعض علماء اصول نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے'' اھ بلفظہ ملخصاً۔ ملاحظہ ہو (پارہ نمبر۷ المائدہ آیت نمبر۱۰۱' حاشیہ ۷-۸' صفحہ ۱۶۱ طبع مذکور)۔

تفسیر وقد فصّل لکم ازابن رجب:

نیز گکھڑوی صاحب کے معتمد و مستند خاص علامہ ابن رجب حنبلی نے بھی پ۸ الانعام (آیت نمبر ۱۱۹ کے الفاظ) ''وقد فصل لکم ما حرم علیکم'' سے بعینہ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ والا استدلال کیا ہے۔ ملاحظہ ہو (جامع العلوم والحکم صفحہ ۲۶۸ طبع دار المعرفۃ بیروت۔ تحت حدیث نمبر ۳۰۔

حیث قال: ''وکذلک قولہ تعالیٰ ''ومالکم ان لا تأکلوا مماذکراسم اللہ علیہ وقد فصل لکم ما حرم علیکم الا مااضطررتم الیہ'' فعنفھم علی ترک الاکل مماذکراسم اللہ معلّلاً بانہ قد بین لھم الحرام وھذا لیس منہ فدل علی ان الاشیاء علی الاباحۃ والاّ لما لحق اللوم بمن امتنع من الاکل مما لم ینص لہ علیٰ حکمہ بمجرد کونہ لم ینص علیٰ تحریمہ ''یعنی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ومالکم ان لا تأکلوا مما لم یذکراسم اللہ علیہ وقد فصل لکم ما حرّم علیکم الخ بھی اس امر کی دلیل ہے کہ اصل اشیاء اباحت پر ہے ورنہ یہ انداز کلام اختیار فرماتے ہوئے آیت کے مخاطبین کو ملامت نہ کی جاتی (ملخصاً)۔

تفسیر ''قل لا اجد فیما اوحی الی محرماً'': از علماء اسلام نیز اکابر گکھڑوی:

اسی طرح حضرت مفتی صاحب نے زیر بحث مسئلہ کے لئے آیت کریمہ ''قل لا اجد فیما اوحی الی محرماً'' سے جو استدلال فرمایا ہے وہ بھی بعینہ ائمہ اسلام بلکہ خود گکھڑوی صاحب کے اکابر و مسلم علماء سے بھی ثابت ہے۔ بعض حوالہ جات حسب ذیل ہیں:

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے:

چنانچہ صحاح ستہ کی معروف کتاب سنن ابی داوٗد میں ہے کہ جلیل القدر صحابی مفسر قرآن، حبر الامت حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''کان اھل الجاھلیۃ یأکلون اشیاء ویترکون اشیاء تقذراً فبعث اللہ نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم وانزل کتابہ واحل حلالہ وحرم حرامہ فما احل فھو حلال وما حرم فھو حرام وما سکت عنہ فھو عفو وتلا قل لا اجد فیما اوحی الی محرما علی طاعم یطعمہ الی آخر الآیۃ ''یعنی زمانہ جاہلیت میں لوگ کچھ چیزیں کھا لیتے اور کچھ کو ازراہ نفرت نہیں کھاتے تھے پس اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو مبعوث فرما کر اور آپ پر اپنی کتاب اتار کر کچھ چیزوں کو صریحاً حلال اور کچھ کو حرام قرار دیا لہٰذا جسے اس نے واضح طور پر حلال کہا وہ حلال اور جسے حرام کہا وہ حرام ہے

اور جس کے بارے میں کچھ نہ فرمایا وہ مباح ہے اور اس پر آپ نے یہ آیت کریمہ پڑھی قل لا اجد فیما اوحی الی محرما علی طاعم یطعمه الآیۃ اھ ملاحظہ ہو [جلد۲ صفحہ ۱۸۳' کتاب الاطعمۃ' طبع کراچی] نیز ملاحظہ ہو۔ [مشکوٰۃ صفحہ ۳۶۲ بحوالہ ابوداؤد] ____

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے:

اسی میں ہے نمیلہ کہتے ہیں میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر تھا آپ سے قُنفذ (جسے فارسی میں خار پشت اور اردو میں سیہ' سیہی اور ساہی بھی کہا جاتا ہے) کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے اس کے جواب میں آیت کریمہ قل لا اجد فیما اوحی الی محرما الآیۃ تلاوت فرمائی۔ ایک سن رسیدہ شخص نے جو آپ کے ہاں موجود تھا' نے کہا میں نے حضرت ابوہریرہ سے سنا تھا وہ فرما رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں اس کا ذکر ہوا تھا تو آپ نے اسے ''خبیثة من الخبائث'' قرار دیا تھا' اس پر حضرت ابن عمر نے فرمایا اگر آپ ﷺ نے یونہی فرمایا ہے تو اس کا حکم وہی ہے جو آپ نے فرمایا لیکن یہ ہمارے علم میں نہیں ہے۔ اھ ملاحظہ ہو۔ [جلد۲' صفحہ ۱۷۶' کتاب الاطعمہ باب فی اکل حشرات الارض طبع مذکور]

نوٹ: یہ روایت مسند احمد میں بھی ہے بعض نے اس کی سند پر کلام کیا ہے مگر اس کا مضمون صحیح اور معتضد ہے نیز یہ مسکوتات ابی داؤد سے بھی ہے۔ فافہم۔

علامہ ابن رجب حنبلی سے:

نیز علامہ ابن رجب حنبلی (جن سے گکھڑوی صاحب نے راہ سنتؐ میں بکثرت استناد کیا ہے) نے بھی منقولہ بالا روایت ابن عباس کو بحوالہٗ ابوداؤد استناداً نقل کر کے اسے برقرار رکھا ہے ملاحظہ ہو [جامع العلوم والحکم صفحہ ۲۶۲ تحت حدیث نمبر ۳۰]

بلکہ انہوں نے خود بھی آیت ہٰذا کا بعینہٖ وہی محمل و مفہوم بیان کیا ہے جو حضرت مفتی صاحب نے لکھا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''وقد دل القرآن علیٰ مثل هذا ایضاً فی مواضع کقوله تعالیٰ قل لا اجد فیما اوحی الی محرما علی طاعم یطعمه الا ان یکون میتة او دماً مسفوحاً. فهٰذا یدل علی ان مال یوجب تحریمه فلیس بمحرم''، یعنی قرآن شریف میں بھی اس کے بکثرت دلائل پائے جاتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ

کاارشاد قل لا اجد الخ جو اس امر کی دلیل ہے کہ ثبوت حرمت کے بغیر کوئی بھی چیز حرام نہیں اور جس چیز کے ممنوع ہونے کی دلیل نہ ہو وہ ممنوع نہیں۔اھ ملاحظہ ہو[جامع العلوم والحکم صفحہ ۲۶۸ طبع بیروت]

علامہ طیبی اور علامہ علی القاری سے:

علامہ طیبی (متوفی ۷۴۳ھ) پھر علامہ علی القاری (متوفی ۱۰۱۴ھ واللفظ للثانی) منقولہ بالا روایت ابن عباس کے تحت ارقام فرماتے ہیں:

''وتلا ای ابن عباس ردًا لفعلهم واکلهم ما یشتهونه اوترکهم ما یکرهونه تقذراً کانه قیل المحلل ما احلّه الله ورسوله والمحرم ما حرمه الله ورسوله ولیس بهوی النفس حیث قال تعالیٰ (قل لا اجد فیما اوحی الی) ای فی القرآن وفیما اوحی الی مطلقاً وفیه تنبیه علی ان التحریم انما یعلم بالوحی لا بالهویٰ اھ۔یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اہل جاہلیت کے حسب دلخواہ حلال حرام بنالینے کی تردید میں یہ آیت تلاوت فرمائی۔آیت میں وحی سے مراد وحی جلی اور وحی خفی دونوں ہیں گویا یوں فرمایا گیا کہ حلال وہ ہے جسے اللہ اور اس کا رسول حلال قرار دے اور حرام وہ ہے جسے اللہ اور اس کا رسول حرام بتائے جس میں بنیادی طور پر یہ بتانا مقصود ہے کہ کسی بھی چیز کی حرمت کی دلیل وحی الٰہی ہی ہوسکتی ہے لاغیر اھ۔ملاحظہ ہو[طیبی شرح مشکوٰۃ جلد ۸ صفحہ ۱۲۷ طبع کراچی۔مرقاۃ شرح مشکوٰۃ صفحہ ۱۵۳ جلد ۸،طبع ملتان]

شیخ محقق سے:

نیز روایت ابن عباس (مذکورہ) کے تحت شیخ محقق حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں:

''یاغرض وے رضی اللہ عنہ از تلاوت ایں آیت آں بودہ است کہ بدانا ند کہ تحریم نیست مگر بوحی و جائز نیست بہ ہوا و وحی گاہے جلی است و گاہے خفی''یعنی اس آیت کی تلاوت سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا مقصد یا یہ بتانا تھا کہ کسی چیز کے حرام ہونے کے ثبوت کے لئے وحی کا ہونا ضروری ہے لاغیر عام ازیں کہ وہ وحی جلی ہو یا خفی۔اھ ملاحظہ ہو[اشعۃ اللمعات جلد ۳ صفحہ ۴۷۹ طبع سکھر]

صاحب عون المعبود سے:

صاحب عون المعبود نے بھی مرقاہ کی عبارت استناداً (بلاحوالہ دیئے) نقل کی ہے۔ ملاحظہ ہو [عون المعبود شرح سنن ابی داؤد جلد۳ صفحہ ۱۴۱ طبع نشر السنہ]

مقتداءِ گکھڑوی مولوی انبیٹھوی سے:

گکھڑوی صاحب کی کل کائنات مولوی خلیل احمد سہارنپوری انبیٹھوی دیوبندی نے روایت ابن عباس کے تحت لکھا ہے:

''وتلا ای ابن عباس لبیان الّا تحریم الا بالوحی قل لا اجد فیما اوحی الی محرما الی آخر الآیۃ'' یعنی حضرت ابن عباس نے آیت قل لا اجد الخ اس غرض سے تلاوت فرمائی کہ کسی چیز کو حرام قرار دینے کے لئے نص شرعی کا ہونا ضروری ہے۔ اھ ملاحظہ ہو [بذل المجھو د جلد۴ صفحہ ۳۷۰ طبع مکتبہ قاسمیہ ملتان]

نیز منقولہ بالا روایت ابن عمر کے تحت مولوی یحیٰی کاندھلوی شاگرد خاص گنگوہی صاحب کے حوالہ سے لکھا ہے: لیس المراد بتلاوہ الایۃ ھھنا حصر التحریم فیما تناولتہ الایۃ بل المراد انہ لا تحریم الافیما تناولتہ الآیات اوالروایات ومالم یرد فیھا تحریم فھو باق علی حلتہ الا صلیۃ کقولہ قل لا اجد محرماً الا ماذکر فمالم یذکر تحریمہ لم یکن حراماً الا الوجدان اعم من ان یکون فی الآیۃ اوالراویۃ لقولہ تعالیٰ وما اتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا'' یعنی اس آیت کی تلاوت سے یہ بتانا مقصود نہیں کہ حرام صرف وہی چیزیں ہیں جو اس آیت میں مذکور ہیں بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ فی الجملہ تمام آیات واحادیث میں جن چیزوں کا حرام ہونا مذکور ہے وہ سب حرام ہیں۔ آیت قل لا اجد الخ کی رُو سے حرام صرف وہی ہے جس کی حرمت کسی آیت یا حدیث سے ثابت ہو جس کی دلیل اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''وما اتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا'' کا عموم ہے پس جس چیز کی حرمت وارد نہ ہو وہ حلال اور درست ہوگی کیونکہ اشیاء کی اصل حلت ہے۔ اھ ملاحظہ ہو [بذل المجھو د جلد۴ صفحہ ۳۵۷ طبع مکتبہ قاسمیہ ملتان]

تفسیر قل من حرم زینة اللہ الخ:

یونہی آیت کریمہ **قل من حرم زینة اللہ** الخ سے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ نے جو استدلال فرمایا ہے وہ بھی متعدد ائمۂ اسلام بلکہ گکھڑوی صاحب کے کئی اکابر سے بھی ثابت ہے۔ بعض نقول پیش خدمت ہیں:

امام بیضاوی سے:

چنانچہ مشہور امام فنِ تفسیر علامہ بیضاوی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ (متوفی ــــــ ھ) آیت ہٰذا کے تحت رقم طراز ہیں:

فیہ دلیل علیٰ ان الاصل فی المطاعم والملابس وانواع التجملات الاباحة یعنی اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ کھانے پینے، لباس اور ہمہ قسم زیبائش وآرائش میں اصل یہ ہے کہ وہ مباح ہیں۔اھ ملاحظہ ہو[ ]

فقہاءِ اسلام سے:

علامہ جلال الدین خوارزمی حنفی رحمۃ اللہ علیہ عبارت ہدایہ والاباحۃ اصل'' کے تحت ارقام فرماتے ہیں: ای اباحة استعمال الطیب اصل قال اللہ تعالیٰ قل من حرم زینة اللہ التی اخرج لعبادہ ای من الثیاب وما یتجمل بہ والاستفھام لانکار تحریم ھذہ الاشیاء ''یعنی معنٰی یہ ہیں کہ خوشبو کا استعمال بحیثیت اصل، مباح ہے جس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: قل من حرم زینة اللہ التی اخرج لعبادہ یعنی کون ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی اس زینت کو حرام قرار دیا ہے جو اس نے اپنے بندوں کے لئے پیدا فرمائی ہے۔ اس میں زینت سے مراد ملبوسات اور سامان زیبائش ہیں جب کہ استفہام اس امر کے بیان کے لئے ہے کہ ان اشیاء کو بغیر اذن الٰہی حرام کہنے کی اجازت نہیں۔اھ ملاحظہ ہو[کفایۃ علی الہدایۃ جلد۴ صفحہ ۱۶۵ مع فتح القدیر طبع بیروت]

نیز امام اکمل الدین بابرتی حنفی (متوفی ۷۸۶ھ) نے بھی اس آیت سے یہی استدلال فرمایا ہے حیث قال ''قال اللہ تعالیٰ قل من حرم زینة اللہ التی اخرج لعبادہ(الیٰ) وجھہ انہ لما فات فیھما احدالوجھین عارضت الا باحة الاصلیة الوجہ الأخر فلم تثبت الحرمة ''یعنی اس آیت کی روشنی میں اباحت اصلیہ کے باعث حرمت ثابت نہ ہوئی (ملخصاً) ملاحظہ ہو[شرح

العنایۃ علی الہدایہ جلد۴ صفحہ ۶۵ طبع مذکور]

علامہ عبدالحی لکھنوی صاحب سے:

نیز گکھڑوی صاحب کے مسلّم عالم علامہ عبدالحی لکھنوی صاحب نے بھی بحوالہ عنایہ اس استدلال کو نقل کرکے اسے برقرار رکھا ہے۔ حیث قال: ''ای الاصل ھو الاباحۃ فی الزینۃ لاسیّما فی النساء قال اللّٰہ تعالٰی قل من حرم زینۃ اللہ التی اخرج لعبادہ'' اھ ملاحظہ ہو [ہدایہ جلد۲ صفحہ ۴۰۸ حاشیہ نمبر۲ طبع اسلام آباد]

مدرسہ دیوبند کے مفتیٔ اوّل سے:

گکھڑوی صاحب کی تعلیم گاہ مدرسہ دیوبند کے پہلے مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانی دیوبندی نے ایک سؤال کے جواب میں مبحث فیہ آیت سے استدلال کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''چونکہ آنحضرت ﷺ نے پُر تکلف کھانوں کو منع نہیں فرمایا...... اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قل من حرم زینۃ اللہ التی اخرج لعبادہ والطیبات من الرزق۔ ترجمہ: کہہ دو اے محمد ﷺ! کس نے حرام کیا ہے اللہ کی زینت کو جو اس نے اپنے بندوں کے لئے پیدا فرمائی۔ اور کس نے عمدہ لذیز کھانوں کو حرام کیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو منع نہیں فرمایا ہے۔ اھ ملخصاً بلفظہ۔ ملاحظہ ہو [عزیز الفتاویٰ المعروف فتاویٰ دیوبند جلد ا صفحہ ۷۶۵ طبع دارالاشاعت کراچی]

نوٹ: گکھڑوی صاحب کے حکیم الامت تھانوی صاحب نے بھی اس کا اشارہ دیا ہے۔ ملاحظہ ہو بیان القران تحت قل من حرم الخ۔

گکھڑوی صاحب کا اپنے اکابر سے سخت تصادم:

ان حوالہ جات سے یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ جاء الحق میں زیر بحث آیات سے اباحت اصلیہ پر حضرت مفتی صاحب کا استدلال بالکل درست' بجا اور تصریحات ائمہ وعلماء اسلام کے عین مطابق اور ایک ناقابل تردید حقیقت ثابتہ ہے اور وہ اس میں قطعاً متفرد نہیں بلکہ گکھڑوی صاحب کے متعدد اکابر دیوبند بھی اس میں ان کے ہمنوا ہیں۔ پس گکھڑوی صاحب کا ان آیات سے اباحت کے استدلال کو قطعاً غلط' بدعت اور مستدلین کو اہل بدعت کہنا بقلم خود ان کی اپنے اکابر کی سخت تردید وتغلیط نیز انہیں بدعتی قرار دینا ہے جس سے خود گکھڑوی صاحب بھی

سخت بدعتی وغیرہ وغیرہ قرار پائے جو ان کا اپنے ان اکابر سے سخت تصادم ہی نہیں ان کی مذہبی خود کشی کی بدترین مثال بھی ہے۔ جس پر انہیں ڈھیروں داد دینے کو جی چاہتا ہے۔ سب کہو: سبحان اللہ۔

کیا اصل اشیاء میں اباحت نہیں''، بجواب ''کیا اصل اشیاء میں اباحت ہے'':

اس کے بعد گکھڑوی صاحب نے ''کیا اصل اشیا میں اباحت ہے''؟ کا عنوان دے کر صفحہ ۱۰۳ سے صفحہ ۱۱۱ تک عوام کو از راہ غلطی یہ باور کرانے کی ناکام کوشش کی ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہونے کا نظریہ غلط ہے اور صحیح اشیاء کی اصل اباحت نہیں اور اس میں انہوں نے شدید فریب دہی اور سخت مغالطہ آفرینی سے بھی کام لیا ہے جس کا ترتیب وار ترکی بہ ترکی جواب حاضر ہے جس سے نہ صرف یہ کہ گکھڑوی صاحب کی اس سلسلہ کی علمی فروگزاشتوں اور فریب کاریوں کا پردہ چاک ہوگا بلکہ علم و تحقیق کی روشنی میں مسئلہ ہٰذا کے کئی مخفی پہلو بھی اجاگر ہوں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔

بغرض اختصار، اعتراض ''**قولہ**'' اور جواب ''**اقول**'' کے الفاظ سے مذکور ہوگا۔ تو لیجئے ملاحظہ کیجئے مکمل لے دے۔ وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔

قولہ: ''کیا اصل اشیاء میں اباحت ہے''؟ اھ بلفظہ [راہ سنت صفحہ ۱۰۳]

(مباح ہونے کا مطلب) **اقول:**

یقیناً ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ کل احکام گیارہ ہیں جس میں پانچ جانب فعل میں ہیں جو یہ ہیں۔ فرض، واجب، سنت مؤکدہ، سنت غیر مؤکدہ اور مستحب اور پانچ جانب ترک میں ہیں جو یہ ہیں: حرام، مکروہ تحریمی، اساءت، مکروہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ۔ اور ان کے درمیان میں ہے جسے ''مباح'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور ''جائز'' بھی کہا جاتا ہے۔ صریحاً ثابت ہونے کی صورت میں حسب درجہ فرض اور حرام وغیرہ ہوگا لیکن جب کسی امر کے متعلق جب فعلاً و ترکاً صراحت کے ساتھ کچھ ثابت نہ ہو تو وہ مباح ہوگا جس کا کرنا بھی ٹھیک ہوگا اور نہ کرنا بھی۔ دوسرے لفظوں میں مباح ہونے کے لیے اتنا کافی ہوتا ہے کہ جانب فعل میں اس کی فرضیت اور وجوب وغیرہ نیز جانب ترک میں اس کی حرمت اور کراہت وغیرہا کچھ ثابت نہ ہو یعنی کچھ وارد نہ ہونا دلیل اباحت ہے۔ پس عدم ورود کو حرمت یا کراہت کی دلیل بنانا غلط، ایجاد بندہ اور شریعت مطہرہ پر افتراء ہے جو بذات خود بدعت ہے۔

اس کے بہت سے دلائل ہماری اس کتاب کے جلد سوم میں نیز کچھ حوالہ جات ابھی سطور بالا

میں گزرے ہیں، بہت کچھ اگلی سطور کے ضمن میں آ رہا ہے۔ سردست ایک حوالہ ملاحظہ ہو۔ گکھڑوی صاحب کے مقتداءاعظم مولوی رشید احمد گنگوہی دیوبندی صاحب لکھتے ہیں:

''ترک مباح پر کوئی گناہ وعتاب نہیں ہوتا البتہ مباح کو حرام کرنا بدعت ومخالفت ہے'' اھ۔

ملاحظہ ہو [فتاویٰ رشیدیہ صفحہ ۴۶ طبع محمد علی۔ دستگیر کالونی کراچی وفاروقی ملتان]

نوٹ: احکام کی مذکورہ تعداد کی بحث اور متعلقہ تفاصیل مع مالہٗ وماعلیہ کے لئے امام اہل سنت سیدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ کا مطالعہ ضروری ہے جو انفس اشیاء اور لاعطر بعد العروس کا مصداق ہے۔ ملاحظہ ہو [جلد اوّل صفحہ تاصفحہ طبع کراچی]

قولہ: ''اکثر مبتدعین حضرات بدعات کے جواز پر ان آیات سے غلط مفہوم اخذ کر کے یہ دلیل پیش کیا کرتے ہیں کہ چونکہ اصل اشیاء میں اباحت ہے اس لئے یہ کام جائز اور مباح ہیں اور اسی قاعدہ پر وہ بے شمار بدعات کی عمارت استوار کرتے ہیں'' ۔اھ بلفظہ [راہِ سنّت صفحہ ۱۰۳]

اقولُ: بعینہٖ ان آیات سے یہی مفہوم جناب کے کئی مسلّم علماء اور دیوبندی اکابر جیسے آپ کے شیخ الاسلام مولوی شبیر احمد عثمانی دیوبندی صاحب وغیرہ نے بھی اخذ کر کے یہی ''چونکہ'' کیا ہے جس کی مکمل باحوالہ تفصیل ابھی گزری ہے۔ ذرا تھرمامیٹر سے چیک کر کے بتائیں کہ وہ کس کے محرف قرآن، مبتدع اور اسی قاعدہ پر بے شمار بدعات کی عمارت استوار کرنے والے ہیں نیز انہیں اس کے باوجود اپنا مقتداء، رہبر اور پیشوا ماننے کے ناطے سے آپ خود کس درجہ کے محرف ومبتدع ہوئے اس کی بھی وضاحت فرما دیجئے گا ع

پسینہ پونچھئے ذرا جبیں سے

قولہ: چنانچہ مولوی عبدالسمیع صاحب چند احادیث کا حوالہ دے کر لکھتے ہیں کہ ان احادیث سے علماء نے ایک اصل عظیم پیدا کی ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے (انوار ساطعہ صفحہ ۳۶) اور مفتی احمد یار خان صاحب لکھتے ہیں ''ہدایت ضروریہ جو حضرات کہ ہر بدعت یعنی کام کو حرام جانتے ہیں وہ اس قاعدہ کلیہ کے کیا معنٰی کریں گے کہ الاصل فی الاشیاء الاباحۃ تمام چیزوں کی اصل یہ ہے کہ وہ مباح ہیں یعنی ہر چیز مباح اور حلال ہے۔ پھر آگے شامی کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ المختار ان الاصل الاباحۃ عند الجمھور من الحنفیۃ والشافعیۃ۔ جمہور حنفی اور شافعی کے نزدیک یہ ہی مسئلہ ہے کہ اصل مباح ہوتا ہے''۔ (جاءالحق صفحہ ۳۱۸ وراجع صفحہ ۳۰۰)

اھ بلفظہ ملاحظہ ہو [راہِ سنّت صفحہ ۱۰۳، ۱۰۴]

اقولُ: اس سے آپ نے اتنا مان لیا ہے کہ فیض یافتہ ومرید وخلیفہ جناب حاجی امداد اللہ صاحب

حضرت مولانا عبدالسمیع امدادی رامپوری رحمۃ اللہ علیہ ہوں یا حکیم الامت حضرت مفتی احمد یار خاں نعیمی بدایونی رحمۃ اللہ، انہوں نے اپنے موقف کو بلاثبوت پیش نہیں کیا بلکہ اسے دلائل سے مرصّع فرمایا ہے جن کا جواب آپ کے ذمہ تھا جس سے سبکدوش ہونے میں آپ قطعی طور پر بالکلیہ ناکام رہے ہیں کیونکہ ان کے بعض دلائل کو آپ نے چھوا تک نہیں اور بعض کا حلیہ بگاڑ کر پیش کیا اور بعض کے متعلق مغالطہ دہی سے کام لیا ہے جب کہ ان حضرات کے پیش کردہ وہ حوالہ جات قطعاً صحیح ہیں جن کی وضاحت مع الزائد ان کی پیش کی گئی ان احادیث نیز حوالہ جات پر جناب کے لایعنی اعتراضات کے جوابات میں عنقریب آ رہی ہے۔

قولہ: ''جواب قطع نظر اس سے کہ بعض محققین کے نزدیک کلیہ صرف یہ ہے کہ ان لاکلیۃ'' اھ بلفظہ ملاحظہ ہو [راہِ سنّت صفحہ ۱۰۴]

اقولُ: اِن محققین کے نام نیز بیانات کو ذکر کرنے کی بجائے انہیں چھپانے میں کیا حکمت تھی؟ پھر ''بعض'' کا لفظ چغلی کھا رہا ہے کہ اکثریت کا عندیہ اس کے برخلاف ہے۔ اس سے قطع نظر ''ان لاکلیۃ'' کی زد میں جناب کا پیش کردہ کلیہ' بدعت بھی آئے گا یا نہیں؟ ''نہیں'' آپ کہہ نہیں سکتے کیونکہ آپ کے لفظ ہیں ''کلیہ صرف یہ ہے''۔ پس وہ ضرور اس کی زد میں آئے گا جس سے راہ سنت کا پورا منصوبہ ہی خاک میں مل گیا کیونکہ اس کی بنیاد اسی کلیہ پر ہی ہے پس جب بنیاد ہی نہ رہی تو اس کے سہارے استوار کی گئی عمارت کیونکر باقی رہی؟ یا کیا واضعین نے اسے صرف اہل سنت کے لئے وضع کیا ہے' کچھ تو بولیں؟

قولہ: ''اور اس سے بھی صرف نظر کر لیجئے کہ ہر بدعت حرام ہی نہیں ہوتی بلکہ بعض بدعتیں مکروہ بھی ہوتی ہیں'' اھ بلفظہ [راہ سنّت صفحہ ۱۰۴]

اقولُ: اور اس سے کیوں صرف نظر کریں کہ ''ہر بدعت بری نہیں'' خصوصاً جب کہ آپ خود یہ بھی ابھی تھوڑا پہلے لکھ کر دے چکے ہیں کہ ''جو حضرات اس تقسیم کے قائل نہیں (مثلاً حضرت مجدد الف ثانی وغیرہ) تو وہ بدعت حسنہ کو سنّت میں داخل کرتے ہیں''۔ [راہ سنّت صفحہ ۷۰ نیز ۱۰۲]

نہ معلوم اتنی تیزی سے آپ کو ذہول کیوں ہونے لگا ہے؟

قولہ: دیکھنا یہ ہے کہ اباحت اصلیہ کا کیا مفہوم ہے اور احادیث سے اس پر کیا روشنی پڑتی ہے اور کیا یہ قاعدہ حضرات فقہاء کرام کا اتفاقی اور طے شدہ ہے یا اس میں بھی اختلاف ہے؟ اور راجح مسلک کے رو سے یہ کس گروہ کا مسلک ہے؟ اور یہ اختلاف ورود شرع سے قبل کا ہے یا بعد کا؟ نہایت متانت اور سنجیدگی سے ان

امور پر غور کرنا ہے۔اھ۔[راہ سنّت صفحہ ۱۰۴]

ترکی بہ ترکی جواب

اقول: ''نہایت'' تو کجا' یہاں معمولی سی متانت اور سنجیدگی بھی عنقاء اور یہ سب گکھڑوی صاحب کا زبانی جمع خرچ ہے۔ بہر حال انہوں نے ''اوّلاً وثالثاً'' کر کے اس کی جو تین غلط توجیہیں لکھی اور تین جواب دیئے ہیں'ان کا ترکی بہ ترکی رد بھی حاضر ہے۔

گکھڑوی جواب نمبرا (اصل اشیاء میں اباحت کا قاعدہ اختلافی ہے) کا ردّ بلیغ:

گکھڑوی صاحب کے اس سلسلہ کے جواب نمبرا کا خلاصہ یہ ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت کا قاعدہ ہی سرے سے اختلافی ہے کیونکہ بعض علماء اصل اشیاء میں توقف اور بعض دیگر خطر وحرمت کے قائل ہیں۔ توقف ہونے کی تائید احادیث سے ملتی ہے۔ پس جب یہ قاعدہ ہی مسلّمہ نہیں تو اس کی بنیاد پر کیا گیا بریلوی استدلال (کہ اصل جواز ہے) خود بخود غلط قرار پایا۔ اس کے بعد انہوں نے اصل اشیاء میں توقف کے کچھ دلائل دیئے ہیں جن کی تفصیل مع جوابات حسب ذیل ہے۔

اصل اشیاء میں توقف کے گکھڑوی دلائل سے جواب:

توقف کی گکھڑوی دلیل نمبرا سے جواب: گکھڑوی صاحب نے اصل اشیاء میں توقف کی پہلی دلیل دیتے ہوئے لکھا ہے کہ:

حضرت عبداللہ بن عباس روایت کرتے ہیں کہ قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الامر ثلثة امر بيّن رشده فاتبعه وامر بيّن غيّه فاجتنبه وامر اختلف فيه فكله الى الله عزوجل ''جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کام تین قسم کے ہیں۔ایک وہ کہ اس کا ہدایت ہونا واضح ہو۔سو اس کی اتباع کرو۔اور دوسرا وہ کام ہے کہ اس کی گمراہی ظاہر ہو۔سو اس سے اجتناب کرو۔اور تیسرا وہ جس میں اشتباہ واقع ہو سو اس کا معاملہ خدا تعالیٰ کے سپرد کردو۔[رواہ احمد۔ مشکوٰۃ جلدا' صفحہ ۳۱]

اس روایت کے آخری جملہ سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ جس معاملہ کا حکم مخفی ہو اور اس میں اشتباہ ہو تو ایسے معاملہ کو خدا تعالیٰ کے سپرد کر کے اس میں توقف کرنا چاہئے نہ یہ کہ اس کے ساتھ مباح کا سا معاملہ ہو۔ چنانچہ علامہ طیبی الحنفی (المتوفی ۷۴۳ھ) لکھتے ہیں وما لم يثبت

حکمه بالشرع فلا تقل فيه شيئا وفوض امره الى الله کہ جس چیز کا حکم شرع سے ثابت نہ ہوتو اس میں تم کچھ بھی نہ کہو اور اس کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کردو اور حضرت شیخ عبدالحق صاحب فکلہ الی اللہ کی شرح میں لکھتے ہیں:

پس بسپار اور را بخدا و توقف کن در آں۔ سواس کو تم خدا تعالیٰ کے حوالے کردو اور اس میں توقف کرو [اشعۃ اللمعات جلد ۱ صفحہ ۹۷]

اس حدیث اور اس کی شرح سے بخوبی علم ہوگیا کہ جس چیز کا حکم شرع سے ثابت نہ ہو اس میں توقف کیا جائے گا اور اس کا معاملہ خدا تعالیٰ کے حوالہ کردیا جائے گا۔ نہ یہ کہ اس کو مباح سمجھ کر اس پر جواز کا فتویٰ صادر کیا جائے گا'' اھ بلفظہ ملاحظہ ہو [راہ سنّت صفحہ ۱۰۴، ۱۰۵]

الجواب

پیش کردہ روایت سے (جواب اوّل) اوّلاً:

گکھڑوی صاحب نے پیش کردہ روایت کی سند پیش نہیں کی جو ان کے ذمہ ہے لہٰذا اس حوالہ سے کلام کی گنجائش باقی اور حق محفوظ ہے۔

(جواب دوم) ثانیاً:

اس سے قطع نظر یہ ہمارے قطعاً خلاف بھی نہیں اور اسے ہمارے خلاف بنا کر پیش کرنا گکھڑوی صاحب کا صریح مغالطہ ہے کیونکہ ''امر اختلف فیہ'' سے مراد وہ امور ہیں کہ دلائل کے شدید تعارض وغیرہ کے باعث جن میں ایسا سخت اشتباہ واقع ہوجائے کہ صحیح نتیجہ پر پہنچنا ناممکن یا کم از کم یہ کہ سخت دشوار ہو۔ یعنی اس سے مراد مشتبہات ہیں جب کہ بحث ''مسکوتات'' (یعنی ایسے امور جن کے متعلق شرع بالکل خاموش ہو) میں ہے۔ نیز معمولات اہل سنت میں سے کوئی ایسا بھی نہیں جو مشتبہات سے ہو اور یہ مراد بھی نہیں کہ جس مسئلہ میں کچھ لوگ خصوصاً وہابیہ اختلاف کرلیں تو اس کے بارے میں توقف کیا جائے ورنہ جن مسائل میں معتزلہ، خوارج اور روافض وغیرہم نے اہل سنت سے اختلافات کئے ہیں ان میں بھی توقف کرنا لازم ہوگا جس کے خود گکھڑوی بھی قائل نہیں ہوں گے ورنہ وہ شرح العقائد وغیرہ کتب کلام کی درس و تدریس کیوں

کرتے ہیں علاوہ ازیں اگر گکھڑوی صاحب کا یہ استدلال درست ہے تو ان پر لازم تھا کہ وہ معمولات ونظریات اہل سنت (جن کے بارے میں انہیں اختلاف ہے) کے خلاف چھلانگیں مارنے کی بجائے خاموشی اختیارت کرتے اور خصوصیت کے ساتھ راہ سنّت قطعاً نہ لکھتے کیونکہ اس مقام پر توقف کا مطلب ہی یہی ہے کہ نفیاً اثباتاً کچھ حکم لگانے کی بجائے مکمل کف لسان کی جائے بناء بریں گکھڑوی صاحب نے ''فکلہ الی اللہ عزوجل'' کے فرمان نبوی علیٰ صاحبہا السلام کی صریح خلاف ورزی کا بھی ارتکاب کیا ہے جس سے ان پر توبہ بھی لازم ہے۔

☆ ''امر اختلف فیہ'' سے مشتبہات کے مراد ہونے کے متعدد دلائل ہیں جن میں سے بعض یہ ہیں:

۱ چنانچہ اس کا ایک شاہد عدل رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے: ان الحلال بیّن وان الحرام بیّن وبینهما مشتبهات لایعلمهن کثیر من الناس فمن اتقی الشبهات استبرأ لدینه وعرضه ومن وقع فی الشبهات وقع فی الحرام کالراعی حول الحمی یوشک ان یرتع فیه (الحدیث) یعنی بلاشبہ حلال واضح ہے اور بلاشبہ حرام واضح ہے جب کہ ان کے مابین مشتبہات ہیں جن سے بہت سے لوگ لاعلم ہیں لہٰذا جو مشتبہ چیزوں سے بچ گیا اس نے اپنے دین اور اپنی آبرو کو بچالیا اور جو مشتبہ امور میں پڑ گیا وہ حرام میں پڑ گیا جیسے چرواہا جو چراگاہ کے کنارے پر جانور چرائے تو جانور خود چراگاہ میں چرنے لگ جانے کا غالب امکان ہوگا۔ (الحدیث) [رواہ الامام البخاری والامام مسلم۔ اربعین نووی صفحہ ۵۵، مع شرح اردو حدیث نمبر ۶]

۲ علاوہ ازیں علامہ طیبی پھر علامہ علی القاری فرماتے ہیں ''یحتمل ان یکون معناہ اشتبه وخفی حکمه'' یعنی اس کا یہ معنیٰ ہوسکتا ہے کہ ایسا امر جو اس طرح سے مشتبہ ہو کہ اس کا حکم واضح نہ ہو پائے۔ [طیبی شرح مشکوٰۃ جلد ۱ صفحہ ۳۴۵ طبع کراچی۔ مرقاۃ جلد ۱ صفحہ ۲۵۲، طبع ملتان]

اقولُ: یہی احتمال قوی ہے جس کی تائید حدیث ہٰذا کے آخر الفاظ ''فکلہ الخ'' سے بھی ہوتی ہے فافہم

۳ علاوہ ازیں علامہ طیبی نے اس کی مثال میں متشابہات قرآنیہ اور مسئلہ قیامت کو پیش فرمایا نیز علامہ علی القاری نے بھی اسے نقل کیا اور ابن الملک نے تعین وقت قیامت کے علاوہ کفار کے چھوٹے بچوں کے معاملہ کو بھی بطور مثال پیش فرمایا۔ ملاحظہ ہو [طیبی جلد ۱ صفحہ ۳۴۵ ولفظہ: وفوض امره الی اللہ مثل متشابهات القرآن وامر القیمة''۔ نیز مرقاۃ جلد ۱ صفحہ ۲۵۴ ولفظہ: وقیل المراد مالم

يبينه الشرع مثل المتشابهات وقال ابن الملک...... کتعيين وقت يوم القيٰمة وحکم اطفال الکفرة]

۴ نیز حدیث کے الفاظ فَکِلُهُ اِلَى اللّٰهِ عَزَّوَ جَلَّ (یعنی "امر اختلف فيه" کو اللہ عزوجل کے سپرد کیجئے گا) بھی اس کا واضح قرینہ ہیں کہ امر اختلف فیہ سے مراد مشتبہات ہی ہوں کیونکہ مشتبہات کا یہی حکم ہے جب کہ مباحات کا یہ حکم نہیں کیونکہ مباحات کا یہ حکم کسی نے بھی بیان نہیں کیا۔ علاوہ ازیں مباحات بہ نیت خیر کارِثواب ہوجاتے ہیں جب کہ مشتبہات کا یہ حکم نہیں۔ چنانچہ علامہ علی القاری رحمہ اللہ ان کے متعلق رقم طراز ہیں: "فانها لا تفيد المثوبات الااذا نوى بها فاعلها" یعنی مباحات' نیت خیر سے ہی کارِثواب بنتے ہیں۔ ملاحظہ ہو [مرقاة شرح مشکوٰة جلد ا صفحہ ۴۴ طبع امدادیہ ملتان]

نیز گکھڑوی صاحب کے ہم نوالہ مولوی عاشق الٰہی بلند شہری دیوبندی صاحب نے امام ابن دقیق العید کے حوالہ سے لکھا ہے: "ان المباحات تصير بالنيات طاعات" مباح چیزیں نیت صالحہ سے طاعت بن جاتی ہیں۔ [شرح اربعین نووی صفحہ ۱۳۳ طبع دارالاشاعت کراچی]

۵ علاوہ ازیں خود گکھڑوی صاحب کے اپنے لفظ بھی اسی کی تائید کرتے ہیں کہ "امر اختلف فیہ" سے مراد امور مسکوت عنہا کی بجائے مشتبہ امور ہوں چنانچہ ان کے یہ الفاظ ابھی گزرے ہیں کہ: "اس روایت کے آخری جملہ سے یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ جس معاملہ کا حکم مخفی ہو اور اس میں اشتباہ ہو تو ایسے معاملہ کو خدا تعالیٰ کے سپرد کرکے اس میں توقف کرنا چاہئے"۔ الخ [راہ سنّت صفحہ ۱۰۴]

گکھڑوی صاحب کی مجرمانہ خیانت:

علامہ طیبی نے الفاظ حدیث فَکِلُهُ اِلَى اللّٰهِ الخ کی شرح میں جو جملہ بنیادی طور پر لکھا تھا گکھڑوی صاحب اسے صاف اڑا گئے ہیں چنانچہ موصوف نے محض من مانا جملہ نقل کرتے ہوئے ان کی عبارت "شیئا" کے لفظ تک لکھی جب کہ اس کے بالکل متصل ان کے یہ لفظ بھی موجود ہیں "وفوض امره الى الله مثل متشابهات القرآن"، جو گکھڑوی استدلال کے قلع قمع کے لئے کافی تھے اس لئے انہوں نے انہیں اڑا دینے میں عافیت سمجھی۔ فيا للعجب ولضيعة الامانة والديانة والادب ____

(جواب سوم) ثالثاً:
بعض علماء نے اسے عارضی اشتباہ اور وقتی خفاء پر محمول فرماتے ہوئے یہ معنیٰ کیا کہ دفع اشتباہ کی کوشش جاری رکھی جائے اور جب تک حقیقت واضح نہ ہو تو نفیاً اثباتاً کوئی رائے قائم نہ کی جائے' یہ بھی گکھڑوی استدلال کے سراسر منافی ہے۔ چنانچہ حضرت شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی حنفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھا ہے: ''وتوقف کن دراں وطلب کن رشد و ہدایت دراں''۔ ملاحظہ ہو [اشعۃ اللمعات جلد ا صفحہ ۱۴۶ طبع سکھر]

گکھڑوی صاحب کی ہاتھ کی صفائی:

مگر گکھڑوی صاحب نے حضرت شیخ کی یہ عبارت ''وتوقف کن دراں'' تک نقل کی ہے (راہ سنّت صفحہ ۱۰۴) اور آگے والے الفاظ صاف اڑا گئے ہیں جو ان کی ایک اور ہاتھ کی صفائی ہے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اس کے بغیر ان کی مطلب برآری ناممکن ہے۔ ولنعم ما قیل ع کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

(جواب چہارم اور مزید گکھڑوی خیانت) رابعاً:
علامہ طیبی نے حدیث کے زیر بحث الفاظ کی تشریح بیان کرتے ہوئے آخر میں اپنا عندیہ بھی پیش فرمایا ہے چنانچہ ان کے لفظ ہیں: ''اقول الاولیٰ ان یفسر ھذا بما ورد فی آخر الفصل الثالث فی حدیث ابی ثعلبۃ'' یعنی میں (طیبی) کہتا ہوں کہ حدیث ہٰذا ان الفاظ کی شرح میں اولیٰ یہ ہے کہ اسے اس حدیث پر محمول کیا جائے جو (مشکوٰۃ المصابیح باب الاعتصام کے) فصل ثالث کے آخر میں ہے اور حضرت ابو ثعلبہ خشنی ﷛ سے مروی ہے۔ [طیبی جلد ا صفحہ ۳۴۵]

گکھڑوی نے ان الفاظ کو بھی نظر انداز کیا ہے جو ان کی ایک اور سخت مجرمانہ خیانت ہے وجہ صاف ظاہر ہے کہ علماء نے حدیث ابی ثعلبہ سے اصل اشیاء میں اباحت کا استدلال فرمایا ہے جو گکھڑوی استدلال کے بالکل خلاف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس مقام پر موصوف نے حضرت علامہ علی القاری کی مرقاۃ کی کوئی عبارت نقل نہیں کی جب کہ وہ خوش فہمی سے انہیں اپنا ہم عقیدہ گردانتے ہوئے ان کا نام لیتے لیتے تھکتے نہیں ہیں کیونکہ انہوں نے تصریح فرمائی ہے کہ ''دل علی ان الاصل فی الاشیاء الاباحۃ کقولہ تعالیٰ خلق لکم ما فی الارض جمعیاً'' یعنی حدیث ابی ثعلبہ اس امر کی دلیل ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ''خلق لکم ما فی الارض جمعیاً'' بھی

اس (اصل اشیاء میں اباحت) کی دلیل ہے۔ [مرقاۃ جلد ا صفحہ ۲۶۳ طبع ملتان]

گکھڑوی استدلال کا قلع قمع:

گکھڑوی صاحب نے یہ سارے پاپڑ محض یہ باور کرانے کے لئے بیلے تھے کہ یہ علماء اصل اشیاء میں اباحت کے قائل نہیں نیز یہ کہ ان کی پیش کردہ (زیر بحث) روایت ابن عباس کا مفہوم ان علماء کے نزدیک وہی ہے جو موصوف بتا رہے ہیں لیکن حقیقت اس کے برعکس نکلی جس سے ان کے استدلال کا خود بخود قلع قمع ہو گیا اور ان کا سارا منصوبہ خاک میں مل گیا۔ وللہ الحمد۔

علامہ طیبیؒ بھی اصل اشیاء میں اباحت کے قائل ہیں:

جب کہ علامہ طیبی بھی اصل اشیاء میں اباحت کے قائل ہیں۔ چنانچہ انہوں نے زیر بحث روایت (ابن عباس) سے پہلے حدیث مقدام رضی اللہ عنہ کے تحت صراحت کے ساتھ اپنا یہ نظریہ رقم فرمایا ہے: "قلت الاصل فی الاشیاء الاباحة الاماخصه الدليل لقوله تعالىٰ خلق لكم ما فی الارض جميعاً فخصت منها اشياء بنص التنزيل وبقى ماعداها فی معرض التحليل فخص منها بنص الحديث بعض فبقى سائرها على اصل الاباحة"، یعنی میں (طیبی) کہتا ہوں کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے سوائے ان چیزوں کے کہ جنہیں دلیل شرعی نے حکم اباحت سے خارج کر دیا جس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد "خلق لكم ما فی الارض جميعاً" ہے۔ پس ارشاد کے بعد کچھ چیزیں آیات قرآنی کے ذریعہ غیر مباح قرار دی گئیں اور باقی مباح اور حلال رہیں۔ پھر بعض چیزوں کو احادیث کے ذریعہ غیر مباح قرار دیا گیا لہٰذا جو باقی ماندہ ہیں وہ اصل پر ہیں جو اباحت ہے۔ [طیبی جلد ا صفحہ ۳۲۷] ـــــــ

حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی بھی قائل ہیں:

حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ بھی اصل اشیاء میں اباحت کے قائل ہیں۔ لہٰذا ان کے بارے میں بھی گکھڑوی صاحب کا قائل اباحت نہ ہونے کا تاثر دینا باطل ہوا۔ چنانچہ حضرت نے حدیث ابن عباس "وماسكت عنه فهو عفو" کے تحت لکھا ہے کہ:

"ازینجا معلوم میشود کہ اصل در اشیاء اباحت است"، یعنی اس سے پتہ چلتا ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے۔ [اشعۃ اللمعات جلد ۳ صفحہ ۴۷۹، کتاب الصید والذبائح فصل نمبر ۳۔

نیز حدیث سلمان "وما سكت عنه فهو مما عفى عنه" کے تحت ارقام فرماتے ہیں کہ:

''واین دلیل است برآنکہ اصل دراشیاء اباحت است''، یعنی یہ حدیث اس امر کی دلیل ہے کہ اصل، اشیاء میں اباحت ہے۔ [اشعۃ اللمعات جلد۳ صفحہ ۵۰۶' کتاب الاطعمہ فصل نمبر۲]

گکھڑوی صاحب کی تاریخ دانی:

گکھڑوی صاحب نے علامہ طیبی کو ''الحنفی'' لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو [راہ سنّت صفحہ ۱۰۴] جب کہ ان کے پیش رو مولوی عبدالحلیم دیوبندی صاحب نے لکھا ہے کہ وہ شافعی ہی نہیں بلکہ متعصب قسم کے شافعی تھے۔ ملاحظہ ہو [البضاعۃ المزجاۃ (مشمولہ مرقاۃ جلد۱) صفحہ ۷۵ نیز صفحہ ۸۳ طبع ملتان]

نیز گکھڑوی صاحب نے انہیں ''طَیبی'' لکھا ہے جب اسی البضاعۃ میں ہے کہ یہ لفظ طِیبیؔ ہے، جو طِیبُ نامی ایک شہر کی نسبت ہے۔ ع ناطقہ سربہ گریباں ہے اسے کیا کہئے؟

توقف کی گکھڑوی دلیل نمبر۲ سے جواب:

اصل اشیاء میں توقف کی دوسری دلیل دیتے ہوئے گکھڑوی صاحب نے لکھا ہے:

''اور حضرت ابوثعلبہ الخشنی (المتوفی ۷۵ھ) کی وہ روایت بھی اس توقف کی دلیل ہے، جس میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ان اللہ فرض فرائض فلا تضیعوھا وحرم حرمات فلا تنتھکوھا وحدّ حدودا فلا تعتدوھا وسکت عن اشیاء من غیر نسیان فلا تبحثوا عنھا (رواہ الدار قطنی۔ مشکوۃ جلد۱ صفحہ ۳۲) اللہ تعالیٰ نے کچھ فرائض متعین فرمائے ہیں۔ سوان کو مت ضائع کرو۔ اور کچھ چیزوں کو حرام کردیا ہے۔ سوان کی پردہ دری مت کرو۔ اور کچھ حدود مقرر کئے ہیں۔ سوان سے تجاوز نہ کرو۔ اور کچھ چیزوں سے بغیر نسیان کے سکوت کیا ہے۔ سوان سے بحث نہ کرو۔

یہ روایت بھی توقف کی دلیل ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔ اھ بلفظہ [راہِ سنّت صفحہ ۱۰۵]

الجواب

گکھڑوی صاحب کا روایت ہذا کو توقف کی دلیل بتانا ان کا بے بنیاد دعوی ہے یہی وجہ ہے کہ وہ اس پر کوئی دلیل قائم کرنے کی بجائے ''جیسا کہ ظاہر ہے'' کہہ کر گزر گئے ہیں جب کہ ''وہ ظاہر'' بھی نہیں ہے بلکہ حقیقت اس کے برعکس ہے کیونکہ جب دو طرفین متعین ہوگئیں ایک فرضیّت و وجوب اور دوسری حرمت و

کراہت' تو لازم آیا کہ درمیان والی چیز ایسی ہو جو ان دونوں طرفوں کے علاوہ ہو اور وہ اباحت ہی ہو سکتی ہے ولاغیر جس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ طبرانی کی روایت میں اس کے الفاظ اس طرح آئے ہیں: وترک بین ذلک اشیاء من غیر نسیان رحمة منه فاقبلوها ولا تبحثوا عنها (جامع العلوم لابن رجب صفحہ ۲۶۷ طبع مکة المکرّمة) اربعین نووی میں "رحمة لکم" کے لفظ ہیں (مرقاۃ ا صفحہ ۲۶۳ نیز اربعین حدیث نمبر ۳۰)۔ یہ الفاظ بھی صراحۃً اباحت کی دلیل ہیں ورنہ "رحمة لکم" "رحمة منه" اور فاقبلوها (کہ یہ تمہارے لئے رب کی رحمت ہے پس اسے قبول کرو) کا کیا مطلب ہوگا؟______

پھر گکھڑوی صاحب کی یہ منطق بھی بہت نرالی ہے کہ وہ معمولات اہل سنت مثلاً دعا بعد نماز جنازہ وغیرہ کے متعلق فلسفہ تو یہ بیان کرتے ہیں کہ ان میں توقف ہو جب کہ وہ فتوے ان پر داغتے ہیں حرمت اور کراہت کے جو شان توقف کے بالکل خلاف ہے یا پھر اپنے دعویٰ توقف کی ان کی عملی تغلیط وتردید ہے۔

بہر حال موصوف کا اس حدیث کو توقف کی دلیل بتانا ہرگز ہرگز صحیح نہیں۔

☆ گکھڑوی صاحب کے ممدوحِ خاص علامہ علی القاری کی یہ عبارت حدیث ہٰذا کے حوالہ سے ابھی گزری ہے کہ "دل علی ان الاصل فی الاشیاء الاباحة لقوله تعالی خلق لکم ما فی الارض جمیعاً [مرقاۃ جلد ا صفحہ ۲۶۳]

☆ نیز گکھڑوی صاحب کے معتمد و مستند خاص علامہ ابن رب (جن سے انہوں نے راہِ سنّت میں بکثرت استناد کیا ہے) نے بھی یہی لکھا ہے کہ اس حدیث کے الفاظ "فلا تبحثوا عنها" سے یہی بتانا مقصود ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے چنانچہ ان کے لفظ ہیں واما المسکوت عنه فهو مالم یذکر حکمه بتحلیل والایجاب ولاتحرم فیکون معفوًا عنه لاحرج علی فاعله وعلی هذا دلت الاحادیث المذکورة ههنا کحدیث ابی ثعلبه وغیره "اھ۔ بلفظہٖ۔ کچھ آگے لکھا ہے: ما یدل علی مالم یوجبه الشرع ولم یحرمه فانه معفوعنه کحدیث ابی ثعلبة هذا وما فی معناه "اھ بلفظہ۔ یعنی شریعت مطہرہ نے جس کے حلال یا حرام ہونے کو صراحت کے ساتھ ذکر نہ کیا ہو وہ معاف ہے یعنی بندوں پر اس کے کرنے نہ کرنے کی کوئی پابندی نہیں جس کی دلیل حضرت ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث اور ہر وہ حدیث ہے جو اس کی ہم معنیٰ ہو۔ اھ۔ ملاحظہ ہو [جامع العلوم والحکم صفحہ ۲۶۷ صفحہ ۲۶۸ طبع مکة المکرّمة]______

نیز علامہ ابن رجب موصوف گکھڑوی صاحب کے حدیث ہٰذا سے محل استدلال حصہ (وسکت عن

اشیاء الخ) کی شرح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں: ''یعنی انه انما سکت عن ذکرها رحمة بعباده ورفقا حیث لم یحرمها علیهم حتی یعاقبهم علی فعلها ولم یوجبها علیهم حتی یعاقبهم علی ترکها بل جعلها عفوا فان فعلوها فلا حرج علیهم وان ترکوها فکذلک ''یعنی ان الفاظ سے یہ فرمانا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر محض مہربانی اور نواز فرماتے ہوئے کچھ چیزوں سے بایں طور خاموشی اختیار فرمائی ہے کہ انہیں ان پر حرام قرار نہیں دیا کہ ان کے کرنے سے وہ انہیں سزا دے نیز ان پر انہیں واجب نہیں کیا کہ ان کے چھوڑنے سے وہ انہیں عذاب دے بلکہ اس نے انہیں عفو قرار دیا ہے پس اگر وہ انہیں عمل میں لائیں تو ان پر کچھ حرج نہیں ہے اور اگر وہ انہیں چھوڑ دیں تو بھی ان پر کچھ مضائقہ نہیں ہے [جامع العلوم والحکم صفحہ ۲۷۰ طبع مذکور]

☆ گکھڑوی صاحب کی اس سے بھی تسلّی نہ ہوئی ہو تو وہ اپنے ایک بزرگ دیوبندی عالم مولوی عاشق الٰہی بلند شہری صاحب کی بھی سن لیں۔ موصوف حدیث کے زیر بحث الفاظ کا معنیٰ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے (الی) جن چیزوں کے متعلق کوئی حکم صادر نہیں فرمایا تم خواہ مخواہ ان کی کرید میں مت پڑو۔ اللہ نے تم پر رحم فرما کر ان سے خاموشی اختیار فرمائی ہے یہ نہیں کہ بھول کر ان کا حکم ظاہر نہ فرمایا ہو۔ لہٰذا اس سے فائدہ اٹھاؤ اور ان کو جائز سمجھو'' اھ بلفظہ ملخّصاً مـا اردنـا [شرح اربعین نووی صفحہ ۱۷۱ طبع کراچی]

کچھ آگے مزید لکھا ہے: ''جن چیزوں کا صریح حکم قرآن وحدیث میں نہ ملے اور قرآن وحدیث کے قواعد کے ماتحت ان کی حرمت اور عدم جواز کا فتویٰ نہ ملے ان کو جائز سمجھا جائے گا۔ مثلاً ہم بہت سی ترکاریاں کھاتے ہیں جن کا ذکر قرآن وحدیث میں نہیں ہے لیکن چونکہ قواعد شرعیہ سے ان کی حرمت ثابت نہیں اس لئے کھانا جائز ہے۔ اسی طرح ریل، بس، ہوائی جہاز کی سواری اور ان دواؤں کا حکم ہے جن کی ممانعت خصوصی یا قواعد کی رو سے نہیں نکلتی۔ اھ بلفظہ۔ ملاحظہ ہو۔ [شرح اربعین نووی صفحہ ۱۷۳ حدیث نمبر ۳۰]

خلاصہ یہ کہ حدیث ابی ثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ بھی متعدد نہایت ٹھوس دلائل کے علاوہ خود گکھڑوی صاحب کے کئی مسلّم نیز ہم عقیدہ اکابر کی کئی تصریحات کی رو سے اصل اشیاء میں اباحت کی اہم دلیل ہے۔ توقف کی دلیل ہرگز نہیں جیسا کہ گکھڑوی صاحب نے قلّت تدبّر کی بناء پر سمجھا ہے۔

توقف کی گکھڑوی دلیل نمبر۳:

گکھڑوی صاحب نے اپنے اس موقف کی (ضمناً) تیسری دلیل یہ دی ہے کہ ''باقی رہی وما سکت عنه فهو مما عفا عنه تو اس حدیث سے بھی توقف ہی مراد ہے۔ اس سے اباحت کا اثبات درست نہیں ہے۔ کما لا یخفیٰ'' اھ بلفظہ۔ ملاحظہ ہو [راہ سنّت صفحہ ۱۰۵]۔

الجواب

اس میں بھی وہی تفصیل ہے جو حدیث ابی ثعلبہ کی بحث کے ضمن میں گزری ہے کیونکہ مضمون دونوں کا ایک ہی ہے صرف لفظوں کا فرق ہے۔ گکھڑوی صاحب کے دعویٰ کے غلط ہونے کے لئے اتنا بھی کافی ہے کہ انہوں نے مثل سابق اسے بھی بلا دلیل چھوڑا ہے۔ گزشتہ حدیث سے اثبات مدّعا کرتے ہوئے انہوں نے اتنا کہا تھا ''جیسا کہ ظاہر ہے'' مگر وہ تاحال سات پردوں میں ہے۔ اور یہاں اسی بات کو عربی الفاظ میں یوں بیان کیا ہے ''کما لا یخفی'' تاکہ ان کے جہلاء کو دھوکہ لگ سکے کہ یہ بھی کوئی آیت ہے یا صحیح صریح مرفوع حدیث۔ ولا حول ولا قوة الا باللّٰه''۔

اشعة اللمعات جلد۳ صفحہ ۵۰۶ کتاب الاطعمة فصل ثانی کے حوالہ سے حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ کی عبارت ابھی نقل کی جاچکی ہے کہ ''وایں دلیل است برآنکہ اصل در اشیاء اباحت است''۔

گکھڑوی صاحب کے ہم عقیدہ بزرگ عاشق الٰہی بلند شہری صاحب کی شرح اربعین (صفحہ ۱۷۱، ۱۷۳) کی عبارت ابھی نقل کی جاچکی ہیں نیز علامہ ابن رجب کی اس سلسلہ کی تصریحات بھی ابھی گزری ہیں جن سے گکھڑوی موقف کی واضح تغلیط ہوتی ہے۔

☆ مزید سنئے۔ علامہ ابن رجب نے زیر بحث الفاظ کو حدیث ابی ثعلبہ کے ہم معنی اور بحیثیت مضمون ایک ہی قسم کی حدیث گردانا ہے حیث قال ''وقد روی معنی هذا الحديث مرفوعاً من وجوه اخر'' [جامع العلوم والحکم صفحہ ۲۶۱]

پھر بعینہٖ انہی الفاظ سے روایت کو بیان کرنے کے بعد مفصل بحث میں اباحت اصلیہ کی دلیل کے طور پر لکھا وعلیٰ هذا دلت الاحاديث المذكورة ههنا (۲۶۲، ۲۶۷)

صفحہ ۲۶۸ پر لکھا: ''کحدیث ابی ثعلبه هذا ومافی معناه من الاحاديث المذكورة معه'' اھ۔

☆ علامہ علی القاری رحمۃ اللہ علیہ ''وما سکت عنہ فھو مما عفی عنہ'' کی شرح میں لکھتے ہیں: ''وفیہ ان الاصل فی الاشیاء الاباحۃ ویؤیدہ قولہ تعالیٰ ھو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعاً ''یعنی اس حدیث میں اس امر کا بیان ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے جس کی تائید اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''ھو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعاً'' سے بھی ہوتی ہے۔ [مرقاۃ جلد ۸ صفحہ ۱۹۳ طبع ملتان]

☆ نیز گکھڑوی صاحب کے عظیم پیش رو اور مقتداء (جن کی براہین قاطعہ سے نقلیں مار کر انہوں نے راہِ سنّت میں رطب و یابس جمع کیا ہے اعنی) مولوی خلیل احمد سہارنپوری دیوبندی نے پیشِ نظر روایت جیسی ایک روایت کے تحت بطور کلیہ لکھا ہے کہ:

''لا تحریم الا فیما تناولتہ الآیات او الروایات ومالم یرد فیھا تحریم فھو باق علی حلتہ الا صلیۃ ''یعنی حرمت محض آیات واحادیث سے ثابت ہوگی اور جن چیزوں کی حرمت ثابت نہ ہو تو وہ حلال ہوں گی کیونکہ اصل حلّت ہے۔ ملاحظہ ہو [بذل المجہود جلد ۵ صفحہ ۳۵۷ کتاب الاطعمہ طبع قاسمیہ ملتان]

معلوم ہوا کہ پیشِ نظر سے روایت توقف سمجھنا غلط ہی نہیں گکھڑوی صاحب کا اپنے مسلّم علماء اور اپنے اکابر سے سخت تصادم بھی ہے جو موصوف ہی کا حصّہ ہے۔

توقف کی گکھڑوی دلیل نمبر ۴:

گکھڑوی صاحب مبحث فیہ کی مزید دلیل دیتے ہوئے لکھتے ہیں: مشہور امام علاؤالدین محمد بن علی بن الحصکفی الحنفی (المتوفی ۱۰۸۸ھ) لکھتے ہیں: علی ما ھو المنصور من ان الاصل فی الاشیاء التوقف (درمختار جلد ۱ صفحہ ۲۰) یعنی منصور مسلک یہ ہے کہ اصل اشیاء میں توقف ہے۔ اور طوالع الانوار حاشیۂ درمختار میں اسی موقع پر ہے علی ماھو المنصور ای المؤید بالادلۃ القویۃ من ان الاصل فی الاشیاء التوقف فلا یعرف اباحۃ المباح الابقولہ وفعلہ علیہ الصلوٰۃ والسلام یعنی جس مسلک کی تائید قوی دلائل سے ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ اصل اشیاء میں توقف ہے۔ سو مباح کی اباحت بھی جناب نبی کریم ﷺ کے قول وفعل کے سوا معلوم نہیں ہوسکتی۔ اور یہی مضمون اس موقعہ پر طحطاوی حاشیہ درمختار میں بھی ہے۔ اھ بلفظہ ملاحظہ ہو۔ [راہ سنّت صفحہ ۱۰۴]

الجواب

طوالع الانوار اور طحطاوی فی الوقت ہمیں دستیاب نہیں جب کہ اول الذکر کا مؤلّف کون اور اس کی علمی حیثیت کیا ہے، گکھڑوی صاحب نے یہ بھی واضح نہیں کیا لہٰذا اس حوالہ سے کچھ کلام کا حق محفوظ ہے۔ اس سے قطع نظر محشیین صرف عبارت درّ مختار کا مفاد بیان کر رہے ہیں یہ نہیں کہ ان کا عندیہ بھی وہی ہے۔ پس صرف عبارت درمختار ہی بچی جو گکھڑوی صاحب کسی طرح دلیل نہیں کیونکہ گکھڑوی صاحب کے مقرر کردہ معیار دلائل سے خارج ہے جو کہ چار ہیں۔ قرآن، حدیث اجماع اور قیاس مجتہد (ملاحظہ ہو راہِ سنت صفحہ ۱۱) جب کہ درمختار ان چاروں میں سے کوئی نہیں۔ علاوہ ازیں صاحب درمختار کی عبارت انتہائی مبہم اور گنجلک ہے اس میں علی ماھو المنصور کی کوئی وضاحت نہیں نیز نظریہ توقف کے درست ہونے کی کوئی دلیل بھی اس میں مذکور نہیں۔ اگر وہی روایات ہوں جو گکھڑوی صاحب نے پیش کی ہیں تو ان کی حقیقت اور پوزیشن واضح کر دی گئی ہے یعنی اس کے لئے وہ کسی طرح لائق احتجاج نہیں۔ درّ مختار کے اسی شدید اختصار اور گنجلک پن کے باعث گکھڑوی صاحب کے ایک پیش رَو (جو صاحب تقویۃ الایمان کے پیر کے مرید، بالفاظ دیگر اسمٰعیل دہلوی صاحب کے پیر بھائی کے بیٹے اور گنگوہی صاحب وغیرہ دیوبندی بزرگوں کے بہت مدّاح ہیں۔ (اعنی) مولوی عبدالاوّل جونپوری نے اسے ان کتابوں میں شمار کیا ہے جن سے فتویٰ دینا جائز نہیں۔ ملاحظہ ہو۔ [مفید المفتی صفحہ ۹۱ نیز صفحہ ۱۴۷ و صفحہ ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲ طبع مکتبہ عثمانیہ کانسی روڈ کوئٹہ]

پھر ان کا یہ نظریہ (توقف) جمہور ائمہ اسلام (حنفیہ وشافعیہ وغیرہم) کے بھی خلاف ہے جس کی جانب انہوں نے خود بھی اشارہ فرما دیا ہے چنانچہ گکھڑوی صاحب کے نقل کردہ اس من مانے جملے سے متصلاً لکھا ہے ''الا ان الفقهاء كثيرا مايلهجون بان الاصل الاباحة'' [درمختار جلد ا صفحہ ۸۷] نیز علامہ شامی اس کے تحت فرماتے ہیں: والمعنى انهم ينطقون به كثيراً اقول وصرح فى التحرير بان المختار ان الاصل الاباحة عند الجمهور من الحنفية والشافعية ۔اھ الخ۔ یعنی صاحب درمختار کے ان الفاظ (ان الفقهاء الخ) کا معنی یہ ہے کہ فقہاء بکثرت فرماتے ہیں کہ اصل اشیاء اباحت ہے۔ میں (شامی) کہتا ہوں کہ امام محقق علی الاطلاق نے ''التحریر'' میں انتہائی وضاحت کے ساتھ لکھا ہے کہ مختار قول یہی ہے کہ اصل، اباحت ہے اور یہی جمہور احناف اور جمہور شوافع کا مسلک ہے [اس کے بعد علامہ موصوف نے لکھا ہے کہ امام محقق کے تلمیذ علامہ

قاسم، صاحب ہدایہ، شارح تحریر، معتزلہ بصرہ، بہت شافعیہ اور اکثر حنفیہ بالخصوص وہ جو عراقی ہیں اسی (اباحت) کے قائل ہیں بلکہ امام محمد نے بھی اپنی ایک عبارت میں اسی کا اشارہ دیا ہے فجعل الاباحة اصلاً والحرمة بعارض النهی ۔ نیز شیخ اکمل الدین نے بھی شرح اصول بزدوی میں یہی نقل فرمایا ہے کہ ''انه قول اکثر اصحابنا واصحاب الشافعی'' یعنی ہمارے اکثر ائمہ احناف اور اکثر ائمہ شافعیہ کا قول یہی ہے (کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے)] اھ ملاحظہ ہو۔ [ردالمحتار جلد ا صفحہ ۷۸ بحث سنن الوضوء نیز جلد ۳ صفحہ ۲۶۷ باب استیلا الکفار۔ طبع مکتبہ رشیدہ کوئٹہ نیز منحۃ الخالق جلد ا صفحہ ۱۷] نیز غمز شرح اشباہ جلد صفحہ ۹۸ طبع کراچی نیز مسلّم الثبوت صفحہ ۴۵، ۴۶ طبع کوئٹہ]

خلاصہ یہ کہ درمختار کی یہ عبارت خود صاحب درمختار۔ اپنی تصریح نیز علامہ شامی کے حسب وضاحت اور امام ابن الہمام اور شیخ اکمل الدین کی عبارت کی رو سے جمہور ائمہ حنفیہ وشافعیہ کے خلاف ہے نہ معلوم گکھڑوی صاحب کو یہاں جمہور کی مخالفت کیوں اچھی لگ رہی ہے جب کہ وہ مسئلہ حیاۃ النبی ﷺ پر لکھی گئی اپنی کئی کتابوں میں اپنے مماتی دیوبندی بھائیوں کو خلاف جمہور، خلاف جمہور کہہ کر کوستے ہیں اور شیخ الحدیث ہونے کا بلند بانگ دعویٰ بھی رکھتے ہیں یا کیا احادیث طیّبہ صحیحہ کثیرہ میں یہ نہیں ہے ''علیکم بالجماعة'' ''یدالله علی الجماعة''، ''اتبعوا السواد الاعظم فمن شذ شذ فی النار وغیرھا؟؟؟ اللّٰھم فہم سلیم عطا فرمائے۔ امین۔

علاوہ ازیں بزرگان دیوبند بھی اصل اشیاء میں اباحت کے قائل ہیں جیسا کہ ہماری اس کتاب کے جلد سوم میں نیز اسی جاری بحث مین چند سطور پہلے اس کے متعدد حوالہ جات گزر چکے ہیں جن کے اعادہ کی حاجت نہیں۔ پس گکھڑوی صاحب کے انہیں خیر باد کہنے میں بھی نہ معلوم کیا حکمت کارفرما ہے۔

اس سب سے قطع نظر گکھڑوی صاحب نے درمختار کی اس عبارت کے ضمن میں یہ بھی تسلیم کرلیا ہے کہ ائمہ احناف میں ایسے بھی ہیں جو اصل اشیاء میں اباحت کے قائل ہیں جس کا آگے چل کر انہوں نے اقرار بھی کیا ہے چنانچہ صرف ڈیڑھ صفحہ بعد لکھا ہے: اگرچہ بعض نے اصل اشیاء میں اباحت تسلیم کی ہے لیکن جمہور کا مسلک اس کے خلاف ہے۔ [راہِ سنّت صفحہ ۱۰۷]

جب کہ جمہور کے خلاف ہونا ان کی ایسی بات ہے جو اپنے اندر کچھ صداقت نہیں رکھتی جیسا کہ منقول بالا عبارات شامی سے واضح ہے جس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ موصوف نے مسلّم الثبوت کے حوالہ سے خود لکھا ہے کہ ''اصل'' اشیاء اور افعال میں اباحت ہے جیسا کہ اکثر حنفیہ اور شافعیہ کا مختار مسلک ہے۔ [راہِ

سنّت صفحہ ۱۰۸]

رہی عبارت فلا یعرف اباحة المباح الا بقوله وفعله علیه الصلوٰة والسلام؟ تو برتقدیر تسلیم صحت ثبوت اس کی بنیاد گکھڑوی صاحب کے بیان کردہ اسی نظریہ توقف پر ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ قائلین توقف کے نزدیک چونکہ مباح سنت وغیرہا کی طرح ایک علیحدہ خصوصی حکم ہے لہٰذا اس کے ثبوت کے لئے بھی علیحدہ سے خصوصیت کے ساتھ حدیث نبوی سے صریح ثبوت ضروری ہوگا (علیٰ صاحبہ السلام) کمافی الشامی جلد ا صفحہ ۸۷ نیز منحة الخالق جلد ا صفحہ ۷ اعلیٰ حامش البحر) جب کہ نظریہ توقف کا مرجوح اور خلاف جمہور ہونا ہم ابھی ثابت کر آئے ہیں پس جب بنیاد ہی سرے سے نہ رہی تو اس کے سہارے قائم کی گئی ان کے استدلال کی عمارت خود بخود پیوندِ خاک ہوگئی۔ لہٰذا علیحدہ سے مباح کی دلیل کا ہونا (خصوصاً قائلین اباحت کے نزدیک) ضروری نہیں کیونکہ ان کے نزدیک اباحت اصلیہ بھی ایک حقیقت ثابتہ ہے۔ لہٰذا اس کے لئے اتنا بھی کافی ہوگا کہ کسی چیز کے بارے میں، فعل وترک دونوں جانبوں میں علیحدہ سے کچھ بھی ثابت نہ ہو۔ علامہ شامی فرماتے ہیں: هذا الجواب نافع فیما سکت عنه الشارع وقی علی الاباحة الاصلیة الخ (ردالمحتار، جلد ا صفحہ ۸۷) کچھ آگے لکھا ہے: ''والمباح غیر مطلوب الفعل وانما هو مخیر فیه'' (جلد، صفحہ مذکور) دونوں کا خلاصہ یہ ہے کہ اباحت دو معنوں میں مستعمل ہے ایک اباحت اصلیہ کہ شارع علیہ السلام کی جانب سے نفیاً اثباتاً اس کے متعلق کچھ وارد نہ ہو دوسرے اباحت شرعیہ شارع کی طرف سے کرنے نہ کرنے کا اختیار ہونا وارد ہو لہٰذا مباح، مطلوب الفعل نہیں بلکہ اس کے کرنے نہ کرنے کا اختیار ہے اگر اس کے کرنے کا مطالبہ ثابت ہوجائے تو وہ مباح نہ رہے گا۔ پس اس عبارت میں مذکور آیات کا تعلق اس اباحت سے ہے جس کے بارے میں شارع نے سکوت فرمایا ہو یعنی اباحت اصلیہ (ملخصاً)۔

توقف کی گکھڑوی دلیل نمبر ۵ نیز مظر کی دلیل نمبر ا:

گکھڑوی صاحب نے اپنے نظریہ کی مزید دلیل یہ لکھی ہے کہ:

اور تعلیقات شرح منار میں ہے: قال اصحابنا الاصل فیها التوقف الخ۔

''هذا اصح شئ عندی فی هذا الباب لان التوقف اصل التقویٰ فی الامر المسکوت عنه وهو مذهب ابی بکر وعمر و عثمان واشباههم من الصحابة والصحیح ان الاصل فی الافعال التحریم وهو مذهب علی وائمة اهل البیت ومذهب الکوفیین منهم ابو حنفیة

(بحوالہ الجنہ صفحہ ۱۶۵) اس کا اردو ترجمہ لکھنے کے بعد لکھا ہے: لیجئے اس عبارت نے یہ آشکارا کر دیا کہ حضرات خلفاء راشدین میں سے تین حضرات اور اسی طرح دیگر جلیل القدر حضرات صحابہ کرام کا یہ مسلک ہے کہ اصل اشیاء میں توقف ہے اور حضرت علی اور اہل کوفہ کا جن میں حضرت امام ابوحنفیہ بھی شامل ہیں' یہ مسلک ہے کہ اصل اشیاء میں حرمت ہے اھ ملاحظہ ہو [راہِ سنّت صفحہ ۱۰۶]

الجواب

گکھڑوی صاحب نے جس کتاب (اَلْجُنّه) کے حوالہ سے یہ عربی عبارت پیش کی ہے اس کا مفصل تعارف گزشتہ بعض جلدوں میں گزر چکا ہے کہ وہ خود مابدولت گکھڑوی صاحب نے ایک پیش رو مولوی عبدالغنی خان شاہ جہان پوری دیو بندی کی وضع کردہ ہے۔ بالفاظ دیگر اصل کتاب گکھڑوی صاحب نے دیکھی بھی نہیں ہے۔ اسی کو کہتے ہیں تنکے کا سہارا۔ اس سے قطع نظر فی نفسہ محوّلہ کتاب گکھڑوی صاحب کے طے کردہ معیار دلائل سے قطعاً ہٹ کر ہے چنانچہ نہ تو وہ قرآن ہے نہ حدیث نہ اجماع زیادہ سے زیادہ قیاس والی بات ہو سکتی ہے مگر وہ محتاج ثبوت ہے جو گکھڑوی صاحب کے ذمّہ ہے کیونکہ پیش کردہ عبارت میں اس کی کوئی سند مذکور نہیں جب کہ کتاب مذکور کے مصنف اور حضرات صحابۂ کرام جن کے اسماء گرامی لئے گئے ہیں نیز حضور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مابین یقیناً صدیوں کا فاصلہ ہے لہٰذا حسب اصول' کتب شان سے درمیان کے سلسلہ رواۃ کی نشان دہی کرنا ان پر ضروری ہے جس کے بغیر ان کی تقریب' تامّ نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح امام اعظم قدس سرّہٗ سے بھی اس کی نسبت کے ثبوت کے لئے معتبر فی الباب کتب کا حوالہ ضروری ہے جب کہ امام ابن نجیم مصری حنفی ۹۷۰ھ رحمۃ اللہ علیہ کا اس پر احتجاج بھی موجود ہے کہ حضور امام اعظم سے اس (اصل اشیاء میں حرمت) کی نسبت کی بات بعض شافعیہ کی اڑائی ہوئی ہے یعنی کتب مذہب سے اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ حیث قال: ''او التحریم حتی یدل الدلیل علی الاباحۃ ونسبہ الشافعیۃ الیٰ ابی حنیفہ رحمہ اللہ'' ۔اھ بلفظہ ملاحظہ ہو۔ [الاشباہ والنظائر جلد ا صفحہ ۹۷' مع غمز عیون البصائر طبع کراچی]

اس سب سے قطع نظر اس بحث کا تعلق زمانۂ فترت (قبل از ورود شرع) سے ہے جب کہ بحث اس اباحت میں جو بعد از ورود شرع ہے پس گکھڑوی صاحب کو اس کا کچھ فائدہ نہ ہوا۔ مکمل بحث' اصل اشیاء میں اباحت کے رد میں دئے گئے گکھڑوی صاحب کے جواب سوم کے رد میں آ رہی ہے۔

حرمت وحظر کی گکھڑوی دلیل نمبر۲:

حرمت وحظر کی دوسری دلیل دیتے ہوئے گکھڑوی صاحب نے لکھا ہے اور شیخ احمد المعروف بہ ملاّ جیون الحنفی (المتوفّٰی ۱۱۳۰ھ) لکھتے ہیں:

"ان الاصل فی الاشیاء الاباحة کما ھو مذھب طائفة بخلاف الجمھور فان عندھم الاصل ھو الحرمة الی ان قال وعند الشافعی الاصل ھو الحرمة فی کل حال (تفسیر احمدی صفحہ۶) کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے جیسا کہ ایک گروہ کا مسلک ہے۔ جمہور اس کے مخالف ہیں وہ کہتے ہیں کہ اصل اشیاء میں حرمت ہے اور حضرت امام شافعی فرماتے ہیں کہ اصل اشیاء میں بہر حال حرمت ہے۔ اھ بلفظہٖ ملاحظہ ہو [راہِ سنت صفحہ ۱۰۶]

الجواب

یہ عبارت بھی گکھڑوی صاحب کے مدّعا کی کسی طرح دلیل نہیں کیونکہ:

اوّلاً: یہ بھی ان کے معیار دلائل سے ہٹ کر ہے چنانچہ نہ وہ آیت قرآنیہ ہے، نہ حدیث نبوی ہے، نہ اجماع ہے اور نہ ہی قول امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ۔ نہ معلوم گکھڑوی صاحب اپنے ہی مقرر کردہ اصولوں سے بار بار کیوں اور کس حکمت کی بناء پر انحراف کر رہے ہیں۔

مجرمانہ خیانت:

جب کہ عبارت ہٰذا کی رو سے قول شافعی رضی اللہ عنہ کا تعلق ہر حال میں ہر مسئلہ سے نہیں جیسا انہوں نے یہ تأثر دینے کی کوشش کی ہے بلکہ اس کا تعلق محض مسئلہ ربٰو سے ہے جیسا کہ عبارت ہٰذا کے ابتدائی الفاظ "ولا یظھر ثمرته الافی قوله علیه السلام لا تبیعوا الطعام الاسواء بسواء" سے بھی ظاہر ہے جنہیں گکھڑوی صاحب نے نقل نہیں کیا جو گکھڑوی صاحب کے الفاظ "الیٰ ان قال" سے بھی ظاہر ہے کہ انہوں نے پوری عبارت نقل نہیں کی لیکن چستی سے کام لیتے ہوئے انہوں نے اپنے ان لفظوں کو عبارت میں گڈمڈ کر کے لکھ دیا ہے نیز ترجمہ بھی انہوں نے ملا کر کر دیا ہے تا کہ پڑھنے والے کو اس کے مسلسل ہونے کا دھوکہ لگے جو ان کی مجرمانہ خیانت ہے۔ علاوہ ازیں خود نقل کردہ اس جملہ کو بھی انہوں نے ادھورا نقل کیا ہے حالانکہ اس سے متصل یہ لفظ اس میں موجود ہیں "والمساواة مخلص منھا کما ذکر فی الھدیة" ...... ولا حول ولا قوة الا باللہ

العلی العظیم ۔علاوہ ازیں امام ابن نجیم مصری حنفی ارقام فرماتے ہیں کہ مذہب امام شافعیؒ اباحت ہی ہے چنانچہ ان کے لفظ ہیں: الاصل فی الاشیاء الاباحة حتی یدل الدلیل علیٰ عدم الاباحة وھو مذھب الشافعی رحمة الله (الاشباہ والنظائر جلد ا صفحہ ۹۷ مع الشرح الغمز)۔

ثانیاً: علاوہ ازیں گکھڑوی دلیل توقف نمبر ۴ کے جواب میں ردالمحتار سے بحوالہ امام محقق علی الاطلاق وغیرہ ابھی گزر چکا ہے کہ جمہور ائمہ احناف وشوافع رحمہم اللہ کا مذہب یہ ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے۔ نیز امام حموی رحمۃ اللہ تعالیٰ ارقام فرماتے ہیں: ''ذکر العلامة قاسم بن قطلوبغا فی بعض تعالیقه ان المختار ان الاصل الاباحة عند جمهور اصحابنا''۔ [غمز عیون البصائر جلد ا صفحہ ۹۷ طبع کراچی]

ثالثاً: اس عبارت کے حوالہ سے گکھڑوی صاحب نے یہ لکھ کر ''اصل اشیاء میں اباحت ہیں جیسا کہ ایک گروہ کا مسلک ہے''۔ مان لیا ہے کہ اس کے قائل بھی ائمہ اسلام ہیں اور یہ بھی بے اصل بات نہیں جو ان کو سخت نقصان دہ ہے۔ ولا یخفیٰ۔

رابعاً: اس سارے شور شرابے کا فائدہ گکھڑوی صاحب کو تب تھا جب صاحب تفسیرات احمدیہ اصل اشیاء کی عدم اباحت کے قائل ہوتے جب کہ حقیقت اس کے برعکس ہے پس یہ واویلا موصوف کو کسی طرح مفید اور ہمیں کچھ مضر نہ ہوا۔ چنانچہ حضرت ممدوح 'مجازفۃ'' بیع میں کمی بیشی کے ربٰو نہ ہونے کی وجہ بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں: ''فبقی علی الاصل الذی ھو الاباحة ''یعنی اصل چونکہ اباحت ہے جب مجازفۃً بیع کے عدم جواز کی دلیل نہیں لہٰذا وہ مباح ہے فیجوز بیع الحفنة بالحفنة بالحفنتین [نور الانوار صفحہ ۲۳۲ مبحث القیاس طبع کراچی]

سچ ہے ع جن پر تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے

خامساً: تفسیرات احمدیہ ایسی کتاب ہے جس کے کئی مندرجات کو گکھڑوی صاحب درست نہیں مانتے۔ پس وہ اسے دوسروں پر حجت بنا کر کیونکر پیش کر رہے ہیں؟ فیا للعجب۔ چنانچہ حضرت موصوف ''وما اھل بہ لغیر الله'' کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس کا معنٰی یہ ہے کہ جو حلال جانور غیر خدا کے نام پر ذبح کیا جائے وہ حرام ہے۔ آگے لکھتے ہیں ''ومن ھھنا علم ان البقرة المنذورة للاولیاء کما ھو الرسم فی زماننا حلال طیب لانه لم یذکر اسم غیر الله علیھا وقت الذبح وان کانوا

ینذرونھالہ''یعنی آیت کے ان الفاظ کے ہمارے بیان کردہ اس معنیٰ کی روشنی میں یہ بھی معلوم ہوگیا کہ وہ گائے جسے اولیاء کرام کے لئے بطور مَنّت مقرر کیا جاتا ہے جیسا کہ ہمارے زمانہ میں اس کا معمول ہے، حلال طیّب ہے کیونکہ اس پر وقت ذبح غیر خدا کا نام نہیں لیا جاتا اگرچہ اسے اللہ کے ولی ہی (کے ایصال ثواب) کے لئے مَنّت مان کر متعین کیا جاتا ہے۔اھ۔ملاحظہ ہو[التفسیرات الاحمدیّہ صفحہ ۴۴، صفحہ ۴۵ تحت آیت بقرہ طبع پشاور]

جب کہ گکھڑوی صاحب نہ صرف یہ کہ اس کے قائل نہیں بلکہ سخت منکر بھی ہیں جس کی تفصیل ان کی کتاب ''تنقید متین'' میں موجود ہے......

علاوہ ازیں حضرت موصوف سورۂ لقمان کی آخری آیت کے حوالہ سے اہل اللہ کے لئے علوم خمسہ کی بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''ولک ان تقول ان علم ھذہ الخمسة وان کان لا یملکہ الا اللہ لکن یجوز ان یعلمھا من یشاء من مجیہ واولیائہ بقرینة قولہ تعالیٰ اناللہ علیم خبیر علی ان یکون الخبیر بمعنی المخبر ''یعنی تم یوں کہہ سکتے ہو کہ ان امور خمسہ کا علم اللہ ہی کے پاس ہے جو اس کے خلاف نہیں کہ اللہ اپنے محبین اور اولیاء خاص کو ان کا علم عطا فرماتا ہے جس کی وضاحت آیت ہٰذا میں اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''ان اللہ علیم خبیر'' کے لفظوں سے بھی ہوتی ہے بایں طور کہ اس میں خبیر بمعنیٰ مُخبِر ہو (کہ اللہ علیم ہے انہیں خود جانتا ہے اور خبیر (یعنی مُخبِر) ہے کہ اپنے مقربین کو بھی ان سے آگاہی دیتا ہے) اھ ملاحظہ ہو[التفسیرات الاحمدیہ صفحہ ۶۰۹، ۶۱۰ طبع رحمٰن گل پشاور]

تو کیا علامہ احمد جیون الحنفی قدس سرّہٗ کا یہ عقیدہ گکھڑوی صاحب کے حسب مزاج ہے؟ ذرا ازالۃ الریب کو سامنے رکھ کر اور قرآن مجید ہاتھ میں لے کر بتائیں——

مباح کے حکم شرعی ہونے نہ ہونے کی بحث اور مطلب:

اس کے بعد گکھڑوی صاحب نے یہ مغالطہ دینے کی غرض سے کہ مباح کے ثبوت کے لئے بھی علیحدہ مستقلاً صاف صریح آیت قرآنی یا حدیث نبوی علیٰ صاحبہا السلام کا ہونا ضروری ہے، کلما علماء میں وارد الفاظ ''الاباحة حکم شرعی'' سے استدلال کرتے ہوئے لکھا ہے: ''اور مشہور اصولی اور محقق عالم ملا محبّ اللہ بہاری الحنفی (المتوفّٰی ۱۱۰۹ھ) لکھتے ہیں الاباحة حکم شرعی الانہ خطاب الشرع تخییراً (مسلّم

الثبوت صفحہ ۴۵) اباحت حکم شرعی ہے کیونکہ اباحت' شرع کا خطاب ہے جس میں کرنے اور نہ کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔

اور علامہ ابن رشد لکھتے ہیں: ومخیر فیه وھو المباح (بدایۃ المجتہد جلد ۱ صفحہ ۴) جس کے کرنے نہ کرنے کا اختیار دیا گیا ہے' وہ مباح ہے۔

اور ملاّ مبین شرح مسلّم میں لکھتے ہیں کہ المباح ماأذن الشارع بالتخییر بین فعله وترکه مباح وہ ہے جس میں شارع کرنے اور نہ کرنے کا اختیار دیا ہے۔

امام محمد بن محمد الغزالی (المتوفّٰی ۵۰۵ھ) لکھتے ہیں کہ وحد المباح انه الذی ورد الاذن من الله تعالیٰ بفعله وترکه غیر مقرون بذم فاعله ومدحه ولا بذم تارکه و مدحه (المستصفیٰ جلد ۱ صفحہ ۶۶) مباح کی تعریف یہ ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے کرنے اور چھوڑنے کا اذن دیا گیا ہو۔ نہ تو اس کے کرنے والے کی مذمت اور تعریف ہو اور نہ چھوڑ دینے والے کی مذمت اور تعریف کی گئی ہو۔

ان تمام عبارات سے بات بالکل روشن ہو جاتی ہے کہ مباح بھی ایک شرعی حکم ہے جس کے کرنے اور نہ کرنے کا اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا ہے اور کسی مباح کی اباحت جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قول وفعل کے بغیر ثابت نہیں ہو سکتی۔ اھ بلفظہ۔ ملاحظہ ہو [راہِ سنّت صفحہ ۱۰۶' ۱۰۷]

الجواب

اس بحث سے ان علماء کا بنیادی مقصد ان معتزلہ کا رد کرنا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ حسن وقبح' ذاتی اور عقلی ہیں شرعی نہیں۔ اباحت وعدم اباحت بھی اس کا حصّہ ہے لہٰذا ان کے طور پر اباحت حکم شرعی نہیں تو علماء اہل سنت نے ان کی تردید میں فرمایا کہ اباحت' حکم شرعی ہے۔ چنانچہ اسی مسلم الثبوت میں گکھڑوی صاحب کے نقل کردہ من مانے جملے سے آگے آخر میں یہ تصریح موجود ہے: ''فھی لایکون الا بعد الشرع خلافاً لبعض المعتزله وقد تقدم''، یعنی اباحت (جب حکم شرعی ہے تو اس) کا وجود شریعت مطہرہ ہی کی آمد کے بعد ہی ممکن ہے لیکن بعض معتزلہ اس کے برخلاف کہتے ہیں اور یہ بحث ابھی گزری ہے۔ [مسلم الثبوت صفحہ ۴۵' ۴۶ طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ]

اقول: ''وقد تقدم'' سے علامہ محبّ اللہ علیہ رحمۃ اللہ کا اشارہ حسن وقبح کی بحث کی طرف ہے۔

چنانچہ ان کے الفاظ ''خلافا للمعتزلة '' کے تحت حاشیہ نمبر ا میں لکھاہے:

''فانهم قالوا ان الحسن والقبح العقليين كاشفان عن ثبوت الحكم الخ یعنی معتزلہ کا نظریہ اس بارے میں یہ ہے کہ حسن وقبح جو کہ عقلی ہیں' انہی سے ہی حکم کا ثبوت ملتا ہے۔ ملاحظہ ہو [مسلّم الثبوت صفحہ ۴۶]

علاوہ ازیں امام غزالی قدس سرّہ اسی المستصفیٰ میں (جس سے گکھڑوی صاحب نے من مانے الفاظ نقل کئے ہیں) ارقام فرماتے ہیں: ''المباح من الشرع وقد ذهب بعض المعتزلة الى انه ليس من الشرع ''یعنی مباح' احکام شرعیہ سے ہے جب کہ بعض معتزلیوں کا نظریہ یہ ہے کہ وہ احکام شرعیہ سے نہیں (بلکہ احکام عقلیہ سے ہے) اھ ملاحظہ ہو۔ [المستصفیٰ صفحہ ۶۰ طبع دارالکتب العلمیۃ بیروت' لبنان]

رہا یہ کہ شرع سے مباح یا اباحت کا ثبوت کس طور سے ہوگا؟ تو علماء نے اس کے دو طریقے لکھے ہیں ایک یہ کہ دلائل شرعیّہ میں سے کسی دلیل میں صراحت ہو کہ فلاں کام کرو تو ٹھیک' نہ کرو تو بھی ٹھیک ہے۔ دوسرا یہ کہ کسی امر کے متعلق یہی حکم ہونا کسی شرعی دلیل سے ثابت ہو بالفاظ دیگر دوسرے دس احکام میں سے جب کوئی ثابت نہ ہوگا تو مباح متعین ہوگا'۔ اور یہ سب تصریحات گکھڑوی صاحب کی پیش کردہ بیشتر کتب میں بھی موجود ہیں۔ مگر گکھڑوی صاحب نے کمال دیانتداری سے ان کا ذکر تو کجا ان کی جانب اشارہ تک کرنے سے بھی گریز کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس خیانت کا ارتکاب کئے بغیر گکھڑوی صاحب کی مطلب برآری کسی طرح ممکن نہ تھی۔

چنانچہ مسلّم الثبوت کی مکمل عبارت جسے موصوف نے ادھورا نقل کیا ہے' اس طرح ہے: الاباحة حكم شرعي لانه خطاب الشرع تخييراً والاباحة الاصلية نوع منه لان كل ما عدم فيهالمدرك الشرعي للحرج في فعله وتركه وذلك مدرك شرعي لحكم الشارع بالتخيير فهي لايكون الا بعدالشرع خلافا لبعض المعتزله وقد تقدم ''یعنی اباحت حکم شرعی ہے کیونکہ وہ کسی کام کے کرنے نہ کرنے کا اختیار دینے کا شریعت مطہرہ کا خطاب ہے اور اباحت اصلیہ اس کی ایک قسم ہے کیونکہ کسی امر کے کرنے نہ کرنے کی پابندی کا حکم شرعی نہ پایا جائے تو اس کا نہ پایا جانا ہی نہی اباحت کی دلیل ہوگا جو ورود شرع کے بعد ہی ہوسکتا ہے برخلاف بعض معتزلہ کے کہ وہ اباحت کے حکم شرعی ہونے کی قائل نہیں ہیں اور یہ بحث کچھ پہلے گزر چکی ہے۔ [مسلّم الثبوت صفحہ ۴۵'۴۶ طبع کوئٹہ]

خلاصہ یہ کہ اباحت کی دو قسمیں ہیں۔ اباحت نمبرا شرعیہ یعنی دلائل شرعیہ میں صراحت کے ساتھ کسی امر کے بارے میں وارد ہو کہ اسے کرو تو بھی ٹھیک نہ کرو تو بھی ٹھیک ہے۔ اور اباحت نمبر۲ اصلیہ یعنی ایسی صریح دلیل نہ ہونے کی صورت میں احکام دہ گانہ میں سے کوئی حکم ثابت نہ ہونا مباح ہونے کی دلیل ہوگا۔

اقول: اباحت کی دو قسمیں ہونا دیگر متعدد کتب فقہ میں بھی ہے مثلاً ملاحظہ ہو: [ردالمحتار جلد ا صفحہ ۷۸ بحث سنن الوضوء طبع کوئٹہ (وغیرہ) نیز مسلّم الثبوت صفحہ ۴۵-۱۱]

نیز حضرت علامہ بحر العلوم، مسلّم کی عبارت منقولہ بالا کی شرح میں رقم طراز ہیں:

''والاباحة الاصلية لايكون الا فى موضع عدم المدرک الشرعى للحرج فى الفعل او الترک'' الخ۔ یعنی اباحت اصلیہ وہیں پر ہوگی جہاں فعلاً ترکاً کسی طرح کی پابندی کا حکم ثابت نہ ہو۔ الخ۔

ملاحظہ ہو [فواتح الرحموت مسلم الثبوت فصل الاباحۃ حکم شرعی جلدا]

علاوہ ازیں حجۃ الاسلام امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ مباح کی بحث میں افعال کی تین قسمیں کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں: وقسم ثالث لم يرد فيه خطاب بالتخيير لكن دل دليل السمع على نفى الحرج عن فعله وتركه الخ یعنی مباح کی تیسری قسم وہ ہے جس میں صراحت کے ساتھ کرنے نہ کرنے کی دلیل وارد نہ ہو البتہ کسی اور دلیل شرعی سے یہی حکم متعین ہو [المتصفیٰ صفحہ ۶۰ طبع دار الکتب العلمیۃ، بیروت]

گکھڑوی صاحب کے حکیم الامۃ تھانوی نیز خود گکھڑوی صاحب سے:

اس بارے میں گکھڑوی صاحب کے حکیم الامت تھانوی صاحب کی بھی سن لیجئے موصوف نے لکھا ہے کہ:

''اصول شرعیہ میں سے اور نیز قواعد عقلیہ میں سے یہ امر مسلّم ہے کہ جو فعل نہ مامور بہ ہو نہ منہی عنہ یعنی نصوص شرعیہ میں نہ ان کے کرنے کی ترغیب اور نہ اس کے کرنے کی ممانعت ہو ایسا امر مباح ہوتا ہے''۔

نیز لکھا ہے کہ:

''عمل مولود شریف بہ ہیئت وقیود مخصوصہ ظاہر ہے کہ نہ کسی دلیل شرعی سے مامور بہ اور نہ کسی دلیل سے ممنوع، تو فی حد ذاتہ مباح ٹھہرا''۔ ملاحظہ ہو [طریقہ مولود صفحہ ۱۲، ۱۳، باب جنت صفحہ ۱۲۴]

گکھڑوی صاحب اس پر فرماتے ہیں:

''حضرت تھانوی کیا صرف عمل مولود شریف کو بقیو دمخصوصہ مباح کہا ہے یا سب چیزوں کو۔ مفتی صاحب! ایک آدھ چیز کے مباح ہونے سے اشیاء کی اباحت جو آپ کا مدّعا ہے' کیسے ثابت ہوا''۔ ملاحظہ ہو [باب جنت صفحہ ۲۵]

اقولُ: سچ ہے ع مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

نوٹ: اس قسم کے گکھڑوی صاحب کے کئی مسلّم علماء واکابر کے کئی حوالہ جات شروع باب میں بھی ابھی گزرے ہیں جیسے موصوف کے شیخ الاسلام عثمانی کا سورۂ مائدہ کی ایک آیت کے تحت مباح کے حقیقت ثابتہ ہونے کو تسلیم کرنے کے بعد یہ کہنا کہ ''اسی سے بعض علماء اصول نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے''۔

باقی گکھڑوی صاحب کا یہ کہنا کہ ان کے حکیم صاحب نے صرف ایک آدھ بات کو مباح کیا ہے' پورے عمل مولد کو نہیں؟ تو

اوّلاً: ایسا نہیں ہے تھانوی صاحب نے بطور کلیہ عبارت لکھی ہے جب کہ کلیہ جزئیات کثیرہ پر مشتمل ہوتا ہے۔

ثانیاً: تھانوی صاحب کی ان عبارات کا تعلق ورود شرع کے بعد ہی کے امر سے ہے لہٰذا ایک آدھ کے مباح ہونے کی صحت کو تسلیم کر لینے سے گکھڑوی موقف بہر حال غلط ٹھہرتا اور ان کا نظریّہ پاش پاش ہو جاتا ہے (وھو المقصود) کیونکہ سارا زور ہی انہوں نے اسی پر صرف کیا ہے کہ ورود شرع کے بعد ''اباحت اصلیہ'' نام کی کوئی چیز ہوتی ہی نہیں ہے جب کہ اب وہ اسے مان رہے ہیں ؎

دل کے پھپھولے جل اٹھے سینے کے داغ سے اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

اعادۂ بیان بالا واقرار شکست:

گکھڑوی صاحب اپنے گزشتہ بیان کا اعادہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اگرچہ بعض نے اصل اشیاء میں اباحت تسلیم کی ہے لیکن جمہور کا مسلک اس کے خلاف ہے۔ حضرت علی اور حضرات آئمہ اہل بیت اور کوفہ کے فقہاء ومحدثین اور خاص طور پر حضرت امام ابوحنیفہ اور امام شافعی اصل اشیاء میں حرمت کے قائل ہیں اور باقی جمہور اصل اشیاء میں توقف کے قائل ہیں اھ بلفظہ۔ [راہ سنت صفحہ ۱۰۷]

الجواب

اس سب کا جواب ابھی حظر وحرمت کی گکھڑوی دلیل نمبرا، نمبر۲ کے تحت گزرا ہے اور ہم باحوالہ لکھ آئے ہیں کہ اما شافعی کے اس قول کا تعلق محض مسئلۂ ربٰو سے ہے نیز امام ابن نجیم سے گزرا ہے کہ امام شافعی رضی اللہ عنہ کا مذہب، اباحت ہی ہے۔ نیز یہ بھی ہے کہ امام اعظم سے حرمت کی نسبت بعض شافعیہ نے دی ہے۔ حضرت علی اور ائمہ اہل بیت وغیرہم کے متعلق گکھڑوی صاحب نے کوئی سند پیش نہیں کی جو ان کے ذمہ ہے۔ نیز امام ابن ہمام اور علامہ شامی وغیرہما ائمۂ احناف سے گزرا ہے کہ جمہور حنفیہ اور جمہور شافعیہ اصل اشیاء میں اباحت کے قائل ہیں۔ لہٰذا گکھڑوی صاحب کا یہ ظاہر کرنا کہ اباحت کے قائل بعض اور توقف وغیرہ کے قائلین جمہور ہیں بالکل خلاف واقعہ اور ان کی اقراری شکست بھی کیونکہ وہ بار بار جس بات پر زور دیتے آ رہے ہیں یہ ہے کہ ورودِ شرع کے بعد اباحت اصلیہ متصور ہی نہیں مگر اب وہ فرماتے ہیں ''بعض نے اصل اشیاء میں اباحت تسلیم کی ہے''۔ بلکہ پھر خدا کی قدرت یہ بھی دیکھیں کہ گکھڑوی صاحب اپنی اسی نام کی راہِ سنّت میں چند سطور کے بعد متصلاً ساتھ والے صفحہ پر کتاب مسلّم الثبوت کو بے نظر اور دقیق کہہ کر اس کے حوالہ سے اپنے اسی قلم سے یہ بھی لکھ رہے ہیں کہ ''اصل اشیاء اور افعال میں اباحت ہے جیسا کہ اکثر حنفیہ اور شافعیہ کا مختار مسلک ہے''۔ الخ۔ [راہِ سنّت صفحہ ۱۰۸]

سبحان اللہ! گکھڑوی صاحب جیسے ایک دو مباحث ومناظران کی جماعت کو اور بھی ہاتھ آ جائیں تو جواب میں ہمیں قطعاً کچھ لکھنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی کیونکہ یہ سارا کام وہ خود ہی انجام دے دیا کریں گے۔ مثال مشہور ہے کہ کوئی گڑ سے مر جائے تو کیا زہر اسے ضرور ہی دینی ہے؟ اس کے کچھ مزید حوالہ جات اگلے عنوان کے تحت بھی آ رہے ہیں۔

کیا ''اباحت'' محض معتزلہ کا مذہب ہے؟:

گکھڑوی صاحب یہ تأثر دینے کی غرض سے کہ اصل اشیاء میں اباحت کے قائل، معتزلہ ہیں، اہل سنت کا مذہب، توقف ہے، اپنے تئیں ایک فیصلہ کن حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں: ''بلکہ صاحب درّ مختار نے صاف لکھا ہے کہ الصحیح من مذهب اهل السنة ان الاصل فی الاشیاء التوقف والاباحة رأی المعتزلة (درمختار مجتبائی جلد ا صفحہ ۳۴۵) اہل سنت والجماعت کا صحیح مذہب یہ ہے کہ اصل اشیاء میں توقف ہے

اور اباحت کا قول معتزلہ کا خیال اور رائے ہے''۔ پھر حضرت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ پر دانت پیستے ہوئے لکھا ہے:

''مفتی صاحب تو دوسروں سے اس قاعدہ کا معنٰی دریافت کرتے تھے مگر اس عبارت کو سامنے رکھ کر انہیں سوچنا چاہئے کہ اباحت کس کا مسلک ہے اور اس کے اختلافی ہونے میں تو شاید ہی کوئی کوڑ مغز شک اور شبہ کرے گا۔ جب اصل ہی متفق علیہ نہیں تو اس پر قیاس کی دیوار رکھنا اور اس پر بدعات کی عمارت کھڑی کرنا کیسے صحیح ہوگا؟'' اھ بلفظہ ملاحظہ ہو [راہِ سنّت صفحہ ۱۰۷، ۱۰۸]

الجواب

یہ گکھڑوی صاحب کی خوش فہمی یا پھر قلت علمی ہے۔ درمختار کی اس عبارت کا امام الفقہاء علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نہایت زوردار انداز میں سخت ردّ فرما چکے ہیں۔ اگر گکھڑوی صاحب نے حضرت علامہ کا یہ بیان پڑھا نہیں تھا تو ان کی اصل علمی پوزیشن واضح ہوگئی اور ان کے علمیت کے بلند بانگ دعووں کی حقیقت کھل گئی۔ اور اگر پڑھا تھا تو ان کی خیانت اور حق پوشی کا پتہ چل گیا یا اس کے جواب سے ان کے عجز کا حال منکشف ہوا۔ قرین قیاس، شق ثانی ہی ہے کیونکہ درمختار کے جس مطبع کا انہوں نے حوالہ دیا ہے، شامی اس کے ساتھ ہی چھپی ہوئی اور درمختار اس کے حاشیہ پر ہے پس یہ کیسے باور کیا جائے کہ انہوں نے علامہ شامی کا تردیدی بیان جو ان کی محوّلہ عبارت کے ساتھ ہی لکھا ہوا ہے، دیکھا ہی نہیں لہٰذا یہی متعین ہوا کہ موصوف نے خیانت و مداہنت ہی سے کام لیا ہے اور اس کے جواب سے عاجز بھی رہے ہیں۔ اب علامہ شامی کا وہ تردیدی بیان پڑھئے اور گکھڑوی صاحب کی لاجواب فقاہت اور کمال دیانت داری کی انہیں داد دیجئے۔ چنانچہ علامہ شامی علیہ الرحمۃ صاحب درمختار کی عبارت ''علی ماھو المنصور من ان الاصل فی الاشیاء التوقف'' کے تحت بڑی تفصیل سے یہ ثابت فرمانے کے بعد کہ جمہور احناف و شوافع اصل اشیاء میں اباحت کے قائل ہیں۔ گکھڑوی صاحب کی پیش کردہ عبارت کا پیشگی رد کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں:

''وبه علم ان قول الشارح فی باب استیلاء الکفار ان الاباحة رأی المعتزلة فیه نظر فتدبر''، یعنی ہمارے اس بیان سے معلوم ہوا کہ شارح (صاحب درمختار) کا باب استیلاء الکفار میں یہ کہنا اصل اشیاء میں اباحت، معتزلہ کا نظریہ ہے، محل نظر ہے (یعنی صحیح نہیں) تو غور کرلو۔ اھ

ملاحظہ ہو [ردالمحتار جلد اصفحہ ۷۸ طبع کوئٹہ]

نیز گکھڑوی صاحب کی پیش کردہ عبارت کا رد فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

اقول وفيه نظر من وجود الاوّل (اولى) الرابع ان لنبة الا باحة الى المعتزلة مخالف لما فى كتب الاصول فخفى تحرير ابن الهمام المختار الاباحة عند جمهور الحنفية والشافعية اھ وفى شرح اصول البزدوى للعلامة الاكمل قال اكثر اصحابنا واكثر اصحاب الشافعى ان الاشياء التى يجوز ان يردالشرع باباحتها وحرمتها قبل وروده على الاباحة وهى الاصل فيها حتى ابيح لمن لم يبلغه الشرع ان يا ٔكل ماشاء واليه اشار محمد فى الاكراه حيث قال اكل الميتةوشرب الخمر لم يحرما الا بالنهى فجعل الاباحة اصلاً والحرمة بعارض النهى. وهو قول الجبائى وابى هاسم واصحاب الظواهر . وقال بعض اصحابنا وبعض اصحاب الشافعى ومعتزلة بغدادانها على الحظر .وقالت الاشعرية وعامة اهل الحديث انها على الوقف حتى ان من لم يبلغه الشرع يتوقف ولايتناول شيئا فان تناول لم يوصف فعله بحل ولا حرمة وقال عبدالقاهر البغدادى تفسير لا ليتحق ثوابا ولاعقابا واليه مال الشيخ ابو منصور اھ۔ ملاحظہ ہو [ردّالمحتار جلد۳ صفحہ ۲۶۷ باب استیلاء الکفار۔ طبع کوئٹہ]

عبارت ہٰذا کا خلاصۂ ترجمہ یہ ہے کہ صاحب درمختار کا یہ قول چار وجوہ سے محل نظر اور ردّ ہے جن میں سے چوتھی وجہ یہ ہے کہ وہ فقہ حنفی کی بنیادی قسم کی کتابوں کے برخلاف ہے۔ امام ابن الہمام کی کتاب التحریر نیز علامہ اکمل کی شرح اصول البزدوی میں ہے کہ ہمارے ائمہ احناف اسی طرح شوافع کی اکثریت کا اختیار فرمودہ امر یہ ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے۔ امام محمد رحمہ اللہ نے بھی اس کا واضح اشارہ دیا ہے کہ اباحت اصل اور حرمت، نہی کے عارض کے باعث ہے۔ جبائی، ابوہاشم اور ظاہریّہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ بعض حنفیوں اور بعض شافعیوں نیز بغداد کے معتزلہ کا مذہب یہ ہے کہ اصل اشیاء میں حظر ہے۔ اشعریہ اور اکثر ماہرین فنّ حدیث توقف کے قائل ہیں۔ لہٰذا جسے مثلاً شریعت نہ پہنچے تو اس کے لئے تمام اشیاء میں حسب تفصیل بالا اباحت، حظر اور توقف کا حکم ہوگا توقف کا معنی اس کے قائلین کے نزدیک یہ ہے کہ کسی چیز کو وہ تناول نہ کرے گا لیکن کر لینے کی صورت میں اس کے فعل کو نہ تو حرام کہیں گے اور نہ حلال کہیں گے۔ عبدالقاہر بغدادی نے اس کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ وہ نہ تو ثواب کا مستحق ہوگا نہ عذاب کا، شیخ ابومنصور کا میلان بھی اسی طرف ہے۔ اھ ——

اقول: علامہ شامی کے اس مفصل بیان سے واضح ہوگیا کہ گکھڑوی صاحب نے درمختار کے حوالہ سے جو مسئلہ (اصل اشیاء میں اباحت معتزلہ ہی کا مذہب ہے الخ) بیان کیا ہے قطعاً خلاف واقعہ ہے اور حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے ؎

حقیقت چھپ نہیں سکتی بناوٹ کے اصولوں سے
کہ خوشبو آ نہیں سکتی کبھی کاغذ کے پھولوں سے

نوٹ: اگلے عنوان کے تحت زیر بحث آنے والی عبارت بھی خود گکھڑوی صاحب کے اقرار سے ہمارے اس موقف کی زبردست دلیل ہے

اصل اشیاء کے حکم میں ایک اور اختلاف کے حوالہ سے اعتراض کا جواب:

گکھڑوی صاحب اپنے اس اختلافی موقف کو مزید تقویت دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''علاوہ بریں جو علماء اباحت کے قائل ہیں وہ بھی اموال اور نفوس میں فرق کرتے ہیں۔ چنانچہ ملاّ محبّ اللہ صاحبؒ اپنی بے نظیر اور دقیق کتاب میں فرماتے ہیں: واما الخلاف المذکور بین اھل السنة ان اصل الافعال الاباحة کما ھو مختار أکثر الحنفیة والشافعیة او اصلھا الحظر کما ذھب الیہ غیر ھم وقال صدر الاسلام الاباحة فی الاموال والحظر فی الانفس الخ (مسلّم الثبوت صفحہ ۲۲)۔ بہر حال اہل اسنت والجماعت کے درمیان جو اختلاف مذکور ہے کہ اصل اشیاء اور افعال میں اباحت ہے جیسا کہ اکثر حنفیہ اور شافعیہ کا مختار مسلک ہے، یا اصل ان میں منع ہے جیسا کہ دوسرے علماء کا مسلک ہے، امام صدر الاسلم نے یوں تطبیق دی ہے کہ اموال میں اباحت اصل ہے اور نفوس میں حظر اور منع اصل ہے۔

اس عبارت سے بھی یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ اہل سنت والجماعت کا آپس میں اختلاف محض اباحت اور توقف تک ہی محدود نہیں بلکہ اباحت اور حظر و منع کا اختلاف بھی ہے اگر ایک گروہ اشیاء اور افعال کو اصل میں مباح کہتا ہے تو دوسرا ان کو اصل میں ممنوع اور محظور ٹھہراتا ہے اور امام صدر الاسلام اموال اور نفوس میں فرق کرتے ہوئے اوّل کو اصل میں مباح اور ثانی کو محظور اور ممنوع قرار دیتے ہیں اھ بلفظہ ملاحظہ ہو۔ [راہِ سنّت صفحہ ۱۰۸]

الجواب

یہ عبارت بھی ہمیں قطعاً کچھ مضر اور گکھڑوی صاحب کو کسی طرح مفید نہیں کیونکہ زیادہ سے زیادہ اس کا مفاد یہ ہے کہ کچھ چیزیں اس کلیے سے مستثنیٰ ہیں جب کہ گکھڑوی صاحب شروع بحث میں لکھ چکے ہیں کہ ''بعض محققین کے نزدیک قاعدہ کلیہ صرف یہ ہے ان لا کلیۃ'' [راہِ سنّت صفحہ ۱۰۴] یعنی قواعد عموماً اکثریّہ ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں ہمارے نزدیک بھی یہ بات مسلّم ہے کہ بعض چیزیں گکھڑوی صاحب پھر بھی نہ مانیں اور اسی پر اڑے رہیں کہ اصل اشیاء میں اباحت کا قول غلط ہے وغیرہ، تو وہ اپنے اکابر کے ان حوالہ جات سے تسلّی بخش جواب دیں جن میں انہوں نے اصل اشیاء میں اباحت کو درست مانا ہے نیز اپنے اکابر کے ان فتوؤں کا بھی حل پیش کریں جن میں انہوں نے کئی مسکوت عنہ امور کے جائز و مستحسن بلکہ مستحب ہونے کا قول کیا ہے جیسے عیدین کی نمازوں کے بعد امام کا مقتدیوں سمیت اجتماعی شکل میں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا وغیرہ جن کی تفصیل ہماری پیش نظر کتاب کے جلد سوم میں نیز پیش نظر جلد کے آغاز میں ابھی گزر چکی ہے۔ فلیلاحظ ذلک ھناک ولایحتاج الی ان یعاد۔

گکھڑوی جواب نمبر۲ (قائلین اباحت کے نزدیک اباحت کا تعلق امور عادیہ سے ہے) **کا ردِّ بلیغ:**

گکھڑوی صاحب نے اصل اشیاء میں اباحت کا رد کرتے ہوئے دوسرا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''وثانیاً جو حضرات اباحت اصلیہ کے اصول کو تسلیم کرتے ہیں ان کے کلام کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا یہ اصول امور تعبدیہ کے لئے نہیں بلکہ امور عادیہ کے لئے ہے۔ بالفاظ دیگر وہ معاملات میں تو اس قاعدہ کو قابل عمل بناتے ہیں لیکن عبادات میں اس پر عمل نہیں کرتے ورنہ اس کے معنٰی یہ ہوں گے کہ ہر شخص کوئی نئی عبادات کے ایجاد کرنے کا حق ہوگا اور وہ ایجاد کردہ عبادتیں اسی اصول پر مباح اور درست ٹھہریں گی مثلاً فرض کیجئے کہ کوئی بدعت پسند پانچ نمازوں کے علاوہ ایک چھٹی نماز ایجاد کرلے اور اس کی ہر رکعت میں دو دو رکوع اور چار چار سجدے ایجاد کرے تو کیا اس کی اباحت اصلیہ کے قانون سے اس نو ایجاد نماز کو بھی جائز کہا جائے گا الغرض اباحت اصلیہ کے قانون کو عبادت میں جاری کرنا سراسر جہالت ہے''۔ اھ بلفظہ (اس کے بعد

گکھڑوی صاحب نے اپنی تائید میں ابواسحٰق شاطبی اور ابن رجب حنبلی کی دو عبارتیں پیش کی ہیں)۔ ملاحظہ ہو [راہِ سنّت صفحہ ۱۰۸، ۱۰۹]

الجواب

یہ گکھڑوی صاحب کا محض دعویٰ ہے جس کے ثبوت میں ان علماء اصول میں سے کسی کا حوالہ پیش کرنے سے وہ عاجز رہے ہیں ورنہ معرضِ بیان میں سکوت کے کیا معنیٰ؟ علاوہ ازیں یہ تقسیم بھی انہیں کچھ مفید نہیں کیونکہ وہ اپنی اسی کتاب میں خود لکھ آئے ہیں "کہ عبادات، عادات اور اعتقاد تمام چیزوں میں سنت کی پیروی لازم ہے اور اس کی مخالفت بدعت اور مردود ہے"۔ [راہِ سنّت صفحہ ۸۸]

باقی یہ امر باحوالہ مفصلاً گزر چکا ہے کہ اباحت اصلیّہ سے مراد یہ ہے کہ جانب فعل و ترک دونوں میں سے کسی کے متعلق نفیاً اثباتاً شرع میں کچھ بھی وارد نہ ہو پس چھٹی فرض نماز اور اس کی ہر رکعت میں دو دو رکوع اور چار چار سجدوں کو اس کی مثال بنا کر پیش کرنا نہایت درجہ غلط اور سخت و شدید قبیح جہالت ہے کیونکہ جب شرع میں وارد ہو چکا کہ فرض نمازیں صرف پانچ ہیں اور ہر رکعت میں ایک رکوع اور دو دو سجدے ہوتے ہیں تو اس کی خلاف ورزی پہلے سے موجود اور وارد حکم کو بدلنا ہوا اور یہی بدعت ہے۔

بالفاظ دیگر پانچ، ایک اور دو اعداد ہیں جب کہ اعداد خاص ہوتے ہیں جن میں کمی و بیشی متصور نہ ہوتی لہٰذا کمی بیشی، نص کی مخالفت ہوگی جب کہ بحث غیر منصوص میں ہے جسے کتب اصول میں ثلٰثۃ قروء کی بحث میں دیکھا جا سکتا ہے۔

اسے یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ فرض نمازیں پانچ سے زائد نہ ہونا اسی طرح ہر رکعت میں ایک سے زیادہ رکوع اور دو سے زیادہ سجدے نہ ہونا ذکرِ عدم ہے جب کہ بحث عدمِ ذکر کے حکم کے بارے میں فافترقا۔

یا یوں کہیے کہ بحث مسکوت عنہ میں ہے اور گکھڑوی صاحب مثال دے رہے ہیں غیر مسکوت عنہ کی۔ پس "یہ سراسر جہالت"، بھی انہی کی ہے۔

علاوہ ازیں رسول اللہ ﷺ نے دو دو، تین تین، چار چار اور پانچ پانچ رکوعوں والی نماز بھی پڑھی (رواہ البخاری و مسلم واحمد وابوداؤد و النسائی والترمذی وغیرھم عن امّ المؤمنین الصدیقہ، وامیرالمؤمنین علی وسیدنا ابن عباس وسیدنا جابر وغیرھم رضی اللہ عنھم اجمعین)۔ ملاحظہ ہو [آثار

السنن صفحہ ۳۱۸ تا ۳۲۱ مؤلّفہ ممدوح کشمیری دیوبندی علامہ نیموی مصحّحہ فیض احمد دیوبندی شیخ الحدیث قاسم العلوم ملتان۔طبع مکتبہ امدادیہ ملتان]

جب کہ گکھڑوی صاحب ایک سے زیادہ رکوع والی نماز کو بدعت قرار دے رہے ہیں جس کا واضح مطلب یہ ہوا کہ موصوف نے رسول اللہ ﷺ پر بھی معاذ اللہ بدعت کا فتویٰ لگایا ہے تو بے چارے سنی حنفی بریلوی کیونکر اس کے بدعی فتووں سے بچ سکتے ہیں؟ فانا للہ وانا الیہ راجعون۔

باقی گکھڑوی صاحب نے اس مقام پر جو ابواسحاق شاطبی اور ابن رجب حنبلی کی عبارات پیش کی ہیں وہ بھی ان کی دلیل یا ہم پر کسی طرح حجّت نہیں۔تفصیل حسب ذیل ہے۔

عبارت شاطبی سے جواب:

چنانچہ گکھڑوی صاحب نے شاطبی کی عبارت پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"چنانچہ علامہ ابواسحاق شاطبی غرناطی (المتوفّٰی ۷۹۰ھ) لکھتے ہیں کہ ولا یصح ان یقال فیما تعبد انہ مختلف فیہ علی قولین ھل ھو علی المنع ام ھو علی الاباحۃ بل ھو امر زائد علی المنع لان التعبدیات انما وضع الشارع فلا یقال فی صلوٰۃ سادسۃ مثلاً انھا علی الاباحۃ فللمکلف وضعھا علی احد القولین لیتعبد بھا اللہ لانہ باطل باطلاق (الاعتصام جلد ا صفحہ ۳۰۱) اھ۔

گکھڑوی صاحب نے اس کا اردو ترجمہ بھی کیا ہے جس کا مفہوم خود ان کی گزشتہ عبارت آ گیا ہے اس لئے اس کے نقل کرنے کی ضرورت نہیں۔ملاحظہ ہو [راہِ سنّت صفحہ ۱۰۸، ۱۰۹]

الجواب

واضح رہے کہ الاعتصام کی یہ عبارت ہمارے پیش نظر چھاپے اس کے جلد ا صفحہ ۲۶۸ پر ہے عبارت ہٰذا کا گکھڑوی صاحب کو کچھ فائدہ یا ہمیں کچھ ضرر نہیں بلکہ یہ خود گکھڑوی صاحب کے خلاف ہے کیونکہ:

اوّلاً: شاطبی نے لکھا ہے کہ کچھ علماء اس کے قائل ہیں کہ بدعت کا تعلق امور عادیہ سے بھی ہوتا ہے جیسا کہ بدعت کی تعریف کے ضمن میں ان کے الفاظ سے ظاہر ہے: "وھذا علی رأی من لا یدخل العادات فی معنی البدعۃ وانما یخصھا بالعبادات واما علی رأی من ادخل الاعمال العادیۃ

فی معنی البدعة فیقول ''الخ۔ ملاحظہ ہو [الاعتصام جلد اصفحہ ۸ الباب الاوّل طبع دار الکتب العلمیة بیروت لبنان]

ثانیاً: بلکہ ان کی ایک عبارت سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ خود بھی اسی کے قائل ہیں وہی ہٰذہٖ ''وبالجملة فکل ما یتعلق به الخطاب الشرعی یتعلق به الابتداع ''یعنی جس بھی چیز سے کوئی نہ کوئی حکم شرعی متعلق ہوتا ہے' بدعت ہونے نہ ہونے کا اس سے تعلق ہوتا ہے۔ اھ ملاحظہ ہو [الاعتصام جلد اصفحہ ۳۴ الباب الاوّل آخری سطر طبع مذکور]

ثالثاً: گکھڑوی صاحب کی پیش کردہ اس عبارت (شاطبیہ) کا تعلق پنجگانہ نماز کے بعد پابندی کے ساتھ ہاتھ اٹھا کر اجتماعی دعا کرنے کے مسئلہ سے ہے جب کہ گکھڑوی صاحب اوران کی جماعت اس کی سختی سے قائل اور عامل ہے۔ پوری دیوبندی قوم ہر فرض نماز کے بعد ہاتھ کھڑے کر کے اجتماعی صورت میں دعا مانگتی ہے لہٰذا اس کی زد میں خود گکھڑوی صاحب اوران کی جماعت ہی آتی ہے۔ کسی نے کیا ہی خوب کہا ہے کہ ع

جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے

چنانچہ گکھڑوی صاحب کی نقل کردہ عبارت سے صرف دوسطر پہلے لکھا ہے: ''لان التزام الدعاء بآثار الصلوات جهرا للحاضرین فی مساجد الجماعات لو کان صحیحا شرعاً او جائزاً لکان النبی صلی الله علیه وسلم او بذلک ان یفعله ''نیز آگے چل کر لکھا ہے: بدعة التزام الدعاء باثر الصلوات دائماً علی الهیئة الاجتماعیة ''یعنی پنجگانہ نمازوں کی جماعتوں کے بعد امام اور مقتدیوں کا مل کر اجتماعی صورت میں پابندی سے دعا مانگنا (ان) خطرناک قسم کی بدعات سے ہے (جوداء الکلب کے قبیل سے ہے) اگر اس طرح سے دعا شرعاً درست اور جائز ہوتی تو نبی ﷺ بطریق اولیٰ اسے کرتے اور اس کا کرنا آپ سے منقول ہوتا۔ اھ ملاحظہ ہو [الاعتصام جلد اصفحہ ۲۶۸ صفحہ ۴۹۵ باب نمبر ۵ آخری فصل نیز باب نمبر ۷ مسئلہ نمبر ۲۱ طبع مذکور)

رابعاً: اس سے قطع نظر شاطبی صاحب اصول موضوعہ سے یا کچھ حجّت نہیں ہیں۔ بلکہ وہ بمقابلۂ اہل سنت فریق کی حیثیت رکھتے ہیں کیونکہ وہ بدعت کی تعریف اور اس کے متعلقات میں مکمل طور پر مولوی ابن تیمیہ صاحب کے پیروکار اور کٹر تیموی ہیں جس کی باحوالہ تفصیل پیش نظر کتاب (مصباح سنت) کے حصہ سوم میں گزر چکی ہے لہٰذا گکھڑوی صاحب کا انہیں ہم پر حجت بنا کر پیش کرنے بالکل ایسے

ہیں جیسے وہ خود کو ہم پر حجت بنا کر پیش کر دیں۔ فیا للعجب والضیعة العلم والعدل والادب۔

نوٹ: شاطبی صاحب کی عبارت میں جو چھٹی نماز کی بات کی گئی ہے اس سے جواب وہی ہے جو گکھڑوی صاحب کی اس سلسلہ کی عبارت کے بارے میں ابھی گزرا ہے کیونکہ موصوف کی وہ عبارت اسی عبارت ہی کا چربہ ہے۔ فافھم ولا تکن من الغفلین۔

عبارت ابنِ رجب سے جواب:

گکھڑوی صاحب نے اس سلسلہ کی علامہ ابن رجب کی جو عبارت پیش کی ہے وہ یہ ہے: ''وان کان قد زاد فی العمل المشروع مالیس بمشروع فزیادته مردودة علیه بمعنی انها لاتکون قربة ولا یثاب علیها ولکن تارة یبطل بها العمل من اصله فیکون مردوداً کمن زاد رکعة عمدا فی صلاته مثلاً وتارة لا یبطله ولا یرد من اصله کمن توضاء اربعاً (جامع العلوم والحکم صفحہ ۴۳'')۔ (اس کا اردو ترجمہ کرنے کے بعد گکھڑوی صاحب نے لکھا ہے کہ) اس سے معلوم ہوا کہ جس عمل مشروع کا فعل یا ترک کی صورت میں شریعت نے ایک معیار قائم کر دیا ہے تو اس میں اپنی مرضی اور خواہش سے کوئی کمی یا زیادتی کرنا مردود ہوگا اور اس کا زیادت کی وجہ سے کبھی تو سرے سے عمل ہی سارا مردود ہو جائے گا اور کبھی بایں طور مردود ہوگا کہ اس پر ثواب نہ ملے گا اور وہ قربت اور عبادت نہ ہوگا''۔ اھ بلفظہ [راہِ سنّت صفحہ ۱۰۹]

الجواب

ابن رجب صاحب بھی تیموی مکتب فکر کے اہم اراکین سے ہیں اس لئے ان کا حوالہ بھی ہم پر قطعاً حجّت نہیں جب کہ ان کی اس عبارت میں بھی کلیۂ اہل سنت کے خلاف کوئی دلیل بھی قائم نہیں کی گئی۔ چنانچہ رکعت کے اضافہ والی بات مغالطہ ہے اور اس میں وہی تفصیل ہے جو عبارت شاطبی کے جواب میں گزری ہے کہ بحث مسکوت عنہ میں ہے اور مثال منصوص کی دی گئی ہے۔ رہی قدر مسنون سے زیادہ کرنے کی مثال (جیسے اعضاء وضوء کو چار چار بار دھونا)؟ تو

اولاً: گکھڑوی صاحب خود مان رہے ہیں کہ اس سے وضوء کا عمل باطل نہیں ہوگا بلکہ وضوء صحیح ہو جائے گا جو خود ان کے خلاف ہے کیونکہ ان کے طور پر جب یہ ہی بدعت تو عمل کی صحت کے کیا معنی؟ پھر یہ اگر صحیح ہے تو نماز میں رکعت کے اضافہ سے نماز کیوں باطل قرار پائی؟

ثانیاً: علاوہ ازیں ہمارے حنفی فقہاء تصریحیں فرما چکے کہ قدر مسنون پر اضافہ محض اس صورت میں ممنوع ہے کہ اس زیادت کی شرعی حیثیت بدلی جائے ورنہ ناجائز نہیں بناء بریں ابن رجب صاحب کی مراد بھی غیر مشروع کو بڑھانے سے یہی ہو تو ان کی یہ عبارت ہمارے خلاف نہ ہوگی۔ نمعلوم گکھڑوی صاحب کے دعویٰ حنفیت کے باوجود دوسروں کی گودی میں بیٹھنے کو ترجیح دینے میں کیا حکمت ہے؟؟؟

چنانچہ امام شرنبلالی حنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''ولا یسن ذکر ولا بأس بان یقول سبحٰن اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر'' یعنی (نماز عیدین میں دوران تکبیرات) کوئی ذکر مسنون نہیں لیکن اس دوران سبحٰن اللہ الخ کہہ لینا لاباس بہ ہے۔ اھ اس کے تحت علامہ طحطاوی حنفی رحمۃ اللہ لکھتے ہیں: فی القھستانی عن عین الائمہ ان التسبیح بینھا اولی یعنی عین الائمہ کے حوالے سے قہستانی میں ہے تکبیرات عیدین کے درمیان تسبیح بہتر ہے۔ اھ۔ ملاحظہ ہو [حاشیۃ الطحطاوی مع المراقی صفحہ ۲۹۳ طبع نور محمد اصح المطابع کراچی]۔

علاوہ ازیں تکبیر تشریق کے بارے میں نورالایضاح اور اس کی شرح مراقی الفلاح میں ہے ''ویاتی بہ مرۃ'' یعنی ایک بار کہے۔ علامہ طحطاوی نے شرح التحفہ اور الدر کے حوالہ سے اس کے تحت لکھا ہے: ''وما زاد فھو مستحب'' یعنی ایک بار سے زائد تکبیر کہنا مستحب ہے۔ مگر امام قرا حصاری اور صاحب مجمع الانہر نے فرمایا کہ ایک بار سے زیادہ کہنا خلاف سنت ہے۔ علامہ طحطاوی اس میں تطبیق دیتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں: ولعل محلہ ما اذا اتی علی انہ سنۃ واما اذا اتی بہ علی انہ ذکر مطلق فلا الخ یعنی یہ اس وقت ہے جب ایک بار سے زائد کو سنت سمجھے لیکن اگر اسے ذکر مطلق ہونے کی بناء پر جائز سمجھ کر کہے تو خلاف سنت نہیں اھ۔ ملاحظہ ہو [نورالایضاح مع المراقی والطحطاوی صفحہ ۴۴۲ طبع مذکور]

نیز تنویر الابصار (جلد اصفحہ ۳۷۳) میں ہے ''ولیس بینھما ذکر مسنون'' یعنی دو سجدوں کے درمیان کوئی ذکر مسنون نہیں۔ اھ۔

اس کے تحت علامہ شامی فرماتے ہیں: وعدم کونہ مسنونا لا ینافی الجواز کا تسمیۃ بین الفاتحۃ والسورۃ'' یعنی مسنون نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ جائز بھی نہ ہو۔ اس کی مثال یہ ہے کہ فاتحہ اور دوسری سورت کے درمیان بسم اللہ پڑھنا مسنون نہیں مگر ہے جائز اھ۔ ملاحظہ ہو [ردالمختار جلد اصفحہ ۳۷۳]

نیز خاص اسی زیر بحث مسئلہ کے بارے میں درمختار کی عبارت ''ومنه الزيادة على الثلاث'' کے تحت ردالمحتار میں ہے: ''مع اعتقادان ذلک هو السنة مماقد منا من ان الصحيح ان النهى محمول على ذلک فاذا لم يعتقد ذلک وقصداً الطمانينة عند الشک او قصدالوضوء على الوضوء بعدالفراغ منه فلا كراهة كما مرتقريره''۔

تھوڑا سا آگے لکھا ہے: ان النهى عنه ...... محمول على الاعتقاد عندنا كما صرح به فى الهداية وغيرهاوقال فى البدائع انه الصحيح حتى لوزاد اونقص واعتقد ان الثلاث سنة لايلحقه الوعيد ...... نعم اذا اعتقد سنية يكون قد تعدى وظلم لاعتقاد ه ماليس بقربة قربة فلذاحمل علماء نا النهى على ذلک ''اھ مااردنا ملخصاً۔

یعنی احادیث میں قدر مسنون سے زیادہ اعضاء وضوء کو دھونے کی جو ممانعت آئی ہے وہ ہمارے ائمہ احناف کے نزدیک اس پر محمول ہے کہ تین بار دھونے کو سنت نہ سمجھے یا اس سے زائد کو سنت سمجھے اگر یہ نظریہ نہ ہو اور زیادہ دھونے سے مقصود مثلاً شک واقع ہونے پر اطمینان حاصل کرنا یا وضو کے بعد وضو کرنا مقصود ہو تو کوئی کراہت نہیں اگر تین بار دھونے کو سنت سمجھتے ہوئے اس میں کمی بیشی کا مرتکب ہو تو وہ حدیث نہی کی زد میں نہیں آئے گا ہاں کمی بیشی کو سنت سمجھ لے تو غیر قربت کو قربت گرداننے کی بناء پر ضرور اس وعید کے تحت آئے گا۔ امام مرغینانی نے ہدایہ میں اس کی تصریح اور ملک العلماء نے بدائع میں اس کی تصحیح فرمائی اور صحیح بھی یہی ہے۔اھ۔ ملاحظہ ہو [ردالمحتار جلد اصفحہ ۹۷، ۹۸ مکروہات الوضوء۔ طبع کوئٹہ]

خلاصہ یہ کہ قدر مسنون سے زائد کرنا اس وقت منع ہے جب اس کی شرعی حیثیت کو تبدیل کر کے اسے مشروع سمجھا جائے۔ اگر زائد کو صرف جائز تصور کیا جائے تو اس میں کچھ حرج نہیں ہے۔ اس کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے الفاظ تلبیہ قدر مسنون سے زیادہ پڑھنا منقول ہے جس پر کچھ بحث کتاب ہذا (مصباح سنت) کے جلد سوم میں گزر چکی ہے (فمن شاء لااطلاع عليهافليرجع اليه)

گکھڑوی جواب نمبر۳ (اصل اشیاء میں اباحت وغیرہا کے اختلاف کا تعلق قبل ورود شروع سے ہے) کا ردّ بلیغ

گکھڑوی صاحب نے اصل اشیاء میں اباحت کے رد کے سلسلہ کا تیسرا اور آخری جواب یہ دیا ہے کہ یہ اختلاف کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے یا حظر اور توقف، تو یہ ورود شرع سے قبل کا معاملہ ہے بالفاظ دیگر یہ اختلاف ہماری شریعت سے پہلے کا ہے نہ کہ شریعت کے اجراء کے بعد کا شریعت نازل ہو چکنے کے بعد یہ سوال

ہی پیدا نہیں ہوتا کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے یا حرمت وحظر یا توقف لہٰذا اباحت اصلیہ کا قول بھی مفتی احمد یار خان صاحب وغیرہ کو مفید نہیں۔ بحر العلوم فرماتے ہیں: ''یظهر من تتبع كلامهم ان الخلاف قبل ورود الشرع''۔ نیز فرماتے ہیں'' وانما هذا اى القول بالاباحة الاصلية بناء على زمان الفترة قبل شريعتنا الخ۔ اسی طرح البدائع والصنائع اور تلویح شرح توضیح میں اس کی تصریح کی ہے کہ یہ اختلاف قبل البعثت کا ہے (ملخصاً) [راہ سنّت صفحہ ۱۰۹ تا ۱۱۱]

الجواب

اقولُ: عبارت حضرت بحر العلوم کا مضمون ومفہوم حسب ذیل کتب میں بھی ہے: [ردالمحتار جلد ۳ صفحہ ۲۶۷ باب استیلاء الکفار۔ تفسیرات احمد بحوالہ تفسیر کبیر للرازی تحت آیت کریمہ هو الذى خلق لكم ما فى الارض جميعاً صفحہ ۔ نیز غمز عیون البصائر جلد ا صفحہ ۹۷ ولفظہ'' وقيده فخر الاسلام بزمن الفترة فقال (الی) ان هذا بناء على زمن الفترة الخ..... طبع کراچی]

عبارت کا صحیح مفہوم ثم اقولُ:

گکھڑوی صاحب یا تو ان عبارات کا صحیح مفہوم سمجھ نہیں پائے یا پھر جان بوجھ کر انہوں نے عوام کو مغالطہ دینے کی سعی مذموم کی ہے کیونکہ ان کا مطلب بعد از ورود شرع' اباحت اصلیہ کے وجود سے انکار کرنا ہرگز مقصود نہیں بالفاظ دیگر ان کا یہ معنیٰ نہیں کہ ورود شرع کے بعد سرے سے اباحت اصلیہ نام کی کوئی چیز ہوتی ہی نہیں ہے بلکہ یہ مطلب ہے کہ زمانۂ قبل ورود شرع اور زمانۂ فترت کے وقت اصل اشیاء اباحت' حظر یا توقف ہونے میں تو اختلاف ہے لیکن ورود شرع کے بعد علی التحقیق اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ اصل اشیاء میں اباحت ہی ہے کیونکہ جن چیزوں سے روکنا تھا واضح طور پر روک دیا گیا اور جن چیزوں کا پابند فرمانا تھا ان کی بھی تصریح فرمادی گئی اور جن امور کے متعلق اس قسم کی وضاحت نہیں فرمائی وہ مباح ٹھہریں پھر کچھ مباحات وہ ہیں کہ جن کے مباح ہونے کا بیان شرع میں وارد ہو لہٰذا ان کی اباحت شرعیہ ہوئی اور بعض کے مباح ہونے کا کوئی بیان وارد نہیں ہوا لہٰذا ان کی اباحت' اصلیہ ہوئی۔ اس کے قرآن وسنّت اور ائمۂ اسلام کے اقوال سے ٹھوس دلائل تفصیل کے ساتھ اصل اشیاء میں اباحت کے خلاف

گکھڑوی جواب نمبر ا: کے ضمن میں ابھی گزرے ہیں ہیں ان میں کچھ حوالے خود گکھڑوی صاحب اور ان کے

اکابر کے بھی ہیں ان کے اعادہ کی حاجت نہیں۔انہیں وہیں پر ملاحظہ فرمائیں۔مزید سنئے:

امام برکلی وامام نابلسی سے:

امام علامہ محمد البرکلی حنفی الطریقة الحمدیة میں اور امام علامہ عارف باللہ عبدالغنی النابلسی حنفی نے اس کی شرح الحدیقة الندیة میں لکھا ہے:

''واما الثانی ای القول الصحیح والقاعدہ الکلیة فی امر الطھارة والنجاسة عندالحنفیة والاصل فی الاشیاء التی خلقھا اللہ تعالیٰ سواء مستھا الایدی اولا الطھارة (الیٰ) ولم ار مخالفافیه من احد من العلماء اصلاً''یعنی ائمہ احناف کے نزدیک قول صحیح اور قاعدہ کلّیہ یہ ہے کہ تمام اشیاء میں اصل مطلقاً طہارت ہے اور میرے مطالعہ کے مطابق اس میں کسی ایک بھی عالم کو بالکل کوئی اختلاف نہیں ۔اھ ملاحظہ ہو [الحدیقة الندیة شرح الطریقة المحمدیہ جلد۲ صفحہ ۱۰۷ الباب الثالث طبع مکتبہ نوریہ لائل پور]

علامہ ابن رجب سے:

علامہ ابن رجب حنبلی (جن سے گکھڑوی صاحب نے بکثرت استفادہ واستناد کیا ہے) اس بارے میں لکھتے ہیں:

''واعلم ان ھذہ المسئلة غیر مسئلة الاعیان قبل ورود الشرع ھل ھو الحظر اوالاباحة اولا حکم فیھا؟ فان تلک المسئلة مفروضة فیما قبل وزود الشرع فامابعد وروده فقد دلت ھذہ النصوص واشباھھا علی ان حکم ذلک الاصل زال واستقران الاصل فی الاشیاء الاباحة بادلة الشرع''یعنی قبل ورود شرع اصل اشیاء میں حکم کا مسئلہ بعد ورود شرع حکم کے مسئلہ سے مختلف ہے۔شریعت مطہرہ کی آمد سے قبل کے بارے میں تو علماء کا اختلاف ہے کہ بعض نے حظر،بعض نے اباحت اور بعض نے توقف کا قول کیا لیکن ورود شرع کے بعد یہ تین شکلہ اختلاف رفع ہوگیا اور ہماری پیش کردہ نصوص اور دیگر دلائل شرعیہ کی رو سے یہ طے پایا کہ اب اصل اشیاء اباحت ہی ہوگی۔ملاحظہ ہو[جامع العلوم والحکم صفحہ ۲۶۸ تحت حدیث نمبر ۳۰ طبع دارالمعرفہ بیروت]

خود گکھڑوی صاحب سے:

علامہ ابن رجب موصوف کے اس حوالہ کا خود گکھڑوی صاحب کو بھی اقرار ہے۔ چنانچہ اسی جامع العلوم والحکم کے حوالہ سے انہوں نے اپنی کتاب باب جنت (صفحہ۹۳) میں لکھا ہے کہ:

''حافظ عبدالرحمٰن بن رجب الحنبلی (المتوفّٰی ۷۹۵ھ) وغیرہ نے اس کی تصریح کی ہے کہ ورودِ شرع سے پہلے اشیاء کی اباحت وحرمت وغیرہ کا اختلاف اور ہے اور بعد کا اختلاف جدا ہے اور دونوں کو ایک قرار دینا بالکل غلط ہے'' اھ۔

اقولُ: ولنعم ماقیل ع مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

گکھڑوی صاحب کی غلطی کی بنیاد:

اس مقام پر گکھڑوی صاحب کی غلطی کی بنیاد یہ ہے کہ وہ مسلّم الثبوت وغیرہ کے مضمون عبارت ''الاباحۃ حکم شرعی'' کا مفہوم نہیں سمجھ سکے یا پھر عمداً تلبیس سے کام لیتے ہوئے لوگوں کو انہوں نے مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے۔ چنانچہ ان کا کہنا سمجھنا یہ ہے کہ اباحت جب حکم شرعی ہے تو کسی چیز کے مباح ہونے کا پتہ بھی بہرصورت کسی واضح آیت یا حدیث ہی سے چلے گا جو صحیح نہیں کیونکہ مسلّم الثبوت وغیرہ سے ہم گزشتہ صفحات میں واضح کر آئے ہیں کہ اس بحث سے ان کا مقصود ان معتزلہ کا رد ہے جو اباحت کو حکم شرعی کی بجائے حکم عقلی گردانتے اور قبل ورودِ شرع لوگوں کو اس کا پابند جانتے تھے جس کا خود گکھڑوی صاحب کو بھی اقرار ہے۔ چنانچہ ان کے لفظ ہیں ''اہل سنت کے نزدیک کسی امر شرعی میں حسن یا قبح نہیں پایا جاسکتا جب تک کہ شریعت سے اس کا ثبوت نہ ہو'' [راہِ سنت صفحہ ۱۱۳]

نیز یہ بھی واضح کیا جاچکا ہے کہ مسلّم الثبوت میں یہ الفاظ بھی موجود ہیں ''والاباحۃ الاصلیۃ نوع منہ'' یعنی اباحت اصلیہ بھی شرعیہ کی ایک قسم ہے۔ نیز امام ابن الہمام کی التحریر پھر ردالمحتار اور حاشیہ مسلّم الثبوت وغیرہا سے یہ بھی ہم پیش کر چکے ہیں کہ اباحت کی دو قسمیں ہیں۔ نمبر ۱ اباحت شرعیہ اور نمبر ۲ اباحت اصلیہ۔

علاوہ ازیں مسلّم الثبوت اور اس کی شرح فواتح الرحموت سے ہم یہ بھی پیش کر چکے ہیں کہ اباحت اصلیہ کی صورت یہ ہوگی کہ فعلاً ترکاً صراحت کے ساتھ کچھ ثابت نہ ہوگا۔ پس یہی عدم ثبوت ہی اباحت کی دلیل ہوگا۔

پس یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ گکھڑوی صاحب نے یہ تصریحات نہیں دیکھی تھیں لہٰذا یہی متعین ہوا کہ

انہوں نے اس سب کو عمداً نظر انداز کر کے خیانت و تلبیس ہی کا ارتکاب کیا ہے۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

لطیفہ:

حضرت ملک العلماء کی معرکۃ الآرا اور شہرہ آفاق کتاب کا نام گکھڑوی صاحب نے ''البدائع والصنائع'' کر کے لکھا ہے اسی طرح پہلے بھی انہوں نے لکھا تھا جس پر یہی کہا جا سکتا ہے کہ ؎

آپ ہی اپنی اداؤں پہ ذرا غور کریں
ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

بحث ہٰذا کا خلاصہ از گکھڑوی صاحب مع الردّ:

گکھڑوی صاحب نے اپنی اس پوری بحث کا خلاصہ پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''الحاصل اشیاء میں اباحت اصلیہ کا قول حضرات فقہاء کرام کا متفق علیہ قول نہیں بلکہ بقول صاحب درمختار یہ معتزلہ کا مذہب ہے اہل السنّت کا نہیں اور اہل السنّت میں بھی بہت سے علماء کا قول توقف بلکہ حرمت کا ہے اور وہ بھی عبادات سے نہیں بلکہ معاملات سے متعلق ہے پھر اباحت اصلیہ کا قول ورود شرع سے قبل کا ہے بعد کا نہیں لہٰذا اس سے استدلال کر کے بدعات کی ترویج کرنا جیسا کہ مفتی احمد یار خان صاحب وغیرہ کر رہے ہیں، دین اسلام سے اعلیٰ درجہ کی خیانت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک مسلمان کو اس سے بچائے مگر مفتی صاحب اور ان کی پارٹی کو اس سے کیا تعلق؟ ان کا اپنا کام بنتا رہے، اسلام بگڑے یا سنورے بقول اکبر الہ آبادی مرحوم ؎

سدھاریں شیخ کعبہ کو ہم انگلستان دیکھیں گے
وہ دیکھیں گھر خدا کا ہم خدا کی شان دیکھیں گے

اھ بلفظہ ملاحظہ ہو [راہِ سنّت صفحہ ۱۱۱]

الجواب

''حضرات فقہاء کا متفق علیہ نہیں'' کے الفاظ سے گکھڑوی صاحب نے کم از کم یہ مان لیا ہے کہ فقہاء اسلام ایسے بھی ہیں جو اصل اشیاء میں اباحت کے قائل ہیں۔

ثم اقولُ: حقیقت یہ ہے کہ ورود شرع کے بعد اصل اشیاء کے مباح ہونے مسئلہ اہل سنت میں سے

کسی کو بھی حسب تصریح امام نابلسی حنفی وعلامہ ابن رجب حنبلی (کم از کم جمہور کو) اختلاف نہیں بلکہ اس پر سب کا اتفاق ہے۔ درمختار کی عبارت کو علامہ شامی رحمہ اللہ نے بوجوہ کثیرہ بڑے زوردار الفاظ میں ردّ فرمایا ہے۔ توقف یا خطر واباحت وغیرہ کے اختلاف کا قبل ورود شرع سے متعلق ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ورود شرع کے بعد سرے سے مباح کا کوئی وجود ہی نہیں ہے۔

جیسا کہ گکھڑوی صاحب نے قلّت تدبّر سے سمجھا یا خواہ مخواہ مغالطہ آفرینی سے کام لیتے ہوئے کہا ہے۔ قبل ورود شرع توقف، خطر حرمت یا اباحت کے اختلاف کا فلسفہ یہ ہے کہ علماء نے اس امر میں بحث فرمائی کہ شریعت مطہرہ کی جلوہ گری سے پہلے زمانۂ فترت میں (یعنی جب کوئی شریعت صحیح صورت میں موجود نہ تھی) کفر وشرک کے علاوہ باقی امور کی حیثیت کیا قرار دی جائے، آیا انہیں مباح، محظور اور حرام کہا جائے یا ان میں کف لسان کرتے ہوئے توقف کیا جائے۔ پس اس بارے میں نص صریح کے نہ ہونے کے باعث علماء کی آراء وتحقیقات مختلف ہوئیں۔ بعض نے محظور کہا۔ بعض نے توقف فرمایا اور غالب اکثریت خصوصاً جمہور حنفیہ و شافعیہ نے اباحت کا قول کیا مگر وہ بھی عدم حرج کے معنٰی میں کہ جب جانب فعل اور جانب ترک دونوں میں سے کسی کے بارے میں کچھ وارد تھا ہی نہیں تو اس کے مخیّر فیہ ہونے کا کیا معنٰی؟ بلکہ یہاں اباحت بمعنٰی عدم حرج ہے یعنی شریعت کے نہ ہونے کی مجبوری کے باعث اس زمانہ کے لوگوں پر کفر وشرک کے علاوہ کسی اور امر کے کرنے نہ کرنے پر کچھ باز پرس نہ ہوگی۔ کفر وشرک اس لئے مستثنٰی ہیں کہ وہ قبیح عقلی ہیں جن کے لئے شرع کا ہونا ضروری نہیں۔ لہٰذا ورود شرع کے بعد مسکوت عنہا امور کے متعلق توقف یا حظر وحرمت کا نظریہ قطعاً خلاف تحقیق اور محلِ نظر ہے۔ پھر ورود شرع کے بعد امور مسکوت عنہا کے بارے میں اباحت کا قول اگر ایجاد شریعت ہے جیسا کہ گکھڑوی صاحب نے کہا ہے تو توقف یا حظر وحرمت کے اقوال بھی تو شریعت پر اضافہ ہوں گے جب کہ بعد ورود شرع ان کے متعلق توقف یا حظر وحرمت کی کوئی صحیح شرعی معیاری دلیل بھی نہیں۔ علاوہ ازیں بہت سے امور مسکوت عنہا کو گکھڑوی صاحب خود اور ان کے کئی اکابر بھی مباح اور جا[ئز] بھی لکھ چکے ہیں جس کا واضح مطلب یہ ہوا کہ موصوف کے وہ اکابر اس میں اپنے اس ''عزیز فرزند'' سے متفق نہیں ہیں بلکہ ان کی راہیں ایک دوسرے سے بالکل الگ ہیں۔ پھر مباح کی دو قسمیں ہیں۔

ایک مباح باباحت شرعیہ جیسے حدیث میں ہے ''من شاء فلیصم ومن شاء فلم یصم'' اور د[وسرا] مباح باباحت اصلیہ یعنی کچھ نہ وارد ہونا مباح ہونے کی دلیل ہوگا جب کہ اباحت اصلیہ ایک ناقابل تردید

حقیقت ثابتہ ہے۔ اسی طرح گکھڑوی صاحب کا یہاں پر عبادات وعادات کا فرق کرنا بھی بالکل بے سود بلکہ ان کے خلاف بھی ہے۔ کیونکہ وہ اپنی اسی کتاب (راہِ سنّت کے صفحہ ۹۰) میں عبادات کے علاوہ عادات میں بھی خلاف ورزی کو بدعت سیئہ قرار دے چکے ہیں پس قدم قدم پر خیانت سے کام لینا بھی خود گکھڑوی صاحب کا شیوہ اور پیشہ نکلا اور ان کے وہ لفظ جو انہوں نے حضرت مفتی احمد یار خان نعیمی صاحب رحمہ اللہ پر کیچڑ اچھالتے ہوئے لکھے ہیں۔ خود انہی پر لوٹ گئے۔ لہٰذا اب ترکی بہ ترکی اور ''جیسی کہو ویسی سنو'' کے طور پر تھوڑی سے ترمیم سے یوں کہنا بجا ہو گا کہ اسلام بگڑے یا سنورے گکھڑوی صاحب سلمہٗ اینڈ کمپنی کو اس سے کیا سروکار، انہیں تو اپنی ہٹ سے کام اور ضد سے پیار ہے۔ اور شعر کا شعر سے تبادلہ کرتے ہوئے یوں کہا جائے گا اور وہ بھی خود ان کے پیش کردہ شعر سے کہ ؎

حق بات جانتے ہیں مگر مانتے نہیں
ضد ہے جناب شیخ تقدس مآب میں

[راہِ سنّت صفحہ ۹۸]

بحث حدیث ''من سنَّ فی الاسلام سُنَّۃً حسنۃ'':

اس کے بعد گکھڑوی صاحب نے (ثبوت اصل کے بعد کسی امر کی ہیئت کذائیہ کے جواز کی) سنّی موقف کی مشہور دلیل حدیث مَنْ سَنَّ فِی الْاِسْلَامِ سُنَّۃً حَسَنَۃً الخ سے اہل سنت کے استدلال پر اعتراض کئے ہیں جن کی تفصیل مع جوابات حسب ذیل ہے (اعتراض **گکھڑوی** اور جواب **سعیدی** کے زیر عنوان ہو گا) وما توفیقی الا باللہ العظیم۔

گکھڑوی: ''من سن سنۃ حسنۃ سے بدعات پر استدلال اور اس کا جواب'' کا عنوان دے کر لکھا ہے: اکثر بدعت پسند حضرات اپنے مدعیٰ پر اس روایت کو بطور دلیل پیش کیا کرتے ہیں لہٰذا مناسب ہے کہ اس کو نقل کر کے اس کا جواب بھی دیا جائے''۔ [راہِ سنّت صفحہ ۱۱۱]

سعیدی: کوئی سنّی بفضلہٖ تعالیٰ کسی ایک بھی بدعت مذمومہ کا قطعاً حامی نہیں ہے۔ معمولات اہل سنت کو بدعات (سیئہ) سے تعبیر کرنا تنقیص پیشہ حضرات کا قدیمی شیوہ ہے جس کا مقصد اپنے گستاخانہ عقائد ونظریات پر پردہ ڈالنا اور یہ بحث چھیڑ کر عوام کی توجہ کو اپنے ان نظریات سے ہٹانا ہے۔ روایت پیش کرتے ہیں اس امر کا اعتراف ہے کہ اہل سنت بلا دلیل بات نہیں کرتے بلکہ اپنے

موقف کے دلائل رکھتے ہیں۔آ گے بولو۔

گکھڑوی: ''حدیث کے الفاظ یہ ہیں (ترجمہ مولوی عبدالسمیع صاحب کا ہے) من سن فی الاسلام سنة حسنة فعمل بها بعده کتب له مثل اجر من عمل بها ولا ينقص من اجورهم شئ (مسلم جلد۲ صفحہ۳۴۱) کہ جس نے جاری کیا اسلام میں طریقہ نیک پھر اس کے بعد اس طریقہ حسنہ پر عمل کیا گیا تو لکھا جائے گا اس شخص کے واسطے اس قدر اجر و ثواب کہ جس قدر سب عمل کرنے والوں کو اس کے بعد ہوگا اور ان لوگوں کے ثواب میں سے کچھ کاٹ کر اس کو نہ دیں گے۔ (انوارِ ساطعہ صفحہ۴۴)''

اھ ملاحظہ [راہِ سنّت صفحہ۱۱۱]

سعیدی: گکھڑوی صاحب نے پہلے اسے روایت کہا پھر حوالہ کے لئے صرف صحیح مسلم کا نام لیا تا کہ وہ عوام کو یہ تاثر دے سکیں کہ یہ ایک عام سی بات ہے اور وہ بھی ایک آدھ کتاب میں جو صحیح نہیں کیونکہ یہ اعلیٰ درجہ کی صحیح حدیث ہے جو متواترہ نہ بھی ہو تو مستفیض و مشہور کے درجہ سے کم نہیں اور وہ تخریج حدیث کی متعدد کتب معتبرہ میں ہے کتبِ نقل تو اس قدر کثیر ہیں کہ ان کا احصاء ناممکن نہ ہو تو مشکل ضرور ہے۔بعض حوالہ جات حسب ذیل ہیں۔ملاحظہ ہو: (۱) صحیح مسلم جلد۱ صفحہ۳۲۷ کتاب الزکٰوۃ باب الحث علی الصدقة (۲) صحیح مسلم جلد۲ صفحہ۳۴۱ کتاب العلم باب من سنّ سنة حسنة طبع کراچی (۳) تا (۷) مسند امام احمد جلد۴ صفحہ ۳۵۷، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲ طبع مكة المكرّمة (مسند حضرت جریر رضی اللہ عنہ) (۸) جامع ترمذی جلد۲ صفحہ۹۲ کتاب العلم باب ماجاء فی من دعا الی ھدی الخ۔طبع دہلی (۹) سنن النسائی جلد۱ صفحہ۳۵۶ کتاب الزکٰوۃ باب التحريض علی الصدقة طبع کراچی (۱۰) سنن ابن ماجہ جلد۱ صفحہ۱۸ مقدمہ باب من سن سنة حسنة اوسيئة طبع کراچی (۱۱) سنن الدارمی جلد۱ صفحہ۱۴۰، ۱۴۱ باب نمبر۴۴ حدیث ۵۱۲ مقدمہ۔دو سندوں کے ساتھ مختصراً و مفصلاً (۱۲) مسند ابی داؤد الطیالسی صفحہ۹۳ الجزء الثالث حدیث نمبر ۶۷۰ طبع دارالمعرفة بیروت (۱۳) مجمع الزوائد جلد۱ صفحہ۱۶۷ باب عن سنن خیر الخ طبع بیروت (۱۴) مشکوٰۃ المصابیح عربی کتاب العلم بحوالہ صحیح مسلم جلد۱ صفحہ۳۳ طبع کراچی۔

اقول: امام ترمذی نے فرمایا وفی الباب عن حذیفة ھذا حدیث حسن صحیح یعنی حضرت جریر کی اس حدیث کا یہ مضمون حضرت حذیفہ سے بھی مروی ہے اور یہ حدیث حسن صحیح ہے (ترمذی جلد۲ صفحہ۹۲)

ثم اقول: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث مسند احمد جلد ۵ صفحہ ۳۸۷ مسند حضرت حذیفہ۔
ثم ثم اقول: اس مضمون کی حدیث حضرت سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی مروی ہے حوالہ کے لئے ملاحظہ ہو [سنن ابن ماجہ صفحہ ۱۸، ۱۹ طبع کراچی۔ مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۵۲۰ طبع مكة المكرّمة]
نیز بعینہٖ یہی مضمون حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ ملاحظہ ہو [سنن ابن ماجہ صفحہ ۱۹ مقدمہ باب من سنن سنة حسنة او سيئة طبع کراچی]
نیز صحیحین کی روایت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے جس پر امام بخاری نے یہ عنوان قائم کیا ہے: ''باب اثم من دعا الى ضلالة اوسنّ سنة سيئة''۔ روایت کے لفظ اس طرح ہیں ''قال النبي صلى الله عليه وسلم ليس من نفس تقتل ظلماً الا كان على ابن ادم الاول كفل منها وربما قال سفين من دمها لانه سنّ القتل اوّلا''۔ اھ ملاحظہ ہو [صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۰۸۸ جلد ۱ صفحہ ۴۶۹ نیز مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۳۳ بحوالہ صحیح بخاری وصحیح مسلم]

خلاصہ یہ کہ حدیث من سن فی الاسلم سنة حسنة الخ صحیح ومشہور ومستفیض حدیث ہے اور وہ صرف صحیح مسلم میں نہیں دیگر کئی کتب حدیث میں بھی ہے۔ الحمد للہ گکھڑوی صاحب نے اس کے برخلاف جو غلط تاثر دینا چاہا تھا وہ یکسر ھباءً منثوراً ہو گیا اور اس کے پرخچے اڑ گئے اور اس کی دھجیاں فضا میں بکھر گئیں۔

لطیفہ:

گکھڑوی صاحب نے ''انوار ساطعہ'' کو ''انوار الساطعہ'' کر کے لکھا ہے۔ اگر یہ ان کی ذاتی محنت ہے تو وہ خود وضاحت کریں یا ان کا کوئی سپوت ہی بتا دے' کیا یہ انہوں نے درست لکھا ہے؟ اور کیا صفت' موصوف کے لکھنے کا یہی طریقہ ہے؟ آگے چلئے۔

گکھڑوی: ''اس روایت سے بدعات کی ترویج اور ان کے جواز پر استدلال کرنا باطل اور مردود ہے''۔ [راہِ سنّت صفحہ ۱۱۱]

سعیدی: بدعات سیّئہ کی ترویج یا جواز گکھڑوی صاحب کا اہل سنّت پر افتراء شدید اور بہتان عظیم ہے جب کہ وہ معمولات اہل سنت کو بدعات سیّئہ ثابت کرنے میں بھی تا حال بفضلہٖ تعالیٰ عاجز و ناکام ہیں اور آئندہ بھی عاجز و ناکام رہیں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔ بے شک وہ مزید طبع آزمائی کر کے دیکھ لیں۔

رہا عموم واطلاق نصوص شرعیّہ سے ثبوت کے بعد کسی امر کی ہیئت کذائیہ کے جواز واستحسان اور استحباب کا استدلال کرنا؟ تو یہ ایک اٹل بات اور ناقابل تردید حقیقت ہے اور اپنی جگہ درست ہے جو خود اس حدیث کے پس منظر اور سیاق وسباق کے علاوہ کئی ائمۂ اسلام بلکہ خود گکھڑوی صاحب کے بعض مسلّم اکابرو علماء سے بھی ثابت ہے لہٰذا اس سے ان کا انکار بذات خود باطل اور سخت مردود ہی نہیں ان کی شدید تلبیس اور ہیرا پھیری بھی ہے خصوصاً جب کہ ہمارے حنفی فقہاء نے اسے قواعد الاسلام سے شمار فرمایا ہے۔ چنانچہ

حدیث ہٰذا کی شانِ نزول اور پس منظر:

حدیث ہٰذا کی شان نزول اور پس منظر یہ ہے کہ قبیلۂ مضر وغیرہا کے کچھ نادار لوگ سفر کر کے مدینہ طیبہ میں بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوئے جن کی سخت ناداری، محتاجی اور مفلسی ان کے لباس وغیرہ سے ظاہر تھی۔ رسول اللہ ﷺ سے ان کی اس حالت زار کو دیکھ کر نہ رہا گیا، چشمانِ مبارک پُرنم ہو گئیں۔ رحمۃ للعلمین علیہ صلوٰۃ ربّ العٰلمین نے منبر اقدس پر جلوہ گر ہو کر ان کے حال پر رحم کھاتے ہوئے ان کی مالی امداد کرنے پر حاضرین کو راغب فرمایا۔ سامعین سے تعمیل میں کچھ تاخیر صادر ہوئی تو آپ مزید بے چین ہو گئے: فجاء رجل من الانصار بصرة كادت كفه تعجز عنها بل قد عجزت قال ثم تتابع الناس الخ (وفی لفظ) ثم ان رجلا من الانصار جاء بصرة من ورق ثم جاء اٰخر ثم تتابعوا حتى عرف السرور فى وجهه فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم من سن فى الاسلام الخ یعنی اس جمود کو توڑنے کے لئے سب سے پہلے قبیلۂ انصار کا ایک شخص (سونا اور) چاندی کے سکّوں کی بھری ہوئی ایک ایسی وزنی تھیلی لے کر حاضر ہوا جسے ایک ہاتھ سے اٹھانے میں اسے مشکل پیش آ رہی تھی، اس کے بعد اس کی دیکھا دیکھی ایک اور شخص حسب توفیق کچھ لایا پھر سب لوگوں کو جوش آ گیا اور وہ عطیات لانا شروع ہوئے پھر ان کی لائنیں لگ گئیں اور انہوں نے اس قدر جمع کر دیا کہ (ایک روایت کے مطابق سامان کی دو ڈھیریاں بن گئیں) حتّی کہ آپ ﷺ کا رُخِ انور اس ایثار کو ملاحظہ فرما کر فرطِ مسرت سے چمک اٹھا پس آپ نے اس موقع پر ارشاد فرمایا: جو مسلمان نے اسلام کے قرار دادہ کسی نیک طریقہ کو رائج کیا، پھر اس کی دیکھا دیکھی اس پر عمل کیا جانے لگا تو اس کے لئے (اس پر عمل کا نیز) اس پر عمل پیرا ہونے والوں کے عمل کا ثواب لکھ دیا جاتا ہے جب کہ عمل کرنے والوں کے اجر و ثواب میں بھی کچھ کمی نہیں کی جاتی۔ اھ ملاحظہ ہو [صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۳۲۷ جلد ۲ صفحہ ۳۴۱ وغیرہ بعض دیگر کتب حدیث جن کے حوالہ جات ابھی گزرے ہیں۔

حدیث ہٰذا سے سُنّی استدلال کی توضیح:

وجہ استدلال یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عمومی انداز میں صرف امداد کرنے کی ترغیب دی نہ کسی کا نام لیا کہ فلاں سب سے پہلے تم اٹھو اور نہ ہی عطیہ کی نوعیت کی پابندی لگائی کہ فلاں چیز فلاں مقدار میں لاؤ۔ پس اس انصاری صحابی کا سب سے پہلے اٹھنے اور بھاری بھر کم تھیلی لے کر حاضر ہونے کی ہیئت کذائیہ غیر مصرح تھی البتہ اس عمل کی اصل ثابت تھی کہ آپ ﷺ عموم کا معنٰی دینے والے لفظ ارشاد فرما رہے تھے۔ آپ ﷺ نے اس جدید ہیئت کذائیہ کی توثیق فرماتے ہوئے اسے باعث اجر و ثواب قرار دیا جو اس امر کی ٹھوس دلیل ہے کہ عموم و اطلاق سے ثبوت کے بعد ہیئت کذائیہ بھی ثابت شمار ہوتی ہے جو سنّی موقف کی زبردست دلیل ہے والحمدللہ علٰی ذلک۔

واضح رہے کہ اس ہیئت کذائیہ کے موجود وہ صحابی ہی تھے جس کی دلیل حدیث کے لفظ سَنَّ بھی ہیں جس کی ضمیر کا مرجع وہ صحابی ہیں یعنی اس میں ترویج کی نسبت الٰہی صحابی سے فرمائی گئی ہے۔ علاوہ ازیں اسے رسول اللہ ﷺ سے نسبت دینا کذب علی الرسول ﷺ شمار ہوگا۔ پھر آپ ﷺ نے اسے کلیہ کے انداز میں بیان فرمایا جو اس امر کی دلیل ہے کہ آپ ﷺ نے ہیئت کذائیہ کے جواز کو محدود اور مقیّد اور اسی صحابی سے خاص فرمانے کی بجائے قیامت تک آنے والوں کے لئے اس میں تعمیم فرمائی لہٰذا کسی امر جواز و استحباب کے لئے بعینہٖ ہو بہو، من وعن اور بہ ہیئت کذائیہ ثبوت کی بجائے صرف اتنا کافی ہوگا کہ کسی نص شرعی کے عموم و اطلاق سے اس کا ثبوت ملتا ہو جس کی ایک مثال چائے بھی ہے جو بصورت موجود کسی حدیث سے ثابت نہیں البتہ اس کا ہر جزء چونکہ حلال ہے پس مجموعہ بھی حلال ہی ہے جب کہ اس کے اجزاء کی حلّت نصوص شرعیہ کے عموم واطلاق ہی سے ثابت ہے علیحدہ علیحدہ ہرگز ثابت نہیں کہ چائے میں ڈالا گیا پانی، چینی، پتی، الائچی اور دودھ صحیح الاستعمال ہیں بلکہ کلوا مما فی الارض حلالاً طیباً جیسی آیات و احادیث اس کی دلیل ہیں فافھم ولا تکن من الغفلین۔

گکھڑوی خیانت:

گکھڑوی صاحب نے حدیث ہٰذا کو اس کے پس منظر سمیت نقل کرنے کی بجائے محض من مانے الفاظ کو لے لینے پر اکتفاء کیا ہے جو ان کی سخت مجرمانہ خیانت ہے کیونکہ اس کے بغیر ان کے پیش کردہ الفاظ کا صحیح مفہوم واضح نہیں ہوتا۔ وجہ صاف ظاہر ہے کہ اس کے بغیر ان کی مطلب برآری ناممکن تھی۔ ولا حول

ولاقوۃ الا باللہ العظیم ۔

الاعلام فی الاصحاب الکرام:

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بیشتر احکام دینیہ کے درود کا سبب ہیں اس لئے ان کا وجود باعثِ رحمت ہے۔ دیکھئے اگر ان سے اِبطاء کا صدور نہ ہوتا تو ہمیں من سنّ فی الاسلام الخ والا رحمت بھرا اصول کبھی نہ ملتا جب کہ انہوں نے بھرپور انداز میں تعمیل ارشاد بھی کر لی اور رسول اللہ ﷺ بھی ان کی اس تعمیل پر بہت خوش ہوئے جیسا کہ ان الفاظ سے ظاہر ہے ''حتی عرف السرور فی وجھہ'' (ﷺ) پس کوئی قدغن نہیں فتنبہ ولاتکن من الغافلین ـــــــ

خلاصہ یہ کہ حدیث کا پس منظر اور سیاق وسباق بھی ہمارے موقف کی دلیل ہے۔ مزید سنئے۔

امام نووی کا ارشاد:

نیز علامہ نووی (مشہور شارح حدیث) زیر بحث حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں: ''وفی ھذا الحدیث تخصیص قولہ صلی اللہ علیہ وسلم کل محدثۃ بدعۃ و کل بدعۃ ضلالۃ وان المراد بہ المحدثات الباطلۃ والبدع المذمومۃ (الی) ان البدع خمسۃ اقسام واجبۃ ومندوبۃ ومحرمۃ ومکروھۃ ومباحۃ'' یعنی یہ حدیث رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کل محدثۃ بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ (ہر محدث بدعت اور ہر بدعت ضلالت ہے) کی مخصِّص ہے اور اس بات کی دلیل ہے کہ اس (حدیث کل محدثۃ الخ) میں مراد وہ محدثات ہیں جو باطل ہوں اور وہ بدعات ہیں جو مذموم ہوں کیونکہ بدعات کی پانچ قسمیں نمبر ا بدعت واجبہ اور نمبر ۲ بدعت مندوبہ اور نمبر ۳ بدعت محرمہ اور نمبر ۴ بدعت مکروہہ اور نمبر ۵ بدعت مباحہ'' اھ۔ ملاحظہ ہو [نووی شرح مسلم جلد ا صفحہ ۳۲۷ طبع کراچی]

اقولُ: ظاہر ہے کہ یہ حدیث (مَنْ سَنَّ الخ) حدیث کل محدثۃ بدعۃ الخ کی مخصِّص اس وقت ہو سکتی ہے جب اس میں بدعت حسنہ کا بیان ہو بالفاظ دیگر ثبوت اصل کے بعد کسی امر کی ہیئت کذائیہ بدعت مذمومہ نہ ہو جو سنّی موقف کے صحیح ہونے میں نصّ صریح ہے۔ یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ گکھڑوی صاحب نے علامہ نووی علیہ الرحمۃ کی یہ عبارت دیکھی نہیں ہوگی ورنہ ان کا شیخ الحدیثیّت کا دعویٰ متاثر ہوگا پس یہی کہا جائے گا کہ انہوں نے عمداً اسے نظر انداز کیا ہے کیونکہ صحیح مسلم سے جب حدیث انہوں نے پڑھ لی تو اس کے ساتھ چھپی ہوئی شرح نووی کیونکر اوجھل ہوگئی جب کہ اس کا داعیہ اور محرک بھی موجود تھا اور حوالہ بھی انہوں نے اسی

صحیح مسلم کا دیا ہے جس کے ساتھ نووی شرح مسلم چھپی ہوئی ہے۔ شاباش۔ ع

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں مے کنند

حدیث ہٰذا کی بابت فقہاء احناف کا فیصلہ:

ہمارے حنفی فقہاء نے حدیث ہٰذا کو اصول کلیہ میں سے اور قواعد الاسلام میں سے شمار فرمایا ہے۔ تو کیا گکھڑوی صاحب کی نظر سے یہ تصریحات بھی نہیں گزری تھیں جب کہ فقہ حنفی پر کامل دسترس اور مکمل عبور نیز اسے بہت زیادہ ماننے کا دعویٰ بھی ان کو ہے۔ فیا للعجب ولضیعة العلم والعدل والادب۔

صاحب درمختار:

چنانچہ صاحب درمختار فضائل امام اعظم رضی اللہ عنہ میں فرماتے ہیں ''له اجره واجر من دوّن الفقه والفه وفرع احکامه علیٰ اصول العظام الی یوم الحشر والقیامة ''یعنی حضور امام اعظم کو تاسیس فقہ کا ثواب ملے گا اور جو یوم محشر اور روز قیامت تک آپ کے اصولوں پر چلتے ہوئے فقہ کی تدوین نیز فقہ میں تصنیف و تالیف اور احکام کا استنباط کرے گا' اس کا ثواب بھی آپ کے لئے ہے۔ اھ۔

علامہ شامی:

فقیہ النفس امام علامہ شامی قدس سرہ السامی اس کے تحت حدیث من سنّ فی الاسلام نیز حدیث لاتقتل نفس الخ اور الدّال علی الخیر کفاعله کو نقل فرما کر ارقام فرماتے ہیں: ''قال العلماء هٰذه الاحادیث من قواعد الاسلام وهو ان من ابتدع شیئا من الشرّ کان علیه وزر من اقتدیٰ به فی ذلک فعمل مثل عمله الی یوم القیٰمة وکل من ابتدع شیئا من الخیر کانله مثل اجر کل من یعمل به الی یوم القیٰمة'' یعنی علماء اسلام نے فرمایا کہ یہ احادیث ان احادیث سے ہیں جن میں مختلف امور کی جزئیات گن سنانے کی بجائے شرعی قواعد کلیہ بیان کئے گئے ہیں اور ان میں بیان کردہ قاعدہ شرعیہ یہ ہے کہ جو شخص کوئی برا کام ایجاد کرے پس اس پر عمل کیا جانے لگے تو قیامت تک (جب تک) اس پر عمل ہوگا اس کا سارا گناہ اسی پر ہوگا اور جس نے کوئی نیکی کام ایجاد کیا قیامت تک اس پر عمل کرنے والوں کے عمل کا ثواب اسی کو ملے گا جس نے اسے ایجاد کیا ہوگا۔ اھ۔

اقولُ: علامہ شاطبی علیہ الرحمۃ کی یہ عبارت اس امر کی نص صریح ہے کہ کہ حدیث مَن سَنَّ الخ سے مراد ثبوت اصل کے بعد کسی امر کی ہیئت کذائیہ ہی کا جواز و استحباب ہے جیسا کہ ان کے الفاظ مَنِ ابتَدَعَ سے

صاف ظاہر ہے کہ ابتداع کا معنی ہے بغیر کسی سابقہ مثال سے کسی چیز کو ایجاد کرنا ہے اور ظاہر اس سے یہ مراد ہرگز نہیں کہ کسی طرح سے بھی اس کی مثال نہ ہو کہ ایسی صورت میں وہ بدعت مذمومہ ہوگی لہٰذا من وجہ مثال سابق کا نہ ہونا متعین ہوا اور وہ ہیئت کذائیہ ہی ہے لا غیر وھو المقصود۔

علاوہ ازیں علامہ شامی نے یہ حدیث جس امر کی دلیل کے طور پر پیش فرمائی ہے وہ ہے تاسیس فقہ۔ جب کہ فقہ کی اصل تو پہلے سے قرآن وسنت میں موجود تھی پس امام اعظم کا فقہ کی بنیاد رکھنا نہ ہوا مگر بہ ہیئت کذائیہ۔ جس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ صاحب درمختار نے فرمایا: ھو کالصدیق رضی اللہ عنہ یعنی امام اعظم، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے کارناموں کانمونہ ہیں۔

اس کے تحت علامہ شامی نے فرمایا: ''وجہ الشبہ ان کلّا منھما ابتداء امر الم یسبق الیہ۔ فابوبکر رضی اللہ عنہ ابتدأ جمع القران بعد وفاته صلى الله عليه وسلم بمشورہ عمر - وابو حنیفه ابتداء تدوین الفقه''۔ یعنی وجہ تشبیہ یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک نے ایسے کارنامے سرانجام دیے جن کی سابق میں مثال نہیں ملتی۔ مثلاً حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت عمر کے مشورہ سے قرآن مجید کو یک جا کرنے کا نیا کارنامہ سرانجام دیا جب کہ امام ابوحنیفہ نے باقاعدگی سے تدوین فقہ کی بنیاد رکھی۔ اھ ملاحظہ ہو۔ [درمختار۔ ردالمحتار جلد ا صفحہ ۴۳ طبع کوئٹہ]

پس علامہ شامی کی یہ عبارت بھی اس امر کی روشن دلیل ہے کہ حدیث من سنّ الخ میں ہیئت کذائیہ ہی کا جواز واستحباب اور اس کا بدعت مذمومہ نہ ہونا مراد ہے۔ اس سے یہ بھی واضح ہوا کہ حدیث ہذا کے لفظ سنّ جاری کرنے ہی کے مفہوم میں ہے کہ کیونکہ اٹل بات ہے کہ مختلف امور کی ہیئت کذائیہ ہر دور میں مختلف ہوگی جس کا جاری کرنا اس دور والوں ہی کا کام ہے لہٰذا اس سے گکھڑوی صاحب کے اس اعتراض کا بھی جواب ہو گیا کہ جاری کرنا امتی کا کام نہیں بلکہ ان کا یہ قول مضحکہ خیز بھی ہے کیونکہ بہ ہیئت کذائیہ جاری کرنا، امتی ہی کا کام ہے۔ اگر ہیئت کذائیہ کا جاری کرنے والا اللہ ورسول (جل جلالہ وصلی اللہ علیہ وسلم) کو کہا جائے تو یہ کذب بھی ہوگا کیونکہ یہ قطعاً خلاف واقعہ ہے۔ نعرۂ رسالت۔ یارسول اللہ۔

لطیفہ:

جاء الحق میں حضرت مفتی صاحب نے علامہ شامی کی یہ عبارت نقل فرمائی ہے کہ گکھڑوی صاحب نے جاء الحق پر حدیث ہذا سے استدلال کی بناء پر اعتراض کرنے کے باوجود شامی کی عبارت کا جواب لکھنا تو کجا اس کو چھوا تک

نہیں جس سے ان کی قابلیت کا پتہ چلتا ہے۔

علامہ علی القاری سے:

علامہ علی القاری الحنفی (المتوفّٰی ۱۰۱۴ھ) حدیث کے الفاظ وَ کُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ کے تحت الازہار اور تہذیب الاسماء واللغات وغیرہ کے حوالہ سے ارقام فرماتے ہیں: ای کل بدعة سیّئة ضلالة لقوله علیه الصلوٰة والسلام من سن فی الاسلام سنة حسنة فله اجرها واجر من عمل بها وجمع ابوبکر وعمر القرآن وکتبه زید فی المصحف وجددفی عهد عثمان رضی الله عنهم (الیٰ) البدعة اما واجبة...... واما محرمة...... واما مندوبة...... واما مکروهة...... واما مباحة الخ یعنی حدیث کے الفاظ کل بدعة ضلالة میں بدعت سے مراد بدعت سیّئہ ہے جس کی دلیل آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشاد ہے کہ من سن فی الاسلام الخ جس نے اسلام میں کوئی نیک طریقہ جاری کیا تو اس کے لئے اس کا اجر ہے نیز اس کا اجر بھی جس نے اس پر عمل کیا۔ اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے قرآن کو یک جا فرمایا اور حضرت زید نے اسے ایک صحیفہ کی شکل دی اور حضرت عثمان کے دور میں اسے نئے سرے سے (لغت قریش) میں لکھا گیا رضی اللہ عنہم۔ بدعت کی پانچ قسمیں ہیں نمبر ۱ واجبہ نمبر ۲ محرمہ نمبر ۳ مستحبہ نمبر ۴ مکروہہ اور نمبر ۵ مباحہ اھ ملخّصاً بلفظہ۔ ملاحظہ ہو [مرقاۃ المفاتیح جلد ۱ صفحہ ۲۱۶ طبع مکتبہ حقانیہ ملتان]

گکھڑوی صاحب کے شیخ الاسلام سے:

گکھڑوی صاحب کے شیخ الاسلام مولوی شبیر احمد عثمانی صاحب نے بھی علامہ علی القاری کی اس عبارت کے متعلق تصدیق کی ہے کہ واقعی انہوں نے یہ لکھا ہے چنانچہ ان کے لفظ ہیں: قال علی القاری قال فی الازهار ای کل بدعة سیّئة ضلالة لقوله علیه الصلوٰة والسلام من سنّ فی الاسلام سنة حسنة فله اجرها واجر من عمل بها الخ۔ ملاحظہ ہو۔ [فتح الملہم جلد ۲ صفحہ ۴۰۶ طبع مکتبہ رشیدیہ پاکستان چوک کراچی]

الشیخ محمد محدّث تھانوی:

تلمیذ شاہ اسحاق الشیخ محمد محدث تھانوی حاشیہ سنن النسائی (التقریرات الرائعۃ) میں حدیث ہٰذا کے تحت منقولہ بالا عبارات امام نووی کو تائیداً نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''اقول ومن جملة البدع المندوبة احتفال مولده الشریف کما قال الامام الحافظ ابو محمد المعروف بابی شامة (الیٰ) ومن احسن ما ابتدع فی زماننا من هٰذا القبیل ما کان

• يفعل بمدينة اربل كل عام في اليوم الموافق ليوم مولد النبي صلى الله عليه وسلم الخ۔ یعنی حدیث من سن فی الاسلام سنة حسنة کی رو سے بدعات مستحبہ میں سے آپ ﷺ کے میلاد شریف کی محفل ہے جیسا کہ امام حافظ ابومحمد المعروف ابوشامہ نے میلاد شریف کے موضوع پر تحریر کردہ اپنی کتاب میں فرمایا ہمارے زمانہ میں انتہائی اچھے قسم کے نئی شکل کے کاموں میں سے ایک کام وہ ہے جو اربل کے شہر میں ہر سال میلاد النبی ﷺ کی تاریخ میں کیا جاتا ہے (یعنی محفل میلاد شریف) اھ۔ ملاحظہ ہو [نسائی شریف جلد ۱ صفحہ ۳۵۶ کتاب الزکوۃ باب التحریض علی الصدقۃ۔ حاشیہ[۱] طبع قدیمی کتب خانہ کراچی]

اس سے معلوم ہوا کہ علماء نے نہ صرف یہ کہ حدیث من سنّ الخ کو قواعد اسلام سے گنا ہے بلکہ اس سے خصوصیت کے ساتھ یہ ہیئت کذائیہ محفل میلاد شریف کے جواز واستحباب کا استدلال بھی فرمایا ہے جسے بدعت سیّئہ قرار دینے پر گکھڑوی صاحب کمربستہ ہیں۔ لہٰذا اس ایمان افروز اور باطل سوز حوالہ سے یہ بات روز روشن کی طرح کھل کر سامنے آ گئی کہ گکھڑوی صاحب کا اس سے استدلال کو باطل اور مردود قرار دینا بذات خود باطل اور مردود ہے۔

حدیث ہٰذا پر گکھڑوی اعتراضات اور ان کے جوابات

اعتراض نمبر ۱ (امتی کا کام سنت سے تمسک ہے سنّت جاری کرنا نہیں) کا جواب:

حدیث ہٰذا پر پہلا اعتراض کرتے ہوئے گکھڑوی صاحب نے لکھا ہے کہ:

''حضرت ابوہریرہ (دیکھئے مشکوٰۃ جلد ۱ صفحہ ۳۰) اور حضرت عبداللہ بن عباس (ملاحظہ ہو ہامش مشکوٰۃ جلد ۱ صفحہ ۳۰) اور حضرت غضیف بن الحارث الثمالی (دیکھئے مشکوٰۃ جلد ۱ صفحہ ۳۱) کی روایتوں میں اس امر کی تصریح موجود ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا من تمسک بسنتی جس نے میری سنت سے تمسک کیا اور مضبوطی سے اس کو پکڑا اور فرمایا: فتمسک بسنة خیرا الخ کہ سنت کے ساتھ تمسک کرنا بہتر ہے۔ ان روایات سے معلوم ہوا کہ امتی کا کام سنت پر چلنا اور اس سے تمسک کرنا ہے' سنت جاری کرنا اس کا کام نہیں ہے۔ رہا حضرات خلفاء راشدین اور دیگر حضرات صحابۂ کرام اور خیر القرون کا معاملہ' تو محل نزاع سے خارج ہے اور اس

کی پوری بحث پہلے گزر چکی ہے''۔ اھ [راہِ سنّت صفحہ ۱۱۲]

الجواب

گکھڑوی صاحب کی اس تقریر کا انہیں کوئی فائدہ اور ہمیں کچھ نقصان نہیں کیونکہ :

اوّلاً: بحث ان کی پیش کردہ ان روایات میں نہیں بلکہ حضرت جریر بن عبداللہ البجلی رضی اللہ عنہ کی حدیث سے متعلق ہے جس میں مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً کے الفاظ ہیں جب کہ ان روایتوں میں سے کسی روایت میں یہ لفظ نہیں ہیں۔ فافترقت جب کہ اس لفظ سَنَّ کا معنٰی ''جاری کرنا'' گکھڑوی صاحب کے بعض پیش رووں کو بھی تسلیم ہے[1]۔ چنانچہ ان کے ہم عقیدہ بزرگ مولوی عبدالحفیظ بلیاوی[2] دیوبندی نے لکھا ہے ''سَنَّ الْاَمْرَ'' ظاہر کرنا آسان کرنا[3] جاری کرنا'' (مصباح اللغا تصفحہ ۳۹۹) نیز علامہ[4] شامی کا اس کے لئے ابتدع کے لفظ ارشاد فرمانا بھی اس کی دلیل ہے (وقد مر) پس گکھڑوی صاحب کی علامہ عبدالسمیع پر یہ ہٹ کہ انہوں نے اسے جاری کرنے کے معنٰی میں لیا ہے خود ان کے بزرگوں پر جا پڑی۔

ثانیاً: پیش کردہ ان روایات میں سنت صریحہ'' کا بیان ہے جب کہ زیر بحث حدیث (مَنْ سَنَّ الخ) میں سنّت غیر صریحہ (جسے ''بدعت حسنہ'' کہا جاتا ہے) کا بیان ہے جیسا کہ نووی شرح مسلم اور مرقاۃ وغیرہا کی گزشتہ بحث میں نقل کردہ عبارات میں مذکور ہے جب کہ بدعت حسنہ کا جاری کرنا امتی کا ہی کام ہے لہٰذا یہ روایات اس حدیث کے خلاف نہیں۔

ثالثاً: جب امتی کا کام سنت پر چلنا اور اس سے تمسک کرنا ہے تو بدعت حسنہ کا جاری کرنا سنت ہی کا حصہ ہوا کہ یہ بھی آپ ﷺ کی تلقین ہے۔ بالفاظ دیگر بدعت حسنہ کا جاری کرنا بھی تمسک بالسنّۃ ہے کہ اس کی اجازت بھی سنت ہی سے ثابت ہے۔

رابعاً: روایت غضیف رضی اللہ عنہ مسئلہ سنت وبدعت میں فیصلہ کن ہے اور سنّی موقف کی زبردست دلیل۔ کیونکہ اس کے شروع کے الفاظ یہ ہیں کہ :ما احدث قوم بدعة الارفع مثلها من السنة یعنی سنت وبدعت ایک دوسرے کی ضد ہیں اور بدعت کی بنیادی علامت یہ ہے کہ اس سے پہلے موجود حکم شرعی اٹھ جاتا ہے (مشکوۃ صفحہ ۳۱) اور یہ بعینہٖ ہمارا نظریہ ہے کہ بدعت مذمومہ کسی امر کی شرعی حیثیت کو بدل کر اس

بدلی ہوئی صورت کو دین سمجھنے کا نام ہے۔ جیسا کہ بارہا گزر چکا ہے۔ پھر گکھڑوی صاحب نے اس سے استدلال کر کے اس کی صحت کو مان کر یہ تسلیم کرلیا ہے کہ سنّی موقف واقعی صحیح صریح حدیث سے ثابت ہے جب کہ ان کے داعیہ اور محرّک والا دعویٰ قطعاً ثابت نہیں۔ وللہ الحمد۔ موصوف نے روایت ہٰذا کا یہ حصّہ شاید اس لئے نقل نہیں کیا تھا کہ انہیں نظر آ رہا تھا کہ اس سے انہیں لینے کے دینے پڑ جائیں گے جسے ہم نے واضح کر دیا۔ البتہ اس کا جواب گکھڑوی صاحب کے ذمہ ابھی باقی ہے کہ اس روایت کے الفاظ ''فتمسک بسنة خیر من احداث بدعة'' (یعنی سنت سے تمسک کرنا بہتر ہے بدعت کے احداث سے) سے مترشح ہو رہا ہے کہ سنت بہت اچھی اور بدعت اس کے مقابلہ میں اچھی ہے جیسا کہ بہتر کے لفظوں سے ظاہر ہے جب کہ وہ خود بارہا لکھ چکے ہیں کہ بدعت میں تو حسن ہوتا ہی نہیں۔ پس یہ کیا ہے؟ یہاں بھی پورے الفاظ نقل کر کے ان کا ترجمہ لکھنے کے بجائے ''الخ'' لکھ کر اسے گول کر جانا بھی شاید اس بناء پر تھا کہ کہ اس کا جواب ان سے بنتا نظر نہیں آ رہا تھا۔ رہے ان کے یہ الفاظ کہ ''رہا حضرات خلفاء راشدین الخ''؟ تو اس سے وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ حضرات خلفاء راشدین اور دیگر صحابۂ کرام اور خیر القرون نے بہت سے ایسے کام واقعی کئے ہیں جو صراحت کے ساتھ قرآن و حدیث سے ثابت نہیں مگر ہیں وہ ٹھیک کہ ان کا معاملہ الگ ہے اس کے بارے میں عرض ہے کہ صحیح یہ ہے کہ اس سے وہ پھنس کر رہ گئے ہیں اور اس کی وہ تسلی بخش توجیہ پیش کرنے سے سخت عاجز و ناکام رہے ہیں جس کی مکمل تفصیل اپنے مقام پر (ہماری اس کتاب کے جلدوں میں) گزر چکی ہے۔ اسے ادھر ہی ملاحظہ کیا جائے اعادہ کی حاجت نہیں۔

اعتراض نمبر۲ (امّتی کا کام محض سنّت کی دعوت دینا ہے) سے جواب:

موصوف نے دوسرا اعتراض کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''خود اسی روایت میں مَنْ سَنَّ فی الاسلام الخ کے بجائے یہ الفاظ بھی آئے ہیں ایما داع دعا الی ھدیٰ کہ جس داعی نے ہدایت کی طرف دعوت دی (مسلم جلد۲ صفحہ ۳۴۱ و ابن ماجہ صفحہ ۱۹ و مجمع الزوائد جلد ۱ صفحہ ۱۶۸) اور اسی روایت کے دوسرے طریق میں ہے مَنْ احیاء سنة من سنتی قد امیتت بعدی ــــــ (ابن ماجہ صفحہ ۱۹ ترمذی جلد۲ صفحہ ۹۲ مشکوٰۃ جلد ۱ صفحہ ۳۰) کہ جس نے میری کسی ایسی سنت کو زندہ کیا جو میرے بعد مردہ ہو چکی تھی اور ایک روایت میں یوں

آتا ہے: من احیاء سنة من سنتی فعمل بھا الناس الحدیث (ابن ماجہ صفحہ ۱۹ کہ جس نے میری سنتوں میں کوئی سنت زندہ کی کہ لوگ اس پر عمل پیرا ہوئے۔ اور نیز فرمایا من استن خیراً (ابن ماجہ صفحہ ۱۹) کہ جو شخص کسی اچھے راستہ پر چلا اور ایک روایت میں ہے من علم علما فله اجر من عمل به ینقص من اجر العامل جس نے کوئی علم سکھلایا تو اس کو اتنا ہی اجر ملے گا جتنا عمل کرنے والے کو اور اس کے اجر میں بھی کوئی کمی نہ ہوگی۔ ان روایات سے اس مجمل روایت کی تفصیل اور تشریح ہو جاتی ہے کہ سنت اور طریقہ کا جاری کرنا مراد نہیں ہے بلکہ اس کی طرف دعوت دینا' اس کی تعلیم دینا' اس کو زندہ کرنا اور خود اس پر عمل کرنا اور لوگوں کو اس پر عمل کرنے کی تلقین کرنا مراد ہے' اس سے یہ مطلب سمجھنا اور مراد لینا کہ از خود کسی سنت کو جاری کرنا ہے یقیناً غلط ہے اور ان روایات کی صریح خلاف ورزی ہے۔ اھ بلفظہ [راہِ سنّت صفحہ ۱۱۲' ۱۱۳]

الجواب

بحث ایّما داعٍ اور من دعا الی ھدًی

اوّلاً: بحث حضرت جریر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے جس میں من سن فی الاسلام سنة حسنة الخ کے الفاظ ہیں جب کہ پیش کردہ روایات میں سے کوئی روایت بھی ایسی نہیں جو حضرت ممدوح سے مروی ہو لہٰذا گکھڑوی صاحب کا یہ کہنا قطعاً خلاف واقعہ اور جھوٹ ہے کہ ''خود اسی روایت میں من سنّ فی الاسلام الخ کے بجائے یہ الفاظ بھی آئے ہیں ایما دعا دعا الی ھدًی الخ۔ اگر ان میں ذرّہ بھر بھی صداقت ہے تو اسے ثابت کر کے دکھائیں۔

ثانیاً: گکھڑوی صاحب نے اَیُّمَا داعٍ اِلی ھدًی'' کے الفاظ کے لئے صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۴۱ اور مجمع الزوائد جلد ۱ صفحہ ۱۶۸ کا حوالہ بھی پیش کیا ہے جب کہ ان الفاظ سے اس روایت کا ان کتب میں قطعاً کوئی وجود نہیں ہے البتہ ابن ماجہ صفحہ ۱۹ میں بروایت حضرت انس رضی اللہ عنہ ہیں۔ صحیح مسلم میں یہ روایت من دعا الیٰ ھدًی الخ کے الفاظ سے ہے ملاحظہ ہو جلد ۲ صفحہ ۳۴۱ کتاب العلم بروایت حضرت ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ۔ نیز وہ ابوداؤد کتاب السنہ باب لزوم السنۃ۔ ترمذی کتاب العلم ما جاء فیمن دعا شرح السنۃ البغوی جلد ۱ صفحہ ۱۹۷' مسند احمد صفحہ ۳۹۷ اور ابن ماجہ میں بھی ہے۔ جب کہ مجمع الزوائد

میں یہ روایت من دعا الیٰ ھدیٰ الخ کے الفاظ سے بروایت حضرت ابن عمر لکھی ہے اور اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ ''رواہ الطبرانی فی الکبیر وفیہ عبیداللہ بن تمام ضعفہ البخاری وجماعۃ''، یعنی اسے طبرانی نے الکبریٰ[1] میں روایت کیا[2] ہے اور اس کی سند میں عبیداللہ بن تمام نامی راوی ہے جسے امام بخاری اور محدثین کی ایک جماعت نے ضعیف کہا ہے۔ ملاحظہ ہو (جلد ا صفحہ ۱۶۸ طبع بیروت)۔

اس سے قطع نظر یہ الفاظ بھی گکھڑوی صاحب کے مفید مدّعا نہیں ہیں کیونکہ ائمۂ شان نے اسے بھی تعیم معنیٰ پر محمول فرماتے ہوئے بدعت حسنہ کو بھی اس میں شامل قرار دیا ہے۔ چنانچہ مشہور شارح حدیث علامہ نووی علیہ الرحمۃ اس کے تحت ارقام فرماتے ہیں کہ ''سواء کان ذلک الھدیٰ والضلالۃ ھو الذی ابتدأہ ام کان مسبوقاً الیہ''، یعنی یہ حدیثیں ہدایت اور گمراہی کے ہر اس طریقہ کو شامل ہیں جو ابتداءً ہو یا پہلے سے موجود ہو۔ ملاحظہ ہو [نووی شرح مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۴۱ طبع کراچی]۔

اقول: عبارت ھٰذا ما نحن فیہ میں نصِ صریح ہے ورنہ ''ابتدأہ ام کان مسبوقاً الیہ'' کی تقسیم کا کیا معنیٰ؟ من احیاء سنۃ من سنّتی قدامتیت الخ:

یہ روایت بھی حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے نہیں ہے بلکہ حضرت بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ پس گکھڑوی صاحب کا اسے بھی روایت جریر رضی اللہ عنہ کا دوسرا طریق کا کہنا مطابق واقعہ نہیں۔ اس سے قطع نظر یہ بھی انہیں کچھ مفید یا ہمیں کچھ مضر نہیں بلکہ ہماری مؤید ہے کیونکہ:

اوّلاً: اس میں یہ لفظ بھی ہیں ''ومن ابتدع بدعۃ ضلالۃ لا یرضاھا اللہ ورسولہ کان علیہ من الاثم الخ۔ یعنی جس نے گمراہانہ بدعت نکالی جس سے اللہ اور اس کا رسول راضی نہیں تو اس پر (اس کا نیز) اس پر چلنے والوں کا گناہ ہوگا۔ ملاحظہ ہو [ترمذی جلد ۲ صفحہ ۱۹۲ ابن ماجہ صفحہ ۱۹ مشکوٰۃ صفحہ ۳۰]

بدعۃ کے ساتھ ضلالۃ کی قید کی وجہ بیان کرتے ہوئے گکھڑوی صاحب کے بکثرت مستند بہ اور مسلّم علامہ علی القاری اس کے تحت رقم طراز ہیں: ''وقید البدعۃ بالضلالۃ لاخراج البدعۃ الحسنۃ کالمنارۃ کذا ذکرہ ابن الملک''، یعنی بدعت کے ساتھ ضلالت کی قید بدعت حسنہ کو اس کے حکم سے نکالنے کے لئے ہے جس کی ایک مثال اذان دینے کے لئے منارہ کی ایجاد بھی ہے جیسا کہ امام

ابن الملک نے اس کا ذکر فرمایا ہے۔اھ ملاحظہ ہو[مرقاۃ جلد اصفحہ ۲۴۶،طبع ملتان]

اقولُ: گکھڑوی صاحب نے یہ الفاظ نقل نہیں کیے کیونکہ یہ ان کے موقف کے لیے پیغامِ موت تھے غ کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔

ثانیاً: ''سنت'' کا مفہوم بیان کرتے ہوئے اسی حدیث کے تحت علامہ موصوف ارقام فرماتے ہیں:

''فیکون المراد بها الجنس ای طریقة من الطریقة المنسوبة الیّ واجبةاومندوبة اخذت عنی بنص او استنباط کما افاد اضافة سنة الی الضمیر المقتضیة للعموم''یعنی سنت سے مراد جنس سنت ہے یعنی جو طریقہ بھی آپ ﷺ سے ثابت ہو واجب ہو خواہ مستحب، نصًا ثابت ہو خواہ استنباطاً جب کہ لفظ سنّت کی یائے ضمیر سے اضافت سے واضح ہے جو عموم کا تقاضا کرتی ہے۔اھ ملاحظہ ہو[مرقاۃ جلد اصفحہ ۲۴۵]

اقولُ: یعنی یہ حدیث جہاں سنت صریحہ کے لئے سنت غیر صریحہ (بدعت حسنہ) کے لئے بھی ہے وهو المقصود۔

ثم اقولُ: پیش کردہ اگلی روایت من احیا سنة من سنتی فعمل بها الخ میں بھی علامہ علی القاری کی یہ تقریر جاری ہوگی کیونکہ اس کا مضمون بھی وہی ہے جو روایت بالا کا ہے۔ فافہم۔

روایت من استن خیراً:

رہی روایت من استن خیراً؟ تو:

اوّلا: یہ بھی حضرت جریر سے نہیں بلکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جب کہ بحث روایت جریر میں ہے۔

ثانیاً: اگر اس میں یہ لفظ ہیں تو کیا ہوگیا، حضرت حذیفہ کی روایت میں مَنْ سَنَّ خَیْراً کے لفظ ہیں۔ملاحظہ ہو[مسند امام احمد جلد ۵ صفحہ ۳۸۷ طبع مکۃ المکرّمہ نیز مجمع الزوائد جلد اصفحہ ۱۶۷ باب فَمَنْ سَنَّ خَیْرً۔ وقال الهیثمی مؤلّفه رواه احمد والبزار والطبرانی فی الاوسط ورجاله رجال الصحیح الا اباعبیدة بن حزیفة وقد وثقه ابن حبان]

ثالثاً: اس کا بھی وہی پس منظر اور شان نزل ہے جو روایت جریر کا ہے کہ آپ ﷺ نے ایک نادار شخص کی امداد کرنے کی لوگوں کو ترغیب دی ایک شخص نے تعمیل ارشاد میں پہل کی باقی نے اس کی دیکھا

دیکھی حسب توفیق اس کی مدد کی تو اس پر آپ نے فرمایا من استن خیرا (ابن ماجہ صفحہ ۱۸، ۱۹ عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ) وفی روایۃ من سن خیراً (مسند احمد جلد ۵ صفحہ ۳۸۷ نیز مجمع الزوائد جلد ا صفحہ ۱۶۷ کمامر) جب کہ یہ پس منظر ہیئت کذائیہ اور بدعت حسنہ کے جواز واستحباب کا ثبوت ہے جیسا کہ روایت حضرت جریر سے ''وجہ استدلال'' کے زیر عنوان گزرا ہے۔ پس گکھڑوی صاحب کو کسی طرح سے اس کا کچھ بھی فائدہ نہ ہوا ____ کھلکھلائیے ____

روایت مَنْ عَلَّمَ عِلْمًا الخ سے گکھڑوی استدلال کا ردّ:

اسی طرح ان کی پیش کردہ روایت بھی ان کی نہیں بلکہ سنی موقف کی دلیل ہے کیونکہ گکھڑوی صاحب کے نزدیک اصل کے ثبوت کے باوجود ہیئت کذائیہ بدعت سیئہ ہوتی ہے جب کہ جتنے علوم جہاں کہیں جس شکل میں پڑھائے جارہے ہیں، ان کی صورت تعلیم قرآن وسنت اور خیر القرون سے صراحت کے ساتھ کہیں بھی ثابت نہیں ورنہ اور کو چھوڑیں گکھڑوی صاحب کے مدرسہ میں جو نصاب تعلیم اور طریق تعلیم مع تخصیصات وتقییدات رائج ہے وہ حسب اصول خود وہ صرف اسے من وعن خیر القرون سے ثابت کر کے دکھائیں مگر ان شاء اللہ وہ سو مرتبہ مر کر اٹھ کر بھی اسے ثابت نہیں کر سکے۔ بے شک طبع آزمائی کر کے دیکھ لیں۔

خلاصہ یہ کہ حدیث من سن فی الاسلام، بدعت حسنہ اور ہیئت کذائیہ کے جواز واستحباب کی عمدہ دلیل ہے اور اس کے جواب میں پیش کردہ روایات میں سے کوئی بھی ایسی نہیں جو اس سے مذکورہ استدلال کے خلاف ہو اور اس میں ''سَنَّ'' کا معنٰی ومفہوم ''جاری کرنا'' ہی ہے کہ ہیئت کذائیہ کا جاری کرنا امتی کا کام ہے جب کہ قیامت تک آنے والے مسائل کی تمام ہیئات کذائیہ زمانۂ مقدسہ اولیٰ میں نہ تھی پس ان کی نسبت آپ ﷺ سے کرنا آپ سے کذب کو منسوب کرنے کے مترادف ہے لہٰذا اسے غلط یا احادیث کی خلاف ورزی بذات خود غلط اور نصوص شرعیہ وتصریحات ائمہ سے بغاوت ہے ____

اعتراض نمبر ۳ (دلالۃً واشارۃً ثابت امر کا اجراء مراد ہے) سے جواب:

موصوف نے اس سلسلہ کا تیسرا اور آخری اعتراض کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''اس حدیث کے یہ معنٰی ہیں کہ جس چیز کا شریعت میں دلالۃً واشارۃً ثبوت موجود ہو، اس کے اجراء کرنے میں ثواب ہوگا اور وہ وہی فعل ہوگا جس کا داعیہ اور محرک خیر القرون میں موجود نہ ہو

بلکہ بعد کو پیش آیا ہو اور ادلہ اربعہ میں سے کسی دلیل کے تحت وہ داخل ہو۔ چنانچہ اسی حدیث میں حسنۃً کی قید موجود ہے اور اہل سنت کے نزدیک کسی امر شرعی میں حسن یا قبح نہیں پایا جاسکتا جب تک کہ شریعت کا اس سے ثبوت نہ ہو۔ اور بدعات کی تو شریعت نے جڑ کاٹ کر رکھ دی ہے۔ اس سے بھلا ان کا حسن ہونا کہاں سے اور کیسے ثابت ہوگا؟ الغرض اس روایت سے بدعات کے جواز پر استدلال کرنا محض جہالت اور شریعت مطہرہ سے خالص بغاوت ہے۔ اھ بلفظہ ملاحظہ ہو۔ [راہِ سنّت صفحہ ۱۱۳]

الجواب

گکھڑوی صاحب کا یہ جواب درست ہو تو اس سے کم از کم ان کے پہلے دو جواب غلط ہو گئے کیونکہ انہوں نے دلالۃً واشارۃً ثبوت'' کے الفاظ سے مان لیا ہے کہ ہیئت کذائیہ کا صریحاً ثبوت کچھ ضروری نہیں۔ نیز وہ جس امر کو پہلے بدعت سیئہ مذمومہ کے لفظوں سے یاد کر رہے تھے 'اب'' اس کے اجراء کرنے میں ثواب ہوگا'' کہہ کر انہوں نے اپنے سارے کیے پر پانی پھیر دیا ہے۔ نیز پہلے کہہ رہے تھے کہ سَنَّ کا معنٰی جاری کرنا ہے ہی نہیں اور حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے مرید و خلیفہ اور ان کی تعلیمات کے صحیح وارث وامین حضرت علامہ عبدالسمیع امدادی رام پوری نے جب یہ معنٰی کیا تو موصوف اس پر دانت پیسنے لگے تھے' اب اسے بھی انہوں نے تسلیم کر لیا ہے جیسا کہ ان کے الفاظ ''اس کے اجراء کرنے'' میں سے صاف ظاہر ہے پھر جاری کرنے کی بجائے ''اجراء کرنے'' میں جو ان کی فصاحت کارفرما ہے' وہ بھی لائق داد ہے۔

باقی داعیہ اور محرک کا ان کا فلسفہ ہی سرے سے بے بنیاد اور مولوی ابن تیمیہ کا چربہ ہے جس کا بے اصل اور نہایت درجہ غلط ہونا ہم اپنی اس کتاب کے جلد دوم میں تفصیل سے بیان کر آئے ہیں لہٰذا اس پر کھڑی کی گئی ان کی پوری عمارت خود بخود بیوند خاک ہوگئی نیز حسن وقبح کے شرعی یا عقلی ہونے کی وضاحت بھی ہم ابھی مباح کی ابحاث میں کر آئے ہیں۔

اسی طرح معمولات اہل سنت کو بدعات سیئہ سے تعبیر کرنے کا غلط اور بہتان عظیم ہونا بھی ہم بارہا ثابت کر چکے ہیں نیز یہ بھی کہ بفضلہ تعالیٰ کوئی سنّی کسی بھی بدعت مذمومہ کا قطعاً حامی یا طرف دار نہیں ہے حدیث من سن فی الاسلام سنة حسنة الخ سنی موقف کی زبردست دلیل ہے جس سے انکار کج فہمی' یا تجاہل

عارفانہ ـــــ نبوی ﷺ سے کھلم کھلا انحراف اور واضح روگردانی ہے۔ ولنعم ما قیل۔

ہے یہ گنبد کی صدا　　جیسی کہو ویسی سنو

بحث حدیث ''ماراٰہ المسلمون حسنا'' الخ:

اس کے بعد گکھڑوی صاحب نے حدیث ''ماراٰہ المسلمون حسناً فھو عنداللہ حسن'' پر کلام کرتے ہوئے ''مفتی احمد یار خان صاحب وغیرہ کی ایک اور غلطی'' کی سرخی لگا کر لکھا ہے کہ:

''اکثر اہل بدعت ہر قسم کی بدعات کے جواز پر ایک حدیث پیش کیا کرتے ہیں جس کو مفتی احمد یار خان صاحب نے بھی نقل کیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں: وقال علیہ السلام ماراٰہ المسلمون حسناً فھو عنداللہ (جاء الحق صفحہ ۳۰۱) جس چیز کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہے''۔

اس روایت کو سامنے رکھ کر وہ جملہ بدعات کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ چونکہ مسلمان ان کو اچھا سمجھتے ہیں لہٰذا وہ خدا تعالیٰ کے نزدیک بھی اچھی ہی ہوں گی اور اچھے کام پر تو نہ گرفت ہوتی ہے اور نہ گناہ''۔ اھ بلفظہ ملاحظہ ہو [راہِ سنّت صفحہ ۱۱۳]۔

الجواب

معمولات اہل سنت کو بدعات کے نام سے یاد کرنا اہل تنقیص کا اور ان مین خصوصیت کے ساتھ گکھڑوی صاحب کا عام شیوہ ہے ورنہ بتائیں کہ وہ اکثر تو کجا کسی ایک بھی ذمہ دار سنّی عالم نے کب، کہاں اور اپنی کس کتاب میں کون سی بدعت کو جائز اور اچھا قرار دیا اور اس کے لئے اصول مقرر کیا ہے؟ ع

شرم نبی، خوف خدا　　یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

رہا پیش نظر حدیث سے اس کے متعلق مسائل کے بارے میں استدلال؟ تو ائمہ شان میں سے کسی کو بھی اس سے اختلاف نہیں پس حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ اس میں متفرد نہ ہوئے بلکہ گکھڑوی صاحب نے جاء الحق کے جس مقام کا حوالہ دیا ہے وہاں پر بھی حضرت موصوف نے اپنا عندیہ پیش فرمانے کی بجائے صاحب درمختار اور صاحب ردالمحتار کی عبارات پیش فرمائی ہیں جن میں عرف اور تعامل کو دلیل بناتے ہوئے اس حدیث سے استناد کیا گیا ہے۔ گکھڑوی صاحب نے جب دیکھا کہ ان سے جواب نہیں بن پڑ رہا تو انہوں

نے عافیت اس میں سمجھی کہ آگے پیچھے کاٹ کر پیش نظر حدیث کا یہ حصہ نقل کیا اور اس سب کا ذمہ دار ہی حضرت مفتی صاحب کو ٹھہرا کر ان پر دانت پیسنے شروع کر دیئے جیسے انہوں نے یہ سمجھ لیا ہو کہ ان کی نام کی راہِ سنّت کا مطالعہ کرنے والے سب ان کے ہر قول پر سر دھننے والے ان کے جاہل جی حضوریے ہوں اور آنکھیں بند کر کے ان کی ہر بات کو قرآن وحدیث کا درجہ دینے والے ہوں بہر حال ان کا یہ اعتراض نہایت درجہ غلط ہی نہیں انتہائی سخت خطرناک بھی ہے کیونکہ اس سے انہوں نے ان تمام ائمۂ اسلام کو اہل بدعت بنا کر رکھ دیا ہے جنہوں نے اس حدیث سے مبحث فیہ استدلال کیا ہے بلکہ یہ ان کی مذہبی خودکشی کی بدترین مثال بھی ہے کیونکہ اس میں خود ان کے بعض اکابر دیوبند بھی شامل ہیں۔ ہم سب سے پہلے حدیث ہٰذا کے ماٰخذ ومناقل کی نشاندہی پھر اس سے زیر بحث استدلال کرنے والے بعض علماء اسلام نیز کچھ مقتدایان گکھڑوی کا ذکر کریں گے۔ وما توفیقی الا باللہ۔ وھو حسبما یاتی:

حدیث ہٰذا کے بعض ماٰخذ ومناقل:

ملاحظہ ہوں:

۱ مسند احمد جلد ا صفحہ ۳۷۹ طبع مکۃ المکرّمہ (مسند ابن مسعود رضی اللہ عنہ) ولفظہ: عن عبداللہ بن مسعود قال ان اللہ نظر فی قلوب العباد فوجد قلب محمد ﷺ خیر قلوب العباد فاصطفاہ لنفسہ فابتعثہ برسالتہ ثم نظر فی قلوب العباد بعد قلب محمد ﷺ فوجد قلوب اصحابہ خیر قلوب العباد فجعلھم وزراء نبیہ یقاتلون علی دینہ فمارأی المسلمون حسنا فھو عنداللہ حسن وما رأ واسیّئا فھو عنداللہ سیّی اھ۔

۲ مسند طیالیسی جزء نمبر ا صفحہ ۳۳ حدیث نمبر ۲۴۶ طبع بیروت (مسند ابن مسعود رضی اللہ عنہ) ولفظہ: "عن عبداللہ قال ان اللہ عز وجل نظر فی قلوب العباد فاختار محمداً (ﷺ) فبعثہ برسالاتہ وانتخبہ بعلمہ ثم نظر فی قلوب الناس بعدہ فاختار لہ اصحابہ فجعلھم انصار دینہ ووزراء نبیہ ﷺ فما راٰہ المؤمنون حسنا فھو عنداللہ حسن وماراٰہ قبیحا فھو عنداللہ قبیح" اھ۔

۳ المستدرک للحاکم جلد ۴ صفحہ ۲۸ حدیث نمبر ۴۵۲۲ طبع بیروت ولفظہ: "عن عبداللہ قال ما رای المسلمون حسنا فھو عنداللہ حسن وماراٰہ مسلمون سیّئا فھو عند اللہ سیّی وقد رای الصحابۃ جمیعاً ان یستخلفوا ابابکر رضی اللہ عنہ" ھذا حدیث صحیح الاسناد ولم یخرجاہ ولہ شاھد اصح منہ الاان فیہ ارسالاً" اھ۔

۴ شرح السنہ للبغوی جلد ا صفحہ ۱۸۶، ۱۸۷ حدیث نمبر ۱۰۵ طبع بیروت ولفظہ: عن ابی وائل قال قال

عبدالله ان الله تعالیٰ اطلع فی قلوب العباد فاختار محمد صلی الله علیه وسلم فبعثه برسالته وانتجبه بعلمه ثم نظر فی قلوب الناس بعد فاختار له اصحابا فجعلهم انصار دینه ووزراء نبیه صلی الله علیه وسلم فماراٰه المؤمنون حسنا فهو عندالله حسن وما راٰه المؤمنون قبیحا فهو عندالله قبیح ''اھ۔

۵ البدایہ والنہایہ جلد ۱۰ صفحہ ۳۲۷' ۳۲۸ ولفظه وقال الامام احمد مثل المستدرک وقال ''اسناده صحیح ''۔اھ۔

۶ نصب الرایہ للزیلعی جلد ۴ صفحہ ۳۲۴' ۳۲۳ باب الاجارۃ الفاسدۃ طبع لاہور (بحوالہ احمد' الحاکم' البزار' المدخل وکتاب الاعتقاد للبیهقی' مسند الطیالسی' حلیه ابی نعیم ومعجم طبرانی قلت غریب مرفوعاً ولم اجده الاموقوفاً علی ابن مسعود رضی اللہ عنہ)

۷ مجمع الزوائد للہیثمی جلد ۱ صفحہ ۱۷۸ طبع بیروت (رواه احمد والبزار والطبرانی فی الکبیر ورجاله موثقون اھ)۔

۸ المقاصد الحسنہ للسخاوی حدیث نمبر ۹۵۹ صفحہ ۳۶۷ طبع بیروت (بحوالہ کتاب السنه للامام احمد البزار' طبرانی' ابونعیم وکتاب الاعتقاد للبیهقی . قال وهو موقوف حسن)۔

۹ ہدایہ للامام المرغینانی (مع النصب) جلد ۴ صفحہ ۲۴ طبع لاہور (ولفظه قال علیه الصلوٰة والسلام ماراٰه المسلمون فهو عندالله حسن اھ)۔

۱۰ شرح العنایہ لاکمل الدین البابرتی جلد ۸ صفحہ ۳۹ (ولفظه قال صلی الله علیه وسلم ماراٰه المسلمون حسنافهو عندالله حسن اھ)۔

۱۱-۱۲ الدر المختار للحصکفی جلد ۵ صفحہ ۳۶ کتاب الاجارۃ (ولفظ وقال علیه الصلوٰة والسلام ماراٰه المسلمون حسنا فهو عندالله حسن ـقلت والمعروف وقفه علی ابن مسعود کما ذکره ابن حجر اھ۔ نیز جلد ۳ صفحہ ۴۱۴ کتاب الوقف)۔

۱۳ ردالمحتار علی الدر المختار جلد ۳ صفحہ ۴۱۴ کتاب الوقف جلد ۵ صفحہ ۳۶ کتاب الاجازۃ (بحوالہ کتاب السنه لاحمد البزار ـ الطیالسی ـ الطبرانی ـ الحلیة لابی نعیم ـ هو موقوف حسن وتمامه فی حاشیه الحموی عن المقاصد الحسنة نیز جلد ۱ صفحہ ۲۸۶' ۲۸۷ باب الاذان)۔

۱۴ البنایہ شرح الہدایہ لشیخ الاسلام العینی جلد ۹ صفحہ ۳۳۶ باب الاجارۃ الفاسدۃ (بحوالہ مسند احمد'

البزار المدخل، الإعتقاد، ابوداؤد الطیالسی - حلیة ابی نعیم - معجم طبرانی - وقال "ولکن رفع ھذا الحدیث الی النبی صلی اللہ علیه وسلم غیر صحیح وانما ھو موقوف علی ابن مسعود رضی اللہ عنه. قال ابن عبدالھادی وقد اخطاء بعضھم فرفعه ثم قال وقد روی مرفوعاً من حدیث انس لکن اسناده ساقط - اھ)۔

اقول: لاحظ "التعلیق الممجد علی موطا محمد" صفحہ ۱۴۴ حاشیہ ۱ بحوالہ العلل المتناھیة فی الاحادیث الواھیة لابن الجوزی مع السند والکلام علی حدیث انس رضی اللہ عنہ۔

۱۵ مرقاۃ المفاتیح لعلی القاری جلد ۱ صفحہ ۲۱۷ طبع ملتان (ولفظه وروی عن ابن مسعود ماراه المسلمون حسنا فھو عنداللہ حسن اھ)۔

۱۶ مرویات ابن مسعود للدکتور الشریف المنصور العبد لی جلد ۱ صفحہ ۳۱۳ حدیث نمبر ۳۲۱ (بحوالہ مسند احمد اسناده ضعیف الان ضعفه یتجبر بالمتابع اوالشاھدالخ)۔ [طبع جدۃ]

۱۷ الدرایة فی تخریج احادیث الھدایة للحافظ ابن حجر صفحہ ۳۰۶۔

۱۸ حاشیہ المستدرک جلد ۴ صفحہ ۲۸ تحت حدیث نمبر ۴۵۲۲ (بحوالہ مسند احمد - الامالی للزینی - البزار - کشف الاستار - طبرانی کبیر ابوداؤد الطیالسی - معجم ابن الاعرابی - الفقیه والمتفقه للخطیب - وھذا سند حسن لاجل کلام لا یضر فی عاصم اھ)۔

۱۹ تاریخ الخلفاء للسیوطی ۹۱۱ھ صفحہ ۶۶ قبیل فصل فی مبایعۃ ابی بکر رضی اللہ عنہ (بحوالہ الحاکم - قال اخرجه الحاکم وصححه - طبع میر محمد کتب خانہ کراچی)۔

۲۰ تحفۃ الاخیار ونخبۃ الانظار للعلامہ عبدالحی للکنوی ۱۳۰۴ھ الاصل الاول صفحہ ۳۴ طبع حلب (بحوالہ مسند احمد - کتاب السنة له، بزار - طیالسی - طبرانی - حلیة الاولیاء - الاعتقاد للبیھقی - موطا محمد - مستدرک. المدخل للبیھقی. المقاصد الحسنة. نسب الرایة. البنایة شرح الھدایه)۔

۲۱ الاشباہ والنظائر للام ابن نجیم القاعده السادسة من النوع الاول من الفن الاوّل - (قال العلائی لم اجد مرفوعاً فی شیٔ من کتب الحدیث اصلاً ولا بسند ضعیف بعد طول البحث وکثرة الکشف والسؤال وانما ھو من قول عبداللہ بن مسعود (موقوفاً علیه اخرجه احمد فی مسنده اھ)۔

۲۲ موطا امام ربانی محمد بن حسن الشیبانی محرر المذہب النعمانی رحمہ اللہ تعالیٰ صفحہ ۱۴۴ باب قیام شہر رمضان وما فیہ من الفضل طبع قدیمی کراچی (ولفظہ: وقد روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال ماراٰہ المؤمنون حسنا فھو عنداللہ حسن وماراٰہ المسلمون قبیحا فھو عنداللہ قبیح اھ)۔

خلاصہ یہ کہ حدیث ہٰذا بالفاظ مختلفہ وبطریق متعدد مجملاً مختصراً ومطولاً مفصلاً حدیث کی کئی کتب تخریج ونقل میں مروی ومنقول ہے اور ائمہ شان نے اس کی تصحیح وتحسین فرمائی البتہ اس میں ان کا اختلاف ہے کہ یہ موقوف (قول ابن مسعود رضی اللہ عنہ) ہے یا مرفوع (ارشاد رسول اللہ ﷺ) ہے بعض اوّل کی طرف گئے اور کچھ نے ثانی کو اختیار فرمایا جب کہ اس کے حجّت ہونے میں ائمہ شان میں سے کسی کو اختلاف نہیں (اس کے موقوف و مرفوع ہونے کی کچھ بحث، حدیث ہٰذا پر گکھڑوی کے اعتراضات کے جوابات میں آ رہی ہے) لہٰذا حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا اسے دلیل کے طور پر لانا سولہ آنے صحیح ہے۔

"ماراٰہ المسلمون الخ"

امام محمد بن حسن شیبانی:

نماز تراویح کی جماعت کے مستحسن ہونے کا استدلال فرماتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں: قال محمد وبھٰذا کلہ نأخذ لاباٴس بالصلوٰۃ فی شھر رمضان ان یصلی الناس تطوعا بامام لان المسلمین قد اجمعوا علٰی ذلک ورأوہ حسنا وقد روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال ماراٰہ المؤمنون حسنافھو عند اللہ حسن وماراٰہ المسلمون قبیحا فھو عند اللہ قبیح اھ۔ [موطا محمد صفحہ ۱۴۳، ۱۴۴ باب قیام شہر رمضان۔ طبع قدیمی کراچی] یعنی محمد کہتا ہے کہ ہمارا اس سب پر عمل ہے لوگوں کا ماہ رمضان میں امام کی اقتداء میں (باجماعت) نماز تراویح پڑھنا درست ہے کیونکہ اہل اسلام نے بالاتفاق اسے اچھا کام قرار دیا ہے اور حضور نبی کریم ﷺ سے منقول ہے آپ نے فرمایا جس امر کو اہل ایمان اچھا کہیں تو وہ اللہ کے نزدیک اچھا ہوتا ہے اور جس کو برا سمجھیں تو وہ اللہ کے ہاں برا ہوتا ہے۔ اھ۔

صاحبِ ہدایہ:

فقہ حنفی کی معرکۃ الآراء کتاب ہدایہ کے مؤلف امام مرغینانی حنفی (ــــــہ) قدس سرّہ حمّام کی اجرت کے جواز کی دلیل دیتے ہوئے رقم طراز ہیں: قال علیہ الصلوٰۃ والسلام ماراٰہ المسلمون حسنا فھو

عنداللہ حسن یعنی ازروئے قیاس تو جائز نہیں کہ حمام کے استعمال سے فیصلہ ناممکن ہوتا ہے کہ نہانے میں کتنا پانی خرچ آئے گا لیکن مسلمانوں میں بلانکیر مروج ہے اس لئے درست ہے۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے: ماراٰہ المسلمون الخ جس امر کو مسلمان درست سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی درست ہوتا ہے اھ۔ [ہدایہ مع نصب الرایہ جلد۴ صفحہ ۴۲۴ باب الاجارۃ الفاسدہ]

شیخ الاسلام عینی:

فقیہ اُمّم محدّث اعظم شیخ الاسلام محمود العینی الحنفی (ـــــــہ ھ) شرح ہدایہ میں متذکرہ بالا مقام پر لکھتے ہیں: ذکر ھذا دلیلاً علٰی ان المسلمین اذا اجمعوا علٰی امر یکون ھذا مقبولا لا ن کل ماراٰہ المسلمون حسنا فھو عنداللہ حسن اھ (البنایہ شرح الھدایہ جلد ۹ صفحہ ۳۳۶ طبع مکۃ المکرمہ (۔یعنی صاحب ہدایہ نے اس حدیث کو اس امر کی دلیل کے طور پر پیش فرمایا ہے کہ مسلمان جس امر پر متفق ہو جائیں وہ قابل قبول ہوتا ہے کیونکہ جس امر کو مسلمان صحیح سمجھیں وہ اللہ کے ہاں بھی صحیح ہوتا ہے۔اھ۔

علامہ بابرتی:

علامہ اکمل الدین بابرتی حنفی (ـــــــہ ھ) نے بھی اس حدیث سے مذکورہ استدلال فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ [شرح العنایہ جلد۸ صفحہ ۳۹ طبع بیروت]

صاحب درّ مختار و صاحب ردالمختار:

صاحب درمختار علامہ حصکفی اور صاحب ردالمحتار علامہ شامی علیہما الرحمۃ نے بھی مسئلہ تثویب وغیرہ میں بھی حدیث ہٰذا سے بکثرت استدلال فرمایا ہے ملاحظہ ہو۔ [درمختار و ردالمحتار جلد ا صفحہ ۲۸۷ جلد ۵ صفحہ ۳۶ وغیرہما]۔

امام ابن نجیم مصری حنفی:

نیز مشہور حنفی علامہ امام ابن نجیم مصری حنفی (ـــــــہ ھ) الاشباہ والنظائر میں (فنّ اوّل کی نوع اوّل کے قاعدہ ششم میں) فرماتے ہیں: وھی ان العادۃ محکمۃ اصلھا قولہ علیہ السلام ماراٰہ المسلمون حسنا فھو عنداللہ حسن یعنی اس نوع کا چھٹا قاعدہ یہ ہے کہ مسلمان کا عرف و عادت اٹل چیز ہے جس کی ایک دلیل آپ علیہ السلام کا یہ ارشاد ہے ماراٰہ المسلمون الخ جسے مسلمان اچھا گردانیں وہ اللہ کے ہاں اچھا شمار ہوتا ہے۔

علامہ علی القاری:

مشہور محدث و شارح حدیث علامہ علی القاری رحمہ اللہ (جنہیں خوش فہمی سے گکھڑوی صاحب اپنا

ہم نوا سمجھتے ہیں) نے بدعت حسنہ اور ہیئت کذائیہ کے جواز واستحباب کی دلیل کے طور پر لکھا ہے: وروی عن ابن مسعود ماراٰہ المسلمون حسنا فھو عندا للہ حسن وفی حدیث مرفوع لایجتمع امتی علی الضلالۃ'' یعنی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے جس امر کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ عنداللہ اچھا ہوتا ہے اور ایک مرفوع حدیث میں اس طرح ہے کہ لا یجتمع الخ یعنی میری امت کا گمراہی پر متفق ہونا ناممکن ہے۔ ملاحظہ ہو [مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد ا صفحہ ۲۱۷ طبع ملتان]

علامہ عبدالحی لکھنوی:

مشہور محشّی نیز ممدوح ومعتمد علیہ گکھڑوی صاحب علامہ عبدالحی لکھنوی صاحب نے اس بارے میں لکھا ہے:

اعلم انہ قد جرت عادۃ کثیر من المتفقھین بانھم یستدلون بھٰذا الحدیث علی حسن ما حدث بعد القرون الثلثۃ من انواع العبادات واصناف الطاعات ظنّا منھم انہ قد استحسنھا جماعۃ من العلماء والصلحاء وما کان کذلک فھو حسن عنداللہ لھٰذا الحدیث (موطا محمد صفحہ ۱۴۴ حاشیہ نمبر ۲) یعنی بے شمار فقہاء کرام کی روٹین ہے کہ وہ قرون ثلٰثہ کے بعد کی نئی صورت کی نئی نیکیوں اور عبادتوں کو اس حدیث کی بناء پر مستحسن قرار دیتے ہوئے اور یہ کہتے ہیں کہ انہیں علماء وصلحاء کے ایک گروہ نے اچھا سمجھا ہے اور جو امر ایسا ہو اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہوتا ہے۔ اھ۔

منصور عبدلی سعودی سے:

جامعہ ام القریٰ مکۃ المکرّمہ کے استاذ منصور عبدلی سعودی صاحب نے اس حدیث کے متعلق لکھا ہے: ''استدل بالحدیث علی حجیۃ الاجماع والاستحسان''، یعنی ائمہ اسلام نے اس حدیث کو اجماع اور قیاس خفی کے حجت ہونے کی دلیل قرار دیا ہے۔ اھ ملاحظہ ہو۔ [مرویات ابن مسعود رضی تعالیٰ عنہ جلد ا صفحہ ۳۱۳ حدیث نمبر ۱۳۲۱ طبع جدّہ]

گکھڑوی کے پیش رو مفتی عزیز الرحمٰن دیوبندی:

نے ایک مسئلہ کی دلیل کے طور پر اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''تراویح کے ہر ایک ترویحہ میں تسبیح وتہلیل وغیرہ ادعیہ ماثورہ کا پڑھنا منقول ہے اور ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا صرف بعد ختم جملہ تراویح یعنی بست رکعت معمول ہے پس ایسا ہی کرنا چاہئے کما ورد

ما راٰہ المؤمنون حسناً فھو عند اللہ حسن‘‘ اھ۔ ملاحظہ ہو [فتاویٰ دیوبند جلد۴ صفحہ ۲۷۹ مسئلہ ۱۸۳۵ طبع ملتان]

ولنعم ما قیل ع جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے

خلاصہ: یہ کہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ حدیث ہٰذا قطعاً لائق احتجاج ہے البتہ اس کی نوعیت میں علماء کی تحقیقیں مختلف ہوئیں۔ بعض نے اسے لاتجتمع امتی علی الضلالۃ کے معنٰی میں لے کر اسے اجماع کی حجیت کی دلیل مانا ہے اور بعض نے اسے مسلمانوں کے عرف، عادت اور تعامل کے دلیل ہونے کا قول فرمایا ہے کہ بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں جو قدرتی طور پر خاموشی سے سب مسلمانوں میں مروّج اور ان کا معمول ہو جاتی ہیں اور سب بلا نکیر ان پر عمل شروع کر دیتے ہیں اس سے ان امور کی شرعی حیثیت متعین ہو جاتی ہے تفصیل ان منقولہ بالا عبارات میں دیکھی جا سکتی ہے۔ پس حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا اس سے زیر بحث استدلال قطعاً بجا اور بالکل درست ہے اور خیر سے خود گکھڑوی صاحب کے دیوبند کے مفتی اوّل بھی مسئلہ ہٰذا میں موصوف کا ساتھ چھوڑ کر حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمۃ کے ساتھ شامل ہو گئے ہیں لہٰذا انہیں چاہئے کہ وہ اب حضرت مفتی صاحب پر دانت پیسنے کی بجائے انہیں جو کچھ سنانا ہے، اپنے پیش رَو کو ہی سنائیں یا اس سلسلہ کی ساری صلواتیں پڑھ کر وہ انہیں پر پھونک دیں۔

حدیث ہٰذا پر گکھڑوی اعتراضات کے جوابات

اعتراض نمبر۱ (یہ روایت موقوف ہے) سے جواب:

گکھڑوی صاحب نے اس پر پہلا اعتراض یہ کیا ہے کہ یہ روایت مرفوع نہیں ہے بلکہ حضرت عبداللہ بن مسعود پر موقوف ہے دلیل کے طور پر علامہ زیلعی اور علامہ علائی کے اقوال نقل کئے ہیں کہ ’’لم اجدہ الا موقوفاً‘‘ نیز لم اجدہ مرفوعاً فی شیٔ الخ (ملخّصاً) ملاحظہ ہو [راہِ سنّت صفحہ ۱۱۳، ۱۱۴]

الجواب

اس کا گکھڑوی صاحب کو کچھ فائدہ یا ہمیں کچھ ضرر نہیں کیونکہ:

اوّلاً: گکھڑوی صاحب نے علامہ زیلعی کی عبارت کے نقل کرنے میں خیانت سے کام لیتے ہوئے محض

من مانا جملہ لیا ہے چنانچہ ان کی اسی عبارت سے پہلے متّصلاً لکھا ہے: ''قلت غریب مرفوعاً'' یعنی میں (زیلعی) کہتا ہوں کہ اس روایت کا مرفوع مروی ہونا نادر ہے (نصب الرایہ جلد۴ صفحہ ۳۲۳ باب الاجارۃ الفاسدہ)۔

ثانیاً: اس سے قطع نظر انہوں (علامہ زیلعی حنفی وعلائی شافعی) نے مرفوعاً وجدان کی نفی فرمائی ہے اس کے وجود کی نفی نہیں کی بالفاظ دیگر انہوں نے یہ فرمایا ہے کہ ہمیں مرفوعاً نہیں ملی۔ یہ نہیں کہ مرفوعاً ہے ہی نہیں جب کہ نہ ملنا اور ہے اور نہ ہونا اور ہے جس کی ایک مثال صاحب مشکوٰۃ کی یہ عبارت بھی ہے کہ فاکسب القصور الی ثعلبہ الدرایۃ لاولی جناب الشیخ رفع اللہ قدرہ فی الدارین حاشہ من ذلک اھ۔ (مقدمۃ المشکوٰۃ للمؤلف مع الطیبی جلد ا صفحہ ۷۸ طبع کراچی]

ثالثاً: اصول ہے کہ اثبات کو نفی پر ترجیح ہوتی ہے اور ابھی بکثرت حوالہ جات (حدیث ہٰذا کے بعض ماٰخذہ ومناقل کے زیرِ عنوان) گزرے ہیں کہ بہت سے ائمہ خصوصاً ائمہ احناف جیسے صاحب ہدایہ' صاحب عنایہ وغیرہما اور سب سے بڑھ کر صاحب الامام الاعظم' محرر مذہب اعظم حضرت امام محمد بن حسن شیبانی رحمہ اللہ نے اسے ''موطا محمد'' میں مرفوع قرار دیا ہے۔ نیز علامہ علامہ عبدالحی لکھنوی صاحب لکھتے ہیں: ان تیبہ الجم الغفیر من المفسرین والفقھاء والاصولیین الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم من غیر وجود طریق مرفوع لہ (الی) ذکرہ جمع منھم محمد اھ ملخصاً (موطا محمد صفحہ ۱۴۴ حاشیہ نمبر ا' نمبر ۲) یعنی یہ ناممکن ہے کہ مفسرین' فقہاء اور اصولیین کا ایک بہت بڑا گروہ جن میں حضور امام محمد بھی شامل ہیں' بغیر کسی ثبوت کے اسے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کر دیں۔اھ

بلکہ خود گکھڑوی صاحب نے بھی اس کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا ہے: ''بعض حضرات فقہائے کرام نے اس روایت کو مرفوع بیان کیا ہے''۔ ملاحظہ ہو۔ [راہِ سنّت صفحہ ۱۱۳]

ع مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

نہ معلوم ٹھیکیداری کی حد تک حنفیت کا دعویٰ ہونے کے باوجود ائمۂ احناف خصوصاً امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ گکھڑوی صاحب کو کیوں قبول نہیں اور اس کے برخلاف فیصلہ دینے میں کیا حکمت ہے؟

بالفاظ دیگر جن علماء نے حدیث ہٰذا کے موقوف ہونے کا قول کیا ہے' وہ صرف اپنے اپنے مطالعہ کی

بات کررہے ہیں کہ بصورت مرفوع ان کی نظر سے نہیں گزری یہ نہیں کہ سرے سے اس کا وجود ہی نہیں جب دوسرے ائمہ اس کا مرفوع ہونا بیان فرمارہے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ بصورت مرفوع ان کے ہاں ثابت ہے جب کہ علم، عدم علم پر حاکم ہوتا ہے۔

مرفوع ہونے کا ثبوت:

رہا اس کے مرفوع ہونے کا ثبوت؟ تو وہ دوطرح سے ہے ایک یہ کہ یہ بعض طرق میں صراحت کے ساتھ مرفوعاً مروی ہے چنانچہ ''حدیث ہٰذا کے بعض ماٰخذ'' کے زیرِ عنوان حوالہ نمبر میں شیخ الاسلام عینی سے ابھی گزرا ہے کہ ابن عبدالہادی کا قول ہے کہ وقد روی مرفوعاً من حدیث انس''یعنی یہ بروایت انس رضی اللہ عنہ مرفوعاً بھی مروی ہے۔

نیز علامہ عبدالحی لکھنوی صاحب نے اس کی نشاندہی کرتے ہوئے مکمل صورت میں پیش کردیا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''فبعد کثرة التتبع اطلعت علٰی سند مرفوع له فی کتاب العلل المتناهیة فی الاحادیث الواهیة لابن الجوزی ...... وهذه عبارته فی باب فضل الصحابة من کتاب الفضائل اخبرنا القزاز (الٰی) عن انس بن مالک قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان الله نظر فی قلوب العباد یجد قلباً اتقی من اصحابی فذلک اخیارهم فجعلهم اصحابا فما احسنوا فهو عند الله حسن وما استقبحوا فهو عند الله قبیح ''۔اھ ملاحظہ ہو[التعلیق المجد علی موطا محمد''صفحہ ۱۴۴ حاشیہ نمبر ا باب قیام شہر رمضان)۔

رہا ابن عبدالہادی کا یہ کہنا کہ ''لکن اسنادہ ساقط'' (البنایہ شرح الہدایہ جلد ۹ صفحہ ۲۳۶) کہ اس کی سند ساقط ہے۔اھ؟

یا رہا علامہ لکھنوی کا یہ کہنا کہ:

'' لکن لاسالما من القدح بل مجروحاً بغایة الجرح'' کہ اس کی سند سخت مجروح ہے قال المؤلف تفرد به النخعی قال احمد بن حنبل کان یضع الحدیث...... عن ابن عدی انه قال اجمعوا علٰی ان سلیمٰن بن عمرو النخعی یضع الحدیث وعن ابن حبان کان رجلا صالحا فی الظاهر الا انه کان یضع الحدیث وضعا وکان قدریا وعن الحاکم لست اشک

فی وضعہ للحدیث ''یعنی ابن جوزی نے کہااس کا راوی سلیمان بن عمرو نخعی اسے مرفوع بیان کرنے میں متفرد ہے۔ امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ وہ واضع الحدیث تھا۔ ابن عدی نے کہا اس کے واضع الحدیث ہونے میں محدثین کا اتفاق ہے۔ ابن حبان نے کہا کہ ظاہراً وہ نیک آدمی تھا لیکن وہ پکا واضع الحدیث اور قدری تھا۔ حاکم نے کہا مجھے اس کے واضع الحدیث ہونے میں کچھ شک نہیں اھ۔ ملخصاً ملاحظہ ہو۔ [التعلیق الممجد صفحہ ۱۴۴ حاشیہ نمبر ۱]

تو اس کا جواب یہ ہے کہ کسی کذاب و وضاع کی جملہ روایات کو رد کرنا اس لئے قطعاً نہیں ہوتا کہ واقع میں اس کی ہر ہر روایت وضع کردہ ہوتی ہے بلکہ یہ محض بر بناء احتیاط ہوتا ہے کہ جب اس سے وضع ثابت ہے تو عین ممکن ہے کہ اس کی تمام روایات اسی طرح کی ہوں۔

علاوہ ازیں خصوصیت کے ساتھ قطعاً ثابت نہیں ہے کہ سلیمان نخعی (مبحوث عنہ) نے پیش نظر روایت کو وضع کر کے پیش کیا تھا۔ علاوہ ازیں امام ربانی محمد شیبانی قدس سرّہ النورانی جب اس کا مرفوعاً ثابت ہونا بالتصریح لکھ رہے ہیں تو یہ اس بات کی روشن دلیل ہے کہ یہ روایت نخعی مذکور کے طریق سے ہٹ کر بھی ثابت ہے جب کہ ایک سند سے موضوع ہونا تمام اسناد کے موضوع ہونے کو مستلزم نہیں بلکہ امام طحطاوی حاشیہ درمختار میں تو یہ بھی لکھ گئے کہ الموضوع لایجوز العمل به بحال ای حیث کان مخالفا بقواعد الشریعة اما لو کان داخلاً فی اصل عام فلامانع منه لالجعله حدیثا بل لدخوله تحت الاصل العام (فتاویٰ افریقہ صفحہ ۵۰، ۵۱)

اس سے قطع نظر یہ مضمون حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بالاتفاق ثابت ہے جو صریحاً مرفوع نہ بھی مانا جائے تو وہ حکماً مرفوع ہے کیونکہ اس کا مضمون ان امور سے جن میں اجتہاد کا دخل نہیں ہوتا چنانچہ علامہ عبدالحی لکھنوی صاحب لکھتے ہیں:

''فلا یضر المقصود لان قول الصحابی فی مالا یعقل له حکم الرفع علی ماهو مصرّح فی اصول الحدیث فهٰذا القول وان کان قول ابن مسعود لکن لما کان ممالایدرک بالرأی والاجتهاد صار مرفوعاً حکماً فیصح الاستدلال به ''یعنی روایت ہٰذا کے موقوف ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ صحابی کا جو قول ایسے مسئلہ کے متعلق ہو جس میں رائے اور اجتہاد کا دخل نہ ہو تو اصول حدیث کی رو سے وہ حکماً مرفوعاً ہوتا ہے جب کہ حضرت ابن مسعود کا یہ قول بھی اسی

طرح کا ہے پس یہ حکماً مرفوع (اور قول رسول ہوا۔صلی علیہ وسلم) لہٰذا یہ لائق استدلال ہے۔

[التعلیق الممجد صفحہ ۱۴۴ حاشیہ نمبر۲]

اقولُ: حکماً مرفوع ہونے کی بناء پر یہی کہا جائے گا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ خلافت کے صحیح ہونے کی دلیل کے طور پر ما راٰہ المسلمون الخ کو پیش فرمایا اور اس کی شہرت کی بناء پر صریحاً اس کا رفع نہ فرمایا۔ بالفاظ دیگر حضرت ابن مسعود دراصل یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ حضرت صدیق اکبر کو خلیفہ اوّل بنانے پر سب صحابہؓ کرام نے اتفاق کرلیا جب کہ مسلمانوں کا کسی امر پر متفق ہوجانا اور اجماع کرلینا اس کے صحیح ہونے کی دلیل ہوتا ہے پس حضرت صدیق کی خلافت صحیح ہوئی جیسا کہ اس روایت کے بعض طرق میں اس کی تصریح موجود ہے (کما رواہ الحاکم وغیرہ قدمر) اس کی متبادل حدیث لاتجتمع امتی علی الضلالۃ ابداً ہے جیسا کہ علی القاری رحمہ اللہ کے عبارت سے ظاہر ہے (وقد مرّت)۔اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ بعض ائمہ شان نے اس حدیث کو حجیت اجماع کی دلیل کے طور پر پیش فرمایا ہے جیسے صاحب ہدایہ، علامہ عینی اور علامہ علی القاری وغیرہم رحمہم اللہ کی عبارات سے واضح ہے جو ابھی کچھ پہلے گزری ہیں جب کہ علماء اہل سنت نے قدیماً حدیثاً مسئلہ ہٰذا (خلافت صدیقی) کی بنیادی دلیل جس امر کو قرار دیا ہے وہ اجماع صحابہ ہی ہے جیسا کہ کتب کلام میں مصرّح ہے۔

اس سب سے قطع نظر اگر اسے (ما راٰہ المسلمون الخ کو) خالصۃً موقوف اور قول ابن مسعود رضی اللہ عنہ بھی کہا جائے تو وہ بھی بذات خود ایک بہت وزنی حجت اور دلیل شرع ہے کیونکہ حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصیت کے ساتھ ان کا نام لے کر ان کے اقوال کو حجت قاطعہ قرار دیا جس کی وضاحت ''ہم قصہَ زمین برزمین'' کے طور پر خود گکھڑوی صاحب ہی کی زبانی کیے دیتے ہیں چنانچہ اپنی اسی کتاب (نام کی راہِ سنّت) میں خود اپنے قلم سے لکھتے ہیں:

''اس میں کوئی شک نہیں کہ صحابی کا قول خصوصاً حضرت عبداللہ بن مسعود جیسے بارگاہ نبوت میں معتمد علیہ کا' اپنے مقام پر ایک وزنی دلیل ہے'' [راہِ سنّت صفحہ ۱۱۴]

بلکہ اس سے ساڑھے سات ورق آگے ''حضرت ابن مسعود کا مقام جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ وسلم کی بارگاہ میں'' کا عنوان دے کر مزید باحوالہ ڈنکے کی چوٹ پر اس امر کو تسلیم کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''یہ بات شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ آفتاب نبوت سے اکتساب نور کرنے کے بعد تمام حضرات

صحابہ کرام نجوم ہدایت تھے مگر بعض کو ایسے ایسے جزوی فضائل اور مناقب حاصل تھے کہ دوسرا کوئی ان میں ان کا ہم پلّہ نہیں ہوسکتا تھا۔ ان میں ایک شخصیت حضرت عبداللہ بن مسعود کی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان پر اس درجہ اعتماد تھا کہ آپ نے ارشاد فرمایا: جس چیز کو تمہارے لئے ابن مسعود پسند کرے میں بھی تمہارے لئے اس چیز کو پسند کرتا اور اس پر راضی ہوں (مستدرک جلد۳ صفحہ ۳۱۹ صحیح)۔ اور نیز ارشاد فرمایا کہ جس چیز کو تمہارے لئے عبداللہ بن مسعود پسند نہ کرے میں بھی اس چیز کو تمہارے لئے پسند نہیں کرتا (الاستیعاب جلد ا صفحہ ۳۵۹) امام نووی لکھتے ہیں کہ ابن مسعودؓ حضرات خلفاء راشدین سے بھی کتاب اللہ کے بڑے عالم ہیں (شرح مسلم جلد۲ صفحہ ۲۹۳)۔ آپ نے ملاحظہ کرلیا کہ حضرات صحابہ کرام میں درجہ اوّل کے مفسّر جن کو جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کلی اعتماد حاصل ہے...... اب جس کا جی چاہے ان کی پیروی کرے یا کسی اور کی۔ ع نبی اپنا اپنا امام اپنا اپنا اھ

ملاحظہ ہو [راہِ سنّت صفحہ ۱۳۰ باب چہارم]

سبحان اللہ۔ ع مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

اعتراض نمبر۲ (المسلمون سے مراد صحابۂ کرام ہی ہیں) سے جواب:

تیسرا اعتراض کرتے ہوئے گکھڑوی صاحب نے جو گوہرافشانیاں کی ہیں ان کی تفصیل مع جوابات حسب ذیل ہے۔ ملاحظہ ہو:

اعتراض: دوسری بحث یہ ہے کہ المسلمون سے کون مسلمان مراد ہیں؟ اگر الف اور لام اس میں جنس کے لئے ہو تو لازم آئے گا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت کے تہتّر فرقے سب کے سب ناجی ہوجائیں کیونکہ ہر ایک فرقہ ازراہ تدین اپنے معمول کو حسن ہی سمجھتا ہے اور یہ اس حدیث کے خلاف ہے جو ما انا علیہ و اصحابی کے الفاظ سے پیش کی جاچکی ہے'' [راہِ سنّت صفحہ ۱۱۴]

جواب: ''ما انا علیہ و اصحابی '' کے الفاظ نے جب متعین کردیا ہے کہ بہتّر ناری فرقے محض امت دعوت کے معنٰی میں مسلم ہیں۔ امت اجابت کے معنٰی میں مسلم صرف اور صرف ناجی اور جنّتی گروہ ہی ہے جو اہل سنت ہے تو اس بات کی گنجائش نہ رہی کہ وہ سب کے سب ناجی ہوجائیں''۔ یا یہ کہ ہر ایک فرقہ اپنے معمول کو حسن ہی سمجھتا ہے۔ پس اس واویلا کی ان کو قطعاً ضرورت نہ تھی کیونکہ اہل

سنت و جماعت اس کے سختی سے قائل ہیں جب کہ گکھڑوی صاحب کا خود ناجی جماعت سمجھنا یا ان کی جماعت کا ناجی گروہ ہونا سوئی کے ناکے سے اونٹ کو گزرانے کے قبیل سے اور ع

این خیال است ومحال است وجنوں' کا آئینہ دار ہے جس کی مکمل وضاحت مصباح سنت جلد اوّل میں گزر چکی ہے۔

اعتراض: ''اور اگر الف اور لام سے استغراق مراد ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جس چیز کو تمام مسلمان اچھا سمجھیں وہ چیز اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اچھی ہی ہوگی' تو اس سے اجماع امت مراد ہوگی' اور اجماع کے حسن ہونے میں کیا شک ہے؟ لیکن اس سے مبتدعین کو کوئی فائدہ نہ ہوگا کیونکہ بدعات کا وجود خیر القرون میں ہرگز نہ تھا لہٰذا سب مسلمانوں کا ان پر اتفاق و اجماع نہ ہوا''۔ [راہِ سنت صفحہ ۱۱۴]

جواب: گکھڑوی صاحب کے اس واویلا کی بنیاد ان کے اس مفروضے پر ہے کہ (۱) جو امر قرون ثلٰثہ سے بعینہٖ اور بہ ہیئتِ کذائیہ ثابت نہ ہو وہ بدعت سیئہ ہوتا ہے۔ بالفاظ دیگر کسی امر کے بدعت مذمومہ ہونے نہ ہونے میں قرون ثلٰثہ حاکم ہیں اور (۲) یہ کہ معمولات اہل سنّت ان کے حسب زعم بدعات سیئہ ہیں۔ نیز (۳) یہ کہ وہ خود بدعت سے بری اور بڑے پاک باز ہیں۔ جن کا از حد غلط ہونا ہم مصباح جلد اوّل و دوم میں ثابت کر آئے ہیں پس جب بنیاد ہی نہ رہی تو اس کے سہارے قائم کی گئی ان کی پوری عمارت پیوند خاک ہوگئی۔ مزید یہ کہ امام مرغینانی حنفی صاحب ہدایہ (وغیرہ) ائمہ شان نے اس حدیث کو اجماع کی دلیل کے طور پر پیش کیا ہے جیسا کہ ابھی زیر عنوان متدلین بالحدیث گزرا ہے پس گکھڑوی صاحب کے ہاتھ اس مقام پر بھی کچھ نہ رہا...... ''اجماع امت مراد ہوگی'' کے لفظوں سے جو فصاحت و بلاغت ٹپک رہی ہے۔ اسے بار بار پڑھئے اور سر دھنئے۔

اعتراض: ''اور اگر الف و لام سے عہد خارجی مراد ہو تو اس سے مسلمانوں کا ایک مخصوص طبقہ مراد ہوگا کہ مسلمانوں کا گروہ اور طبقہ جس چیز کو اچھا سمجھے وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اچھی ہوگی اور مسلمان کا وہ گروہ اولین درجہ پر بفحوائے حدیث ما انا علیہ واصحابی صرف حضرات صحابہ کرام کا گروہ ہی ہوسکتا ہے اور یہی بات صحیح ہے کہ جس چیز کو حضرات صحابہ کرام پسند کریں وہ اچھی ہوگی۔ اگر حضرت عبداللہ بن مسعود کی اس روایت اور ان سے مروی دیگر روایات سرسری نظر سے دیکھ لیا جائے تو المسلمون سے حضرات صحابہ کرام کا گروہ ہی متعین ہو جاتا ہے'' (اس کے بعد گکھڑوی صاحب نے طیالسی' نیز

مسند احمد، نصب الرایہ، الدرایہ اور المستدرک للحاکم زیر بحث روایت کے الفاظ نقل کئے ہیں جو ''حدیثِ ہٰذا کے ماخذ و مناقل'' کے زیر عنوان ہم ابھی بلا کمی و کاست نقل کر آئے ہیں۔ سعیدی بقلمہٖ)۔ [راہِ سنّت صفحہ ۱۱۵]

جواب: جب حدیث ہٰذا کا مرفوع ہونا ثابت ہو گیا ہے تو اَلْمُسْلِمُوْنَ کا بوجوہ عموم پر ہی ہونا متعین ہو گیا۔ اعنی (۱) سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلّم کی نسبت سے سب مسلمان ہی اس میں آئیں گے (۲) خصوصاً جب کہ علماء نے اسے اجماع اور تعامل کی دلیل نیز حدیث لاتجتمع امتی علی الضلالۃ ابداً کا متبادل بتایا جب کہ اجماع یا تعامل صرف صحابہ ہی کا نہیں، ہر دور کے مسلمانوں کا حجت ہے۔ جس کی مثالوں میں مسئلہ تثویب (جو صحابۂ کرام کے بعد علماء کوفہ کا مجوزہ ہے کما فی شروح الہدایہ وغیرہ فی باب الاذان) نیز اجرۃ حمام کے جواز کا مسئلہ بھی ہے (کما فی الھدایہ و شروحھا من باب الاجارۃ الفاسدۃ)۔ ہاں یہ اپنی جگہ پر مسلّم ہے کہ اس سلسلہ میں حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم قطعاً حتماً جزماً یقیناً پہلے نمبر پر ہیں نیز یہ کہ بعد والے بھی سب نہیں بلکہ صرف وہی ہیں جو معتبر فی الباب ہیں یعنی کاملین و راسخین فی العلم چنانچہ علامہ علی القاری پھر علامہ عبدالحی لکھنوی رقم طراز ہیں کہ: ''المراد بالمسلمین زبد تھم وعمد تھم وھم العلماء بالکتاب والسنۃ الا تقیاء عن الشبھۃ والحرام'' یعنی یہاں المسلمین کا مصداق وہ کھرے اور خالص و مخلص حضرات ہیں جو کتاب و سنت کے جاننے والے نیز محرمات اور مشتبہات سے اجتناب کرنے والے ہوں۔ [التعلیق المجد صفحہ ۱۴۴ حاشیہ ۲ بحوالہ المرقاۃ] لہٰذا قول ابن مسعود رضی اللہ عنہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ذکر بطور مثال ہے بطور حصر ہرگز نہیں۔ فاحفظہ فانہ مھمّ جدّا۔ اس سب سے قطع نظر اگر یہ اوّل وہلہ میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق بھی ہو تو بھی مضر نہیں کیونکہ قاعدہ ہے کہ خصوص سبب کو نہیں عموم الفاظ کو دیکھا جاتا ہے (لاعبرۃ لخصوص السبب بل لعموم الالفاظ) خصوصاً جب کہ اس میں کوئی ایسا لفظ بھی نہیں جو حصر کا معنٰی دیتا یا اس کی دلیل ہو۔ لہٰذا عموم الفاظ کے پیش نظر صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے قیامت تک کے متبعین کاملین بھی الحاقاً ان میں شامل ہیں جس کی ایک مثال حضرت کعب بن عجرہ (صحابی) رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''فمن کان منکم مریضا او بہ اذی من رأسہ ففدیۃ من صیام'' الخ کے اترنے کا سبب خصوصی طور پر تھا لیکن ہے یہ سب کے لئے۔ حیث قال ''فنزلت فی خاصّۃ ولکم

عامّة''۔ [صحیح بخاری جلد۲ صفحہ ۶۴۸ کتاب التفسیر]

خلاصہ یہ کہ الف ولام عہد خارجی کا بہانہ بھی گکھڑوی صاحب کو کچھ مفید نہیں جس طرح جنسی اور استغراقی کی توجیہات کا انہیں کچھ فائدہ نہیں ہوا۔ وللہ الحمد ——

بحث ہٰذا میں گکھڑوی صاحب کے سلف کی نشاندہی:

المسلمون کی لام تعریف کی یہ بحث گکھڑوی صاحب کا اپنا ذاتی کمال نہیں بلکہ اس میں ان کا سلف صاحب مجالس الابرار اور ان کی کتاب مجالس ہے جو نہایت درجہ غیر معتبر کتاب ہے اور کم از کم یہ کہ وہ ہم پر کسی طرح کچھ حجت نہیں کیونکہ وہ کلیۂ بدعت میں تیموی افکار کا پیروکار ہی نہیں بلکہ اس نے اپنی کتاب میں یہ پوری کی پوری بحث مولوی ابن تیمیہ کی کتاب اقتضاء الصراط سے نقل شدہ ہے جس کی مکمل باحوالہ تفصیل مصباح جلد دوم، سوم میں گزر چکی ہے۔ فمن شاء الاطلاع علیه فلیرجع الیه۔ لہٰذا اس پر یہ محاورہ صادق آتا ہے کہ ''کھودا پہاڑ نکلا چوہا اور وہ بھی مرا ہوا'' اس کی تفصیل یہ ہے کہ سب سے پہلے مارأہ المسلمون کی یہ بحث صاحب مجالس الابرار نے لکھی جو مجلس نمبر ۱۸ میں ہے۔ ملاحظہ ہو [صفحہ ۱۷۱ تا صفحہ طبع دارالاشاعت کراچی]

پھر اس سے مولانا عبدالحئی لکھنوی صاحب نے ''تحفۃ الاخیار باحیاء سنۃ سیّد الابرار'' میں نقل کی۔ ملاحظہ ہو [صفحہ ۴۵ تا صفحہ طبع حلب، و لفظه، وقال ملا سعدالرومی فی المجلس الثامن عشر من کتابه مجالس الابرار الخ]

اس کے بعد تحفۃ الاخیار سے گکھڑوی صاحب کے شیخ الاسلام شبیر احمد عثمانی دیوبندی صاحب نے اپنی کتاب فتح الملہم شرح مسلم میں نقل کی۔ ملاحظہ ہو [جلد۲ صفحہ ۴۰۹ طبع مکتبہ رشیدیہ کراچی]

چنانچہ آخر میں ان کے لفظ ہیں: ''ملخصاً من تحفة الاخیار للحافظ اللکنوی'' اھ بلفظہ۔

پھر فتح الملہم سے گکھڑوی صاحب نے حوالہ دیئے بغیر اپنا علمی کمال بنا کر پیش کرتے ہوئے اسے راہِ سنت میں بھرتی کیا۔ ملاحظہ ہو [صفحہ ۱۱۴ صفحہ ۱۱۵] سبحان اللہ۔ ع

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں مے کنند

مجالس الابرار کا مؤلف ایک معمہ:

سابقہ جلدوں میں متعلقہ مقام پر تفصیل سے گزرا ہے کہ ''مجالس الابرار'' کے مؤلف کا نام گکھڑوی صاحب کے بزرگوں نے ''شیخ احمد رومی'' بتایا خود گکھڑوی صاحب نے اس کا نام قاضی ابراہیم لکھا ہے جب

کہ مولانا عبدالحی لکھنوی صاحب نے ''ملا سعد رومی'' تحریر کیا ہے جیسا کہ ابھی ان کی عبارت گزری ہے۔ پس مجالس الابرار کا مؤلف ایک معمّہ ٹھہرا جس کتاب مذکور کی پوزیشن کمزور سے کمزور قرار پاتی ہے وھوالمقصود۔

گکھڑوی صاحب کے شیخ الاسلام کا علمی تبحر:

تحفۃ الاخیار میں علامہ لکھنوی صاحب نے ازراہ مسامحت لکھا تھا کہ:

''وقد نسب جماعة هٰذا الحديث منهم الامام الرازى فى التفسير الكبير والعينى فى شرح الهداية وغيره من شراح الهداية الى النبى صلى الله عليه وسلم وقالوا قال رسول الله صلى الله عليه وعلىٰ آله وسلم "ماراٰه المسلمون حسنا فهوا عندا لله حسن ''اھ۔[تحفۃ الاخیار صفحہ ۴۷ طبع حلب]

جب کہ حقیقت یہ ہے کہ علامہ عینی اس کے رفع صریحی کے قائل نہیں ہیں۔ جیسا کہ البنایہ سے ہم ان کی اس سلسلہ کی صریح عبارت نقل کر آئے ہیں۔ نیز خود علامہ لکھنوی صاحب بھی اسی کتاب کے حاشیہ میں صفحہ ۴۵ پر لکھ چکے ہیں کہ ''وقال العينى فى البناية شرح الهداية ٣: ١٥١ رفع الحديث الى النبى صلى الله عليه وسلم غير صحيح ''اھ۔[نخبۃ الانظار علی تحفۃ الاخیار صفحہ ۴۵]

عبدالفتاح ابوغدہ لکھتے ہیں: فى كلام المؤلف هنا تسامح بذكر العينى مع المذكورين'' (حاشیہ تحفہ صفحہ ۴۷)

بایں ہمہ گکھڑوی صاحب کے شیخ الاسلام عثمانی صاحب نے آنکھیں بند کر کے بعینہٖ تحفہ کی مذکورہ عبارت نقل کر دی ہے۔ ملاحظہ ہو (فتح الملہم جلد ۲ صفحہ ۴۰۹) جس سے ان کے ''تبحر علمی'' کا پتہ چلتا ہے۔

مگر اتنی بڑی چوک کے باوجود گکھڑوی صاحب یہاں پر ایسے خاموش ہیں کہ جیسے کوئی بات ہی نہ ہوئی ہو جب کہ اپنے خصوم کے متعلق وہ بلاوجہ شور کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ نہ معلوم موصوف کی یہ خاموشی اپنے بزرگوار کی عیب پوشی کی بناء پر ہے یا وہ بھی ان سے کچھ حاصل کر کے فناء فی الشیخ کے مقام پر پہنچ چکے ہیں ؏ کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

اعتراض: ''بلکہ حضرت عبداللہ بن مسعود امت کو تاکید کرتے ہیں کہ وہ حضرات صحابۂ کرام کے نقش قدم پر چلیں اور ان کی خلاف ورزی نہ کریں کیونکہ ان کی اتباع ہی میں فلاح ہے'' (اس کے بعد حضرت ابن مسعود کا قول من کان مستنا الخ بحوالہ مشکوۃ جلد ۱ صفحہ ۳۲ نقل کر کے لکھا ہے کہ) اس روایت سے نہایت صراحت اور وضاحت سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کے

نزدیک المسلمون کا مصداق صرف اولئک اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھے اور یہی وہ مفہوم ہے جس کو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ما انا[2] علیہ واصحابی سے تعبیر فرمایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے ایک طرف صحابہ کرام کی اتباع کی تاکید اور اس کے خلاف ابتداع کی مذمت کی ہے اتبعوا[3] آثار ولاتبتدعوا فقد کفیتم (الاعتصام جلد صفحہ ۵۴) اور دوسری طرف سختی سے ان لوگوں کی تردید کی اور ان کو مسجد سے[4] نکال دیا جنہوں نے مل کر بلند آواز سے ذکر کرنے اور درود شریف کو پسند کیا تھا (جس کا ذکر باحوالہ آگے آئے گا) اور ان کے اس فعل کو انہوں نے حسن اور اچھا نہ سمجھا کیونکہ ان لوگوں کا یہ طریقہ حضرات صحابہ کرام کے طریقہ کے خلاف تھا۔ اھ ملخصاً بلفظہ [راہِ سنّت صفحہ ۱۱۶٬۱۱۷]

جواب: اسنادی مباحث سے قطع نظر، یہ روایات ہمارے کسی طرح خلاف نہیں کیونکہ ان کا مفہوم صرف اتنا ہے کہ جس امر کا کرنا یا نہ کرنا جمہور اصحاب کرام سے ثابت ہو اس کی خلاف ورزی جائز نہیں جو بعینہٖ سنّی موقف ہے جب کہ بحث مسکوت عنہا امور کے بارے میں ہے لہٰذا گکھڑوی صاحب کا ان روایات کو لانا ان کا صریح مغالطہ ہے۔ اسی طرح حضرت ابن مسعود کے ان لوگوں کو مسجد سے نکال دینے کی روایت بھی ہمارے خلاف نہیں خود گکھڑوی صاحب کے صریحاً خلاف ہے کیونکہ وہ لوگ صحابۂ کرام نہ بھی ہوں تو کم از کم تابعین ضرور تھے جو خیر القرون کا حصّہ تھے جنہیں گکھڑوی صاحب یہاں بدعتی قرار دے رہے ہیں جب کہ پہلے وہ یہ کہہ رہے تھے کہ ان سے بدعت متصور ہی نہیں بلکہ سنت ہی وہی ہے جو قرون ثلٰثہ میں سے کسی سے ثابت ہو۔

اسی طرح یہ کہہ کر کہ ''ان (صحابہ) کی اتباع ہی میں فلاح ہے'' انہوں نے ایک بار پھر تابعین اور اتباع کو خارج کر کے اپنی پوری محنت ضائع کر دی اور اپنے کئے پر پانی پھیر دیا ہے ع

اس گھر کو آگ لگی گئی گھر کے چراغ سے

(مسجد سے نکال دینے کی روایت پر مکمل بحث اگلے باب میں آ رہی ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ)۔

اعتراض نمبر ۳ (کہ یہ روایت اہل سنت کے خلاف ہے) سے جواب:

اس سلسلہ کا تیسرا اور آخری (بلکہ باب ہٰذا کا بھی آخری) اعتراض کرتے ہوئے گکھڑوی صاحب نے لکھا ہے کہ:

تیسری بحث یہ ہے کہ جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ المسلمون سے حضرات صحابۂ کرام کے پاک نفوس مراد ہیں تو اس روایت کا مطلب یہ ہوا کہ جس چیز کو حضرات صحابۂ کرام نے اچھا سمجھا تو وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہی ہوگی اور جس چیز کو حضرات صحابہ کرام نے برا اور قبیح سمجھا تو وہ چیز عند اللہ بھی بری اور قبیح ہوگی۔ اور اہل بدعت حضرات کو اس سے اختلاف نہیں ہوسکتا کہ بیشتر بلکہ جملہ وہ بدعات جن پر وہ کاربند ہیں، حضرات صحابہ کرام سے ثابت نہیں ہیں۔ اگر وہ چیزیں ان کے نزدیک بھلی اور اچھی ہوتیں تو وہ ہرگز ان سے نہ چھوٹتیں۔ اور اگر وہ ان کے نزدیک بری اور قبیح نہ ہوتیں تو وہ ضرور ان پر عمل کرتے۔ ان کا علم بھی وسیع اور عمیق تھا اور جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ عشق بھی کامل تھا۔ خوف خدا اور فکر آخرت بھی ان میں اعلیٰ درجہ پر تھا۔ لہٰذا جس چیز کو انہوں نے قبیح سمجھ کر اس پر عمل نہیں کیا تو یقیناً وہ چیز اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی قبیح اور بری ہی ہو گی۔ بہرکیف یہ روایت جملہ بدعات کی تردید کی دلیل ہے نہ کہ ان کی تائید اور ان کی ترویج اور اشاعت کی۔ مگر اللہ تعالیٰ جس کو سنت کے سمجھنے کی توفیق دے اور پھر اس پر عمل کی توفیق بخشے۔ یہ راستہ ہے تو کافی دشوار گزار مگر بحمد اللہ تعالیٰ

ہم خوش ہی خوش ہیں عشق سے گو راہ عشق میں
زنجیر و طوق ودار و رسن جا بجا ملے

اھ بلفظہٖ ملاحظہ ہو [راہِ سنّت صفحہ ۱۱۷]

جواب: المسلمون کے مصداق کے متعلق ہم مکمل باحوالہ لکھ آئے ہیں کہ ہمارے ائمہ خصوصاً حضرت امام محمد اور امام رشدانی صاحب ہدایہ حدیث کے مرفوع ہونے کے قائل ہیں اور انہوں نے نیز ہمارے بعد کے دیگر متعدد ائمہ شان نے اسے اجماع امت اور تعامل امت کی حجیت کی دلیل کے طور پر پیش فرمایا اور دور صحابہ بلکہ قرون ثلٰثہ کے کافی بعد کے علماء اسلام کے معمول کو بھی اس کی رو سے حسن قرار دیا ہے۔ تفصیل وہیں پر ملاحظہ کریں۔ لہٰذا یہ گکھڑوی صاحب کی شومئ قسمت یا ان کی اصلیت کی وضاحت ہے کہ وہ حنفیت کے بلند بانگ دعوے کے باوجود اپنے ائمہ سے اپنی کتاب کے اس باب کے ہی آخر میں نہیں بلکہ اپنی زندگی کے بھی آخری مرحلے اور پینڈے میں کھلا انحراف اور کھلی بغاوت کررہے ہیں۔ نیز ہم ٹھوس دلائل سے یہ بھی واضح کر آئے ہیں کہ اگر المسلمون کا

مصداق صحابہ کرام ﷺ کو قرار دیا جائے تو بھی یہ سنّی موقف کے کسی طرح خلاف نہیں کہ کلی مشکک کے طور پر پہلے مصداق یقیناً وہی حضرات ہیں جب کہ ان کے اس میں حصر اور گکھڑوی صاحب کی ''ہی'' کا کوئی ثبوت نہیں۔ نیز یہ کہ ان کی خلاف ورزی کا مطلب محض یہ ہے کہ جب ان (تمام یا جمہور) سے کسی امر کا کرنا یا نہ کرنا ثابت ہو تو اس کے برخلاف کی اجازت نہ ہوگی۔ گکھڑوی صاحب کی غلطی یا مغالطہ آفرینی یہ ہے کہ وہ پیوند کاری اور ہاتھ کی صفائی سے کام لیتے ہوئے بڑی چابک دستی کے ساتھ مسکوت عنہ امور کو ان میں شامل کر رہے ہیں جس کا رد بار بار گزر چکا ہے۔

گکھڑوی صاحب اس میں ذرہ بھر سچے ہیں تو وہ اہل سنت کے جن معمولات کو بدعات کا عنوان دے رہے ہیں ان میں سے کسی کے متعلق ثابت کر کے دکھائیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین مثلاً معاذ اللہ میلاد شریف منانے یا نماز جنازہ کے بعد دعا کو قبیح اور برا سمجھتے تھے مگر وہ ایسا قطعاً نہیں کر سکتے جب کہ عدم فعل کو عدم جواز کی دلیل بنانا بھی ان کا صریح مغالطہ ہے۔ پھر بھی نہ مانیں تو مصباح جلد سوم میں ہمارے پیش کردہ ان بے شمار امور کو حسب دعویٰ خود صحابہ کرام سے ثابت کریں جیسے نماز پنجگانہ نیز نماز عیدین کے بعد اجتماعی صورت میں ہاتھ اٹھا کر ان کی جماعت جو دعائیں کرتی ہے، دکھائیں صحابہٴ کرام نے بہیئت کذائیہ یہ کام کب کئے تھے۔ بہر حال یہ گکھڑوی صاحب کی محض لفاظی ہے جو انہیں کسی طرح مفید نہیں کیونکہ علمی میدان میں دلائل کام آتے ہیں، چٹکلے اور ڈھکوسلے نہیں۔ شعر وہ ایسے سنا رہے ہیں جیسے وہ اپنی گکھڑ کی مسجد میں اپنے جی حضوریوں اور طرح داروں کی مجلس میں بیٹھے ہوں پھر وہ بھی اس حوالہ سے عشق کا دعویٰ تو کر رہے ہیں مگر دلیل کا مرحلہ صفر بٹہ صفر ہے اور ان کا یہ دعویٰ محض زبانی جمع خرچ ہے۔ دلیل یہ ہے کہ اہل محبت اور عاشق صادق محبوب کی نہ تو تنقیص کر سکتا ہے اور نہ ہی تنقیص کرنے والوں کو تحفظ فراہم کر سکتا ہے جب کہ موصوف پیشہٴ تنقیص میں امامت کا درجہ رکھتے ہیں جس کی مکمل با حوالہ تفصیل کے لئے مصباح جلد اوّل کا مطالعہ کیا جائے۔ امام اہل سنت اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مجدد ملت مولانا الشاہ احمد رضا خان قادری فاضل بریلوی نور اللہ مرقدہٗ نے کیا ہی خوب فرمایا ہے ؎

کرے مصطفٰی کی اہانتیں، کھلے بندوں اس پر یہ جرأتیں
کہ میں کیا نہیں ہوں میں محمدی؟ ارے ہاں نہیں، ارے ہاں نہیں!